ماہنامہ
کرن
نومبر 2013
اس شمارے کے ساتھ
کرن کتاب
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 600 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 6000 روپے

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

نومبر 2013

جلد 36 شمارہ 8

قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

نومبر کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اسلامی سال کا آخری اور پہلا مہینہ قربانی کی عظیم داستانوں کے گواہ ہیں۔ محرم الحرام کی شروعات کے ساتھ ہی حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قربانی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ حسین ابن علی نے حق کے لیے صرف اپنی ہی نہیں اپنوں کی بھی قربانی دے کر بے نظیر مثال قائم کی۔ مفاد پرست، ابن الوقت، خود غرض مسلمانوں کے لیے تو حق بات کہنا ہی ایک کارِ محال ہے، اپنے نفس کو شرمندہ کرنا ہی دشوار عمل ہے۔

بے حسی کے اس دورِ بے اماں میں ملکی حالات کو دیکھتے ہوئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر فرد اپنی اصلاح کا بیڑہ خود اٹھائے، اپنے ہر اچھے بُرے عمل کا احتساب خود کرے، اپنی روزمرہ زندگی کو باریک بینی سے دیکھتے ہوئے ان برائیوں، خرابیوں، کجی، کمی —— عیوب و نقائص کو جو اجتماعی بگاڑ کا سبب بن رہے ہیں اصلاح معاشرہ کے لیے درست کرنے کی کوشش کرتے ہوئے حسین ابنِ علی کا مقلد بن جائے کیونکہ اور کوئی طریقہ نہیں اس عظیم الشان قربانی کی پیروی کا۔

ادارہ اپنے قارئین کو نئے اسلامی سال کی مبارک باد دیتا ہے۔ سال کے اختتام اور نئے سال کی آمد پر اللہ تعالیٰ سے آنے والے سال کی بہتری اور خوشگواری کے لیے دعا کریں۔ آنے والا سال ہم سب کے لیے خوشیاں لے کر آئے۔ (آمین)

اس شمارے میں،

- فیضان خواجہ سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "میری بھی سنیے" میں ٹیپو شریف کی باتیں،
- "آواز کی دنیا" سے عظمیٰ بلوچ کی گفتگو،
- "مقابل ہے آئینہ" میں سونیا ربانی،
- نبیلہ عزیز اور فوزیہ یاسمین کے سلسلے وار ناول،
- فرحت عمران اور سدرۃ المنتہیٰ کے مکمل ناول،
- سعدیہ عزیز آفریدی، ریحانہ امجد بخاری اور لبنیٰ طاہر کے ناولٹ،
- سیدہ صنوبر، بشریٰ احمد، نور عین اور صائمہ نصیر احمد کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

مفت،

کرن کتاب "طبِ نبویؐ سے علاج" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیشِ خدمت ہے۔
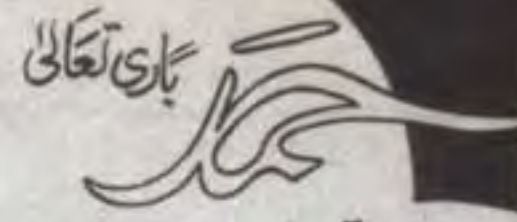
پا رہے ہیں رزق سب انسان بھی حیوان بھی
وہ ہے خالق، وہ ہے رازق اور ہے منان بھی

نعمتیں اُس نے زمیں کو دی ہیں بے شمار
اُس کے احساں کے مظاہر کھیت بھی کھلیان بھی

رحمتہ اللعالمینؐ کو اُس نے بھیجا ہے یہاں
اہلِ عالم پر ہوا ہے اُس کا یہ احسان بھی

ہے عطا اُس کی، ہماری رہنمائی کے لیے
سیرتِ شاہِ مدینہ، بے بدل قرآن بھی

شرک جو کرتے ہیں جانیں یہ گنہ ظلم عظیم
مانتا ہے وحدتِ معبود کو شیطان بھی

بخشتا ہے وہ گناہوں کو، وہ کرتا ہے گرفت
نام اس کا ایک ہے قہار، وہ رحمٰن بھی

قبول کرتا ہے دعا، ہر شر سے یہ محفوظ ہو
خار و خس تخلیق اُس کی، سنبل و ریحان بھی

تنویر مقبول
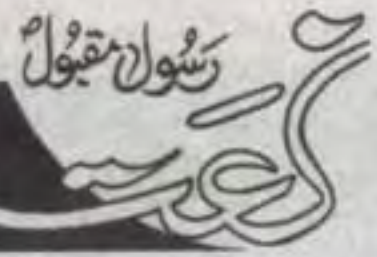
دل کی دنیا میں ہے روشنی آپؐ سے
ہم نے پائی نئی زندگی آپؐ سے

کیوں نہ نازاں ہوں اپنے مقدر پہ ہم
ہم کو ایمان کی دولت ملی آپؐ سے

کل بھی معمور تھا آپؐ کے نور سے
ہے منور جہاں آج بھی آپؐ سے

دشمنوں پر بھی در رحمتوں کا کھلا
راہ و رسمِ محبت چلی آپؐ سے

دل کا غنچہ چٹکتا ہے صلی اللہ
اپنے گلشن میں ہے تازگی آپؐ سے

سب جہانوں کی رحمت کہا آپؐ کو
کتنا خوش ہے خدا یا نبی آپؐ سے

ختم ہے آپ پر شانِ پیغمبری
یہ روایت مکمل ہوئی آپؐ سے

ناصر کاظمی

فیضان خواجہ سے ملاقات

شاہین رشید

ایک اچھا آرٹسٹ وہی ہوتا ہے جو اپنی پہلی پرفارمنس سے ہی ناظرین کو متاثر کرے اور میں سمجھتی ہوں کہ فیضان خواجہ بھی ایک ایسا ہی آرٹسٹ ہے جس نے اپنی اداکاری سے ناظرین کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور اس میں ورسٹائل فنکار بننے کی بھی بہت صلاحیت ہے۔ بشرطیکہ وہ کرداروں کے انتخاب میں ورائٹی رکھیں۔ ویسے انہوں نے اب تک جتنا بھی کام کیا ہے، بہت عمدہ کیا ہے۔

* "جی فیضان کیسے ہیں اور کیا مصروفیات ہیں۔ کیا آن ایئر ہے اور کیا انڈر پروڈکشن ہے؟"

☆ "جی اللہ کا شکر ہے اور مصروفیات تو ماشاء اللہ کافی ہیں اور جناب جو آن ایئر ہیں ان میں "ماتم" "سوہا اور سویرا" "میری ماں" اور "من کے موتی" آن ایئر ہے۔ آنے والے ڈراموں میں "کلموہی" اور "مجازی خدا" شامل ہیں۔"

* "کام کیسا چل رہا ہے؟ ماشاء اللہ پرفارمر تو آپ بہت اچھے ہیں؟"

☆ "جی پسند کرنے کا شکریہ۔ کام بہت اچھا چل رہا ہے مگر ہم فنکاروں کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ کبھی کام ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔"

* "گویا ابھی تک ہوائی روزی ہے؟"

☆ "جی بالکل ٹھیک، آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ کچھ پتا نہیں ہوتا کہ تین مہینے کے بعد آپ کیا کر رہے ہوں گے اور پھر ڈرامے تو بن جاتے ہیں مگر کچھ پتا نہیں ہوتا کہ آن ایئر کس چینل سے ہوں گے۔"

* "بقول آپ کے یہ ہوائی روزی ہے تو پھر اس کے علاوہ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

☆ "فی الحال تو فل ٹائم کام کر رہا ہوں اور اس کام سے فرصت ہی نہیں مل رہی کہ کچھ اور کروں اور چونکہ والد صاحب کی طرف سے میرا بزنس بیک

گراؤنڈ ہے تو میں والد کے بزنس میں ہی آنا چاہتا ہوں اور اپنے والد کے بارے میں بتاؤں کہ ان کا نام "رشید خواجہ" ہے اور ٹی وی کے لیے کام کرتے ہیں وہ دو فلمیں پروڈیوس کر چکے ہیں۔ ٹی وی سیریلز کر چکے ہیں اور 3 مختلف چینلز کے لیے بھی کام کر رہے ہیں۔"

* "آپ کا ڈرامہ سیریل "سسرال کے رنگ انوکھے" دیکھا تھا۔ اف اس میں تو آپ کو بہت غصے والا دکھایا گیا تھا۔ اصل میں کیسے ہیں آپ؟"

☆ "اصل میں میں بالکل بھی ایسا نہیں ہوں۔ بڑا سوبر، بہت ٹھنڈے مزاج کا انسان ہوں اور میرے لیے بھی بڑا مشکل تھا۔ کیونکہ ہر سین میں چیخنا چلانا ہوتا تھا کیونکہ کردار کی ڈیمانڈ تھی مگر کیا کرتے کہ کرنا تھا اور ہم سیٹ پر بھی ہنس رہے ہوتے تھے کہ دیکھو ہم ایسے نہیں ہیں اور دوست یار بھی انجوائے کرتے تھے میرے اس کردار سے۔ جبکہ اس سے پہلے اک نئی سنڈریلا میں میرا کردار بالکل برعکس تھا۔ تو بس اس کو فنکار کہتے ہیں کہ وہ ہر طرح کے کردار کو اس طرح کرے کہ سچ کا گمان ہو۔"

"فیضان خواجہ کے بارے میں آپ کو بتائیں کہ یہ 7 جنوری 1986ء میں امریکہ کے شہر ٹیکساس میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ کا تعلق حسن ابدال سے ہے جبکہ والد صاحب کراچی میں ہی پیدا ہوئے اور یہیں پر مستقل رہے والدہ کا نام ہمنی خواجہ اور والد کا نام رشید خواجہ ہے والد صاحب کشمیری ہیں چھ فٹ 1 انچ کے اس نوجوان نے فلم میکنگ ٹیلی وژن پروڈکشن اینڈ تھیٹر میں بیچلر ڈگری حاصل کی ہے اور ابھی اس فیلڈ میں بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں اس لیے شادی کرنے کے بارے میں سوچا نہیں ہے۔ فیضان کا ایک ہی بھائی ہے جو ان سے چھوٹا ہے۔"

* "فیضان آپ امریکہ میں پیدا ہوئے۔ جہاں جانے کے لیے ہمارے نوجوان بے چین رہتے ہیں اور آپ نے پاکستان کا انتخاب کیا..... کیوں؟"

☆ "سب مجھ سے یہی سوال کرتے ہیں اور میں ان کو یہی جواب دیتا ہوں کہ میں اپنے ملک کی خدمت کر رہا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ جو ہماری فیلڈ ہے اس میں نئے لوگوں کو آنا چاہیے اور میرے پاس opitons ہیں کہ میں امریکہ واپس جا سکتا ہوں لیکن میں امریکہ والی زندگی نہیں جینا چاہتا مجھے پاکستان پسند ہے اور میں پاکستان میں رہنا چاہتا ہوں ہم لوگ اپنے ملک میں بہت Privileged ہیں یہ کیا کم ہے۔"

* "آپ کی جو سوچ ہے، بہت کم لوگوں کی ہوتی ہے۔ جو صرف پاکستان کو ترجیح دیتے ہیں؟"

☆ "بات دراصل یہ ہے کہ آپ اپنے ملک میں رہ کر زیادہ ترقی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جو اپنے ملک میں سہولتیں ہوتی ہیں وہ اور کہیں نہیں ہوتیں۔ ویسے میری فیملی تو پاکستان میں ہی ہے لیکن میرے والد صاحب کی فیملی میں یعنی میرے ددھیال میں آدھے لوگ پاکستان میں ہیں اور آدھے لوگ امریکہ میں رہتے ہیں۔"

* "فیوچر پلاننگ کیا ہے آپ کی؟"

★ "جی میرا ارادہ تو یہی ہے کہ میں ان شاء اللہ "فیچر فلم" بناؤں گا اور یہ میرا بحیثیت اداکار کے ایک جدوجہد کا دور ہے اور اس دور میں میں کچھ کرنا چاہتا ہوں میں پاکستان فلم انڈسٹری کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔"

* "شوبز میں کیسے آئے؟"

★ "میں انڈیا میں پڑھ رہا تھا اور جب میرا گریجویشن مکمل ہوا تو میرے پاس دو چوائس تھیں یا تو میں وہاں انڈیا میں رہ کر اپنے فیوچر کے لیے جدوجہد کروں یا پھر پاکستان آؤں، پھر کچھ ایسے حالات ہو گئے کہ انڈیا اور پاکستان کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی تو میں واپس آ گیا اور چونکہ والد کا تعلق بھی اس انڈسٹری سے ہے تو میں نے ان سے مشورہ لیا کہ کیا کروں۔۔۔ تو انہوں نے کہا کہ انڈیا کے حالات بھی بہت خراب ہیں تو وہاں جانا نا ممکن ہے تو میرا فوکس ایک دم سے change ہو گیا اور میں نے پاکستان فلم اینڈ ٹی وی انڈسٹری کو سمجھنا شروع کیا اور بحیثیت اداکار کے اپنے کام کا آغاز کیا اور کام بھی کر رہا ہوں اور کام کو سیکھ بھی رہا ہوں اور یہ کام تو ایسا ہے کہ ساری عمر ہی لگ جاتی ہے سیکھنے اور سمجھنے میں۔"

* "تو پھر ٹی وی پہ آنے کا آغاز کس ڈرامے سے ہوا۔"

★ "میں نے جو پہلا ڈرامہ کیا تھا اس کا نام "سورج مکھی" تھا ______ اس میں میں بابر علی کا چھوٹا بھائی بنا تھا اور اس کے ڈائریکٹر سہیل افتخار صاحب تھے اور میرا خیال ہے کہ ابھی تک میرے دس سے بارہ ڈرامہ سیریل آن ایئر آ چکے ہیں اور ٹیلی فلمز اس کے علاوہ ہیں اور جن ڈرامہ سیریلز سے میری پہچان ہوئی یا جو بہت پاپولر گئے ان میں "سسرال کے رنگ انوکھے۔ اک نئی سنڈریلا، میری سہیلی میری ہمجولی، میری لاڈلی، "عکس" اور آج کل "میری ماں" کافی پسند کیے گئے۔"

* "دیکھا گیا ہے کہ اس فیلڈ میں آنے کے لیے یا تو خود سے بہت جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ جس کا رزلٹ اچھا نہیں ہوتا یا پھر کسی کا ہاتھ ہوتا ہے تو آپ کیا کہیں گے؟"

★ "جی۔۔۔ ایسا ہے اور مجھے شوبز میں جو بات بری لگتی ہے اور مجھے انڈیا اور پاکستان میں جو فرق نظر آیا وہ یہ کہ یہاں پاکستان میں نئے لوگوں کو بہت جدوجہد کرنی پڑتی ہے اپنی جگہ بنانے کے لیے اگرچہ جدوجہد تو ہر فیلڈ میں ہوتی ہے مگر شوبز کی جدوجہد کچھ اور ہی طرح کی ہوتی ہے۔ یہاں کام حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ پروفیشنلزم نہیں ہے۔ ابھی تو پورا سسٹم ہے جو ڈیولپ ہونا ہے اور جب سسٹم ڈیولپ ہو گا تو پھر نئے لوگوں کے لیے راستے کھلیں گے۔ ایک پلیٹ فارم بن جائے گا۔"

* "گویا ابھی سارے کام تعلقات پر چل رہے ہیں۔ یہ بتائیں کہ کس سین میں پرفارم کرنا مشکل لگتا ہے؟"

★ "جی جی بالکل۔۔۔ اور سچ بتاؤں مجھے رومانٹک سین یا رومانٹک کردار کرنا بہت مشکل لگتا ہے اور ہر اداکار کی کوئی نہ کوئی کمزوری۔ ہوتی ہے تو میری کمزوری یہ ہے کہ میں رومانٹک سین آسانی سے نہیں کر سکتا۔ مگر کر لیتا ہوں، کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپ نے برا کیا ہے "اک نئی سنڈریلا" میں جس طرح shy دکھایا گیا ہوں ویسا ہی ہوں۔ اصل زندگی میں کسی سے اظہار محبت نہیں کیا میں نے۔"

* "آپ نے اس فیلڈ میں مشکل سے جگہ بنائی یا سب کچھ آسانی سے ہوتا چلا گیا؟"

★ "ایسا نہیں ہے مجھے بھی اس فیلڈ میں جگہ بنانے کے لیے جدوجہد کرنی پڑی شروع شروع میں جب اس فیلڈ میں آیا تو کام نہیں ملتا تھا تو بہت پریشان رہتا تھا اور گھر والوں کے طعنے بھی الگ سننے پڑتے تھے مگر خیر جلد ہی سیٹ ہو گیا۔"

* "تعریف ہوتی ہے۔۔۔ اور تنقید؟ فینز نمبر بھی مانگتے ہوں گے؟"

★ "تعریف زیادہ ہوتی ہے، تنقید کم ہوتی ہے، مگر میں چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے بتائیں میں نے کہاں غلطی کی ہے، کہاں اچھا پرفارم کیا ہے۔ اس طرح انسان کی اصلاح ہوتی ہے اور کام بہتر سے بہتر ہوتا ہے اور ہاں فینز نمبر مانگتے ہیں تو دے دیتا ہوں، مگر جب کوئی تنگ کرتا ہے تو پھر پچھتاتا ہوں کہ میں نے کیا کیا۔ کیونکہ کالز کے علاوہ ایس ایم ایس بھی بہت آتے ہیں۔"

* "اگر فلم میں کام کریں گے تو کیا وہی ہیرو والے رول کریں گے جو سب کرتے ہیں؟"

★ "لیڈنگ رول تو ظاہر ہے کہ میں کروں گا ہی۔۔۔ لیکن اگر ایکشن فلم ہو گی تو پھر یوں سمجھیں کہ میری ایک دیرینہ خواہش پوری ہو جائے گی۔"

* "آپ کے کرداروں میں آپ کی شخصیت کا عکس ہوتا ہے؟"

★ "بالکل نہیں ہوتا کیونکہ میں تو ایکٹ کر رہا ہوتا ہوں۔ لیکن مجھے دیکھ کر لوگ کہتے ہیں کہ یہ کردار آپ کی شخصیت کے قریب ہے یا ڈائریکٹر کردار کرتے وقت کہتے ہیں کہ یہ کردار آپ بخوبی کر لیں گے کیونکہ آپ کی شخصیت کے قریب ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا میری جو outer look ہے وہ لوگوں کے لیے میری شخصیت ہے جبکہ اندر سے انسان بالکل مختلف ہوتا ہے اور اس کا انداز سب کو نہیں ہوتا۔"

* "ایک وقت تھا کہ جب ڈراموں میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے کچھ سین حقیقی طور پر فلمائے جاتے تھے جیسے مار دھاڑ، رونا۔ مگر اب کیمرہ ٹرک زیادہ ہوتی ہیں تو آپ یقین رکھتے ہیں اس بات پہ کہ سین حقیقی ہونے چاہئیں؟"

★ "جی، میری تو کوشش ہی یہی ہوتی ہے کہ سین حقیقی ہوں، کیونکہ تاثر ہی اسی سے بڑتا ہے تو مارنے اور مار کھانے کے کئی سین بالکل حقیقی کروائے ہیں۔ مثلاً "ایک سوپ ہم نے کیا تھا لولا ئف لاہور اس میں سمیع خان سے میں نے مار کھائی ہے میں شادی روکنے آتا ہوں اور وہ مجھے پکڑ کر مارتا ہے اور ایک ڈرامہ کیا تھا "اب کے ساون برسے" اس میں میں نے "نجیبا" کو مارا تھا وہ میری بیوی کا رول کر رہی تھی اور میرا رول بھی برا نگیٹو تھا۔ اس میں میں اسے بالوں سے پکڑ کر باہر پھینکتا ہوں اور یہ سین دو تین ٹیکس میں ہوا تھا اور نجیبا کا اتنا برا حال ہو گیا تھا کہ کیا بتاؤں اور مجھے خود بھی بہت برا لگ رہا تھا کہ میں یہ کیا کر رہا ہوں۔"

* "لوگوں کے درمیان رہ کر اپنے آپ کو کیسا محسوس کرتے ہیں؟"

★ "اچھا محسوس کرتا ہوں اور جب لوگ پہچان کر دیکھنا شروع کرتے ہیں تو پھر لگتا ہے کہ میں ان لوگوں سے تھوڑا سا مختلف ہوں۔ ویسے آپ کو بتاؤں کہ میں اس فیلڈ میں اس لیے نہیں آیا کہ لوگ مجھے پہچانیں اور مجھے شہرت ملے، بلکہ میں اس عزم کے ساتھ آیا ہوں کہ مجھے کچھ اچھا کام کرنا ہے۔ مگر پھر بھی جب لوگ اپنے ساتھ تصویر بنوانے کا کہتے ہیں تو مجھے اچھا محسوس ہوتا ہے۔"

* "جھوٹ بولتے ہیں۔۔۔ اور اس فیلڈ میں کتنا سچ اور کتنا جھوٹ ہے؟"

★ "ہر فیلڈ میں سچ اور جھوٹ ہوتا ہے اور میں کوشش کرتا ہوں کہ جھوٹ نہ بولوں مگر میں نے یہ بھی تجزیہ کیا ہے کہ اگر آپ سچ بولیں گے تو زیادہ نقصان میں رہیں گے (قہقہہ) ہمارے ملک میں جھوٹ

بولنا ایک آسان کام بن گیا ہے اور میں اپنے آپ کو ذرا مختلف انداز میں پورٹریٹ کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور میں ان جگہوں پر سچ بول جاتا ہوں جہاں مجھے بولنا نہیں چاہیے۔"

* "کمپیوٹر ہماری زندگی میں بہت شامل ہو گیا ہے اس سے نقصان ہوا ہے یا فائدہ؟"

☆ "کمپیوٹر کے بہت سے فائدے ہیں بلکہ فائدے ہی فائدے ہیں اور بس ذرا سا نقصان یہ ہوا ہے کہ کمپیوٹر نے ہماری ہینڈ رائٹنگ کا ستیاناس کر دیا ہے۔ میری رائٹنگ کبھی امپرو ــــ نہیں ہو سکی کیونکہ ہمارے اسکول کے زمانے سے ہی کمپیوٹر آ گیا تھا' لوگوں کو خط لکھنا ہم نے بند کر دیا ای میلز ٹائپ کرنا شروع کر دیے۔"

* "اپنے ڈرامے دیکھتے ہیں یا سب کے؟"

☆ "جب سے میں خود اس فیلڈ میں آیا ہوں میں پاکستانی چینلز خصوصاً" ڈرامے شوق سے دیکھنے لگا ہوں تاکہ اپنے آپ کو اپ ڈیٹ رکھ سکوں کیونکہ مجھے اس فیلڈ میں آئے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔ ویسے اگر دیکھا جائے تو مجھے ڈسکوری چینل اچھا لگتا ہے۔ ایم ٹی وی شوق سے دیکھتا ہوں۔ یعنی جو باہر کے چینلز ہوتے ہیں وہ زیادہ شوق سے دیکھتا ہوں۔"

* "اپنے کردار کو نبھانے کے لیے ریسرچ کرتے ہیں؟"

☆ "بالکل ریسرچ کرتا ہوں اور ڈیلی لائف میں جو کچھ سیکھ رہا ہوتا ہوں۔ وہی کام آتا ہے ورنہ کچھ موویز دیکھ لیتا ہوں یا ریفرنس دیکھ لیتا ہوں اس کردار کے جو قریب ہو۔"

* "لوگوں کے ساتھ کیا باتیں شیئر کرنا چاہیں گے؟"

☆ "یہی کہ انسان دوسرے انسان کے ساتھ جتنی محبت اور care کر سکتا ہے کرے کیونکہ دنیا اس کا نام ہے اگر آپ اپنی سوچ کو پوزیٹو رکھیں تو لوگ آپ کے قریب رہیں گے کیونکہ پوری دنیا کے لوگوں کے جذبات محبت کے معاملے میں ایک جیسے ہوتے ہیں ہر کوئی محبت چاہتا ہے۔"

* "مذہبی آزادی کے کتنے قائل ہیں؟"

☆ "میں سمجھتا ہوں کہ ہر ایک کو مذہبی آزادی ہونی چاہیے کسی کے ساتھ تعصب پسندی نہیں ہونی چاہیے خواہ مذہب کے معاملے میں یا کسی کی ترقی کے معاملے میں۔ ہر انسان سے محبت کرنی چاہیے۔ چاہے وہ کسی بھی مذہب کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو' خواہ وہ امیر ہو یا غریب سب کے ساتھ ہمارا رویہ ایک جیسا ہونا چاہیے۔"

* "لوگوں سے کوئی شکایت؟"

☆ "ہاں لوگوں سے شکایت ہے کہ وہ فضول کاموں میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ کہیں مل کر بیٹھیں گے تو دوسروں کی برائیاں کریں گے۔ تو بس مجھے یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب کو اپنی لائف جینے دیں۔"

* "تھکے ہارے گھر آتے ہیں تو آتے ہی کیا دل چاہتا ہے؟"

☆ "تھک کر جب گھر آتا ہوں تو دل چاہتا ہے کہ کھانا مل جائے کیونکہ زوروں کی بھوک لگی ہوئی ہوتی ہے۔"

* "گھر سے باہر کھانا کھانا پسند نہیں کیا؟"

☆ "اچھا لگتا ہے گھر سے باہر کھانا۔ مگر ہمیشہ نہیں کبھی کبھار..... کیونکہ گھر کے کھانے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے اور پھر گھر پر کھانا کھانے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ کھانا کھائیں اور اپنے بستر پر جا کر آرام کریں یا پھر کمپیوٹر پہ ای میلز چیک کریں اور فیس بک پہ کیا ہو رہا ہے دیکھیں۔"

* "کیا بستر پر جاتے ہی سو جاتے ہیں؟"

☆ "نہیں مجھے ٹائم لگتا ہے۔ مگر یہ سکون ہوتا ہے کہ بستر پر ہوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے فیضان خواجہ سے اجازت چاہی۔

☼ ☼

میری بھی سنیے

ٹیپو شریف

شاہین رشید

1 میرا اصلی نام؟

سید یورج (Yorgue) ہے اور چونکہ میں ترکی کے شہر استنبول میں پیدا ہوا تھا تو شاید اس لیے میرے ماں باپ نے وہاں سے متاثر ہو کر یہ نام رکھا۔

2 پیار کا نام؟

وہ تو سب کو پتا ہی ہے ٹیپو کیونکہ Yorgue لوگوں کی زبان پر آسانی سے نہیں چڑھتا۔ اس لیے سب مجھے ٹیپو ہی کہتے ہیں۔

3 پیدائش کا سال/ شہر؟

24 اکتوبر 1978ء/ استنبول ترکی۔

4 ستارہ؟

اسکارپیو۔

5 قد؟

چھ فٹ 2 انچ۔ کافی اچھی ہائیٹ ہے میری۔

6 تعلیمی ڈگریاں؟

ڈگریاں ــــ صرف ایک ہی ڈگری ہے ایم بی اے کی۔

7 بہن بھائی؟

میرے والد نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی والدہ سے چھ بہن بھائی ہیں جبکہ میں اپنی والدہ کا اکلوتا بیٹا ہوں اس لیے میرا نمبر آخری یعنی ساتواں نمبر ہے۔

8 شوبز کی پہلی سیڑھی کس نے چڑھائی؟

کسی نے نہیں خود ہی کوشش کی اور کامیاب ہوا۔ اللہ کا شکر ہے کہ کسی کا احسان نہیں لیا۔

9 پہچان کس پروگرام نے دی؟

میرا پہلا پروگرام تو ایک مزاحیہ پروگرام تھا "سب سیٹ" کے نام سے اور جس ڈرامہ سیریل نے مجھے شہرت دی اس کا نام "تیرے جانے کے بعد" تھا۔

10 پریکٹیکل لائف میں کب آیا؟

اگر کمانے کے عمل کو پریکٹیکل لائف کا نام دیا جاتا ہے تو پھر تو میں بہت کم عمری میں ہی آ گیا تھا۔ میں جب آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا تو میں نے اپنے گھر کے باہر ایک "بک فیئر" لگایا تھا اور ایک دن میں تقریباً" 45 روپے کمائے تھے۔ خود سوچیے کہ اس وقت لوگوں کو کتابوں سے کتنا لگاؤ تھا۔

11 آنے والے وقت میں اپنے آپ کو کہاں دیکھتا ہوں؟

ان شاء اللہ ایک بہت ہی کامیاب انسان کی شکل میں اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہی تو۔

12 میں زندہ رہنا چاہتا ہوں؟

جب تک ایک کامیاب اداکار' ایک کامیاب سنگر اور ایک کامیاب انسان نہ بن جاؤں اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے کچھ کر سکوں۔

13 ملک سے باہر رہ کر کیا محسوس کیا؟

کہ وہاں آزادی کتنی ہے' امن و امان کتنا ہے' سکون کتنا ہے۔ چہروں پر اطمینان کتنا ہے ہر شخص مطمئن اور خوش دکھائی دیتا ہے اور ہر چیز خالص اور تازہ ہے۔ بہت کچھ نوٹ کرتا ہوں۔

14 حکومت عوام کے لیے کیا فری کرے کہ عیاشی ہو جائے؟

تعلیم کی سہولت مفت کر دے تو پورا معاشرہ سدھر جائے گا کیونکہ ترقی یافتہ ملک تعلیم کی وجہ سے ہی ترقی یافتہ ہوئے ہیں۔

15 پاکستان کے لیے میری سوچ؟

بہت محبت کرتا ہوں پاکستان سے' بس افسوس ہے تو اس بات پر کہ ایک اچھا ملک برے لوگوں کے ہاتھوں میں آکر تباہ و برباد ہو رہا ہے۔

16 محبت کے بارے میں آپ کے خیالات؟

یہ جو سوچ ہے نا لوگوں کی کہ محبت ایک بار ہوتی ہے یہ بالکل غلط ہے محبت ایک بار نہیں بار بار ہوتی ہے بلکہ بیک وقت دو تین سے بھی ہو سکتی ہے۔

17 لوگ میری تعریف کرتے ہیں کہ؟

کہ تم بہت خوب صورت اور اسمارٹ ہو۔

18 حسرت ہے مجھے کہ؟

کترینہ کیف کو حاصل کر لوں یا اس سے ملاقات کر لوں۔

19 میں اس حد تک شرمیلا ہوں کہ؟

کوئی لڑکی مجھے گھورتی ہے تو مجھے شرم آنے لگتی ہے اور میں نظریں دوسری طرف کر لیتا ہوں (قہقہہ)۔

20 میں منتظر ہوں اس دن کا؟

جب ہمارے ملک کے حالات اچھے ہو جائیں اور پاکستان کی عزت میں اضافہ ہو۔ لوگ اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں۔

21 تقریبات جو مجھے پسند ہیں؟

ایسی تقریبات جس کے لیے میرا اندازہ ہو کہ یہاں میرے مزاج کے لوگ نہیں ہوں گے' میں نہیں جاتا۔ بور ہونے سے بہتر ہے کہ گھر میں آرام سے بیٹھ جاؤ

22 برے لگتے ہیں مجھے وہ لوگ؟

جو کہتے ہیں' آپ کام کیا کرتے ہیں' بتاؤں کہ میں تو ایک آرٹسٹ ہوں تو ہنس کر طنزیہ کہتے ہیں یہ بھی بھلا کوئی کام ہے یا کوئی ڈھنگ کا کام کرو۔

23 زندگی ادھوری لگتی ہے؟

جس دن والدین سے بات نہ کروں یا دیکھ نہ لوں اللہ کے آگے سربسجود نہ ہوں اور کوئی اچھا کام نہ کروں تو۔

24 میری خواہش ہے کہ؟

کہ پوری دنیا کی سیر کروں۔۔۔ مگر ایسا ممکن نہیں۔

25 شوبز کی ایک برائی؟

ایک برائی؟ بہت سی برائیاں ہیں مگر ایک سب پر بھاری ہے کہ اس فیلڈ میں منافقت بہت ہے' دوغلا پن بہت ہے۔

26 محفل میں جاتے وقت کس بات کا خیال رکھتا ہوں؟

کہ صاف ستھرا' نہا دھو کر اور اچھا سا پرفیوم لگا کر جاؤں۔

27 انٹرنیٹ اور فیس بک سے دلچسپی؟

بہت زیادہ ہے۔ گھر آتے ہی پہلے کمپیوٹر آن کرتا ہوں اور میل چیک کرتا ہوں۔

28 کن کھانوں کی خوشبو بھوک میں اضافہ کر دیتی ہے؟

اٹالین کھانوں کی خوشبو

29 جھوٹ کب بولتا ہوں؟

معاف کیجیے گا میں صحافی نہیں ہوں۔

30 کب فریش ہوتا ہوں؟

صبح سویرے اور شام کے وقت۔

31 صبح اٹھتے ہی کس پر نظر پڑتی ہے؟

سامنے لگی ہوئی آیت الکرسی پر اسے پڑھ کر اپنے دن کا آغاز کرتا ہوں۔

32 میری اچھی عادت؟

دل کا صاف ہوں عداوت اور بغض نہیں رکھتا' غلطیوں کو نہ صرف معاف کر دیتا ہوں بلکہ بھول بھی جاتا ہوں۔

33 اور بری عادت؟

اگر کسی سے چڑ جاؤں تو پھر چڑتا ہی چلا جاتا ہوں' بڑی مشکل سے نارمل ہوتا ہوں۔

34 بہت افسوس ہوتا ہے؟

جب کام اپنی مرضی کا کرواتے ہیں اور معاوضہ بھی اپنی ہی مرضی کا دیتے ہیں۔ یہ بہت ناانصافی ہے

ہمارے یہاں۔

35 کس ملک کی شہریت کی خواہش ہے؟

برازیل۔

36 کن لوگوں کو بھول نہیں سکتا؟

ہر وہ انسان جو آپ کی زندگی میں آتا ہے اور کوئی اچھی بات کوئی اچھی یاد چھوڑ جاتا ہے اسے کبھی نہیں بھول سکتا اور میری زندگی میں اکثر ایسے لوگ آتے ہیں۔

37 ایک ایسا ملک جہاں جانے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا ہوں؟

ترکی۔۔۔ کیونکہ وہاں میں پیدا ہوا تھا۔ بہت سی یادیں ہیں میری اس ملک کے ساتھ۔

38 سائنس کی بہترین ایجاد؟

بے شمار ہیں' مگر فون سب سے بہترین ہے۔

39 غصہ کب آتا ہے؟

جب کوئی جھوٹ بول رہا ہو منہ پر' بے ایمانی کر رہا ہو۔ جب کوئی میری بات کو نہ سمجھ رہا ہو اور جنہیں دنیا کی کسی چیز سے دلچسپی ہو اور نہ ہی معلومات ہو۔

40 گھر والوں کی ایک عادت، جو بری لگتی ہے؟
کہ جب وہ میری پسندیدہ چیز بڑی فراخ دلی کے ساتھ کسی اور کو کھانے کی آفر دیتے ہیں یا کھلا دیتے ہیں۔
41 نیند کب سکون کی آتی ہے؟
جب بہت تھکا ہوا ہوتا ہے۔ ویسے بھی جب میں سونے کی نیت سے لیٹتا ہوں تو پانچ دس منٹ میں گہری نیند سو جاتا ہوں۔
42 زندگی میں کن لوگوں نے دکھ دیے؟
بہت سے لوگوں نے اور دوستوں نے تو بہت زیادہ سچ ہے، جن پر اعتبار کرو وہ ہی دکھ بھی دیتے ہیں۔
43 خواتین کب بری لگتی ہیں؟
جب محفل میں بیٹھ کر دوسروں کی برائیاں اور غیبت کرتی ہیں۔
44 کس معاملے میں لاپروا ہوں؟
اپنے کمرے کے بارے میں بالکل بھی صفائی ستھرائی کا خیال نہیں رکھتا۔۔۔ چیزیں، کتابیں، کوڑا کرکٹ، سب بکھرائے رکھتا ہوں۔ گھر والے بہت تنگ ہیں میری اس عادت سے۔
45 غصہ آئے تو کس پہ نکالتا ہوں؟
کھانے پینے پہ۔۔۔ چھوڑ دیتا ہوں کھانا پینا۔
46 کن چیزوں کو لے جانا نہیں بھولتا؟
میرا ایک بیگ ہے، جس میں بے شمار چیزیں سما جاتی ہیں۔ اسے لے جانا نہیں بھولتا۔ اس بیگ میں کریڈٹ کارڈ، اے ٹی ایم کارڈ، آئی ڈی کارڈ، چابیاں، کنگھا، پرفیوم اور بہت کچھ بھرا ہوا ہوتا ہے۔
47 گھر میں کھانا کہاں کھانا پسند کرتا ہوں؟
گھر میں گھر والوں کے ساتھ کھانے کا موقع ملے تو ڈائننگ ٹیبل پہ اور جب اکیلا ہوتا ہوں تو کبھی اپنے بستر پر کھاتا ہوں تو کبھی صوفے پر بیٹھ کر ٹی وی دیکھتے ہوئے کھاتا ہوں۔
48 میرا پسندیدہ ناشتا؟
پھل اور شہد۔
49 موڈ خراب ہو تو کیا کرتا ہوں؟
زیادہ تر اکیلا رہنا پسند کرتا ہوں۔ یا پھر اچھے دوستوں کے پاس چلا جاتا ہوں۔ مگر اکیلے رہنا زیادہ پسند ہے۔
50 انسان کی پہچان کب ہوتی ہے؟
بھروسہ ٹوٹنے کے بعد اور تلخ تجربے کے بعد۔
51 کون بھروسے کے قابل ہوتا ہے؟
کوئی بھی نہیں، نہ لڑکے نہ لڑکیاں۔۔۔ بھروسہ صرف اپنی ذات پر کرنا چاہیے۔
52 کنٹرول نہیں رہتا؟
جب شاپنگ کے لیے جاتا ہوں۔ بہت فضول خرچ ہوں پیسہ ہاتھ میں رکتا نہیں ہے۔
53 اپنے میں چینج لانا چاہتا ہوں؟
کہ غصہ کم ہو جائے، تھوڑا صبر کی طاقت آ جائے۔ صبر کی بہت کمی ہے، مجھ میں۔
54 چھٹی کا دن کیسے گزارتا ہوں؟
گھر والوں کے ساتھ گپ شپ لگا کر اور گیمز کھیل کے یا پھر دیکھ کر وقت گزارتا ہوں۔
55 پسندیدہ موسم؟
تیز بارش کا موسم اور بہار کا۔
56 آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر کیا سوچتا ہوں؟
کہ کاش سر کے بال تھوڑے گھنے ہوتے۔
57 پولیس سے خوفزدہ ہوتا ہوں؟
ہرگز نہیں ایک زمانہ تھا کہ ان کی بڑی دہشت تھی۔ مگر اب، اب ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہاتھ پہ کچھ رکھ دو سب سیٹ ہے۔
58 اقوال یاد رکھتا ہوں؟
بالکل رکھتا ہوں۔ حضور اکرمؐ کا ایک قول ہے کہ "کسی کی برائی چھپاؤ گے تو اللہ تمہاری برائی چھپائے گا۔" گرہ سے باندھ کر رکھا ہے یہ قول۔
59 میوزک جو پسند ہے؟
زیادہ تر انڈین میوزک پسند ہے۔
60 سیاست سے لگاؤ؟
ہرگز نہیں بلکہ سیاست دانوں کو دیکھ کر خون کھولنے لگتا ہے کہ انہوں نے ملک کو کیا بنا دیا ہے۔

☼ ☼

آواز کی دنیا سے

عظمیٰ بلوچ

شاہین رشید

آواز کی دنیا سے اس بار آپ کی ملاقات ایف ایم 101 کی عظمیٰ بلوچ سے کروا رہے ہیں۔ آواز اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں بہت بڑی نعمت ہے اور خوش گلو کو لفظوں پر دسترس بھی حاصل ہو تو پھر اس نعمت پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔

★ "کیا حال احوال ہیں عظمیٰ جی؟"

* "حال احوال یہ ہے کہ گرمی بہت ہو رہی ہے۔ لو چل رہی ہے اکتوبر کا مہینہ ہوتا ہی گرم ہے۔"

★ "یہاں بھی گرمی ہے مگر جنریٹر چل رہا ہے؟"

* "اچھا۔۔۔ پھر تو آپ جنت میں رہ رہی ہیں کہ جنریٹر جیسی سہولت ہے آپ کے پاس۔"

★ "وہ تو ہے مگر بل بھی دینا پڑتا ہے۔۔۔ خیر یہ بتائیں کہ صنم بلوچ سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟"

* قہقہہ "وہ تو ہم نے دینا ہے چاہے ہنسیں چاہے روئیں اور چاہے بجلی استعمال کریں نہ کریں بل تو دینا ہے اور صنم بلوچ سے میرا کوئی رشتہ نہیں سوائے کاسٹ کے وہ بھی بلوچ ہیں اور میں بھی بلوچ ہوں اور صرف آپ ہی نہیں اور لوگ بھی پوچھتے ہیں کہ آپ آپس میں بہنیں ہیں یا کزن ہیں البتہ صنم کی ایک بہن "ماہین" کے ساتھ میں نے ایک ٹی وی چینل پہ کام کیا

تھا ان کی پروڈکشن میں میں سندھی چینل پہ ایک پروگرام ہوسٹ کرتی تھی۔۔۔۔ اب تقریباً" دو سال سے میں نے ٹی وی پہ پروگرام کرنا چھوڑ دیا ہے کیونکہ میری جاب کافی ٹف ہے۔"

★ "آپ کی فیلڈ پہ مزید بات کرنے سے پہلے آپ کا فیملی بیک گراؤنڈ جاننا چاہوں گی؟"

✻ "میرا تعلق لاڑکانہ سے ہے اور پیدا میں 9 جون 1979ء میں حیدر آباد CMH میں ہوئی بچپن میں میرا نام "مہ جبیں" رکھا گیا تھا میرے ابا چونکہ آرمی میں تھے تو وہ میری پیدائش کے گیارہویں دن آئے پوچھا کہ ہماری بیٹی کا کیا نام رکھا ہے بتایا گیا کہ "مہ جبیں" رکھا ہے۔ کہنے لگے نہیں آج سے آپ سب اسے عظمیٰ بلائیں گے اور پتا ہے ابا نے یہ نام کیوں رکھا تھا کیونکہ انہیں عظمیٰ گیلانی بہت پسند تھیں۔۔۔ میرے دادا ابو بہت سخت تھے بیٹیوں کے معاملے میں وہ بیٹیوں کی پڑھائی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے مگر ابا نے ہمیں پڑھایا اور سب بہنوں نے پڑھا۔ ہم لوگ ماشاء اللہ سات بہنیں ہیں اور تین بھائی ہیں اور بہنوں بھائیوں میں میرا نمبر چوتھا ہے اور میں نے سندھی ادب میں ماسٹر کیا ہے۔"

★ "سات بہنیں اور تین بھائی 'ابا کرتے کیا تھے؟ یہ نہیں پوچھیں گے۔"

✻ قہقہہ۔۔۔ "بھئی ابا آرمی میں تھے۔ اماں ہماری بہت سگھڑ واقع ہوئی تھیں ان کا اپنا سلائی سینٹر تھا جو کہ ہم بچپن سے ہی دیکھتے چلے آرہے تھے مگر میں بڑی بے ڈھنگی (پھوہڑ) ہوں مجھے تو سوئی دھاگہ بھی پکڑنا نہیں آتا' چائے بنانی بھی نہیں آتی' آٹا گوندھنا بھی نہیں آتا باقی سارے کام کر لیتی ہوں۔ جبکہ میری بہنیں ماشاء اللہ بہت سگھڑ ہیں۔"

★ "یہ فخر کی بات آپ کے لیے کہ آپ کو کچھ کام کرنا نہیں آتا؟ ویسے انڈا ابالنا تو آتا ہو گا؟"

✻ قہقہہ۔۔۔ "انڈا ابالنا سیکھ رہی ہوں۔ لڑکیوں کے

لیے کہا جاتا ہے کہ جب ان کے سر پر ذمہ داری پڑتی ہے تو انہیں سب کچھ کرنا آجاتا ہے تو ایسا ہے کہ کہیں کچھ کرنا پڑ جائے تو کر لیتی ہوں۔ کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ شادی ابھی ہوئی نہیں گھر والوں کو بہت سارے "چاند" نظر آرہے ہیں آج کل تو ہو سکتا ہے کہ بہت جلد کوئی چاند پسند آجائے اور شروع میں سب چاند اچھے ہوتے ہیں۔"

★ "چلیں جی آپ کی فیلڈ کی طرف آتے ہیں یہ بتائیں کہ ٹی وی کو چھوڑ کر ریڈیو کی طرف آنے کی کیا وجہ تھی؟"

✻ "میری جو پہچان بنا جس نے مجھے اٹھنے بیٹھنے اور سیکھنے کا سلیقہ دیا وہ ریڈیو ہے۔ اٹھنے بیٹھنے کی بات میں اس لیے کر رہی ہوں کہ ریڈیو نے مجھے بہت کچھ سکھایا۔ کہتے ہیں کہ انسان اپنا پہلا پیار کبھی نہیں بھول سکتا تو ریڈیو میرا پہلا پیار ہے جس کو میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ 1998ء سے میں نے ریڈیو اسٹارٹ کیا تھا اور الحمد للہ میں آج تک ریڈیو پر ہوں اور پندرہ سال کی رفاقت کم نہیں ہوتی۔ سندھی چینل پہ میں نے تین سال کام کیا اور ایسا نہیں ہے کہ مجھے مزا نہیں آیا یا مجھے اچھی ٹیم نہیں ملی۔ لیکن وہاں مجھے جھوٹے اور منافق لوگ بہت ملے اور میں منافقوں کے ساتھ بالکل بھی ایڈجسٹ نہیں کر سکتی۔ یہی میرا سب سے بڑا مسئلہ ہے میں سب کچھ صاف گوئی سے بول دیتی ہوں اس لیے میں وہاں رک نہیں پائی۔ مجھے ابھی بھی بہت اچھی اچھی آفرز ہیں اور اب تو سندھی چینلز سے مارننگ شو بھی شروع ہو گئے ہیں اور مجھے مارننگ شو کرنے کی بھی آفرز ہیں۔ مگر میں کہتی ہوں کہ نہ جی یہ میرے بس کا کھیل نہیں ہے اور پھر سب سے بڑی بات کہ اپنے آپ کو مینٹین (Maintain) رکھنا ہوتا ہے ہر وقت' سچی بات تو یہ ہے کہ میں بہت سادہ سی بندی ہوں میری ٹمپل سی پونی بندھی ہوئی ہوتی ہے دو تین پنیں لگی ہوتی ہیں۔ لپ اسٹک روزانہ نہیں لگاتی

کہ چھوٹو کون لگائے۔"
★ "آپ جو سندھی پروگرام کرتی تھیں ان کا فارمیٹ کیا ہوتا تھا اور اردو چینل سے بھی پروگرام کیے۔"
✻ "ایک پروگرام تھا سینما کلاسک کے نام سے اس میں بہت پرانی فلموں پر ایک ریسرچ پروگرام کرتی تھی۔ یعنی اس زمانے کی فلموں سے شروعات کی تھی جب بغیر آواز کے فلمیں بنا کرتی تھیں اس میں یہ بتایا جاتا تھا کہ سینما کب سے شروع ہوا۔ کون کون لوگ آئے اور انہوں نے کس طرح سے کام کیا۔۔۔ اس کے علاوہ ایک "ادبی نوعیت" کا پروگرام کیا۔ اس میں شعرو شاعری اور دیگر ادب کے بارے میں باتیں ہوتی تھیں اور ایک اور پروگرام "آواز و انداز" کے نام سے کرتی تھی جس میں کسی بھی سنگر سے کسی عام انسان کی آواز اور انداز ملتا ہوتا تھا تو ہم ان کے ساتھ پروگرام کرتے تھے اور مقابلہ بھی کراتے تھے اور اردو چینل میں پی ٹی وی سے "پارلیمنٹ ڈائری" پروگرام کیا مگر جب پروڈیوسر تبدیل ہوئے تو پوری ٹیم تبدیل ہو گئی۔ اس لیے پھر میں نے سندھی چینل چھوڑے تو ساتھ ہی پی ٹی وی بھی چھوڑ دیا۔"
★ "ریڈیو پہ آنے کی کیا کہانی ہے؟"
✻ "کہانی کچھ یوں ہے کہ انٹر میں تھی کہ لاڑکانہ کا ایم ایف 101 شروع ہوا اور میں سنتی تھی تو مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ ایک دن میں نے لیٹر پیڈ پہ بڑی صاف ستھری اردو میں ڈپٹی کنٹرولر کو ایک خط لکھا اور کہا کہ میری آواز بڑی اچھی ہے اور میری اردو بھی بہت اچھی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ میں اپنی خدمات آپ کو دوں، اب آپ کی مرضی ہے کہ مجھے رچانس دیں یا نہ دیں۔ آپ یقین کریں کہ خط لکھنے کے دو تین دن کے بعد ریڈیو ایم ایف کی گاڑی میرے گھر کے باہر کھڑی تھی اور مجھے یہ نہیں پتا تھا کہ ریڈیو اسٹیشن تو لاڑکانہ کے رائٹ کنال کے اس پار ہے۔ خیر انہوں نے کہا کہ ہم تو عظمیٰ کو لینے آئے ہیں۔ میں نے گھر میں کسی کو نہیں بتایا ہوا تھا کہ میں نے خط لکھا تھا امی ابو بہت ناراض ہوئے پھر امی نے ابو سے کہا کہ آپ اس کے ساتھ چلے جائیں اور دیکھ کر آئیں کہ کیا ماحول ہے اور کیا کرنا ہے۔ ابا میرے ساتھ گئے، وہاں میرا آڈیشن ہوا وہاں ضمیر صاحب نے میرا آڈیشن لیا اور کہا کہ بیٹا آپ کل سے پروگرام شروع کر دیں اور جناب دوسرے دن میں آن ایئر تھی لائیو شو تھا اور تب سے اب تک میں لائیو شو ہی کر رہی ہوں اور آپ کو بتاؤں کہ آڈیشن میں انہوں نے کہا تھا کہ علامہ اقبال کا کوئی بھی ایک شعر سنا دیں تو میں نے شکوہ کا ایک بند انہیں سنا دیا۔"
★ "اتنی ایکسائٹمنٹ میں پروگرام ہو گیا تھا یا آواز میں کپکپاہٹ تھی؟"
✻ "آواز میں کپکپاہٹ تو آج بھی ہے حالانکہ پندرہ سال ہو گئے ہیں جب پروگرام شروع کرتی ہوں تو

شروع کے ایک دو لفظ تو ایسے ہی نکلتے ہیں میرا پہلا شو کمبائن تھا "جاوید جوزف" کے ساتھ اور ترانے پروگرام کا نام تھا اور جاوید جوزف نے بہت اچھے طریقے سے مجھے گائیڈ کیا تھا۔"
★ "پہلے پروگرام کا فیڈ بیک سامعین کی طرف سے اور پھر گھر والوں کی طرف سے کیا ملا تھا؟"
✻ "لوگوں کی طرف سے تو بہت ہی اچھا فیڈ بیک ملا اور گھر والے تو بہت خوش ہوئے میری اماں جو پہلے مجھ پر غصہ کر رہی تھیں بعد میں واری واری جا رہی تھیں ۔۔۔ اور سچ بات ہے کہ ریڈیو پہ میں نے اپنے سینئرز سے بہت کچھ سیکھا ہے۔"
★ "کراچی کب آئیں اور یہاں آ کر بھی 101 ہی جوائن کیا؟"
✻ "کراچی میں آنا جانا رہتا تھا کیونکہ یہاں ہماری خالہ رہتی تھیں اور 2000ء میں ابا کی جاب کی وجہ سے ہم کراچی شفٹ ہوئے اور کراچی آ کر میں نے ریڈیو پاکستان جوائن کیا، جہاں خلیل چنا صاحب میڈم ربیعہ صاحبہ تھیں۔ پھر 2004ء میں میں نے ایف ایم 101 جوائن کیا اور اب تک وابستہ ہوں اس ادارے سے۔"
★ "آپ کی شخصیت میں کچھ ایسی خوبیاں ہوں گی کہ لوگ آپ کو اپنا بنا لیتے ہیں؟"
✻ "اب یہ نہیں پتا لیکن ریڈیو جوائن کرنے سے پہلے مجھ میں غصہ بہت تھا اور ضد بھی بہت تھی۔ مگر ریڈیو پہ آ کر سینئرز کو دیکھ کر اور چیزوں کو سمجھ کر دیکھا تو بہت کچھ عقل میں آیا۔"
★ "دوسرے چینلز سے بلاوا آیا؟"
✻ "جی مجھے ایف ایم 100 سے آفر آئی تھی مجھے وہاں کی پالیسی نہیں معلوم تھی۔ جب میں وہاں گئی تو انہوں نے میرا آڈیشن لیا میں نے انہیں بتایا کہ مجھے سندھی آتی ہے، بلوچی تھوڑی بہت بول لیتی ہوں، پنجابی بہت اچھی آتی ہے، سرائیکی بھی آتی ہے اور اردو تو آتی ہی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، ہم ایک کاک ٹیل ٹائپ کا پروگرام کریں گے آپ ہوسٹ

کیجیے گا۔ مگر آپ کو ایف ایم 101 چھوڑنا پڑے گا تو میں نے کہا کہ ایک ادارہ جس نے مجھے پہچان دی، عزت دی اسے تو میں نہیں چھوڑ سکتی اور ابھی حال ہی میں مجھے ایف ایم 105 سے آفر ہوئی تو میں نے خود کہہ دیا کہ میں 101 نہیں چھوڑ سکتی۔"

★ "آج کل پروگرامز کی ٹائمنگ کیا ہوتی ہیں اور ریڈیو کے علاوہ کیا جاب ہے؟"

* "کچھ عرصہ قبل میں جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو مارننگ پروگرام کر رہی تھی نو بجے سے لے کر گیارہ بجے تک اور اب ہفتہ اور اتوار کرتی ہوں۔ کیونکہ آفس میں بھی کام کرنا ہوتا ہے۔ ریڈیو ایک جاب نہیں بلکہ شوق ہے اس کے علاوہ ایک ایجنسی میں بھی کام کرتی ہوں جہاں تقریباً" 90 فیصد کمرشلز ہم ہی بنا رہے ہوتے ہیں۔ وہاں میں کانسپٹ رائٹر ہوں۔"

★ "وائس اوور اور ڈبنگ کے بارے میں بھی آپ کچھ بتا رہی تھیں؟"

* "جی کمرشلز میں بہت کر چکی ہوں ڈھیروں کمرشلز میں میری آواز ہی گونجتی ہے اور ڈبنگ میں سندھی ڈرامہ کیا ایک ڈرامہ چلا تھا الف لیلیٰ اسے سندھی میں ڈب کیا گیا تو اس میں مجھے ایوارڈ بھی ملا تھا اور 67 اقساط میں میں نے "مٹھو" کا کردار کیا تھا۔ آج کل اردو ون سے ڈرامہ آن ایئر ہے "پریا" اس میں بھی ڈبنگ کی ہے میں نے۔"

★ "عظمیٰ ماشاء اللہ آپ اتنا کام کرتی ہیں۔ اپنے آپ کے لیے آپ کو ٹائم مل جاتا ہے؟"

* "میرے اردگرد رہنے والے لوگ مجھ سے خوش ہیں مطمئن ہیں۔ بس یہی میرا ٹائم ہے۔ ویسے آج کل بہت دل چاہتا ہے آرام کرنے کا اور میں نے کہہ دیا کہ جس سے بھی میری شادی طے کریں اس کو بتا دیں کہ میں شادی کے بعد جاب نہیں کروں گی۔"

★ "ارے؟ ــــ کام کی اور اپنی کمائی کی عادت ہو جائے تو پھر مشکل ہوتا ہے گھر بیٹھنا؟"

* "نہیں نہیں میرے لیے کچھ مشکل نہیں ہوگا۔ میں تو آرام سے گھر بیٹھ سکتی ہوں اور بہت پرسکون رہوں گی۔"

★ "سامعین سے ملنا کیسا لگتا ہے، آواز سے پہچان لیتے ہوں گے؟"

* "سامعین سے ملنا بہت اچھا لگتا ہے اور اچانک سے کوئی آکر کہہ دے کہ ارے آپ عظمیٰ بلوچ ہیں تو پھر تو خوشی کی کیفیت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

★ "زندگی میں اونچ نیچ ہے، نشیب و فراز ہیں۔ ان سب کیفیات کو لے کر گھر سے نکلتی ہیں تو پروگرام کرنے میں مشکل ہوتی ہے؟"

* "ہم بھی انسان ہیں اور لکھنے والے تو سب سے زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ آپ بھی اس شعبے سے تعلق رکھتی ہیں اور آپ کو اندازہ بھی ہوگا تو جب میں ایسی کیفیت لے کر اسٹوڈیو جاتی ہوں تو آن ایئر بہت کھلکھلاتی ہوں ٹاپک بتاتی ہوں اور پھر جب مائیک آف ہوتا ہے تو ٹپ ٹپ آنسو بہنا شروع ہو جاتے ہیں تو بعض اوقات ہم فیک (Fake) لائف گزار رہے ہوتے ہیں اور آپ کو ایک بات اور بتاؤں کہ ریڈیو سے مجھے کچھ ملا ہو یا نہ ملا ہو مجھے ایک بھائی ضرور مل گیا ہے جو کہ میری تمام باتوں کو حل کرتا ہے جبکہ وہ مجھ سے 10 سال چھوٹا ہے اس کا نام ہمایوں ہے وہ بھی ریڈیو پہ ہوتا ہے۔"

★ "لائیو کالز میں کبھی گڑبڑ ہوئی؟"

* "سب بہت عزت کے ساتھ کالز کرتے ہیں۔ لیکن دلچسپ بات بتاؤں کہ میرے فین میں سے ایک بچے نے مجھ میں دلچسپی کا اظہار کیا تو میں نے اس کو کہا کہ بیٹا میں آنٹی ہوں تمہاری ابھی تمہاری عمر اٹھارہ انیس سال کی ہے تو اس نے کہا کہ کچھ بھی ہو بس آپ مجھے اچھی لگتی ہیں بتائیے میں کیا کروں۔"

★ "مزاج کی آپ اچھی لگ رہی ہیں۔ غصہ آتا ہے تو کیا ردعمل ہوتا ہے گو کہ میڈم ربیعہ نے آپ کا غصہ کم کر دیا ہے؟"

* "بالکل ــــ غصہ کافی کم ہو گیا ہے اور پہلے جب غصہ آتا تھا تو میرا دل چاہتا تھا کہ یا تو اپنے آپ کو مار لوں یا پھر سامنے والے کو مار دوں اور اب جب غصہ آتا ہے تو پھر میں وہ جگہ چھوڑ دیتی ہوں جہاں پر گڑبڑ شروع ہوئی تھی اور دوسری جگہ جا کر رونا شروع کر دیتی ہوں۔"

★ "تو پھر تو اس معاملے میں کمزور کر دیا آپ نے اپنے آپ کو؟"

* "ہاں بالکل ٹھیک کہا آپ نے، مگر میں اب یہ سوچتی ہوں کہ سامنے والے کو خود احساس ہونا چاہیے کہ اس نے میرے ساتھ غلط کیا۔"

★ "کھیل، سیاست یا کچھ اور کس سے دلچسپی ہے؟"

* "بیڈمنٹن بہت شوق سے کھیلتی تھی کالج میں اور ابھی تک کھیلتی آئی ہوں۔ زندگی کے کھیل اتنے نیارے ہیں کہ باقی سب کچھ انسان بھول جاتا ہے۔"

★ "فارغ اوقات میں کیا کرتی ہیں؟"

* "فارغ وقت کم ملتا ہے اور جب ملتا ہے تو شاعری پڑھتی ہوں۔ مجھے شاعری بہت اچھی لگتی ہے اور امجد اسلام امجد میرے پسندیدہ شاعر ہیں اور میوزک میں مجھے راحت فتح علی، ملکہ ترنم نور جہاں، لتا اور کشور کمار بہت پسند ہیں۔"

★ "ریڈیو پہ میوزک کس کی پسند کا ہوتا ہے؟"

* "ستر فیصد سامعین کی پسند کا اور تیس فیصد ہماری پسند کا۔"

★ "اور جو نئے لوگ اس فیلڈ میں آنا چاہتے ہیں ان کے لیے کیا کہیں گی کہ انہیں کیا تیاری کر کے آنا چاہیے؟"

* "ان میں اتنا ٹیلنٹ ضرور ہو کہ انہیں یہ پتا ہونا چاہیے کہ انہوں نے کب کہاں اور کس کے سامنے کیا بات کرنی ہے بولڈنیس اچھی بات ہے مگر احساس برتری آپ کو پیچھے کی طرف دھکیل دیتا ہے اور ہم نے اپنے سینئرز سے یہی سیکھا ہے کہ جب بھی مائیک کے سامنے آئیں تو یہ سمجھ کر آئیں کہ یہ آپ کا پہلا پروگرام ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے عظمیٰ بلوچ سے اجازت چاہی اور سچ میں ہمیں عظمیٰ سے بات کر کے بہت مزہ آیا۔

☆ ☆

مقابل ہے آئینہ

سونیا ربانی

س آپ کا پورا نام گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟
ج سونیا ربانی اور گھر والے ہی کیا مجھے سب ہی سوہنی پکارتے ہیں۔
س کبھی آپ نے آئینے سے یا آئینے نے آپ سے کچھ کہا؟
ج ہاں نا! آئینہ کہتا ہے کہ میں بہت معصوم نظر آتی ہوں (حقیقت میں ایسا نہیں ہے بقول میری دوستوں کے سوہنی تو بڑی چالاک ہے۔)
س آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟
ج میرے بچپن کی یادیں، میری ڈائریاں اور میرا بہت تیز دماغ۔
س اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟
ج ہر وہ لمحہ جس میں بے بسی کا احساس رہا ہو۔
س آپ کے لیے محبت کیا ہے؟
ج محبت ہے تو امید ہے، امید ہے تو زندگی ہے، محبت وہی راز ہے، جس سے دنیا خوب صورت ہے۔
س مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟
ج منصوبہ بلکہ منصوبے ہیں۔ آپ نے منصوبہ پوچھا ہے تو ہے ایک منصوبہ کہ بہت جلد کرن میں ایک ناول یا پھر افسانہ شامل ہوگا جس کی رائٹر سونیا ربانی ہوگی اور بھی بہت منصوبے ہیں اللہ پورے کر دے آمین۔
س پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور و مطمئن کیا ہو؟
ج کامیابی تو نہیں کہہ سکتے، مگر گزرے سال خوشی ہوئی جب ہم پھوپھی بنے اور ہمارے آنگن میں ماہ نور نام کی پری اتری اور خود کو مطمئن محسوس کیا جب 16 ستمبر کو عامر کے نام منسوب ہوئی۔

س آپ اپنے گزرے کل، آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟
ج اچھے کی کوشش۔
س اپنے آپ کو بیان کریں؟
ج ہر وقت دوسروں کی فکر میں لگی رہنے والی خاموش سی لڑکی۔
س کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوئے ہیں؟
ج آج کل تو کوئی نہ کوئی ڈر ہر دل میں موجود رہتا ہے۔
س آپ کی کمزوری اور طاقت کیا ہے؟
ج میرا چھوٹا بھائی نومی۔ میرے ابو اور امی۔
س آپ خوش گوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟
ج دوستوں کے ساتھ بھی اور اکثر تنہا بھی اپنی ڈائریوں اور ڈائجسٹ کے ساتھ۔
س آپ کے نزدیک دولت کی اہمیت؟
ج دولت اتنی ہی ہونی چاہیے کہ زندگی آرام سے گزر رہی ہو۔ بہت زیادہ بالکل نہیں۔
س گھر، آپ کی نظر میں؟
ج وہ جگہ جہاں پہ سکون اور خوشیاں ہوتی ہیں۔
س کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کر دیتی ہیں؟
ج بھول تو کبھی نہیں سکتی، لیکن معاف پل بھر میں کر دیتی ہوں۔
س اپنی کامیابیوں میں کسے حصے دار ٹھہراتی ہیں؟
ج اپنی محنت کے بعد امی ابو کی دعاؤں کو۔
س کامیابی کیا ہے آپ کے لیے؟
ج محنت کے بعد ملی کامیابی سیروں خون بڑھا دیتی ہے۔
س سائنسی ترقی نے ہمیں مشینوں کا محتاج کر کے کاہل کر دیا یا واقعی یہ ترقی ہے؟
ج ہم نہ صرف کاہل ہوئے بلکہ ایک دوسرے سے دور بھی ہو گئے۔ ملاقات کی جگہ صرف ایک کال نے لے لی اور لمبے سے خط کی جگہ چھوٹے سے SMS نے۔

س کوئی عجیب خواہش یا خوف؟
ج میری عجیب و غریب خواہش۔ کاش میں گولڑہ شریف ایک رات رہ سکوں۔
س برسات کو کیسے انجوائے کرتی ہیں؟
ج بارش میں خوب نہا کر، پکوڑے کھا کر اور گانے سن کر۔
س آپ جو ہیں وہ نہ ہوتی تو کیا ہوتیں؟
ج اللہ ہی جانے پھر میں کیا ہوتی۔
س بہت اچھا محسوس کرتی ہیں آپ؟
ج جب کسی کو میری وجہ سے خوشی ملتی ہے، جب میں کسی کی ضرورت پوری کرتی ہوں۔
س آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟
ج بچوں کی معصومیت اور گھر کی صفائی۔
س کیا آپ نے اپنی زندگی میں وہ سب پالیا جو آپ پانا چاہتی تھیں؟
ج ارے ابھی عمر ہی کیا ہے میری ابھی تو وہ سب پانا باقی ہے۔
س اپنی ایک خوبی اور خامی جو آپ کو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟
ج میں اپنے والدین کی بہت اچھی بیٹی ہوں یہ بات مطمئن کرتی ہے اور خامی یہ ہے کہ دل میں جو بات بیٹھ جائے کہہ نہیں پاتی سوچ سوچ کر ہلکان ہوتی رہتی ہوں۔
س کوئی ایسا واقعہ جو آج بھی آپ کو شرمندہ کر دیتا ہو؟
ج الحمد للہ ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے۔
س کیا آپ مقابلے کو انجوائے کرتی ہیں یا خوف زدہ ہو جاتی ہیں؟
ج انجوائے ہی کرتی ہوں۔
س متاثر کن کتاب، مصنف؟
ج ہر وہ کتاب جس میں سے کوئی سبق ملے جس کا کوئی لفظ دل کو چھو جائے۔
س آپ کا غرور؟
ج غرور تو نہیں مگر فخر ضرور ہے میری شخصیت، میری عادتیں۔
س کوئی ایسی شکست جو آج بھی آپ کو اداس کر دیتی ہو؟
ج میں اپنے دادا جی کو آخری بار دیکھ بھی نہ پائی تھی
س کوئی شخصیت یا کسی کی حاصل کی ہوئی کامیابی جس نے حسد میں مبتلا کیا ہو؟
ج کوئی خاص شخصیت تو نہیں، مگر مجھے لڑکوں سے حسد محسوس ہوتا ہے کہ وہ آزادی سے بالکل اکیلے جہاں دل چاہے جا سکتے ہیں۔
س مطالعہ کی اہمیت آپ کی زندگی میں؟
ج رات جب تک کچھ اچھا پڑھ نہ لوں مجھے نیند نہیں آتی۔ سونے سے پہلے میرے ہاتھ میں کوئی کتاب بھی ہو سکتی ہے اور ڈائجسٹ بھی۔
س آپ کے نزدیک زندگی کی فلاسفی کیا ہے۔ جو آپ اپنے علم، تجربہ اور مہارت میں استعمال کرتی ہیں؟
ج جب سچ میں زندگی کا سامنا ہوتا ہے تو کوئی تجربہ اور مہارت کام نہیں آتا ہے۔ دنیا میں سب سے بڑا تحفہ بے شک زندگی ہے مگر اک نہ سمجھ آنے والی شے۔

زندگی تو اپنی زلف یار ہی بن گئی
الجھی ہی جائے جتنا بھی سلجھائیں
اور یوں ہی ایک دن اچانک بے وفائی کر جاتی ہے مگر

دائم آباد رہے گی دنیا
ہم نہ ہوں گے کوئی ہم سا ہوگا

س آپ کی پسندیدہ شخصیت؟
ج قائداعظم محمد علی جناح۔
س ہمارا پیارا پاکستان سارا کا سارا خوب صورت ہے۔ آپ کا کوئی خاص پسندیدہ مقام؟
ج مری اور گولڑہ شریف کا ______ پرسکون ماحول۔

☆ ☆

حسن و صحت

ادارہ

تیز دھوپ

تیز دھوپ کی تمازت انسانی جلد کے لیے نا صرف تکلیف دہ ہوتی ہے بلکہ یہ جلد کو اندرونی اور بیرونی طور پر نقصان بھی پہنچاتی ہے اور خاص طور پر خواتین کی نازک جلد تیز دھوپ سے بہت جلد متاثر ہوسکتی ہے۔ لیکن ان سب نقصانات سے آخر کس طرح بچا جاسکتا ہے۔

جیسے ہی ہمارے ذہن میں لفظ تیز دھوپ آتا ہے، ہم فوراً "ساحلوں اور ٹھنڈے مقامات کے ساتھ ساتھ سن اسکرین کی بوتلوں کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں۔ اگر آپ نے نوٹ کیا ہو تو یقیناً" آپ جانتی ہوں گی کہ غیر ملکی افراد براہ راست تیز دھوپ سے بے حد متاثر ہوتے ہیں، لیکن کیا صرف ان ہی کو اس تیز دھوپ سے نقصان پہنچتا ہے؟؟ جی نہیں! یہ سچ ہے کہ سفید چمڑی والے لوگ جن کے بالوں کے رنگ بھی ہلکے اور آنکھیں بلوری ہوتی ہیں، انہیں تیز دھوپ ایشیائی لوگوں سے زیادہ نقصان دیتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ہمیں بھی بہت نقصان پہنچاتی ہے۔

دراصل مغربی باشندوں میں موسمی فرق اور جغرافیائی تبدیلی کے باعث Melanin کی مقدار خاصی کم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ انتہائی تیز دھوپ برداشت نہیں کرسکتے۔ Melenin انسانی جسم میں پائے جانے والے ایسے عناصر ہوتے ہیں جو جلد پر پڑنے والی براہ راست تیز دھوپ کے نقصانات سے جلد کو محفوظ کرتے ہیں۔ جبکہ گہری رنگت والے لوگ قدرتی طور پر اپنی باڈی میں Melenin کی مناسب مقدار ہونے کی وجہ سے دھوپ برداشت کرلیتے ہیں۔

لیکن پھر بھی اگر دھوپ بے حد تیز ہو اور آپ لمبے عرصے تک تیز دھوپ میں کام کریں تو یہ تیز دھوپ جسم کے مختلف حصوں پر براہ راست پڑنے کی وجہ سے

آپ کو بھی خاصا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ لہٰذا کوشش کریں کہ ایسے دنوں میں جب بھی سورج کے عین نیچے کام کریں تو جسم کے تمام حصوں کو اچھی طرح ڈھک لیں اور سر پر بھی سن کیپ یا چادر وغیرہ کا استعمال کریں۔

دھوپ کے خطرناک نتائج تقریباً" چوبیس گھنٹوں کے بعد نمایاں ہوتے ہیں اور ان میں مختلف قسم کے لوگوں میں مختلف رد عمل دیکھا جاسکتا ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ تیز دھوپ ایشیائی لوگوں میں جلد کے اوپری حصے کو یا پھر ایپی ڈرمز کو متاثر کرتی ہے اور جلد تیز دھوپ کی تمازت کے باعث سرخی مائل یا پھر تیز گلابی ہوجاتی ہے۔ ہاتھ لگانے سے بھی تکلیف ہوتی ہے، بہت حساس ہوجاتی ہے اور بعض وجوہات کی بناء پر اس میں الرجی بھی ہوجاتی ہے۔

تیز دھوپ اور اس کے انتہائی خطرناک نقصانات سب سے زیادہ چھوٹے بچوں یا ان لوگوں میں دیکھنے کو ملتے ہیں جن کی جلد انتہائی حساس اور پتلی ہوتی ہے۔ اس میں تیز دھوپ جلد کے اوپری حصے کی مختلف لیئرز ایپی ڈرمز اور جلد کی اندرونی بافتوں کو بھی نقصان پہنچاتی ہے اور بعض اوقات اندرونی حساس ٹشو کو بھی خطرناک حد تک نقصان پہنچاتی ہے، لیکن اس قسم کے لوگ ایشیاء میں کم ہی پائے جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نومولود بچے تیز دھوپ کے موسم میں گھروں میں ہی رہا کرتے ہیں۔ تیز دھوپ کے دیگر نقصانات میں سر درد، بخار اور نزلہ عام ہیں گرمیوں کے دنوں میں اور خاص طور پر جون، جولائی کے مہینوں میں صبح دس سے دوپہر دو بجے تک کی دھوپ ایشیائی جلد کے لیے نقصان دہ ہے۔ لہٰذا ان اوقات میں کوشش کریں کہ گھر سے باہر نہ نکلا جائے اور اگر بحالت مجبوری ایسا کرنا پڑے تو سن اسکرین کا استعمال اور مناسب کپڑوں کا استعمال ہرگز نہ بھولیں، ہاتھوں کے لیے دستانے اور پیروں کے لیے موزوں کا استعمال کریں، اکثر دیکھا گیا ہے کہ دھوپ کی تپش سے متاثرہ افراد مختلف ذرائع سے آنے والے اشتہارات سے متاثر ہوکر اینٹی سن پروڈکٹس کو استعمال کرنا شروع کردیتے ہیں۔ ایسے خواتین و حضرات سے گزارش ہے کہ غور کریں، آیا کہ یہ پروڈکٹس کام بھی کررہی ہیں یا نہیں؟

ان دنوں میں پانی کا زیادہ سے زیادہ استعمال کریں اور پھلوں کے تازہ جوس اور تازہ سبزیوں کا استعمال بھی یقینی بنائیں۔ تیز دھوپ سے آنے کے بعد ٹھنڈے پانی سے بھیگا ہوا تولیہ متاثرہ حصوں پر استعمال کریں، یہ عمل فوری سکون پہنچاتا ہے سر میں درد ہونے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ اسپرین استعمال کریں اور اگر خدانخواستہ طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہو تو فوراً" ڈاکٹر سے رجوع کریں۔ سن اسکرین کا استعمال خاص طور پر چھوٹے بچوں میں ہرگز نہ بھولیں۔ اگر آپ ان تمام ہدایات پر سختی سے عمل کریں تو پھر دھوپ اور اس کے نقصانات سے کافی حد تک بچا جاسکتا ہے۔

☼ ☼

نبیلہ عزیز

دردِ دل

بڑی حویلی کے تمام مکین وقار آفندی سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور علبزے تو اپنے بابا کی شخصیت سے بہت ہی متاثر ہے۔

مدحیہ اور نبیل حیات دو ہی بہن بھائی ہیں، مدحیہ انتہائی بگڑی ہوئی اور خود سر لڑکی ہے، وہ انگلینڈ کی رنگینیوں میں مکمل طور پہ رنگ چکی ہے، جس کے پیش نظر فائزہ بیگم، نبیل کو پاکستان شفٹ ہونے کا مشورہ دیتی ہیں، لیکن مدحیہ پاکستان جانے سے انکار کر دیتی ہے، جس پہ نبیل اور فائزہ بیگم بے حد پریشان ہیں۔

زری کو اپنے بھائی عبداللہ کے دوست سے محبت ہے، مگر وہ کسی کو بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا چاہتی اور یہ جذبہ اندر ہی اندر پنپ رہا ہے۔

عدیل کافی عرصہ سے نوکری کی تلاش میں ہے، مگر ہر روز مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، بے بسی اور مجبوریوں سے تنگ آ کر خودکشی کرنے کا سوچتا ہے، لیکن ایسے میں ایک روز اسے ڈھابے میں چائے پیتے ہوئے باؤ امتیاز مل جاتا ہے، جو اسے کام کی آفر کرتا ہے، جس پر عدیل کافی خوش ہوتا ہے، اسی خوشی میں وہ کام کی بابت پوچھنا بھول جاتا ہے۔

منصور حسین ایک غریب اور میٹرک پاس آدمی ہے، وہ مبارک خان کے توسط سے بڑی حویلی میں وقار آفندی سے نوکری مانگنے آتا ہے، وقار آفندی کوئی بھی جگہ خالی نہ ہونے کے باعث اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیتے ہیں اور وہ مایوسی سے واپس لوٹ جاتا ہے۔

دل آور شاہ کا شمار ملک کے بہترین اور منجھے ہوئے وکیلوں میں ہوتا ہے، وہ اپنے قول و فعل کا بہت پکا آدمی ہے، اس نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا، اس کی ماں بتول شاہ کو اپنے بیٹے کی قابلیت اور ذہانت پہ بہت بھروسہ ہے اور اس کا یقین وہ دوسروں کو بھی دیتی ہیں۔

چھتیسویں قسط

مگر اس کے اس دیکھنے میں بھی ایک عجیب سا تاثر تھا۔ اک عجیب سی کیفیت تھی۔
جیسے وہ کچھ کہنے کے لیے الفاظ تلاش کر رہا ہو اور اسے یہ الفاظ ذرا دیر کے بعد میسر آنے ہوں۔
"کیا کیا ہے میں نے زری کے ساتھ ....؟" وہ علیزے کے سوال کے بعد چند سیکنڈز کے توقف سے گویا ہوا تھا۔
"کوئی وعدہ کیا ہے اس کے ساتھ؟ کوئی قسم کھائی ہے اس کے لیے؟ محبت کا اظہار کیا ہے اس کے سامنے؟ کوئی امید دلائی ہے اسے؟ یا حوصلہ افزائی کی ہے اس کی؟ ہوں! بتاؤ مجھے کیا کیا ہے میں نے اس کے ساتھ۔" دل آور اس معاملے میں بالکل کھرا تھا اس لیے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بات کر رہا تھا۔
"تو کیا واقعی تم نے زری کے ساتھ کچھ نہیں کیا....؟" وہ بھی اسے بغور تنقیدی' جانچتی ہوئی اور بے یقین سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
"نہیں! میں نے واقعی زری کے ساتھ کچھ نہیں کیا.... کبھی وعدہ کیا ہے نہ کبھی قسم کھائی ہے.... نہ اظہار کیے ہیں اس سے.... اور نہ ہی امیدیں دلائی ہیں اسے.... محبت کے اس سفر میں وہ یہاں تک پہنچی ہے تو اکیلی پہنچی ہے.... میں تو کہیں تھا ہی نہیں میں نے تو اس سے کبھی بات تک نہیں کی.... کبھی میسج نہیں کیا.... کبھی کال نہیں کی.... آج تک اس سے نظر نہیں ملائی۔ آج تک اسے اشارہ نہیں دیا۔ جب بھی کی ہے اس کی عزت ہی کی ہے.... جب بھی کیا ہے اس کا احترام ہی کیا ہے، ہمیشہ فاصلے سے ہی دیکھا اسے.... اور ہمیشہ فاصلے پہ ہی رہا اس سے مگر پھر بھی وہ اس حال کو پہنچی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے آخر؟" دل آور بات کرتے کرتے بے بس سا ہونے لگا۔
"تو کیا تم نے محبت بھی نہیں کی اس سے؟" علیزے آج پتا نہیں کن کن سوالوں کے جواب طلب کر رہی تھی اور دل آور اس کے سوالوں پہ بار بار ٹھٹک رہا تھا' بار بار ٹھہر رہا تھا۔
"بتاؤ نا ڈرائیور؟ تو کیا تم نے محبت بھی نہیں کی اس سے؟" اس نے پھر اپنے سوال پہ زور دیا تھا۔
"اس سوال کا جواب ضروری نہیں ہے۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا تھا۔
"کیوں ضروری نہیں ہے؟" وہ بضد ہوئی۔
"کیونکہ یہ میرا اور میرے دل کا معاملہ ہے' میں کس سے محبت کرتا ہوں اور کس سے نہیں کرتا' میں نے اس چیز کو لے کر کبھی کسی کو ڈسٹرب نہیں کیا' اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس چیز کو لے کر کوئی مجھے بھی ڈسٹرب نہ کرے اس محبت میں' میں جیا ہوں' میں مرا ہوں' میں نے ہمیشہ اپنے دل کی بات اپنے دل تک ہی رکھی ہے' کبھی دماغ تک نہیں لے کر گیا۔ کبھی دل کو دماغ پہ سوار نہیں کیا اور نہ ہی کبھی دنیا پہ ظاہر ہونے دیا ہے کہ اس دل پہ اور اس دماغ پہ کیا بیت رہی ہے؟ تو پھر.... تو پھر.... وہ' وہ کیوں ٹوٹ گئی سب کے سامنے؟ کیوں بکھر گئی وہ....؟ اس نے اگر محبت کی تھی تو اسے یہ بھی پتا ہونا چاہیے تھا کہ محبت صرف وصال کا اور پھولوں سے سجی سیج کا نام نہیں ہے' بلکہ محبت تو ہجر اور کانٹوں سے پروئے ہوئے بستر کا نام ہے.... محبت تو شروع ہی موت سے ہوتی ہے.... اور محبت کرنے والوں کو شیشے کا نہیں بلکہ پتھر کا ہونا چاہیے.... تاکہ محبت کے علاوہ اور کچھ بھی اثر نہ کرے' نہ کوئی سرد و گرم' نہ کوئی ہجر و وصال.... نہ کوئی زری اور نہ کوئی علیزے' بس پتھر کے ہو جاؤ اور بے فکر رہو۔"
دل آور نے خاصے بے لچک سے لہجے میں کہتے ہوئے سر جھٹکا اور رخ کھڑکی کی سمت موڑ لیا تھا۔
جبکہ اس کے سامنے کھڑی علیزے اس کے جواب پہ اور اس کے اطمینان پہ اسے دیکھتی رہ گئی اور اس لمحے اسے واقعی یہی محسوس ہوا تھا کہ اس کے سامنے کوئی انسان نہیں بلکہ پتھر کھڑا ہے' جس پہ واقعی اب کچھ بھی اثر نہیں کر سکتا۔

"کیا بات ہے؟ کہاں کھو گئی ہو؟ دیکھنا کہیں محبت کے اس چکر میں پڑ کر تمہیں بھی محبت نہ ہو جائے؟" دل آور نے گردن موڑ کر استہزائیہ سے انداز میں کہتے ہوئے اس کا گال تھپک کر اسے متوجہ کیا تھا اور وہ اس کے اتنے اچانک لمس پہ چونک گئی تھی اور اسے خاصی ناگوار نظروں سے دیکھا تھا۔
"میں اور تم سے محبت؟ ہونہہ کوئی عقل والی بات کرو ڈرائیور۔" اس نے انتہائی زہرخند سے لہجے میں کہہ کر سر جھٹکا تھا اور اس کی بات پہ دل آور عجیب سے انداز میں مسکرا اٹھا تھا۔
"افسوس! جب سے تم زندگی میں آئی ہو ساری عقلیں دھری کی دھری رہ گئی ہیں' زنگ کھا گئی ہیں دماغ میں۔" اس نے اپنی کنپٹی کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"بات کو ٹالو مت.... میں تم سے زری کی بات کر رہی ہوں اور تم مجھ سے میری بات کر رہے ہو۔ یہ کیا طریقہ ہے بھلا؟" وہ غصے سے جھنجلائی تھی۔
"یہی تو اصل طریقہ ہے اور تم اس طریقے کو سمجھ ہی نہیں رہیں' زری غیر ہے میرے لیے' اس کی بات کیسے کروں اور کیوں کروں؟ جبکہ تم میری ہو۔ اس لیے ساری باتیں تمہاری ہی کرتا ہوں صرف تمہاری۔"
وہ کہتے ہوئے دوبارہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تھا جہاں ہوا کے ٹھنڈے جھونکے ہلکورے لے رہے تھے۔
"مجھ سے غلط بات مت کیا کرو ڈرائیور.... میں تمہیں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔" اس نے چبا کر کہا۔
"میں نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ تم سے کبھی کوئی غلط بات نہ کروں' میں تمہارے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہوں' اور تم ہو کہ سمجھتی ہی نہیں ہو.... مگر پھر بھی دعوا کرتی ہو کہ تم مجھے اچھی طرح سمجھتی ہو حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر تم مجھے اچھی طرح سمجھتیں تو مجھ سے یہ تھوڑی دیر پہلے والے اِدھر اُدھر کے سوال نہ کرتیں۔"
دل آور نے بڑے عجیب سے اور تمسخرانہ انداز میں کہتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔
"ہونہہ.... ! تو تم بھی تو کھلی کتاب کی طرح نہیں ہو نا؟" علیزے نے بھی چوٹ کی تھی۔
"چلو یہ بھی ٹھیک ہے کہ میں تمہارے.... سامنے کھلی کتاب کی طرح نہیں ہوں۔ مگر مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں سچ مچ کھل جاؤں تو کیا کرو گی؟ کیا اس کتاب کو پڑھنے کے بعد عمل بھی کر سکو گی یا نہیں؟" اس نے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
"ہونہہ! مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے۔" وہ پھر زہرخند ہوئی تھی۔
"ہوں! تو پھر یہ طے ہے نا کہ میں واقعی ایک کھلی کتاب ہوں لیکن تم مجھے پڑھنے کا شوق ہی نہیں رکھتیں؟" اس نے کندھے اچکائے تھے۔
"دیکھو! میں بحث میں نہیں الجھنا چاہتی.... میں بات کو سمیٹنا چاہتی ہوں۔ بلکہ سب کچھ سمیٹنا چاہتی ہوں۔"
"کیا سب کچھ؟" وہ پھر سوالیہ ہوا۔
"سب کچھ جیسے زری اور تم۔" وہ کہتے ہوئے پرسکون تھی۔
"مطلب....؟" دل آور نے علیزے کے چہرے کو جانچا۔
"مطلب وہی ہے کہ زری کو اپنا لو۔" وہ اپنے کہے پہ قائم تھی۔
"اور تمہیں؟" دل آور کا یہ سوال بھی برجستہ تھا۔
مگر اب کی بار علیزے برجستگی سے کام نہیں لے سکی تھی بلکہ چند ثانیے کے لیے چپ سی ہو گئی تھی اور پھر اس نے اک گہری سانس کھینچتے ہوئے اپنا فیصلہ بھی سنا دیا تھا۔
"مجھے چھوڑ دو.... طلاق دے دو مجھے میری فکر مت کرو میری زندگی گزر ہی جائے گی۔ لیکن تمہارے بغیر وہ مر جائے گی، جو تمہاری خاطر سب کو چھوڑ بیٹھی ہے سب کچھ تیاگ دیا ہے اس نے۔" علیزے کہتے کہتے جیسے زچ سی

ہوگئی تھی۔

"تمہیں چھوڑدوں.... اور زری کو اپنالوں' واہ کیا کمال کا آئیڈیا ہے میری جان.... یہ آئیڈیا مجھے کیوں نہیں آیا؟"

دل آور نے اک طنزیہ سا مذاق کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں! مجھے چھوڑدو.... مگر مگر اسے اپنالو.... پلیز ڈرائیور وہ تکلیف میں ہے اسے۔"

"بس علیزے بس! وہ تکلیف میں ہے تو اس سے زیادہ تکلیف میں' میں خود ہوں' تم سب کو یا تو اپنی اپنی تکلیفیں نظر آتی ہیں یا پھر ایک دوسرے کی تکلیفیں نظر آتی ہیں مگر میری تکلیف.... دل آور شاہ کی تکلیف آج تک کبھی کسی کو نظر نہیں آئی.... کبھی کسی کو میرا احساس نہیں ہوا' نہ کسی زری کو' نہ کسی علیزے کو' اور نہ ہی کسی دوست کو' سب کو ہمیشہ اپنا آپ ہی نظر آیا ہے۔ اپنی تکلیف ہی دکھائی دی ہے' میرا درد' میری چوٹ' میرا زخم کسی کو دکھائی نہیں دیا' چاہے وہ تم ہو' چاہے زری ہو' اور چاہے عبداللہ یا نبیل ہوں سب کو اپنی اپنی پروا ہے' سب کو اپنی اپنی فکر ہے۔ میرے بارے میں' میری تکلیف کے بارے میں کبھی کسی نے نہیں سوچا' کبھی کسی کو احساس ہی نہیں ہوا کہ میرے سینے میں بھی دل ہے.... موسم اور محبت اس پہ بھی اثر انداز ہوسکتے ہیں افسوس اس بات کا نہیں کہ کسی کو میری فکر نہیں ہے' کسی کو میری تکلیف کا احساس نہیں ہے' بلکہ افسوس تو اس بات کا ہے کہ سب کی تکلیف پہ میں کیوں تڑپتا ہوں؟ میں کیوں ہلکان ہوتا ہوں؟ مجھے کیوں چین نہیں آتا؟ اور اس کے باوجود سب کی نظر میں برا بھی میں ہی بنتا ہوں۔" وہ علیزے کی بات پہ یکدم غصے سے بپھر گیا تھا اور علیزے اس کی اس قدر بلند دھاڑ پہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی' اسے دل آور کے بپھرے ہوئے تیور دیکھ کر خوف آگیا اور وہ اس کے سامنے سے جاتے جاتے پھر ٹھہر گیا تھا۔

"اور ہاں.... اب جو تم بار بار کہہ رہی ہو نا کہ مجھے چھوڑ دو یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے۔ تمہارے کہنے پہ میں سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں' مگر تمہیں نہیں چھوڑ سکتا' تم کوئی سگریٹ نہیں ہو جس کو تمہارے کہنے پہ اتنی آسانی سے چھوڑ دوں' تم جیتی جاگتی انسان ہو' بیوی ہو' عزت ہو میری' سگریٹ کا ٹکڑا نہیں ہو جسے میں فوراً" اٹھا کر ڈسٹ بن میں ڈال دوں' آج ایسی بات کہی ہے مجھ سے' آئندہ کبھی مت کہنا' ورنہ میرا خود پہ اختیار نہیں رہے گا اور انجام تمہیں بھگتنا پڑے گا۔"

اس نے انگلی اٹھا کر اسے خاصے غضب ناک طریقے سے وارننگ دی تھی اور علیزے چپ کی چپ رہ گئی۔ جبکہ وہ پلٹ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا غصے سے بیڈ روم سے باہر نکل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼
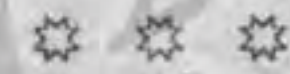
وہ جذبوں کی تجارت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
اسے ہنسنے کی عادت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
مجھے اس نے کہا تھا آؤ نئی دنیا بساتے ہیں
اسے سوجھی شرارت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
ہمیشہ اس کی آنکھوں میں دھنک سے رنگ ہوتے تھے
یہ اس کی عام حالت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا

اک بے بسی تھی' اک اضطراب تھا جو نبیل حیات کو کہیں بھی بیٹھنے نہیں دے رہا تھا وہ کئی گھنٹے مسلسل سڑکوں پہ گاڑی بھگاتے کے بعد تھک ہار کے گھر واپس آیا تو اس کا دماغ پھر سے اڑ گیا تھا۔ کیونکہ سامنے کا منظر ہی کچھ ایسا تھا کہ وہ جسم سے لے کر جان تک جل گیا تھا' اس کا رواں رواں سلگ اٹھا تھا۔

"بابا!" نبیل پوری قوت سے چیخ اٹھا تھا کیونکہ ممتاز حیات کے ہاتھ میں مومنہ بی بی کا دوپٹہ دیکھ کر اس کا دماغ ہی آؤٹ آف کنٹرول ہوگیا تھا۔

جبکہ ممتاز حیات نے فوراً" سے پیشتر اس کا دوپٹہ چھوڑ دیا تھا اور مومنہ بی بی ان کی گرفت سے اپنا دوپٹہ آزاد ہوتے دیکھ کر بڑی بے تابی سے لپک کے نبیل کے پیچھے چھپ گئی تھی یوں جیسے وہ کسی آسمانی آفت سے بچنے کے لیے پہاڑ کے پیچھے چھپ گئی ہے۔

"صاحب! وہ' وہ بڑے صاحب...." مومنہ بی بی کی حلق سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا پھنس گیا تھا اور نبیل کے چہرے کی رنگت غصے اور غضب کے مارے نیلی پیلی ہونے لگی تھی اور اس کی آنکھوں کا رنگ بھی پل بھر میں.... سرخ ہوگیا تھا وہ تیر کی طرح ممتاز حیات کی سمت بڑھا تھا۔

"یہ کیا کررہے تھے آپ؟ آپ کو جرات کیسے ہوئی اس پہ بری نظر ڈالنے کی؟ آپ کو پتا بھی ہے کہ یہ پہلے ہی آپ جیسے کسی زہریلے سانپ کی ڈسی ہوئی ہے' پہلے بھی ایک درندہ اس کی ذات پہ اپنی درندگی آزما چکا ہے' آپ.... آپ پھر بھی.... پھر بھی جانتے بوجھتے ہوئے بھی باز نہیں آئے' آپ کو ذرا خیال نہیں آیا کہ آپ کیا حرکت کررہے ہیں؟ آپ کو ذرا شرم نہیں آئی کہ یہ آپ کی بیٹی کے برابر کی ہے....؟" نبیل نے انہیں گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

"تو خود اسے اپنے گھر میں کیوں رکھا ہوا ہے؟ کیا اپنا دل ٹھنڈا کرتے ہو؟ خوب صورت بھی تو بہت ہے آخر؟" ممتاز حیات نے نبیل کو طعنہ دے مارا تھا اور وہ اس طمانچے نما طعنے پہ کرنٹ کھا گیا تھا۔

"بابا....؟" وہ جیسے گنگ سا ہوگیا تھا۔

"ہاں.... ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں آخر اس لڑکی کو اپنے گھر میں رکھنے کا مقصد کیا ہے؟ کیوں اتنے مہربان ہو اس پہ....؟ اگر اتنی ہی مظلوم ہے تو اسے کسی دارالامان میں کیوں نہیں چھوڑ آتے؟ اپنے گھر میں اپنی نظروں کے سامنے کیوں بسا رکھا ہے اسے؟" ممتاز حیات نے تو کمینگی کی حد کر ڈالی تھی اور نبیل یہ سب سن کر ششدر سا ہو گیا تھا۔

"بولو.... بتاؤ مجھے؟ چپ کیوں ہوگئے ہو؟" ممتاز حیات کو نبیل کی چپ پہ اور بھی شہ ملی تھی۔

"اس نے اسے اپنے گھر میں اس لیے رکھا ہوا ہے کہ اس میں انسانیت ہے' لیکن تم میں انسانیت نہیں ہے تم نے تو اپنے گھر پہ بھی بری نظر ڈالنے سے گریز نہیں کیا' تم جانور ہو جانور.... گوشت نوچنے والے جانور تمہیں جہاں گوشت نظر آتا ہے' بھونکنے لگتے ہو' غرانے لگتے ہو' تمہاری آنکھوں کے آگے ہوس کی چربی چڑھ جاتی ہے' تم اندھے ہو جاتے ہو' تمہارا نفس تمہیں ذلیل کرکے رکھ دیتا ہے اور میں ایک ذلیل انسان کے ساتھ اب مزید کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتی' لہٰذا میرا فیصلہ یہی ہے کہ مجھے آج اور ابھی طلاق دے دو.... اور اس گھر سے دفع ہو جاؤ.... ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔"

فائزہ بیگم ان کی اور نبیل کی باتیں سن چکی تھیں اور ساری سچویشن سمجھ بھی چکی تھیں اس لیے انہوں نے کھڑے کھڑے وہ فیصلہ سنا دیا تھا جس سے وہ ساری زندگی ڈرتی ہی آئی تھیں اور آج جب یہ ڈر اتار کے پھینکا تھا تو وہ سب کچھ کہہ ڈالا تھا جو وہ کہنے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔

"مام!" نبیل کے ہونٹ کپکپائے تھے۔

"بس! اب اور نہیں نبیل اب اور برداشت نہیں کرسکتی.... ساری زندگی برداشت کیا ہے' اب میری برداشت کی حد ختم ہوگئی ہے' اب میں مرگئی ہوں جیتے جی مرگئی ہوں مجھے اک عمر ہوگئی ہے اس شخص کی ذلالتوں کے ساتھ جیتے ہوئے اب میرا حق بنتا ہے کہ میں مرجاؤں۔" فائزہ بیگم غصے و نفرت اور دکھ سے کہتی ہوئی رو پڑی

تھیں۔

"مگر ماما!" نبیل کی زبان ہی اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی، وہ کچھ کہنے کی کوشش کے باوجود بھی کہہ نہیں پا رہا تھا۔

"اگر مگر کچھ نہیں۔۔۔ کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا اور اگر چل بھی گیا تو مجھے کوئی پروا نہیں ہے، میں کسی ملک حق نواز کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" انہوں نے ممتاز حیات کو ملک حق نواز کا لقب دے دیا تھا اور نبیل ان کا گریبان چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"مجھے طلاق دے دو ممتاز حیات۔۔۔ مجھے اپنے نام کے ساتھ اب تمہارا نام بھی گوارا نہیں ہے۔" فائزہ بیگم کافی سپاٹ ہو رہی تھیں۔

"دے دوں گا تمہیں طلاق۔۔۔ مل جائے گی تمہیں۔۔۔ تھوڑا انتظار کرو۔" ممتاز حیات کہہ کر اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھے تھے۔

"یہ گھر میرا ہے۔۔۔ آپ یہاں نہیں رہ سکتے۔" نبیل کی آواز پہ ان کے بیڈ روم کی طرف بڑھتے قدم رک گئے تھے۔

"کیوں نہیں رہ سکتا۔۔۔ صرف اس لڑکی کی وجہ سے؟" انہوں نے کافی چبھتی ہوئی نظروں سے مومنہ بی بی کی طرف دیکھا تھا۔

"ہاں! صرف اس لڑکی کی وجہ سے، کیونکہ اب یہ گھر اس لڑکی کا گھر ہو گا، کیونکہ اب یہ مالکن ہو گی کیونکہ اگلے چند لمحوں میں میں اس سے شادی کرنے والا ہوں تاکہ دوبارہ کوئی آپ جیسا ملک حق نواز اس پہ بری نظر نہ ڈالے۔" نبیل نے فائزہ بیگم سے بھی زیادہ سنگین دھماکا کیا تھا۔ جس پہ وہاں موجود تینوں نفوس ساکت و صامت سے ہو گئے تھے۔

"نبیل۔۔۔؟" فائزہ بیگم نے چونک کر دیکھا۔

"صاحب۔۔۔؟" مومنہ بی بی کے ہونٹ بھی لرز گئے تھے۔

"یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ کسی کو کوئی بھی اعتراض ہو مجھے پروا نہیں ہے۔ البتہ مومنہ بی بی کو اعتراض ہے تو وہ انکار کا پورا پورا حق رکھتی ہے۔ میں اس کے انکار کا احترام۔۔۔ کروں گا۔" نبیل کہہ کر وہاں سے نکل گیا تھا اور پیچھے وہ تینوں دیکھتے رہ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼
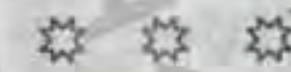
کچھ خاص نہیں بس اتنی سی محبت ہے تم سے
ہر رات کا آخری خیال ہر صبح کی پہلی سوچ ہو تم

ٹھیک ایک ماہ بعد آذر اور کومل کی شادی تھی، ہر طرف رونق ہی رونق تھی ہر طرف ہنگامے ہی ہنگامے تھے مگر آذر کو دیکھا جاتا تو یوں لگتا تھا کہ جیسے دنیا بھر کا جمود صرف اس کی ذات پہ ہی چھا گیا ہو، کوئی بھی رونق، کوئی بھی ہنگامہ اس پہ اثر نہیں کر رہا تھا وہ جہاں بیٹھا ہوتا تھا اسے وہاں بیٹھے بیٹھے گھنٹوں گزر جاتے تھے۔ اس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے اسے احساس تک نہیں ہوتا تھا اور اس کی یہ حالت کسی اور کو نہ سہی مگر دانیال کو بہت کھٹکتی تھی۔

وہ جب بھی اسے اس طرح بیٹھے ہوئے دیکھتا تھا اسے غصہ آجاتا تھا مگر آج نجانے کیا بات تھی کہ اسے آذر پہ غصہ نہیں آیا تھا بلکہ ترس آیا تھا، رحم آیا تھا اور وہ نپے تلے قدموں سے چلتا ہوا اس کے برابر ہی صوفے پہ آبیٹھا تھا۔

"کیسے ہو؟" دانیال کے لہجے کے ساتھ ساتھ سوال بھی بہت دھیما سا تھا۔ مگر آذر اپنے ہی کسی خیال میں گم اس

کی آواز، اس کا سوال نہیں سن سکا تھا اور دانیال اس کی کیفیت سمجھ گیا تھا۔

"آذر۔۔۔!" اب اس نے اسے اس کے نام سے پکارا تھا۔

"ہوں۔۔۔ ہاں۔۔۔!" وہ چونک کر متوجہ ہوا تھا اور اپنے قریب صوفے پہ بیٹھے دانیال کو خالی خالی نظروں سے دیکھا تھا۔

"میرا خیال ہے تم اس وقت اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ہو، جہاں اس وقت تمہارے علاوہ پانچ دس لوگ اور بھی ہیں، جن کی آوازیں بھی ہیں، شور بھی ہے، ہنگامے بھی ہیں، مگر تمہیں کچھ دکھائی نہیں دے رہا، کچھ سنائی نہیں دے رہا، تمہیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ تم بیٹھے کہاں ہو؟ ایسا کیوں ہے بھلا۔۔۔ کچھ پوچھ سکتا ہوں تم سے؟ کیا اس لائق سمجھتے ہو مجھے؟" دانیال نے اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کے اسے متوجہ کیا تھا اور آذر اس کے سوال پہ اس کی صورت دیکھتا رہ گیا تھا۔

"اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟ بتاؤ نا، میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے؟" دانیال نے پھر اسے جواب دینے پہ اکسایا تھا۔

"دیکھ رہا ہوں کہ تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی کس قدر انجان بن رہے ہو؟" آذر نے خاصے تلخ اور چبھتے ہوئے سے انداز میں کہا تھا۔

"میں انجان نہیں بن رہا بلکہ تم سے سننا چاہ رہا ہوں۔" دانیال نے تم پہ زور دیا تھا۔

"کیا جاننا چاہ رہے ہو؟" آذر نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"تمہارے اندر کا حال۔" اس نے آذر کے سینے کی سمت اشارہ کیا۔

"میرے اندر کا حال تو غالباً تم سے بہتر اور کوئی نہیں جانتا؟" آذر نے جیسے اپنے حال پہ طنز کیا تھا۔

"اسی لیے تو سب سے زیادہ پریشانی بھی مجھے ہی ہوتی ہے۔" دانیال واقعی متفکر ہو رہا تھا۔

"پریشانی؟ مگر کس چیز کی؟" اس نے جان بوجھ کر تعجب ظاہر کیا تھا۔

"تمہارے حال کی۔۔۔" دانیال نے اسے سرتاپا افسردہ اور تاسف زدہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"ہونہہ! میرے حال کو کیا ہوا ہے بھلا؟ ٹھیک ہی تو ہے، بہت خوش ہوں میں، آخر میری شادی ہو رہی ہے، ایک سے دو ہونے جا رہا ہوں۔ اس سے بڑی خوشی کی بات اور کیا ہو گی میرے لیے؟" آذر کے لہجے میں طنز تھا، ایک گہرا طنز۔ دانیال چند ثانیے کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔

"دیکھو آذر۔۔۔ اب طنز کرو یا چوٹ۔۔۔ حال بناؤ یا حلیہ۔۔۔ فیصلہ تو ہو چکا ہے، شادی تو تم نے کرنی ہی ہے تو پھر اسی طرح۔۔۔ اس طرح اداسی کا اشتہار بننے کی کیا ضرورت ہے آخر؟ اس طرح کرو گے تب بھی شادی ہو گی اور اگر نارمل رہو گے تو تب بھی شادی ہو گی، مگر اس سے فرق یہ آئے گا کہ سیکنڈ طریقے سے سب کچھ اچھا نظر آئے گا اور سب خوش رہیں گے، جبکہ تم فرسٹ طریقے پہ ڈٹے ہوئے ہو۔"

"پلیز دانیال پلیز۔۔۔! یہ ساری باتیں صرف کہنے کے لیے ہی ہوتی ہیں، ان پہ عمل کرنا پڑ جائے تو جان عذاب میں آجاتی ہے، گلے میں پھندا پڑ جاتا ہے، انسان چکی کے دو پاٹوں میں پس کے رہ جاتا ہے، امیدیں ختم ہو جاتی ہیں دل و دماغ کی عمر حاصل پھر بھی کچھ نہیں ہوتا، الٹا اپنے ہی دل کی لاش اٹھانا پڑ جاتی ہے اور اپنے دل کی لاش اپنے کندھوں پہ اٹھانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔۔۔ یہ صرف میرا ہی المیہ نہیں ہے سب کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے، کبھی تم پہ گزرتی تو تمہیں احساس ہوتا، مگر خوش قسمت ہو۔۔۔ دل کے معاملے میں مطمئن ہو۔۔۔ اور اللہ تمہیں مطمئن ہی رکھے آمین۔" آذر نے کہتے ہوئے آخر میں اس کا کندھا تھپکا تھا اور دانیال کو ایک بار پھر چپ ہونا پڑا تھا۔

"مگر پھر بھی یار میں یہ ہی چاہوں گا کہ تم خوش رہو۔" دانیال نے ذرا توقف سے دوبارہ کچھ بولنے کا ارادہ پورا کیا تھا اور آذر اس کی بات پہ بے ساختہ نفی میں سر جھٹکتے ہوئے طنزیہ سے انداز میں مسکرایا تھا۔

"ہونہہ! خوش تو بہرحال نہیں رہ سکتا البتہ خوش نظر آنے کی کوشش ضرور کر سکتا ہوں۔"

"لیکن آذر!" دانیال نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"ایم سوری دانیال! میں اس وقت کچھ سننے کی پوزیشن میں نہیں ہوں' جو جیسا چل رہا ہے' چلنے دو بس گہرائی میں مت جاؤ' گہرائی میں جانے سے ہمیشہ نقصان ہوتا ہے۔" آذر اسے ہاتھ اٹھا کر روکتے ہوئے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم دونوں میں کیا کھسر پھسر ہو رہی ہے؟ وہ بھی اتنے سنجیدہ موڈ میں....؟" عائشہ آفندی ان دونوں کے قریب چلی آئی تھیں۔

"کچھ نہیں پھوپھو....! ایسی کوئی بات نہیں ہے' بس آپ کے بیٹے کو ہر بار گہرائی میں جانے کی عادت پڑ گئی ہے' اسے کہیں زیادہ نہ سوچا کرے شادی کے دن قریب ہیں اس لیے اپنے ذہن پہ زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔" آذر ہلکے پھلکے انداز میں کہتا عائشہ آفندی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"کیسا بوجھ؟" اس کی بات پہ عائشہ آفندی کو الجھن ہوئی تھی۔

"عجیب الٹی سیدھی باتیں سوچتا رہتا ہے' بڑا فارغ ٹائم ہے اس کے پاس۔" آذر کے انداز پہ غور کرنے کے بعد عائشہ آفندی کو اندازہ ہوا تھا کہ وہ مذاق کر رہا ہے' تب انہوں نے کچھ ریلیکس ہو کر دانیال کی طرف دیکھا تھا۔

"فارغ ٹائم تو تم سب کے پاس ہی ہے' سوچتے تو تم بھی رہتے ہو' اب یہ پتا نہیں کہ کیا سوچتے رہتے ہو؟" وہ جواباً مسکرائی تھیں اور آذر کچھ دیر بعد وہاں سے اجازت لے کر باہر نکل گیا تھا اور دانیال پھر کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ وہ آج کل مسلسل آذر کے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼
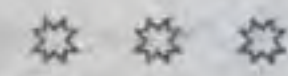
"مجھے ایک بار.... صرف ایک بار.... بس آخری بار.... اور' اور شاید پہلی بار.... اس سے اظہار تو کرنا چاہیے نا؟ اس دل میں اس نامراد دل میں یہ خواہش' یہ حسرت تو نہ رہے کہ بنا اظہار کے ہی مر گیا؟ نہ اس کے در پہ پہنچا نہ سجدہ کیا' بس پتھر کی جبیں لیے' بت بنا رہ گیا۔ ہرگز نہیں' کبھی نہیں اس جبیں کو ایک بار اس کے در پہ تو ضرور لے کر جاؤں گا۔ بلکہ آج ہی جاؤں گا اور ابھی ہی جاؤں گا آج کے بعد کل کس نے دیکھا ہے بھلا؟ کل پہ رہ جانے والے لوگ خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں اور میں' میں تو ہوں ہی خالی ہاتھ اب اور خالی ہونے کے لیے تو کچھ بھی نہیں ہے' اس لیے اب اس کے در پہ اس کے دل کے در پہ جانا ہی بہتر ہے اور آج میں جاؤں گا ہر حال میں جاؤں گا ابھی جاؤں گا اور اس وقت جاؤں گا۔" اس نے اندھا دھند سڑکوں پہ گاڑی دوڑاتے ہوئے اچانک گاڑی کا رخ ہسپتال کی طرف موڑ دیا تھا۔ اور گاڑی فل اسپیڈ پہ چھوڑ دی۔

مگر اس وقت کون جانتا تھا کہ یوں پاگلوں کی طرح ڈرائیو کرتے ہوئے نبیل حیات کے رخساروں پہ کتنے آنسو بے آواز بہے تھے اور دل کتنی بار صحرا میں بھٹکے مسافر کی طرح بولایا تھا۔

پاگل تو وہ پہلے ہی ہو چکا تھا مگر اس وقت وہ دل و دماغ کی یورش سے سچ مچ جنونی سا ہو رہا تھا اس کے اندر چھپی سالوں کی تڑپ اس کے روئیں روئیں سے نمایاں ہو رہی تھی۔ وہ آج کچھ بھی چھپا نہیں پا رہا تھا' جیسے وہ اپنے اختیار میں ہی نہ رہا ہو' اس کا اپنی ذات سے ہی اختیار اٹھ چکا تھا' وہ بے بس تھا اور اس بے بس اور جنونی سی حالت میں وہ سیدھا ہسپتال جا پہنچا تھا۔

"نبیل بھائی آپ؟ خیریت تو ہے نا؟" نگارش جو ندی کے بیڈ کے قریب ہی کرسی پہ بیٹھی ہوئی تھی نبیل کو یوں اچانک بغیر دستک کے اندر داخل ہوتے دیکھ کر حیرانی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں زری سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔" اس کا لہجہ اور انداز ایسا تھا کہ نگارش ٹھٹک کر دیکھنے پہ مجبور ہو گئی تھی۔

"زری سے بات کرنا چاہتے ہیں؟" اسے مزید حیرت ہوئی تھی۔

"جی ہاں! زری سے بات کرنا چاہتا ہوں کیا اجازت ہے؟" اب کی بار اس نے اجازت طلب کرنے کی فارملیٹی نبھائی تھی۔

"ج.... جی! کر سکتے ہیں۔" نگارش نے اپنے تاثرات کنٹرول کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی زری کی ڈائری زری کے سرہانے رکھی اور اک سائیڈ پہ ہو گئی۔

"جو بھی بات کروں گا یہ سنے گی نا؟" نبیل نے جیسے تسلی چاہی تھی۔

"ہونہہ! یہی تو افسوس ہے صرف سنتی ہے' بولتی کچھ بھی نہیں۔" نگارش کے لہجے میں دکھ کی چبھن تھی۔

"میں بھی نہیں بولتا تھا' صرف سنتا تھا' مگر آج یہاں سننے کے لیے نہیں آیا' صرف بولنے کے لیے آیا ہوں' تاکہ میں بولوں اور یہ سنے۔"

نبیل نے زری کی سمت اشارہ کیا تھا مگر نگارش اس کے تیور دیکھ کر لرز گئی تھی۔ کیونکہ اس کی آنکھوں کے سامنے اک اور محبت انکشاف پہ آمادہ تھی۔ اور انکشاف جب بھی ہو' جس چیز کا بھی ہو ہمیشہ دہلا ہی دیتا ہے اور اس لیے نگارش بھی دہل گئی تھی اور اس کا دل بھی۔

"نبیل بھائی! کیا یہ سہہ پائے گی؟" نگارش کو شروع سے ہی شک تھا کہ نبیل زری کو چاہتا ہے اس سے محبت کرتا ہے' اسپیشل فیلنگز رکھتا ہے۔ مگر کہتا کچھ بھی نہیں اظہار نہیں کرتا ڈرتا ہے' جھجکتا ہے لیکن آج وہ سارے ڈر اور ساری جھجک بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے اظہار کا جنون اٹھائے' اپنے لفظوں کے موتی لیے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور نگارش کا شک یقین کے سانچے میں ڈھل گیا تھا۔

"میں بھی تو نہیں سہہ پا رہا اس لیے تو آج' آج سب کچھ کہہ کر آزاد ہو جانا چاہتا ہوں۔" اس نے کہتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"تو آپ آزاد ہونے کے لیے آئے ہیں؟" نگارش نے بھی ذرا توقف سے سوال کیا تھا۔

"ہاں.... دل پہ بوجھ اٹھا اٹھا کر تھک گیا ہوں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تو پھر یہ بوجھ وہ کیسے اٹھائے گی.... آپ جانتے ہیں نا یہ ایک ایسا بوجھ ہے' جو زمین بھی نہیں سہار سکتی' اس کے دکھ میں' اس کے ہجر میں بنجر ہو جاتی ہے اور آپ ایک بنجر زدہ زمین کو مزید عذاب میں مبتلا کرنا چاہ رہے ہیں؟" نگارش نے دکھ سے کہا تھا۔

"نہیں! میں اسے مزید عذاب میں مبتلا نہیں کرنا چاہ رہا بلکہ یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ یہ اکیلی بنجر زدہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ اکیلی ہجر زدہ ہے' ہم جیسے لوگ بھی اس عذاب کا شکار ہیں' ہم بھی اک عذاب جھیل رہے ہیں اور اس عذاب کو جھیلنے کے بعد جی بھی رہے ہیں اس کی طرح دل سے اور دنیا سے غافل نہیں ہوئے۔"

نبیل کی ہر بات میں اور ہر لفظ میں دکھ تھا' درد تھا' چبھن تھی نگارش سے مزید سنا نہ گیا اور اس روم سے باہر نکل گئی تھی اور نبیل زری کے بیڈ کے پائنتی کی طرف کھڑا رہ گیا تھا۔

کمرے کا دروازہ بند تھا۔

اور کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔

زری بے ہوش پڑی تھی اور نبیل ہوش و حواس میں کھڑا تھا۔
اور سوچ رہا تھا کہ بے ہوش پڑی زری سے کیا کہے..... کہاں سے بات شروع کرے..... اور کہاں پہ بات ختم کرے؟

جبکہ زری مضطرب سی ہو رہی تھی کہ نبیل کیا کہنے والا ہے آخر ایسی کون سی بات ہے. جس کو بتا کہے اور بتا سے ہی نگارش اتنی پریشان ہو گئی تھی اور ان دونوں کے لہجوں میں دکھ چمکنے لگا تھا۔

"نبیل پلیز! بولیے کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟ کیوں اتنے پریشان ہیں؟ کیوں آئے ہیں یہاں؟" زری اٹھ نہیں سکتی تھی بول نہیں سکتی تھی سوال نہیں کر سکتی تھی مگر اندر ہی اندر پریشان تو ہو سکتی تھی نا... بے چین تو ہو سکتی تھی نا؟

"زری.....!" نبیل کو شاید اس کی بے چینی اور اضطراب کا احساس ہو ہی گیا تھا۔ مگر زری جو پہلے ہی بے جان سی پڑی تھی اس کی اس پکار پہ دھک سے رہ گئی تھی۔

"یہ کیا؟ یہ تو محبت کی آواز ہے؟ یہ تو عشق کا لہجہ ہے؟"

یہ پکار تو قیامت کی پکار ہے..... اس سے کون بچے؟ اور اس کو کون سنے؟

وہ کوئی دل آور شاہ تھی جس کا کلیجہ محبت کی آواز، عشق کے لہجے اور قیامت کی پکار پہ بھی نہ کانپتا؟ وہ تو موم کا وجود تھی، لیکن پتھر ہو کے رہ گئی تھی۔

"سنا ہے محبت کی رمز، محبت کا دکھ تم سے بہتر کوئی بھی نہیں جانتا، کسی کو محسوس ہی نہیں ہوتا اس لیے محبت کی رمز اور محبت کا دکھ تم سے کہنے آیا ہوں' تاکہ تم سنو اور مجھے علاج بتاؤ، حل نکالو میرے درد کا، میری بے بسی کا اور میری اس مفلوج محبت کا جو تمہارے ساتھ پچھلے چھ ماہ سے اس بستر پہ پڑی ہے اور کوما کا شکار ہے۔"

نبیل کی آواز بے حد گمبھیر ہو رہی تھی اور لہجہ بھیگنے لگا تھا اس نے اپنے دونوں ہاتھ بیڈ کی پائنتی والے اسٹینڈ پہ جما دیے تھے جیسے وہ بے بسی کی انتہا پہ کھڑا ہو۔

"زری پلیز! اور کچھ نہیں تو مجھے صرف اتنا ہی بتا دو کہ اگر کسی کی محبت کوما میں چلی جائے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟"

اس کا ہر سوال ہی جان لیوا تھا اور زری اس کے ہر سوال کے ساتھ مر رہی تھی۔

"بولو زری! بتاؤ مجھے کسی کی محبت کوما میں چلی جائے تو اسے کیا کرنا چاہیے۔ اس انسان کو مر جانا چاہیے؟ پگھل جانا چاہیے؟ یا پتھر کا ہو جانا چاہیے؟"

نبیل نے زری کے چہرے کی سمت دیکھا جو بظاہر تو بہت پرسکون تھا مگر اندر کہیں طوفان اٹھ رہے تھے اور اندر کے اس طوفان کو باہر تک آنے میں ابھی کچھ وقت درکار تھا۔ مگر نبیل کو اس وقت کا انتظار نہیں تھا۔ کیونکہ وہ وقت اور انتظار کے اس جملے سے نکل آیا تھا اور اپنے آس پاس کی ہر زنجیر کو جھٹک رہا تھا جھٹلا رہا تھا۔

"ہونہہ! مجھے پتا ہے کہ تمہارا جواب کیا ہو گا؟ یہی نا کہ انسان کو پتھر کا ہو جانا چاہیے؟ بالکل ایسے جیسے تم ہو گئی ہو جیسے دل آور ہو گیا ہے' ویسے ہی بالکل ویسے ہی مجھے بھی ہو جانا چاہیے کیونکہ ہم تینوں کا آپس میں رشتہ ہی کچھ ایسا ہے کہ ہم تینوں ایک دوسرے سے محبت کریں اور پتھر کے ہو جائیں۔ تو پھر..... تو پھر تم خود سوچو زری کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ تم دونوں محبت کر کے پتھر کے ہو جاؤ اور نبیل حیات محبت کر کے بھی موم کا ہی رہ جائے؟

ہونہہ! نہیں ہرگز نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا دو پتھر لوگوں میں ایک موم کا انسان نہیں رہ سکتا اگر رہنا ہے تو اسے بھی ان کے بیچ پتھر بن کے رہنا ہو گا اور میں آج یہاں یہی بتانے کے لیے آیا ہوں کہ میں بھی آج سے تم لوگوں کی طرح پتھر ہی ہوں اور پتھر ہی کہلاؤں گا۔ مگر اس پتھر ہونے سے پہلے ایک اعتراف کرنا تھا اک حسرت پوری کرنی تھی۔

سواس کے لیے تمہاری خدمت میں حاضر ہونا ضروری تھا۔ اور وہ ہو گیا ہوں۔" نبیل نے کہتے ہوئے سر جھکا لیا تھا اور ذرا توقف کے لیے ٹھہرا تھا۔

"زری! اعتراف یہ ہے کہ نبیل حیات کے دل و جان کو ہی نہیں، روئیں روئیں کو بھی محبت ہے تم سے اور حسرت یہ ہے کہ میں اپنا حال کہوں اور تم سامنے بیٹھ کے سنو۔ اور یہ حسرت اور یہ اعتراف تب سے اس دل میں لیے پھر رہا ہوں جب تم نے پہلی بار انگلینڈ کی سرزمین پہ قدم رکھا تھا، لیکن اس وقت میں یہی سمجھا تھا کہ تم نے انگلینڈ کی سرزمین پہ قدم نہیں رکھا بلکہ میرے دل پہ قدم رکھا ہے، جہاں تمہارے آنے سے بہار آ گئی تھی۔ جہاں تمہارے قدم رکھنے سے ہی محبت کا پودا اگ آیا تھا مگر میں نے اس پودے کو ہمیشہ خاموشی سے پالا پوسا اور پروان چڑھایا، سوچا۔۔۔ عبداللہ نے تمہیں اسٹڈی کے لیے یہاں بلوایا ہے، اب اگر میں اظہار کرتا، اپنی محبت ظاہر کرتا، یا پھر اپنی مام کے ذریعے پرپوزل دیتا تو یقیناً "عبداللہ تم سے بدظن ہو جاتا کہ اس کے یہاں آتے ہی یہ سب بھی شروع ہو گیا ہے؟ اسی لیے، اسی لیے تمہاری خاطر میں نے اپنے دل کو گونگا بہرہ اور اندھا بنا دیا کبھی کچھ بولا نہ کبھی کچھ سنا اور نہ ہی کبھی کچھ دیکھا۔

بس اس پودے کو پالنے میں لگا رہا جو صرف تمہارے ایک قدم کی مرہون منت میرے دل کی سرزمین پہ اگا تھا۔ اور اس دھن میں مجھے یہ بھی پتا نہ چلا کہ تمہارے دل کی سرزمین پہ کس کی محبت کے پھول کھل چکے ہیں؟ اگر اس بات کا علم ہو جاتا تو میں اپنے دل سے اس پودے کو بہت پہلے ہی جڑ سے اکھاڑ پھینکتا۔

مگر افسوس کہ پتا اس وقت چلا ہے جب اس پودے کی جڑیں میری نس نس میں پھیل گئیں اور اس کا درد میری رگ رگ میں بہہ رہا ہے۔

میں شکار ہو چکا ہوں، میں چیخ رہا ہوں، چلا رہا ہوں، تڑپ رہا ہوں، جھلا رہا ہوں، مگر سنبھل نہیں رہا، بچ نہیں رہا، مر رہا ہوں، ہر گھڑی، ہر لمحہ۔

مگر چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے اور پتھر ہونے سے پہلے تمہاری محبت سے اور اس پودے کی جڑوں سے آزاد ہو جاؤں اور میں یہاں آزاد ہونے کے لیے ہی آیا ہوں اور یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ آج سے نبیل حیات بھی پتھر اور اس کے جذبات بھی پتھر۔

اب کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں وہی نبیل حیات ہوں اک اچھا سا موم کا پتلا۔ اب میں چلتا پھرتا پتھر کا انسان ہوں اور پتھروں پہ کچھ اثر نہیں کرتا۔ چاہے ہجر ہو، چاہے وصال ہو، چاہے زری ہو، چاہے مومنہ بی بی۔" وہ کہتے کہتے ایک بار پھر ٹھہرا تھا۔

"مومنہ بی بی؟" زری کا دل روتے روتے چونکا۔

"مومنہ بی بی؟ کیا مومنہ بی بی؟ نبیل آپ چپ کیوں ہو گئے ہیں؟ بتایئے نا، مومنہ بی بی کا ذکر کیوں کیا؟" زری کی خاموشی کرلائی تھی۔

"ہاں! مومنہ بی بی۔" نبیل نے یوں اثبات میں سر ہلایا تھا جیسے زری کی خاموشی کی زبان بھی با آسانی سمجھ رہا ہو۔

"زری! میں نے سوچا ہے کہ جب ہم لوگ ایک دوسرے کے نہیں ہو سکتے تو پھر کیوں نہ ہم لوگ ان کے ہو جائیں جن کو ہماری ضرورت ہے، جن کی زندگی ہمارے نام سے ہی سہل ہو جائے گی۔ جن کو سہارا مل جائے گا۔ جو سنور جائیں گے۔"

"نبیل پلیز! آگے بولیں۔" زری کا دل چیخا۔

"سو اسی لیے آج میں نے مومنہ بی بی سے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے، میں اسے اپنا نام دے رہا ہوں، اپنے گھر میں جگہ دے رہا ہوں، مقام دے رہا ہوں، بالکل ایسے ہی جیسے دل آور نے علیزے بھابھی کو دیا ہے۔"

نبیل نے اچانک اور بے ساختہ ہی وہ بات کہہ دی تھی جو بے جان پڑی زری کو بھی ہلا کے رکھ گئی تھی۔

"ہاں زری۔۔۔ یہ سچ ہے اور یہی حقیقت ہے وہ کہے یا نہ کہے وہ مانے یا نہ مانے لیکن وہ بے وفا نہیں ہے میں کہتا ہوں میرا دل کہتا ہے، دل آور بے وفا نہیں ہے، تمہیں ہے وہ بے وفا اس نے وہی کیا ہے جو آج میں کرنے کے لیے آیا ہوں پتھر ہو گیا ہے وہ۔۔۔ مر چکا ہے وہ لاش گھسیٹ رہا ہے اپنی۔۔۔ جیسے اب میں گھسیٹوں گا جیسے تم گھسیٹو گی جیسے عبداللہ گھسیٹ رہا ہے ہم سب اپنی اپنی لاشیں گھسیٹ رہے ہیں زری اور یہی ہمارا مقدر تھا اور اب اس مقدر کے ساتھ ہم نے جینا بھی ہے اور زندگی بھی گزارنی ہے۔"

نبیل کا لہجہ بھیگنے لگا تھا اور زری کی ہستی نہس نہس ہو گئی تھی۔

"زری! اگر میری مانو تو واپس آ جاؤ۔۔۔ واپس ہوش کی دنیا میں لوٹ آؤ۔۔۔ یہاں ہوش و حواس میں رہ کر بھی جیا جا سکتا ہے۔ یہاں پتھر بن کے بھی جیا جا سکتا ہے یہاں کسی اور کا ہو کر بھی جیا جا سکتا ہے ضروری نہیں ہے کہ محبت نہ ملے تو بستر سے لگ جاؤ۔

بلکہ ضروری تو یہ ہے کہ تم پھر سے اٹھو، پھر سے حوصلہ کرو، اور پھر سے محبت نبھاؤ۔ کیونکہ محبت میں ہمت ہارنا بہت آسان ہوتا ہے مگر محبت میں حوصلہ رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جیسے میں نے رکھا ہے جیسے دل آور نے رکھا ہے ویسے ہی تم بھی رکھو۔

آخر تمہاری محبت کی شدت تو ہماری محبت سے بھی زیادہ ہے، تمہیں تو اور زیادہ حوصلہ رکھنا چاہیے ہم سے بھی زیادہ۔" نبیل آج جو کچھ من میں تھا وہ سب کہتا جا رہا تھا۔

"مجھے دیکھو میں بھی تو ہوں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارے دل پہ دل آور کی دسترس ہے پھر بھی تم سے محبت کرنا کم نہیں کر سکتا۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ میں اب کسی اور کا ہونے جا رہا ہوں، مگر پھر بھی تم سے دل کا تعلق نہیں توڑ سکتا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ہم کبھی مل نہیں سکتے، پھر بھی جینے کے لیے تیار ہوں، مر نہیں سکتا شاید اس لیے کہ جیوں گا تو تم سے محبت کرتا رہوں گا، مر گیا تو تم آنکھ سے اوجھل ہو جاؤ گی پھر کیسے دیکھوں گا؟ کیسے چاہوں گا؟ اور کس سے محبت کروں گا؟"

وہ بے ساختہ کہتے ہوئے بکھر گیا تھا اور زری کی سانسوں میں اک ہلچل سی ہوئی تھی۔

"خیر! میں جو بھی کروں یہ میرا مسئلہ ہے اور تم جو بھی کرو یہ تمہارا مسئلہ ہے، ہم ایک دوسرے کو سمجھانے کا اور کسی چیز سے روکنے کا کوئی حق یا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔۔۔ سب کی اپنی اپنی زندگی ہے اور سب کا اپنا اپنا اختیار ہے، میرے بس میں جو ہے میں وہ کرنے جا رہا ہوں، تمہارے بس میں جو ہو گا تم وہ کر لینا۔

بس میں آج سے آزاد ہوا۔ میرے دل سے بوجھ اتر گیا کہ میں تمہارے در تک نہیں پہنچا۔ لیکن دیکھو آج پہنچا بھی ہوں، اظہار بھی کر دیا، اعتراف بھی کر لیا اور یہ بھی مان لیا کہ زندگی تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں مگر پھر بھی زندگی بسر تو کرنی ہی ہے اور وہ چاہے مومنہ بی بی کے ساتھ ہو جائے، چاہے کسی اور نسوانی وجود کے ساتھ۔۔۔ انسان کی محبت کا پیکر ہی اس کے پہلو میں سجا ہو یہ ضروری تو نہیں ہے؟" نبیل نے کہتے ہوئے تلخی سے سر جھٹکا تھا اور اپنے دونوں ہاتھ اس کے بیڈ کی پائنتی سے ہٹا لیے تھے اور واپسی کے لیے ارادہ باندھ لیا تھا۔

مگر اس کے قدم واپسی کا سوچ کر ہی لرز رہے تھے اور دل سینے کی قید میں بے قراری سے تڑپا تھا۔

"آئی لو یو زری! آئی لو یو سو مچ۔" نبیل کے ہونٹوں پہ یہ اک جملہ مچلا اور آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے مگر پھر وہ وہاں ٹھہرا نہیں تھا اور اک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

"نبیل۔۔۔!" زری کا من اس کے پیچھے بلند آواز سے چیخا تھا کیونکہ وہ نبیل حیات کے درد کو بہت آسانی سے اور بہت قریب سے سمجھ سکتا تھا اور اس درد کو سمجھتے ہوئے اس کی حالت بگڑ گئی تھی اور سب کچھ کنٹرول سے باہر ہو

گیا تھا۔

"زری۔۔۔!" نگارش اس کی حالت دیکھ کر چیخ اٹھی تھی اور ہسپتال کا پورا اسٹاف جمع ہو گیا تھا۔۔۔

☆ ☆ ☆

"مم۔۔۔ مگر نبیل صاحب! آپ' آپ تو۔۔۔ وہ زری بی بی کو؟" مومنہ بی بی نے ڈرتے ڈرتے زری کا نام لیا تھا اور بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"ہاں! مگر اب نہیں' اب میں اپنی محبت اس کے قدموں میں رکھ آیا ہوں۔ وہ اس کی امانت تھی' اسے ہی دے دی۔ اس کے علاوہ کوئی مسئلہ ہے تو بات کرو؟"

نبیل نکاح سے پہلے مومنہ بی بی کی مرضی جاننے کے لیے اس کے بیڈ روم میں آیا تھا اور مومنہ بی بی نے سب سے پہلے زری کا نام لیا تھا۔

"صاحب! میری اتنی اوقات نہیں ہے' آپ میری وجہ سے اپنے گھر میں مسئلہ اٹھا رہے ہیں۔" مومنہ بی بی نے کافی بے بسی اور بے چارگی سے کہا تھا۔

"نہیں! تم غلط سوچ رہی ہو' یہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ تو مسئلے کا حل ہے' اپنے باپ سے سارے تعلق ختم کر رہا ہوں اور تم سے تعلق جوڑ رہا ہوں' اس سے بڑا مسئلے کا حل اور کیا ہو گا بھلا؟" نبیل بڑے آرام اور پرسکون انداز میں بات کر رہا تھا اور مومنہ بی بی اس کے سکون کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

"لیکن نبیل صاحب!" اس نے پھر کچھ کہنا چاہا تھا۔

"آپ کی طرف سے میں ہاں سمجھوں یا نا؟" وہ دوٹوک انداز پہ اتر آیا اور مومنہ بی بی بے ساختہ کسی خیال کے تحت رو پڑی تھی اور اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔

"اب کیا ہو گیا؟" نبیل کو الجھن ہوئی تھی۔

"نبیل صاحب! آ' آپ بہت اچھے ہیں۔ آپ میرے لیے کسی مہربان فرشتے سے کم نہیں ہیں' میں اس گھر میں رہ کر آپ کی جتنی بھی خدمت کروں وہ بھی میری نظر میں کچھ نہیں ہے مگر میں نے کبھی بھی اپنے لیے اس مقام کا نہیں سوچا جو آپ مجھے دے رہے ہیں۔ لیکن آپ شاید بھول رہے ہیں کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ کوئی بھی شریف آدمی مجھے اپنی بیوی بنائے' بیویاں تو بہت پاک' صاف اور بے داغ ہونی چاہئیں۔۔۔ جبکہ میں تو ناپاک ہو چکی ہوں' داغ دار ہو چکی ہوں' میں آپ کے قابل نہیں ہوں نبیل صاحب۔۔۔ میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔" مومنہ بی بی کہتے کہتے یکدم ہچکیوں سے رو پڑی تھی اور نبیل چند ثانیے کے لیے چپ سا ہو گیا تھا۔

"مومنہ پلیز! چپ ہو جایئے۔۔۔ کسی کی عزت لٹ جائے یا محبت۔۔۔ حالت دونوں کی ہی ایک جیسی ہو جاتی ہے' میرا حال بھی آپ سے کچھ کم نہیں ہے' دل داغ دار ہو یا جسم۔۔۔ بات ایک ہی ہے' آپ میرے جسم کے ساتھ گزارا کر لیجیے گا' میں آپ کے دل کے ساتھ گزارا کر لوں گا۔ زندگی بسر ہونی ہی ہے' سو ہو جائے گی' مگر وعدہ کرتا ہوں شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ بیوی بنا رہا ہوں تو ہمیشہ بیویوں والا مقام ہی دوں گا' عزت کروں گا اور دوسروں سے بھی عزت ہی کرواؤں گا۔۔۔ وہی عزت جو آپ کا اصل حق ہے۔"

نبیل نے اسے ہر طرح سے یقین دہانی کروا دی تھی اور مومنہ بی بی نے بالآخر روتے ہوئے اس کے سامنے سر جھکا دیا تھا اور نبیل اس کی رضامندی لے کر باہر آ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"بھائی!" مدحیہ بڑے عجلت بھرے انداز میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔ مگر سامنے ہی ڈرائنگ روم کے صوفے پہ بیٹھے تین چار لوگوں کو دیکھ کر اس کے قدم رک گئے تھے اور نبیل اسے دیکھ کر فوراً اٹھ کر اس کے قریب آ گیا تھا۔

"ادھر باہر آؤ میرے ساتھ۔" نبیل اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے بولا۔

"لیکن بھائی۔۔۔! یہ' یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ یہ سب کیا ہے آخر؟" مدحیہ روہانسی سی ہو رہی تھی کیونکہ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے سب کچھ ختم ہو رہا ہو۔

"مدحو۔۔۔! میرے ساتھ باہر آؤ پلیز بتاتا ہوں تمہیں۔" وہ اسے اپنے ساتھ لیے ڈرائنگ روم سے نکل آیا تھا۔

"بھائی پلیز! نہ کریں ایسا۔۔۔ پلیز نہ کریں میرا دم گھٹ جائے گا۔ میں مر جاؤں گی دکھ سے۔" مدحیہ نے نبیل کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچ لی تھی وہ صبح سے ہی گھر پہ نہیں تھی' پہلے شاپنگ کے لیے نکلی تھی پھر عدیل کے گھر چلی گئی تھی' وہاں فاروق نیازی اور عابدہ خاتون کے ساتھ بیٹھے وقت کا پتا ہی نہ چلا تھا کہ اچانک فائزہ بیگم کی کال آ گئی تھی اور جو کچھ انہوں نے بتایا تھا اس کے بعد اس کا وہاں رکنا محال ہو گیا تھا' وہ انتہائی عجلت میں رش ڈرائیو کرتی ہوئی گھر پہنچی تھی۔

"نہیں! اب نہیں مدحو۔۔۔ اب فیصلہ ہو چکا ہے۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"مگر بھائی! وہ زری؟" مدحیہ کا لہجہ گلوگیر ہو گیا تھا اس کا بڑا ارمان تھا کہ زری اس کی بھابھی بنے' حالانکہ اس کا یہ ارمان دل آور کے حوالے سے تھا مگر جب سے دل آور کے نکاح کا پتا چلا تھا تب سے یہ ارمان نبیل سے جوڑ لیا تھا شاید اس لیے کہ اسے یہ بھی ادراک ہو چکا تھا کہ نبیل بھی زری کو چاہتا ہے۔

"اس کے دل کا در بند ہے میرے لیے اور میں اس در پہ لاکھ دستک دوں۔۔۔ یا عمر بھر چوکھٹ پہ بیٹھ کے انتظار کرتا رہوں وہ در میرے لیے کبھی بھی نہیں کھلے گا کبھی بھی نہیں۔۔۔ اس لیے میں پلٹ آیا ہوں' بنا دستک دیے ہی پلٹ آیا ہوں' ہاں فریاد ضرور کی ہے' مگر دستک نہیں دی۔" نبیل نے مدحیہ کو کندھوں سے دباتے ہوئے بتایا تھا۔

"کیوں۔۔۔؟ کیوں کر رہے ہیں آپ ایسا؟ پلیز بھائی یہ ستم نہ کریں' زری کا انتظار کریں' وہ ہوش میں آئے گی' ضرور آئے گی' آپ یہ جلد بازی مت کریں' مومنہ کی شادی ہم کہیں اور کروا دیں گے۔۔۔" مدحیہ نے روتے ہوئے التجا کی تھی اور نبیل کے چہرے پہ استہزائیہ رنگ بکھر گئے تھے۔

"دیکھو مدحو۔۔۔! اگر مجھے ذرا سا بھی یقین ہوتا کہ زری میری ہے تو تم یقین کرو کہ میں ساری زندگی بھی اس کے انتظار میں گزارنے سے گریز نہ کرتا مگر مدحو مجھے یقین ہے کہ زری میری نہیں ہے وہ تو اپنے آپ کی بھی نہیں ہے تو پھر۔۔۔ تو پھر میں انتظار کس کا کروں۔۔۔؟ اور کیوں کروں؟ وہ آج ہوش میں آئے یا دس سال بعد ہوش میں آئے' میں جانتا ہوں وہ تب بھی نبیل حیات کو قبول نہیں کرے گی' کیونکہ جس دل پہ دل آور کی چھاپ ہو' وہاں نبیل حیات اثر کر جائے یہ تو ایک ناممکن سی ہی بات ہے۔

اور ویسے بھی جس دل پہ دل آور کی چھاپ ہو وہاں نبیل حیات اثر کرنا بھی نہیں چاہتا' وہ اس کے لیے دھڑکتا ہے' وہ اس کے لیے دھڑکے۔۔۔ مجھے کوئی افسوس' کوئی غم نہیں ہے' اس لیے اب تم بھی یہ غم چھوڑو اور دعا کرو' میری نئی زندگی کی بہتری اور سکون کے لیے۔۔۔ اوکے؟" نبیل نے اسے کافی نرمی سے سمجھاتے ہوئے اس کے گال تھپکے تھے اور پھر قدم ڈرائنگ روم کی سمت بڑھا دیے تھے جہاں ایس پی کامران مہدی کے ساتھ ساتھ دو تین اور لوگ بھی مولوی صاحب کے ساتھ بیٹھے نبیل کا انتظار کر رہے تھے۔

اور نبیل زری کا خیال ڈرائنگ روم سے باہر ہی چھوڑتے ہوئے اندر آ گیا تھا۔۔۔ جبکہ مدحیہ وہیں راہداری میں دوزانو بیٹھتے ہوئے بلک بلک کر رو پڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سر...! مبارک ہو... بہت بہت مبارک ہو مس زرین ملک ہوش میں آگئی ہیں۔" ڈاکٹر لودھی نے آئی سی یو سے باہر نکلتے ہی سامنے کھڑے عبداللہ کو بڑی گرم جوشی سے یہ خبر سنائی تھی اور نگارش کے ساتھ ساتھ عبداللہ کی بھی بے چینی سے آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں؟" عبداللہ نے ہنوز بے یقینی کا ہی مظاہرہ کیا تھا۔

"جی ہاں! میں سچ کہہ رہا ہوں اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعائیں سن لی ہیں اللہ نے نواز دیا ہے آپ کو' کرم کردیا ہے آپ پہ..." ڈاکٹر لودھی خود بھی بہت خوش تھے اور عبداللہ نے بے ساختہ آگے بڑھ کے ڈاکٹر لودھی کو گلے سے لگا لیا تھا۔

"تھینک یو ڈاکٹر... تھینک یو سو مچ۔" عبداللہ کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے اور لہجہ آنسوؤں کے بوجھ سے بھیگنے لگا تھا۔

"اللہ یہ خوشی آپ کو مبارک کرے اور مس زرین جلدی سے صحت یاب ہو جائیں۔" ڈاکٹر لودھی نے اس کا کندھا تھپکا تھا اور پھر کسی کام کے لیے اپنے اسٹاف کی طرف بڑھ گئے تھے۔

جبکہ عبداللہ اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے وہیں فرش پہ ہی سجدے میں جھک گیا تھا۔ اور نگارش بھی اللہ کا شکر بجالائی تھی۔

"نگارش...! یہ... یہ سب کیسے ہو گیا...؟ مجھے... مجھے یقین نہیں آرہا... جب ہماری ساری امیدیں ہی دم توڑ چلی تھیں تب... تب وہ ہوش میں آگئی...؟ آخر یہ سب ہوا کیسے؟ کون آیا تھا اس سے ملنے...؟ وہ... وہ نرس بتا رہی تھی کہ کوئی آیا تھا...؟" عبداللہ کو اچانک ہی نرس کی بات یاد آئی تھی۔ اور نگارش عبداللہ کے اس سوال پہ ٹھٹک گئی تھی کہ اسے کیا جواب دے کہ کون آیا تھا...؟

"کیا سوچ رہی ہو نگارش...؟ کہاں کھوئی ہو...؟ بتاؤ نا کیا بات ہوئی ہے...؟ کون آیا تھا بھلا...؟" عبداللہ نے گم سم سی نگارش کو کندھوں سے پکڑ کے متوجہ کیا تھا...

"نبیل بھائی آئے تھے..." اس نے بے حد مدھم آواز میں بتایا تھا۔

"نبیل...؟" اب کی بار عبداللہ کو حیرت کا سنگین جھٹکا لگا تھا۔

"جی..." نگارش نے بمشکل ہی کہا تھا۔

"کیا کہا اس نے زری سے...؟" عبداللہ کا اپنا لہجہ دھیما پڑ چکا تھا اور آواز کہیں دب چکی تھی۔

"یہ بات آپ زری سے پوچھ لیجیے گا..." نگارش کترا گئی تھی اور عبداللہ کے ہاتھوں کی گرفت اس کے کندھوں پہ ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ اور وہ مرے مرے قدموں سے چلتا ہوا پلٹ کر کاریڈور میں لگے صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

اس کے دماغ میں سائیں سائیں ہو رہی تھی' وہ باتیں اور وہ چیزیں جو اس نے پہلے کبھی نہیں سمجھی تھیں' اب وہی باتیں اور وہی چیزیں لمحے کے ہزارویں حصے میں ہی سمجھ آجاتی تھیں۔ شاید اس لیے کہ اب احساسات' حالات کی چوٹ اور ضربیں کھا کھا کر حد سے زیادہ حساس اور نرم ہو گئے تھے... نبیل یہاں کیوں آیا تھا...؟ کس وجہ سے آیا تھا...؟ کیا کہا تھا...؟ کیوں کہا تھا...؟ وہ یہ سب نہیں جانتا تھا' مگر نبیل کے جانے کے بعد زری کی منجمد حالت کسی منہ زور طوفان کی طرح بگڑ گئی تھی اور اس کی طبیعت کا بگڑنا سب کچھ واضح کر گیا تھا۔ اب مزید سوال و جواب کرنے کی یا پھر کچھ جاننے کی تو ضرورت ہی نہیں رہی تھی' اسی لیے تو اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر جھکا لیا تھا...

☼ ☼ ☼
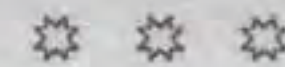
دل سے دور دراز
دل سے دور دراز بسے ہے
دنیا دور دراز
اشک لہو میں گھل مل جائیں
سینہ سسک سسک سہلائیں
آنسو بے آواز
دور دور تک روح میں گونجیں خاموشی کے ساز
نہ جانے کس نقطے پہ جا کے کھلے غموں کا راز
ابھی تو ہے آغاز نی امڑی' ابھی تو ہے آغاز
دنیا دور نہ جانے امڑی' دل سے دور دراز

آج نجانے کیا وجہ تھی کہ اس کا دل اداس تھا۔ اور اس اداسی کی وجہ سے طبیعت میں خاصی سستی گھلی ہوئی تھی وہ بے وجہ ہی ڈرائنگ روم میں دائیں سے بائیں ٹہلتے ہوئے چکر کاٹ رہا تھا۔ اور علیزے کچن سمیٹ کر باہر نکلی ہی تھی کہ ڈرائنگ روم میں مضطرب سے ٹہلتے دل آور کو دیکھ کر اس کے قدم رک گئے تھے اور عین اسی وقت دل آور کی بھی اس پہ نظر پڑی تھی اور وہ ٹھہر گیا تھا۔

"وہاں کیوں کھڑی ہو...؟ ادھر آجاؤ..." اس نے علیزے کو ڈرائنگ روم میں آنے کا اشارہ کیا تھا۔ اور علیزے بھی نجانے کس موڈ میں تھی کہ اس کے ایک اشارے پہ ہی چلتی ہوئی اندر آگئی تھی...

"بیٹھو...!" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا...

وہ چپ چاپ صوفے پہ بیٹھ گئی تھی اور اس کے بیٹھنے کے بعد ذرا توقف سے وہ خود بھی اس کے برابر اور اس کے بے حد قریب ہی بیٹھ گیا تھا اور اپنا سر جھکا لیا تھا' جس پہ علیزے نے سر اٹھا کر اپنے دائیں طرف بیٹھے دل آور کو دیکھا تھا وہ سفید شلوار سوٹ میں ملبوس ڈارک براؤن چادر کندھوں پہ پھیلائے' سر جھکائے بیٹھا عجیب ہی کیفیت کا شکار نظر آرہا تھا۔ مایوسی اور یاسیت اس کے انداز سے ہی ظاہر ہو رہی تھی۔ اور علیزے لاشعوری طور پہ ہی یہ جاننے کی منتظر ہو گئی تھی کہ آخر اسے ہوا کیا ہے...؟ وہ کیوں اتنا اداس اور مضطرب لگ رہا ہے...؟ مگر اسے یہ بھی پتا تھا کہ وہ اسے بنا پوچھے ہی سب کچھ بتا دے گا۔

اپنی اداسی اور اپنا اضطراب سب کچھ کھول کے سامنے رکھ دے گا' سوائے زری اور بتول شاہ سے جڑے ماضی کے اور علیزے تھی کہ کبھی چاہ کر بھی اس سے اس کے ماضی کے متعلق نہیں پوچھ سکی تھی۔ ہمیشہ سوال ہونٹوں پہ آ کے دم توڑ دیتے تھے' حالانکہ اس کا دل بہت چاہتا تھا کہ وہ زری کے متعلق پوچھے' اور بتول شاہ کے متعلق سوال کرے' اس کے ماضی کو جانے' مگر اس نے کبھی اتنی جرات نہیں کی تھی کہ اپنی زبان پہ چلتے سوال اس کے سامنے رکھ دیتی... دل آور نے ہمیشہ جو بھی اس سے کہا تھا' جو بھی شیئر کیا تھا خود اپنی مرضی اور اپنی رضا سے کیا تھا۔ علیزے نے کبھی کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور اس وقت بھی ان کے درمیان یہی سچویشن چل رہی تھی' علیزے چپ تھی مگر کچھ سننا چاہتی تھی اور دل آور بھی خاموش تھا مگر کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اور اسی کہنے اور سننے کے چکر میں کئی پل یونہی سرک گئے تھے اور بالآخر دل آور کی طرف سے ہی آغاز ہوا تھا...

"علیزے...! انسان جب اداس ہوتا ہے تو اس کے احساسات اور جذبات اتنے نرم کیوں ہو جاتے ہیں...؟ کیوں انسان پگھلے ہوئے موم کی طرح ہو جاتا ہے...؟ کیوں اسے کسی اپنے کے سہارے کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے...؟ کیوں دل چاہتا ہے کہ کوئی سینے کو سہلائے اور دل پہ ہاتھ رکھے؟ کیوں نرم لمس کی طلب ستانے

لگتی ہے۔۔؟اور کیوں انسان پھر بھی اکیلے کا اکیلا ہی رہتا ہے۔۔؟"
اس نے ذرا سی گردن موڑتے ہوئے علیزے کی طرف دیکھا تھا۔۔۔
"کیونکہ اداسی میں انسان کی ذات پہ چڑھے سارے خول اتر جاتے ہیں۔" علیزے نے انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا تھا اور دل آور اس کے جواب پہ دیکھتا رہ گیا تھا اس کی بات واقعی سو فیصد درست تھی۔
"کبھی تمہارے ساتھ ایسا ہوا۔۔؟" اس نے مزید سوال کیا۔
"میرے ساتھ تو ہمیشہ ہی ایسا ہوتا ہے' میں تو چوبیس گھنٹوں میں بیس گھنٹے اداس ہی رہتی ہوں' اس لیے میری ذات پہ خول بھی ذرا کم ہی رہتا ہے۔" وہ ذرا تلخی سے مسکرائی تھی اور ایک بار پھر دل آور پہ نظر ڈالی تھی۔
"البتہ تمہاری بات الگ ہے تمہاری ذات پہ بیس گھنٹے خول ہی چڑھا رہتا ہے' صرف چار گھنٹے ایسے ہوتے ہیں۔ جن میں واقعی تم صرف تم ہی نظر آتے ہو' اور ان چار گھنٹوں میں تم اگر مجھے بلاؤ بھی تو میں چپ چاپ آکر تمہارے برابر صوفے پہ بیٹھ جاتی ہوں' کیونکہ مجھے پتا ہوتا ہے کہ اداسی کے ان چار گھنٹوں میں تمہاری ذات پہ کوئی خول نہیں ہوگا' اور تم انا کے نہیں بلکہ پسپائی کے گھیرے میں ہوگے' اور پسپا ہوئے شخص کی آنکھوں میں ایسا اثر ہوتا ہے کہ مقابل گھائل ہو جاتا ہے' کسی بات سے انکار نہیں کرتا فوراً" مان جاتا ہے۔ جیسے اکثر میں مان جاتی ہوں۔۔۔ یعنی تمہارے دیکھنے سے ہی گھائل ہو جاتی ہوں۔" علیزے کی باتیں اب گہرائی لیے ہوئے ہوتی تھیں اور دل آور سوچتا رہ جاتا تھا کہ یہ سب علیزے کہہ رہی ہے؟ وہ علیزے جسے بات کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا' وہ علیزے جو ہمہ وقت خوف کے حصار میں رہتی تھی' وہ علیزے جسے بات کرنا ہی نہیں آتی تھی۔ جو معصومیت اور ناسمجھی کا پیکر تھی۔
"تم اداس ہوتی ہو تو کیا دل چاہتا ہے تمہارا۔۔؟ کیا کرنے کی خواہش ہوتی ہے؟" دل آور ابھی بھی گردن ترچھی کیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
"دل چاہتا ہے تمہیں جان سے مار دوں۔۔" علیزے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔۔
"اس کے علاوہ۔۔؟" وہ بڑے سکون سے پوچھ رہا تھا۔
"اپنے پاپا سے ملنے کو دل چاہتا ہے' دل چاہتا ہے ان کے سینے سے لگ کے بہت زیادہ روؤں۔۔۔" وہ بھی جو اس کے دل میں تھا سب صاف صاف بتا رہی تھی۔
"ہونہہ۔۔! یہ تو اسی وقت ہو سکتا ہے نا جب تم مجھے جان سے مار دو۔۔؟"
"اسی لیے چاہتی ہوں نا کہ تمہیں جان سے مار دوں' تمہیں مار دوں گی تو ان سے ملوں گی نا؟"
"تو پھر مار کیوں نہیں دیتیں۔۔؟" دل آور نے بے چینی سے کہا تھا۔ مگر علیزے جواباً" چپ رہی تھی وہ بہت کچھ کہہ دیتی مگر کہنے کو دل نہیں چاہا تھا۔۔۔
"بولو نا علیزے۔۔۔! تو پھر مار کیوں نہیں دیتیں۔۔؟" دل آور نے پاس بیٹھی علیزے کا ہاتھ پکڑنا چاہا تھا مگر وہ اک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"علیزے۔۔!" دل آور نے اسے پیچھے سے آواز دی تھی لیکن وہ پھر بھی رکی نہیں بلکہ ڈرائنگ روم سے نکل کر سیڑھیاں چڑھ گئی تھی اور اس کا رخ بیڈ روم کی طرف نہیں اوپر چھت کی طرف تھا' کیونکہ اسے پتا تھا کہ وہ اس کے پیچھے بیڈ روم میں ضرور آئے گا اس لیے وہ اوپر چھت پہ آگئی تھی۔ اور دل آور چند ثانیے کے لیے یونہی جوں کا توں بیٹھا رہ گیا تھا۔
پھر اچانک نجانے من میں کیا سمائی تھی کہ ایک جھٹکے سے وہ خود بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس کے پیچھے ہی باہر نکل آیا تھا لیکن اس کا رخ اپنے بیڈ روم کی طرف تھا' جہاں آکر اس نے اپنے بریف کیس سے اپنا ریوالور نکالا اور اس میں سے گولیاں چیک کرتے ہوئے بیڈ روم سے نکل کر اوپر چھت کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔
"علیزے۔۔۔!" اس نے چھت پہ پہلا قدم رکھتے ہی علیزے کو پکارا تھا اور ریلنگ پہ دونوں ہاتھ جمائے گھر کی بیک سائیڈ کی طرف دیکھتی علیزے نے اس کی آواز پہ ایک گہری سانس کھینچی تھی مگر پلٹ کر اسے دیکھا نہیں تھا۔
"علیزے۔۔! بات سنو میری۔۔۔" دل آور نے قریب آکر اسے بازو سے پکڑ کر جھٹکے سے اپنی سمت موڑا تھا۔
"تمہارا دل چاہتا ہے نا کہ تم مجھے جان سے مار دو۔۔؟ یہ لو۔۔ یہ پکڑو۔۔ اور مار دو مجھے۔۔۔" اس نے علیزے کے ہاتھ پکڑ کر ریوالور اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا تھا اور علیزے ملگجے سے اندھیرے میں بھی اپنے ہاتھ پہ رکھے ریوالور کو دیکھ کر کانپ گئی تھی۔
"علیزے۔۔! دیکھ کیا رہی ہو۔۔؟ اپنا شوق پورا کرو' اور مجھے زندگی کے عذاب سے آزاد کر دو' اور۔۔ اور۔۔ خود بھی آزاد ہو جاؤ۔" دل آور نے اسے کندھوں سے تھام کے جھنجھوڑا تھا۔
"علیزے۔۔! سوچو مت' میرا ریوالور لوڈڈ ہے' خالی کر دو اسے' میرا سینہ حاضر ہے۔۔" اس نے اسے ہر طرح

سے اکسانے کی کوشش کی تھی۔ مگر علیزے اسے تھپڑ یا کوئی مکا تک نہیں مار سکتی تھی گولی مارنا تو بہت دور کی بات تھی۔

"ہونہہ۔۔۔! ضروری نہیں ہے کہ ہم جو چاہتے ہیں وہ کر بھی لیں' چاہت جیسی بھی ہو کب پوری ہوتی ہے بھلا۔۔۔؟" اس نے استہزائیہ سے انداز میں کہہ کر سر جھٹکا تھا۔

"مگر میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ پہ وار کرو۔" دل آور نے عجیب جنون خیزی سے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ میں پکڑے ریوالور کی نال اپنے سینے پہ رکھ لی تھی۔

"مگر میں اپنے ہاتھ تمہارے خون سے نہیں رنگنا چاہتی' تمہارا قتل میرے سر ہوگا۔"

"میں اپنا قتل تمہیں معاف کرتا ہوں' تم مجھے جبری رضا سے مار دو۔" وہ تو جیسے ابھی کھڑے کھڑے اس کے ہاتھوں مرجانے کے لیے تیار تھا۔

"میں تمہیں اپنی دعا سے مارنا چاہتی ہوں' میں دعا کرتی ہوں کہ تم مرجاؤ۔" علیزے نے انتہائی سفاکی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"ہونہہ۔۔۔! علیزے یہ کیوں نہیں کہتیں کہ مجھے مارنے کے لیے تم میں حوصلہ نہیں ہے' ہمت نہیں ہے تم میں۔۔۔ تمہیں بھی اس پنجرے اور صیاد سے محبت ہوگئی ہے' اب اڑنا تم بھی چاہو تو اڑ نہیں سکتیں۔۔۔؟" دل آور نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کے اس کے سامنے اس کے اندر کی کیفیت بیان کی تھی مگر علیزے اس کی بات پہ نظریں چرا گئی تھی۔

"میری مجبوری اور میری بے بسی کو میری محبت مت سمجھو ڈرائیور۔۔۔! مجھے اس پنجرے سے محبت ہو سکتی ہے لیکن اس صیاد سے نہیں۔" اس نے زہر خند سے لہجے میں کہتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا اور دل آور نے اس کے انکار پہ اسے اپنے قریب کرلیا تھا۔

"میں بھی نہیں چاہتا کہ تم مجھ سے محبت کرو۔" اس نے بے حد بوجھل سے انداز میں کہتے ہوئے علیزے کو اپنے دونوں بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا تھا۔ اور علیزے اس کے حصار پہ لرز اٹھی تھی۔ اس کا ایسا لمس علیزے کے لیے بالکل نیا تھا۔

"مگر میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تم میرے قریب رہو' میرے اتنے قریب کہ تمہارے دل کی دھڑکن میرے دل کی دھڑکن لگنے لگے۔" وہ اسے رفتہ رفتہ اپنے بازوؤں میں بھینچ رہا تھا اور اس کے بازوؤں میں لپٹ کر علیزے بالکل ہی چھپ گئی تھی' دل آور کے کندھوں اور بازوؤں پہ پھیلی چادر علیزے کو بھی ڈھانپ چکی تھی۔

"میں تمہیں محسوس کرنا چاہتا ہوں' میرے آس پاس رہا کرو۔" دل آور کی آواز بھیگنے لگی تھی اور علیزے نے اسے پیچھے ہٹانے کی ایک بھرپور سعی کی تھی۔

"پلیز علیزے۔۔۔ بس کچھ دیر۔۔۔" وہ جیسے التجا کر رہا تھا۔ وہ کسی احساس میں ڈوب رہا تھا' وہ پگھل رہا تھا۔

مگر ابھی دو چار منٹ ہی گزرے تھے کہ گھر کے گیٹ پہ نبیل کی گاڑی کا ہارن بجا تھا۔ اور دل آور کے بہکے بہکے اور بے بس سے اعصاب پھر سے ٹھکانے پہ آگئے تھے۔ وہ چونک گیا تھا۔

"نبیل۔۔۔؟ اس وقت۔۔۔؟" وہ بے ساختہ علیزے سے الگ ہوا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

میں ناشتے کے بعد کچن میں برتن سمیٹ رہی تھی جب نزہت کچن میں داخل ہوئی۔

"خیریت تو ہے نزہت آج تم نے کالج سے چھٹی کیسے کرلی؟" میں نے مسکراتے ہوئے اپنی چھوٹی نند کو مخاطب کیا وہ بہت پنکچوئل اسٹوڈنٹ تھی۔ آندھی ہو یا طوفان وہ کبھی کالج سے چھٹی نہ کرتی تھی۔

آج صبح میں خاور اور اپنے دونوں چھوٹے دیوروں کا ناشتا بنانے کچن میں آئی تو خلاف توقع نزہت کچن میں نہ تھی صبح صبح اباجی کو چائے دینے کی ڈیوٹی نزہت نے ازخود اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ چائے بنا کر وہ اکثر سنک میں پڑے دو چار برتن بھی کھنگال لیتی اور کبھی فریج میں آٹا گوندھا ہوا نہ رکھا ہوتا تو ناشتے کے لیے آٹا بھی گوندھ دیتی حالانکہ میں نے اسے کتنی ہی بار منع کیا تھا۔

"تمہیں کالج سے دیر ہو رہی ہوتی ہے کیسے افراتفری میں ناشتا کرتی ہو اتنے میں تمہاری وین آجاتی ہے۔ اباجی کو چائے دے کر تم اپنی تیاری کیا کرو۔"

"سارا دن آپ اتنا مصروف ہوتی ہیں بھابھی اگر میں آپ کا تھوڑا بہت ہاتھ بٹا دوں تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔" نزہت کا جواب ہر بار یہی ہوتا۔ میں مسکرا کر رہ جاتی اس لیے آج جب میں نے نزہت کو معمول کے مطابق کچن میں نہ پایا تو میری حیرت فطری تھی۔

فٹافٹ اباجی کی چائے بنا کر انہیں دے آئی وہ تسبیح پڑھنے میں مشغول تھے۔

"آج نزہت نہیں اٹھی کیا کالج سے چھٹی کا ارادہ ہے اس کا۔" میرے سلام کے جواب میں دعاؤں سے نواز کر اباجی نے بھی پہلا سوال بیٹی کے متعلق ہی کیا۔

"اس کے کمرے کا دروازہ بند ہے اباجی شاید رات کو دیر تک پڑھنے کی وجہ سے آنکھ نہیں کھلی ہوگی۔ میں جگاتی ہوں اسے۔" میں انہیں جواب دے کر کمرے سے باہر نکلی تو اویس (میرا دیور) بھی بہن کے کمرے کا دروازہ بجاتے ہوئے اسے پکار رہا تھا۔

"چلو اویس جگا لے گا نزہت کو میں ناشتے کی تیاری کروں۔" گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے مجھے اندازہ ہوا کہ آج مجھے ذرا جلدی ہاتھ چلانے ہوں گے۔ آٹا گوندھنا اور رات کو جو آلو کی ترکاری بنائی تھی اس میں سے آلو نکال کر سب لوگوں کے لیے آلو کے پراٹھے بنانے ہوں گے اور ان پراٹھوں کے ساتھ پودینے، ہری مرچ کی چٹنی بننی بھی لازمی تھی۔

میرے سسرال میں ماشاء اللہ میرے میاں سمیت سب بلا کے چٹورے ہیں سب سے زیادہ ورائٹی تو انہیں ناشتے میں ہی چاہیے ہوتی ہے خیر مجھے بھی سب کی پسند کا پکا کر اور کھلا کر جو خوشی ملتی ہے اس کا بیان ممکن نہیں۔ مجھے شادی کے بعد سسرال میں جو محبت، مان اور مرتبہ ملا ہے اس کے بدلے میں گھر کی یہ ذمہ داریاں جو اکثر شادی شدہ خواتین کے لیے بہت وقت طلب ہوتی ہیں مجھ پر یہ ذمہ داریاں ذرا گراں نہیں گزرتیں جب میرے لیے خاور کا رشتہ آیا تھا تو خاور میں بے تحاشا خوبیاں ہونے کے باوجود میرے گھر والے یہاں رشتہ کرتے ہوئے اسی لیے ہچکچا رہے تھے کہ شادی کے بعد مجھ پر بہت ذمہ داریاں پڑ جائیں گی۔

خاور پانچ بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے ان کی والدہ کا چھ، سات برس پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ خاور سے سال بھر چھوٹی مدحت نے ماں کے بعد گھر کی ذمہ داریاں بطریق احسن سنبھال لی تھیں لیکن خاور کی شادی کے ساتھ مدحت کی رخصتی بھی متوقع تھی اس کا نکاح اپنے تایا زاد سے ہو چکا تھا اس کے بعد اویس، نزہت اور مبشر تین بہن بھائی بالترتیب یونیورسٹی، کالج اور اسکول اسٹوڈنٹ تھے اور ہاں اباجی بھی تو تھے میرے انتہائی شفیق اور پیار کرنے والے سسر جو میرے ماموں کے بہت اچھے دوست تھے میرا اور خاور کا رشتہ میرے ماموں کی وساطت سے طے ہوا تھا۔ ماموں نے خاور کے متعلق امی اور ابو کو ہر قسم کی گارنٹی دی تھی۔

ابو تو خاور کو دیکھنے اور اباجی (سسر) سے ملنے کے بعد فوراً ہی اس رشتے پر راضی ہو گئے تھے۔ امی ذرا ہچکچا رہی تھیں۔ ان کی ہچکچاہٹ کو اپیا اور بجو کی باتیں اور بڑھا دیتی تھیں۔

"ناعمہ ہمارے گھر میں سب سے چھوٹی ہے امی بڑی بہو کی ذمہ داریاں بھی بڑی ہوتی ہیں پھر خاور وغیرہ کے گھر میں تو کوئی بڑا ہے بھی نہیں، مدحت نے گھر سنبھال رکھا ہے خاور کے ساتھ اس کی شادی ہو جائے گی۔ ناعمہ کے کندھوں پر ایک دم سے سارے گھر کی ذمہ داری پڑ جائے گی جو بھی فیصلہ کریں سوچ سمجھ کر کریں۔ کون سا ہماری ناعمہ کی عمر نکلی جا رہی ہے۔"

اپیا اور بجو بلاشبہ مجھ سے بہت زیادہ پیار کرتی تھیں۔ ان کے اندیشے ان کے پیار کا ثبوت تھے، لیکن جب میرے پیارے ابوجی نے مجھے بلا کر یہ کہا کہ۔۔۔

"مجھے اپنی ناعمہ پر پورا بھروسہ ہے یہ ذمہ داریوں سے گھبرانے والی بیٹی نہیں ہے، نائلہ اور شازیہ کی شادیوں کے بعد اس نے ہمارے گھر کی ذمہ داری بھی تو بطریق احسن سنبھالی ہے پھر سسرال کی ذمہ داریوں سے اسے کیوں ڈرا رہے ہو یہ ان شاء اللہ وہ بھی نباہ لے گی کیوں ناعمہ میں خاور کے والد کو ہاں کہہ دوں نا بیٹا۔"

ابو پیار سے پوچھ رہے تھے، میں انکار کیسے کرتی۔ دھیرے سے اثبات میں گردن ہلا دی سچ تو یہ تھا کہ خاور کی تصویر دیکھ لینے کے بعد میرا اپنا دل بے ایمان ہو گیا تھا۔ وہ بلاشبہ بہت خوبرو تھے ان کے اندر کی اچھائیوں کا عکس ان کے چہرے پر جھلکتا تھا۔

شادی کے بعد وہ بالکل میرے تصور اور اپنی تصویر جیسے ثابت ہوئے انتہائی محبت کرنے والے اور نرم خو شخص۔ ان کے سب گھر والے بھی ان ہی جیسے تھے۔ اباجی مجھے بہو کہہ کر مخاطب کرتے تھے، لیکن ان کے طرز عمل سے صاف جھلکتا تھا کہ وہ مجھے بیٹیوں کی طرح چاہتے ہیں مدحت تو خیر بیاہ کر دوسرے شہر جا بسی تھی، لیکن میری اس سے بھی بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ اویس اور مبشر بھی بھابھی، بھابھی کہہ کر میرے آگے پیچھے پھرتے نزہت بھی بہت پیاری لڑکی تھی۔ مزاج اور عادتوں میں اپنے باقی گھر والوں کی طرح بہت مہذب اور سلجھی ہوئی۔ لوگوں نے شادی سے پہلے ویسے ہی میرے دماغ پر سسرال کا ہوا چڑھانا چاہا پر مجھے تو چند دنوں کے اندر اندر اپنے سب سسرال والوں سے بے تحاشا محبت اور انسیت ہو گئی تھی۔

میرے امی، ابو اور بہنیں بھی مجھے اپنے گھر میں شاداں و فرحاں دیکھ کر بہت مطمئن اور مسرور تھے بلاشبہ میرے کندھوں پر ایک دم سے پورے گھر کی ذمہ داری آن پڑی تھی، لیکن مجھے جو محبت اور عزت سسرال میں ملتی تھی اس کے جواب میں یہ ذمہ داریاں نباہ لینا ذرا بھی مشکل نہ تھا۔ میری شادی کو پانچ ماہ ہونے کو آئے تھے اور میں اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتی جس نے مجھے اتنی خوشگوار ازدواجی زندگی عطا کی تھی۔

آج بھی میں پھرتی سے سب کے لیے ناشتا تو بنا رہی تھی، لیکن میرا ذہن ہر قسم کی ٹینشن سے آزاد تھا۔

"واؤ آلو بھرے پراٹھے، جیو بھابھی جان۔" اویس کچن میں داخل ہوا تو شوخی سے مجھے مخاطب کیا۔

"نزہت کو اٹھایا تم نے؟ کالج سے دیر ہی نہ ہو جائے اسے۔" میں اس کی بات کے جواب میں مسکرائی تھی پھر ایک دم خیال آیا تو نزہت کے متعلق استفسار کیا۔

"محترمہ سو رہی ہیں۔ میں تو خود حیران ہوں کہ آج سورج مغرب سے تو نہیں نکلا۔ کالج سے چھٹی کا ارادہ ہے میڈم کا۔" اویس نے مسکرا کر بتایا۔

"بھابھی میری فزکس کی پریکٹیکل نوٹ بک نہیں مل رہی۔ آپ نے تو کہیں نہیں رکھ دی۔" اتنے میں مبشر کی پریشان شکل دکھائی دی۔

"تم ناشتا کرو میں ڈھونڈ دیتی ہوں۔" میں اسے تسلی دیتے ہوئے کچن سے نکلی۔ بہت دیر ڈھونڈنے کے بعد اس کی نوٹ بک اس کے بیگ سے ہی برآمد ہوئی۔ خاور اور اویس چھوٹے بھائی کو چھیڑنے لگے وہ کھسیانا سا ہو کر مسکرائے جا رہا تھا۔ مجھے بھی ہنسی آگئی۔ ناشتے کے بعد تینوں بھائی اکٹھے ہی نکلے تھے۔ خاور آفس جاتے ہوئے اویس کو اس کے اسٹاپ پر ڈراپ کرتے تھے اور مبشر کو اس کے اسکول چھوڑتے تھے۔

مبشر میٹرک کا اسٹوڈنٹ تھا بے حد پڑھاکو اور پڑھائی کی بہت ٹینشن لینے والا لڑکا تھا۔ خاور اس سے

بے پناہ پیار بھی کرتے مگر اس سے بہت چھیڑ چھاڑ بھی کرتے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں میں خاور کی جان تھی اور ظاہر ہے وہ سب مجھے بھی بہت عزیز تھے اب بھی برتن سمیٹتے ہوئے مجھے خاور اور اویس کی چھیڑ چھاڑ یاد آرہی تھی اور میرے لب آپ ہی آپ مسکرا رہے تھے جب کچن میں نزہت کی آمد ہوئی، میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کالج نہ جانے کے بارے میں استفسار کیا تھا۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے میری۔" نزہت کا جواب تو سیدھا سا تھا، لیکن اس کا انداز... میں نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔ اس قدر سرد اور سپاٹ لہجے میں جواب دینے والی یہ میری پیاری سی نند نزہت ہی تھی یا کوئی اور...

"کیا ہوا طبیعت کو؟ رات تک تو ٹھیک تھی۔" میں نے قدرے پریشانی سے پوچھا۔

"آپ کو کیا پتا رات کو ٹھیک تھی یا نہیں۔ میری ساری رات جاگتے ہوئے گزری ہے۔" اس نے چڑ کر جواب دیا۔ میں چند لمحوں کے لیے چپ سی ہو گئی پھر ذرا غور سے نزہت کو دیکھا اس کے پپوٹے سوج رہے تھے صاف ظاہر تھا کہ وہ ساری رات جاگتی رہی ہے یا روتی رہی ہے۔

"کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ نزہت۔" میں نے اسے ایک بار پھر اپنائیت سے مخاطب کیا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے بھابھی۔ آپ تو پیچھے ہی پڑ گئی ہیں۔" اس نے جھلاہٹ بھرے انداز میں جواب دیا۔

"اچھا تم باہر جا کر سکون سے بیٹھو۔ میں تمہارے لیے ناشتا بناتی ہوں۔ بتاؤ کیا لوگی ناشتے میں۔" میں نے اس کی چڑچڑاہٹ کو اس کی خرابی طبیعت پر محمول کرتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

"شکریہ، آپ اپنا کام کریں میں بریڈ اور جیم لوں گی۔" وہ ترخ کر جواب دیتی بریڈ اور جیم کی شیشی لیے کچن سے باہر نکل گئی۔ میں اپنی جگہ سن کھڑی رہی۔

پانچ مہینوں میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس گھر کے کسی فرد نے مجھے اس لہجے اور انداز میں مخاطب کیا تھا۔ پہلی بار مجھے لگا جیسے یہ میرا گھر نہیں بلکہ سسرال ہے۔ بہنوں جیسی پیاری نزہت بھی مجھے نند لگی تھی اللہ جانے اس کا موڈ کیوں خراب تھا۔ طبیعت خرابی صرف بہانہ تھا نزہت کا موڈ بے تحاشا آف تھا۔ ابا جی اپنی تسبیحات سے فارغ ہو کر کمرے سے باہر نکلے تو انہوں نے لاؤنج میں بیٹھی نزہت کو دیکھ کر اس سے کالج نہ جانے کی وجہ پوچھی۔

"آج کالج میں اسٹرائیک تھی ابا جی بس اسی لیے کالج نہیں گئی۔" اس نے دھیمے لہجے میں باپ کو جواب دیا۔ میں نے شاکی نگاہوں سے اسے دیکھا وہ یہ وجہ مجھے بھی بتا سکتی تھی۔

"آپ کا ناشتا لے آؤں ابا جی۔" میں نے نزہت کو نظر انداز کرتے ہوئے ابا جی کو مخاطب کیا۔

"ہاں بیٹا لے آؤ۔" انہوں نے مشفقانہ انداز میں جواب دیا۔ ان کا ناشتا ایک چپاتی اور میٹھی دہی کی ایک کٹوری پر مشتمل ہوتا تھا میں نے جلدی سے تازہ چپاتی ڈال کر اور دہی میں چینی ملا کر انہیں ناشتا پیش کیا۔

"جیتی رہو۔" ہمیشہ کی طرح انہوں نے دعا دی تھی۔

"ناشتا کر کے میں بازار جانے لگا ہوں بتا دو بہو سبزی کیا لاؤں۔" یہ ہم بہو سسر کے روز کے سوال جواب تھے۔

"آج تو نزہت گھر پر ہے اس سے پوچھ لیجیے ابا جی کہ دوپہر کو کیا بنائیں۔" میں نے نزہت کا ذرا دیر پہلے والا لہجہ نظر انداز کرتے ہوئے اسے مسکرا کر دیکھا تھا۔

"اس گھر کی مختار کل آپ ہیں بھابھی جو مرضی منگوائیے پکائیے میں کون ہوتی ہوں رائے دینے والی۔" وہ چبا چبا کر بولتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کمرے میں جا کر کھٹاک سے دروازہ ہی بند کر دیا۔ اس بار ابا جی بھی چونکے تھے۔

"یہ نزہت کو کیا ہوا؟" انہوں نے اچنبھے سے دریافت کیا۔

"میں کیا بتا سکتی ہوں ابا جی۔ جب سے اٹھی ہے یونہی اکھڑی اکھڑی سی ہے۔" میری آنکھیں پانیوں سے لبریز ہو گئی تھیں۔ ہتک اور بے عزتی سہنے کا کوئی تجربہ جو نہ تھا۔ ابھی تک تو سسرال میں سب نے سر آنکھوں پر بٹھایا تھا جانے آج کیسا دن طلوع ہوا تھا کہ چھوٹی نے یوں کھڑے کھڑے مجھے میری اوقات یاد دلادی تھی اگر وجہ مجھے معلوم ہوتی تو شاید میں کچھ کر سکتی نزہت یوں بے سبب مجھ سے بدتمیزی کر گئی تھی۔ دکھ اور غصہ سے میرا برا حال ہو رہا تھا۔

"نزہت کا یہ رویہ بلاوجہ تو نہیں ہے ضرور اس کی تہہ میں کوئی نہ کوئی بات ہے۔" ابا جی نے جیسے میری سوچوں کو پڑھ کر خود کلامی کی۔ میں نے مزید دکھ کے عالم میں انہیں دیکھا۔

"میں نے نزہت سے کچھ نہیں کہا ابا جی آپ میرا یقین کریں۔" میں نے انہیں مخاطب کیا وہ ذرا چونکے پھر مجھے دیکھ کر مسکرائے۔

"میں تمہیں کب الزام دے رہا ہوں بہو میں تو کہہ رہا ہوں کہ نزہت کے روّیے کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور چھپی ہے جس سے تم اور میں ناواقف ہیں اب وہ وجہ کس حد تک احمقانہ اور بچکانہ ہے اس کا ہمیں سراغ لگانا ہوگا مجھے لگتا ہے نزہت کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر تم سے خفا ہو گئی ہے۔" انہوں نے ایک اور اندازہ لگایا۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جو نزہت کی خفگی کا سبب بنی ہو۔" میں نے بے چارگی سے جواب دیا۔

"اچھا تو تم اتنی فکر کیوں کرتی ہو۔ میں ذرا بازار کا ایک چکر لگا کر تمہیں سودا سلف لا دوں اور پڑوس والے بیگ صاحب کی عیادت کر آؤں پھر آکر نزہت کے کان کھینچتا ہوں، بڑی بھاوج سے اس لہجے میں مخاطب ہونے کی اس نے کیسے ہمت کی۔" ابا جی میرا سر تھپتھپا کر چلے گئے۔ ان کی محبت پر میری آنکھیں نم ہو گئیں۔

میری طرح انہیں بھی نزہت کے روّیے کی وجہ معلوم نہ تھی لیکن انہیں اس بات کا یقین تھا کہ میں نے نزہت کے ساتھ کچھ برا نہیں کیا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد ابا جی کی واپسی ہوئی تھی نزہت اس دوران اپنے کمرے میں ہی بند رہی تھی۔ ابا جی واپس آئے تو مجھے بھی لاؤنج میں بلوایا اور نزہت کو بھی با آواز بلند پکار کر کمرے سے باہر آنے کو کہا۔ چند منٹوں بعد ستے ہوئے چہرے کے ساتھ نزہت کمرے سے باہر نکلی تھی۔

"دیکھو بیٹا آج کے دور میں ہمارا گھرانہ ایک مثالی گھرانہ ہے۔ جس پیار محبت سے تمہاری مرحومہ ماں نے اس آشیانے کی بنیاد رکھی تھی بہو نے آکر بہت خوبی سے نہ صرف اس کا انتظام و انصرام سنبھالا بلکہ اپنے شوہر کے ساتھ اس سے وابستہ رشتوں کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مجھے تمہارے آج کے رویے سے سخت تکلیف پہنچی ہے نزہت۔ تم نے بھابھی کے ساتھ انتہائی غیر مہذب زبان استعمال کی ہے کیا میں اس کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔" ابا جی نے نزہت کو مخاطب کیا تھا۔ نزہت کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

"اگر بھابھی نے ہمارا خیال رکھا ہے ابا جی تو خدا گواہ ہے کہ ہم نے بھی دل سے ان کی خدمت اور محبت کا اعتراف کیا ہے بلکہ جواب میں انہیں ڈھیروں محبتوں سے بھی نوازا ہے اور یہ سب ہم نے دکھاوے کے طور پر نہیں کیا بلکہ دل کی گہرائیوں سے کیا ہے، ہمارے ظاہر اور باطن میں بھابھی کی طرح کوئی تضاد نہیں ابا جی۔" نزہت نے مجھے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے باپ کو جواب دیا تھا۔ میں دکھ کی شدت سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

جانے اسے اچانک مجھ سے کیا اللہ واسطے کا بیر ہو گیا تھا۔ میں نے تو ہمیشہ اسے چھوٹی بہنوں کی طرح چاہا تھا اور آج سے پہلے وہ بھی برملا اعتراف کرتی تھی کہ وہ مجھے بھابھی نہیں بلکہ ایک بڑی بہن اور دوست کا درجہ دیتی ہے اپنی ہر چھوٹی بڑی بات مجھ سے شیئر کرنے والی نزہت نے جانے میرے خلاف دل میں کیسی گرہ باندھ لی تھی کہ اس کے لہجے میں میرے لیے اتنی بیگانگی

جھلک رہی تھی۔

"طنز کے تیر چلانا بند کرو نزہت اور صاف صاف بتاؤ کہ کیا معاملہ ہے؟ بھابھی کی کس بات سے تمہارے دل کو ٹھیس پہنچی ہے۔" اپا جی نے اسے قدرے ڈپٹتے ہوئے مخاطب کیا۔

"آپ جانتے ہیں نا اپا جی کہ کل خاور بھائی رات دیر سے گھر لوٹے تھے میں اپنے کمرے میں بیٹھی پڑھ رہی تھی کہ خاور بھائی نے مجھے میرے موبائل پر کال کی' وہ کہہ رہے تھے کہ ناعمہ بھابھی کا نمبر بزی جا رہا ہے وہ شاید اپنے گھر والوں سے فون پر بات کر رہی ہوں گی میں انہیں جا کر بتا دوں کہ خاور بھائی کو مزید دیر بھی ہو سکتی ہے انہیں ایک آفیشل ڈنر اٹینڈ کرنا ہے بھابھی ان کا انتظار نہ کریں اور کھانا کھا لیں۔ میں فوراً ہی خاور بھائی کا میسج بھابھی کو دینے ان کے کمرے کی طرف گئی لیکن اندر سے آتی آوازوں نے میرے قدم جکڑ لیے۔ شاید بھابھی فون پر اپنی بڑی بہن سے محو گفتگو تھیں کیونکہ وہ انہیں اپا کہہ کر مخاطب کر رہی تھیں۔ مجھے تو خیر بھابھی کی ٹیلی فونک گفتگو سے کیا سروکار تھا مجھے پتا تھا کہ وہ دن بھر کے کاموں سے فراغت پا کر اکثر اس وقت اپنے گھر والوں سے بات کرتی ہیں اگر بھابھی کی گفتگو میں میرا ذکر نہ آ رہا ہوتا تو شاید میں دروازہ ناک کر کے اندر چلی جاتی لیکن بھابھی فون پر میرا نام لے کر اپنی بہن کو جو کچھ بتا رہی تھیں میں نے چوری چھپے ان کی گفتگو سننے کی غیر اخلاقی حرکت کر ڈالی لیکن میں دو منٹ سے زیادہ ان کی بات نہ سن پائی۔ میرا جی اتنا خراب ہوا کہ میں واپس کمرے میں چلی گئی۔ میری ساری رات روتے ہوئے گزری ہے۔ جس بھابھی کو میں نے پہلے دن سے ہی اتنا چاہا' اتنی عزت دی۔ میرے متعلق ان کی یہ رائے ہوگی یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔" نزہت بات کرتے کرتے پھر رو پڑی تھی۔ میں ٹھنڈا سانس لے کر رہ گئی۔ سارا معاملہ میری سمجھ میں آ گیا تھا اپا جی مجھے سوالیہ نگاہوں سے تک رہے تھے وہ میرا موقف جاننے کے منتظر تھے۔

"ایک منٹ اپا جی میں ابھی آئی۔" میں انہیں حیران پریشان چھوڑ کر اپنے کمرے کی طرف مڑی تھی چند لمحوں بعد میری واپسی ہوئی تو میرے ہاتھ میں میرا سیل فون تھا۔ میں نے اسپیکر آن کر کے اپا کا نمبر ملایا تھا۔ شکر ہے دو چار بیل جانے کے بعد اپا نے فون اٹھا لیا تھا۔

"خیریت ناعمہ' آج اس وقت کیسے فون کر لیا تمہارا یہ وقت تو بہت مصروفیت والا ہوتا ہے۔" سلام دعا کے تبادلے کے بعد اپا نے جھٹ اپنی حیرت کا اظہار کر ڈالا تھا۔

"بس اپا آج تھوڑی فراغت تھی آپ یہ بتائیں کہ آپ کے پڑوس میں میری کلاس فیلو نزہت آ کر آباد ہوئی ہے آپ نے اس کے گھر کا چکر لگایا یا نہیں۔" میں ڈائریکٹ مطلب کی بات پر آ گئی تھی۔

"ارے میں کیوں جانے لگی اس کے گھر ابھی رات ہی تو تم نے مجھے فون پر اس کی خصوصیات گنوائی ہیں۔ بابا ایسے مزاج اور عادتوں والی عورت سے مجھے راہ و رسم بڑھانے پر کتنے نفلوں کا ثواب ملے گا۔" اپا نے اپنے مخصوص لہجے میں جواب دیا تھا۔ میں نے نگاہیں اٹھا کر نزہت کو دیکھا چند لمحے لگے تھے اسے بات سمجھنے میں اور بات سمجھ کر اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا میں نے اپا سے ایک دو باتیں مزید کر کے انہیں اللہ حافظ کہتے ہوئے کال ڈسکنکٹ کر دی۔

اگر میں نزہت اور اپا جی کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنا چاہتی تو جانے کتنی دیر میں نزہت کا دل میری طرف سے صاف ہوتا۔ پتا نہیں وہ میری بات کا یقین کرتی بھی یا نہیں مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کا یہی ایک طریقہ سامنے آیا تھا بات کھل کر سامنے آ گئی تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا تھا۔

دراصل کل اپا کا فون آیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کے پڑوس میں میری پرانی اسکول فیلو اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ آ کر آباد ہوئی ہے س کی شکل دیکھ کر اپا کو یاد آ گیا تھا کہ وہ کبھی میرے ساتھ اسکول میں پڑھتی تھی اپا اس کے متعلق مزید جاننے کی خواہشمند تھیں ظاہر ہے اس کا گھر اپا کے بالکل برابر میں واقع تھا اپا اس کے مزاج اور عادتوں کے بارے میں جاننا چاہتی تھیں کہ اس فیملی کے ساتھ کس حد تک مراسم استوار کیے جائیں اس سے پہلے برابر والے گھر میں جو فیملی آباد تھی اپا کے ان لوگوں کے ساتھ مثالی تعلقات تھے وہ لوگ اپنا ذاتی مکان بنا کر وہاں شفٹ ہو گئے تو اتفاق سے نئے کرائے دار بن کر آنے والے نزہت اور اس کا شوہر تھے نزہت میٹرک تک میرے ساتھ پڑھی تھی میٹرک کے فوراً بعد اس کی شادی ہو گئی تھی سنا تھا شادی بھی اس نے اپنے محلے کے ایک لڑکے سے زبردست افیئر لڑانے کے بعد گھر والوں کی مرضی کے بغیر رچائی تھی۔ اس چھمک چھلو ٹائپ لڑکی سے ہم سب دوستیں ہی بری طرح چڑتی تھیں۔ وہ لگائی بجھائی کی ماہر تھی کلاس کی اکثر لڑکیوں کو ایک دوسرے سے لڑوا دیتی تھی اس کے علاوہ بھی اس میں ایسی بہت سی عادتیں تھیں جن کی وجہ سے کسی بھی اچھے بھلے بندے کو اس سے ٹھیک ٹھاک قسم کی چڑ ہو سکتی تھی۔

کل اپا نے فون پر مجھے اس کے متعلق بتایا تو مجھے اپنی یہ پرانی کلاس فیلو اپنی تمام عادات و صفات کے ساتھ یاد آ گئی تھی اور میں نے یہ باتیں اپا سے بھی ڈسکس کر ڈالیں اب اللہ جانے میری گفتگو کا وہ کون سا حصہ تھا جو نزہت کے کان میں پڑا اور وہ یہ سمجھنے کی غلطی کر بیٹھی کہ میں اپنی بہن سے اس کی برائیاں کر رہی ہوں اگر وہ دو چار منٹ سکون سے کھڑے ہو کر میری بات سنتی تو شاید بات کا سیاق و سباق اس کی سمجھ میں آ جاتا بہرکیف میں نے اپا جی کے سامنے اپنی پوزیشن کلیئر کرتے ہوئے انہیں سارا واقعہ من و عن سنا دیا۔

"آج کے واقعے سے ہم سب نے یہ سبق سیکھا کہ بعض اوقات کانوں سنی بات بھی جھوٹی ہو سکتی ہے کسی کے متعلق دل میں بدگمانی پالنے سے پہلے ہمیں اس کو صفائی کا موقع ضرور دینا چاہیے۔" اپا جی نے نزہت کو نرمی سے مخاطب کیا اس کا تو پہلے ہی شرمندگی سے برا حال ہو رہا تھا۔

"سوری اباجی۔" وہ منمنا کر یہی کہہ سکی۔

"سوری مجھ سے نہیں اپنی بھابھی سے کرو۔ ایک ذرا سی غلط فہمی کی وجہ سے تم نے آج بھابھی کے ساتھ بہت بدتہذیبی کی ہے۔" اباجی نے اسے مخاطب کیا۔

"اُفوہ اباجی چھوڑیں بھی۔ جب ساری بات کلیئر ہو ہی گئی ہے تو ان باتوں کا کیا فائدہ ظاہر ہے زہت شدید قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی تھی، لیکن شکر ہے بات جلدی کھل کر سامنے آگئی ورنہ اگر زہت یہ بدگمانی دل میں رکھتی تو کتنے مسئلے کھڑے ہو سکتے تھے۔" میں نے متانت اور بردباری سے اباجی کو مخاطب کیا۔ اباجی نے ہنکارا بھرا تھا گویا انہیں میری بات سے اتفاق تھا۔ زہت اب بھی کھڑی انگلیاں چٹخا رہی تھی اس کے چہرے سے ہی اس کی ندامت اور پشیمانی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"چلو جاؤ بیٹا جو ہوا سو ہوا مگر آئندہ کوشش کرنا کہ ایسی نوبت نہ آئے۔" اباجی نے زہت کو پکارا تھا وہ سر ہلا کر پلٹ گئی۔

مجھے احساس تو ہوا کہ اباجی سے سوری کرنے کے بعد کم از کم ایک بار تو زہت کو مجھ سے بھی سوری کہنا چاہیے تھا۔ آج اس نے میرا کتنا دل دکھایا تھا۔ اتنے مہینوں کا ساتھ تھا ہمارا اور وہ ابھی تک میری نیچر کو سمجھ ہی نہ پائی۔ میرا دکھ فطری تھا، لیکن پھر یہ سوچ کر خود کو سمجھایا کہ شکر ہے اس کی غلط فہمی دور ہو گئی ورنہ جانے کتنے دن مجھے بلاوجہ اس کے بگڑے تیور سہنے پڑتے۔

"برا مت مانو تو ایک بات کہوں بہو؟" اباجی نے مجھے اچانک مخاطب کیا تو میں چونکی۔

"کیسی بات کر رہے ہیں اباجی آپ، میں بھلا آپ کی بات کا برا کیوں مانوں گی۔" میں فقط یہی کہہ پائی۔

"زہت تم سے بدگمان ہوئی اس میں یقیناً تمہارا کوئی قصور نہیں، لیکن اس معاملے کو ایک طرف رکھیں تو مجھے تمہارا طرز عمل بھی کچھ نامناسب لگا، میں توقع نہیں کر رہا تھا کہ میری بہو بھی عام عورتوں والی عادات کی مالک ہو گی۔"

"کیا مطلب اباجی؟" میں ان کی بات سن کر بری طرح الجھ ہی تو گئی۔

"دیکھو بیٹا عموماً عورتیں بلکہ عورتیں ہی کیا ہم مرد بھی چھوٹی چھوٹی نفسانی بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ جھوٹ، غیبت، چغلی، بدگمانی یہ سب نفس کی برائی اور بیماریاں ہی تو ہیں۔"

"میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا اباجی، میں نے اپنی بہن کو اپنی کلاس فیلو کی حقیقت بتائی تھی اور بس۔" میں بہت جلد اباجی کی بات کی تہہ میں پہنچی تھی اور فوراً ہی صفائی بھی پیش کر دی۔

"میں نے یہ کب کہا کہ تم نے جھوٹ بولا، لیکن اسے غیبت میں تو شمار کیا جا سکتا ہے نا اور تم نے دوران گفتگو خود بتایا کہ تمہیں اپنی کلاس فیلو سے ملے مدت بیت گئی تو بیٹا یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ گزرے وقت نے اس لڑکی کی شخصیت، مزاج اور عادات کو بدل ڈالا ہو اگرچہ یہ بہت مشکل ہے کہ کسی کی فطرت عموماً بدل نہیں سکتی مگر پھر بھی فرض کر لیتے ہیں کہ وقت کے ساتھ تمہاری ہم جماعت بدل چکی ہو تو تم نے اپنی بہن کو اس کے متعلق جو کچھ پورے یقین سے بتایا وہ تہمت کے زمرے میں آئے گا اور اگر وہ لڑکی ویسی ہی ہوئی جیسی تم نے بتایا تو پھر بھی تم غیبت کی مرتکب تو ضرور ٹھہری ہو۔

ہم لوگ عام زندگی میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو درخور اعتنا ہی نہیں جانتے، لیکن بہو ان باتوں کے اثرات ہماری زندگی پر ضرور پڑتے ہیں اب تم خود ہی دیکھو بنا کسی سبب کے آج تم کتنی ٹینشن میں مبتلا رہی۔ صحیح کہہ رہا ہوں نا میں۔" اباجی مجھے نرمی سے مخاطب کر رہے تھے اور میں، جو اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کے بعد مطمئن اور مسرور تھی ایک اور قصور کھاتے میں درج ہونے پر دل ہی دل میں کچھ بدمزا سی ہو گئی، لیکن چہرے پر پشیمانی کا تاثر دیتے ہوئے میں نے یہ ہی کہنے پر اکتفا کیا کہ "آئندہ خیال رکھوں گی اباجی۔" اباجی میرا سر تھپتھپا کر مسکرا دیے۔ میں بے دلی سے گھر کے باقی کام نمٹانے لگی۔

اباجی کی بات تو جلد ہی ذہن سے محو ہو گئی، لیکن زہت کا صبح والے رویہ کا ملال میرے دل سے نہ جا رہا تھا، اگر میں نے زہت کو کبھی نند سمجھا ہوتا تو شاید مجھے اس کی بدتہذیبی سے اتنا دکھ نہ پہنچتا، لیکن میں نے تو خاور سے وابستہ تمام رشتوں کو دل کی گہرائیوں سے اپنایا تھا۔ زہت نے مجھے کیونکر اتنا غلط سمجھا رات خاور آئے تب بھی میرا موڈ بجھا بجھا سا تھا۔

"خیریت ہے بیگم صاحبہ! آج طبیعت کچھ ناساز لگ رہی ہے۔" خاور سے میرے چہرے کی پژمردگی چھپی نہ رہ پائی۔ ایک بار میرے جی میں آیا کہ میں آج پیش آنے والا سارا واقعہ خاور کے گوش گزار کروں، لیکن اگلے ہی پل میں نے خود کو سمجھایا کہ زہت ایک غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھی اس کی جگہ شاید کوئی اور ہوتا تو ادھوری بات سن کر یہی نتیجہ اخذ کرتا اور اگر میں زہت کے رویے کی شکایت شوہر سے لگا بھی دوں تو کہیں یہ چغلی میں شمار نہ ہو جائے۔

اباجی کی جن باتوں پر میں نے صبح دھیان بھی نہ دیا تھا بروقت مجھے یاد آگئی تھیں سو مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے میں خاور سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھول کر اندر آنے والی ہستی زہت تھی اس کے ہاتھ میں خوب صورت اور بڑا سا بکے تھا اس نے کمرے میں آکر مجھے پھول تھمائے۔

"ہائیں تمہاری سالگرہ تو نہیں مارے گئے یار۔ مجھے تو یاد ہی نہیں تھا۔" خاور یکدم بوکھلا گئے تھے۔

"بھابھی کی برتھ ڈے میں ابھی پورے تین ماہ اور تئیس دن باقی ہیں خاور بھائی۔ میں تو بھابھی سے سوری کرنے آئی تھی۔ خالی خولی سوری کرنا مجھے کافی نہ لگا تو اوپس سے یہ بکے اور سوری کارڈ بھی منگوالیا۔ سوری نامعصوم بھابھی۔ سوری فار ایوری تھنگ۔" زہت نے میرے قریب آکر میری گردن میں بانہیں ڈالتے ہوئے پیار بھری معصومیت سے معذرت کا اظہار کیا تھا۔

"کیا معاملہ ہے بھئی یہ؟" خاور حیران ہوتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔ میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی زہت نے سارا واقعہ خاور کے گوش گزار کر دیا تھا بہت فراخدلی سے۔ وہ اپنے سارے قصور مانتے ہوئے مجھ سے ایک بار پھر معذرت کی طلب گار ہوئی تھی۔

"پاگل ہوئی ہو زہت جو ہوا وہ صرف ایک غلط فہمی تھی اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔" میں نے اسے نرمی سے ٹوکا۔

خاور پر نگاہ پڑی تو وہ بہت محبت سے مجھے تک رہے تھے۔ میرے جی میں خیال آیا کہ اگر چند لمحوں پہلے میں زہت کے رویے کی ان سے شکایت لگا چکی ہوتی کیا پھر بھی ان کی آنکھوں میں میرے لیے اتنی محبت اور ستائش جھلک رہی ہوتی شاید نہیں۔ پھر وہ مجھے جتاتی ہوئی نگاہوں سے تک رہے ہوتے کہ دیکھو میری بہن اپنا قصور مانتے ہوئے کس طرح معذرت کا اظہار کرنے آئی اور تم نے اس کی ذرا سی غلطی کو اتنی دیر تک دل میں رکھا۔

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اباجی کا لیکچر جو دوپہر کو مجھے توجہ کے قابل نہ لگا اس وقت اچانک یاد آگیا نہ صرف یاد آیا میں نے اس پر عمل بھی کر ڈالا واقعی یہ چھوٹی چھوٹی باتیں زندگی پر ضرور اثر انداز ہوتی ہیں۔ میں دل سے قائل ہوئی تھی پھر میں نے زہت کو گلے سے لگاتے ہوئے پیار کیا تھا دل کی پوری گہرائی کے ساتھ۔ اس کے دل سے میرے لیے بدگمانی ختم ہو گئی تھی اور میرے دل سے اس کے لیے ہر گلہ شکوہ مٹ چکا تھا۔

☆ ☆

فرحت عمران
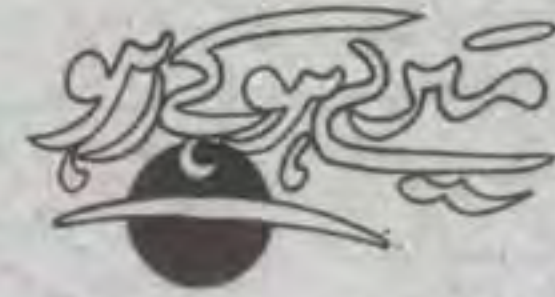
مکمل ناول

وہ یونیورسٹی سے لوٹی تو گھر میں خلاف توقع غیر معمولی چہل پہل تھی۔ امی اور ابو برآمدے میں تخت پر بیٹھے باتوں میں محو تھے۔ عاصم بھیا کی صحن میں کھڑی بائیک ان کی گھر میں موجودگی کا پتا دے رہی تھی۔ رمنا آپی بھی آئی ہوئی تھیں۔ وہ کبھی دن میں میکے نہ آئی تھیں آپی شام کو رضا بھیا کے ساتھ آتی تھیں اور چند گھنٹے گزار کر اپنے گھر لوٹ جاتی تھیں۔ بھابھی کچن میں کچھ بنانے میں مصروف تھیں جاثم (بھتیجا) دادا اور دادی کے پاس بیٹھا اپنے کھیل میں مگن تھا۔

"السلام علیکم!" رملہ نے باآواز بلند سب کو سلام کیا تھا۔ امی نے چونک کر اسے دیکھا ابو بھی کچھ کہتے کہتے رک گئے تھے۔ ان دونوں نے اس کے سلام کا جواب سر کے اشارے سے دیا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"رملہ! تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ تمہیں دیکھنے کچھ لوگ آرہے ہیں۔" وہ کمرے میں آئی تو رمنا آپی نے اسے فوراً "خصوصی تیاری" کی ہدایت کی۔ ان کی دن کے وقت یہاں موجودگی ہی رملہ کو کچھ خاص ہونے کا احساس دلا گئی تھی ان کی موجودگی بلاوجہ نہ تھی۔

رملہ کا فائنل ایر ختم ہونے والا تھا۔ اس کے ایگزامز کے فوراً" بعد گھر والے اس کی شادی کر دینا چاہتے تھے۔ آج رملہ کے لیے پہلا رشتہ آرہا تھا۔ اس کا دل اک نئی لے پر دھڑکنے لگا۔ آپی اسے ہدایت دے کر اپنی دو ماہ کی بیٹی ایشل میں مگن ہو گئی تھیں وہ رملہ کے چہرے پر پھیلے رنگ نہ دیکھ سکی تھیں۔

"تم یہ ڈریس پہن لو۔" وہ وارڈ روب کے سامنے کافی دیر سے کھڑی تھی کہ رمنا آپی اس کی مدد کے لیے چلی آئیں۔ انہوں نے ہی رملہ کی مشکل آسان کرتے ہوئے فیروزی سوٹ نکال کر اسے تھمایا جس پر سفید نگوں کا ہلکا کام تھا۔ رملہ نے مشکور نظروں سے آپی کو دیکھا۔ اسے حقیقتاً" ڈریس سلیکٹ کرنے میں مشکل پیش آرہی تھی۔ وہ ڈریس لے کر واش روم میں گھس گئی۔ مہمانوں کے آنے میں تھوڑا وقت رہ گیا تھا۔ وہ پانچ منٹ بعد باہر نکلی تو آپی نے اس کے لاکھ انکار کے باوجود اس کا ہلکا میک اپ کر دیا تھا۔ وہ گندمی رنگت دلکش نقوش کی مالک تھی۔ بے حد حسین و جمیل نہ تھی، مگر جاذب نظر و پرکشش تھی۔ وہ جو لباس اور کلر پہنتی اس پر خوب بجتا تھا۔ آپی کے کیے لائٹ میک اپ اور ہلکی وائٹ جیولری نے اس کی کشش میں چار چاند لگا دیے تھے۔

"ماشاءاللہ اللہ نظر بد سے بچائے اور میری بچی کے اچھے نصیب کرے۔" وہ آپی کے ساتھ تیار ہو کر صحن میں آئی تو امی نے اسے دعائیں دے ڈالیں۔ وہ جھینپ کر کچن میں گھس گئی۔ مہمانوں کے آنے میں کچھ وقت تھا سب گھر والے کھانا کھا چکے تھے۔

بھیا عموماً" صبح کے گئے شام کو آفس سے گھر لوٹتے تھے وہ کبھی کبھار کسی ضروری کام کی وجہ سے دوپہر کو آفس سے آف کر کے آجاتے تھے۔ آپی اور بھابھی امی کے پاس بیٹھی تھیں، ایشل سو چکی تھی۔ امی ان دونوں کو خصوصی ہدایات دینے لگیں۔

☼ ☼ ☼
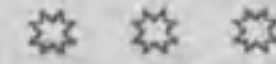
مہمان دو خواتین اور ایک مرد پر مشتمل تھے۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ڈرائنگ روم سے وقتاً" فوقتاً" اونچی آوازوں کے ساتھ باآواز بلند قہقہے بھی ابل رہے تھے۔ سب یوں گفتگو میں محو تھے جیسے صدیوں پرانی آشنائی ہو۔ درحقیقت رشتہ ابو کے ایک دوست کے توسط سے آیا تھا اور انہیں پہلی ملاقات میں ہی فیملی بے حد پسند آئی تھی۔ وہ لوگ لڑکے کی تصویر بھی ساتھ لائے تھے تاکہ لڑکی پسند آنے کی صورت میں فوراً" بات آگے بڑھائی جاسکے۔ دراصل لڑکا اکلوتی اولاد تھا اور اس کی والدہ کی دو سال قبل ڈیتھ ہو چکی تھی۔ لڑکا جوں ہی برسر روزگار ہوا تو اس کے والد کو اس کی شادی کی جلدی پڑ گئی تاکہ گھر میں بسی تنہائی و اداسی ختم ہو۔

رملہ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور جسم پر بھی ہلکی کپکپاہٹ طاری تھی۔ وہ کم ہمت یا بزدل لڑکی نہ تھی خاصی بااعتماد و بولڈ تھی، لیکن "خاص مہمانوں"

کے سامنے جانے کا خیال اسے ہراساں و پزل کیے ہوئے تھا۔ رملہ لوازمات سے سجی ٹرالی اکیلے اندر لے جانے سے انکاری تھی۔ بھابھی اور آپی اس کے ہمراہ اندر آئیں۔ رملہ نے سب کو آہستگی سے سلام کیا تو ڈرائنگ روم میں لحہ بھر کے لیے خاموشی پھیل گئی۔ مہمان خواتین اس کی آپی اور بھابھی سے پہلے مل چکی تھیں سوامی کو تعارف کی رسم نہ نبھانا پڑی۔ مہمانوں کی آنکھوں میں اس کے لیے واضح پسندیدگی و ستائش تھی۔

"بیٹا ادھر آؤ۔" وہ پزل سی بھابھی کے لاکھ اشارتاً منع کرنے کے باوجود ان کے قریب بیٹھنے لگی تو ایک خاتون نے نرمی بھری شفقت سے اسے اپنے قریب بلایا وہ ___ جھجکتی ہوئی ان کے قریب بیٹھ گئی۔ وہ اس سے چند اِدھر اُدھر کے سوال کرنے لگیں۔ رملہ کا اعتماد دھیرے دھیرے بحال ہونے لگا اور وہ اعتماد سے ان کے سوالوں کے جواب دینے لگی۔

"بہن جی ہمیں آپ کی بچی پسند ہے۔ حیان ماسٹرز کے بعد ایک مقامی کمپنی میں جاب کرتا ہے۔ وہ نہایت سلجھا ہوا اور مہذب بچہ ہے۔ ویسے آپ خود بھی معاملے کی چھان بین کر سکتے ہیں تاکہ آپ کی بھی تسلی ہوجائے۔" رملہ کچھ دیر بیٹھ کر جانے لگی تو ان ہی خاتون نے امی کو مخاطب کیا اور ساتھ بیٹھی خاتون کو بیگ سے تصویر نکالنے کا اشارہ کیا۔ جس نے فوراً تصویر نکال کر انہیں تھمادی۔

"یہ میرا بھتیجا حیان ہے۔ ہماری بھابھی کی دو سال قبل ڈیتھ ہوگئی ہے۔ بھیا چاہتے ہیں کہ گھر میں جلد از جلد بہو آجائے۔" خاتون نے تصویر رقیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے تفصیلات سے آگاہ کیا۔

"بہن جی رملہ کے ایگزامز میں کچھ وقت ہے پھر ہم نے تو کوئی خاص تیاری بھی نہیں کی ہوئی ہے۔" رقیہ نے تصویر دیکھ کر فاروق کی طرف بڑھاتے ہوئے بوکھلا کر جواب دیا۔ لڑکے والوں کی جلدی نے ان کے ہاتھ پیر پھلا دیے تھے۔ انہیں حیان پہلی نظر میں پسند آگیا تھا۔ پھر سب نے تصویر دیکھی وہ سب ہی کو اچھا لگا تھا۔

"آپ فکر نہ کریں مجھے صرف بہو چاہیے۔" ہاشم صاحب نے ان کی فکر کو کم کرتے ہوئے انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔ ڈرائنگ روم سے باہر کھڑی تجسس کی ماری رملہ کو اپنا دل رکتا محسوس ہوا تھا۔ وہ بمشکل خود کو گھسیٹتے کمرے میں آئی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے تیزی سے رواں ہونے لگے۔ مہمان کچھ دیر بیٹھ کر جانے لگے تھے۔ خواتین جانے سے پہلے رملہ سے ملنے آئیں اس نے آہٹ پر سرعت سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔ انہوں نے رملہ کے سر پر دست شفقت رکھا اور اس کے ہاتھ پر جاتے ہوئے دو سو روپے رکھ گئی تھیں۔ رملہ کو دو سو روپے بچھو کی مانند لگے اس نے ان کے جانے کے فوراً بعد اپنے ہاتھ جھٹک دیے۔ نوٹ بکھر کر زمین پر گر گئے دو لال نوٹ اسے اپنے خوابوں پر ہنستے محسوس ہونے لگے۔ رملہ کے آنسوؤں میں شدت آگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

فاروق صاحب ایک سرکاری ادارے میں درمیانے درجے کے ملازم تھے۔ وہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے تمام عمر صبر و قناعت سے گزاری تھی۔ رقیہ بھی صبر و قناعت کی دولت سے مالا مال تھیں۔ انہوں نے اپنے تینوں بچوں عاصم، رمنا اور رملہ کی تربیت بھی اسی نہج پر کی تھی۔ عاصم ماسٹرز کے بعد ایک مقامی کمپنی میں معقول تنخواہ پر جاب کرتا تھا۔ اس کے برسرِ روزگار ہوتے ہی فاروق اور رقیہ نے عاصم اور رمنا کی شادیاں متوسط گھرانوں میں کردیں۔ رمنا آپی نے بی اے کیا تھا۔ بھابھی اور آپی ایک متوسط فیملی سے نکل کر دوسری متوسط فیملی میں آگئیں۔ ان دونوں کو اکثر اپنی چھوٹی خواہشات کا گلا گھونٹنا پڑتا تھا۔ مگر وہ دونوں مطمئن اور اپنی زندگی میں مگن و خوش تھیں۔

رملہ میں نہ تو صبر تھا اور وہ نہ ہی قانع مزاج تھی۔ وہ چونکہ گھر میں چھوٹی تھی۔ اسی لیے سب کی بے حد لاڈلی تھی۔ ابو اور بھیا اس کی کبھی کوئی خواہش رد نہ کرتے تھے۔ ان دونوں کی تنخواہوں میں گھر کا خرچ بخوبی چل رہا تھا۔ رملہ نے کبھی اپنی خواہش سے پیچھے ہٹنا سیکھا ہی نہ تھا۔ وہ خاصی ضدی تھی۔ وہ جو بھی ضد کر لیتی اسے ابو یا بھیا سے پورا کروا کر چھوڑتی تھی۔

رقیہ اس کی طرف سے خاصی فکرمند رہتی تھیں۔ وہ اس کی شادی جلدی کرنا چاہتی تھیں۔ تاکہ وہ اپنے گھربار کی ہو کر اپنی ذمہ داریوں کو سمجھے۔ اسے اس بات سے کوئی سروکار نہ ہو تاکہ ابو یا بھائی اس کی ضد پورا کرنے کے لیے کتنی محنت کرتے ہیں۔ وہ آپی اور بھابھی کی طرح سستے لباس یا جوتے نہ پہنتی تھی۔ وہ مہنگی شاپنگ کرنا پسند کرتی تھی۔ اسے کبھی اپنی کسی خواہش کو نہ مارنا پڑا تھا۔

اس کی واحد دوست یمنیٰ ایک خوش حال اور امیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کی منگنی شہر کے صنعت کار گھرانے میں ہوئی تھی۔ رملہ نے خود بخود دل میں امیر گھر کی بہو بننے کا خواب بسا لیا تھا۔ اسے گھٹ گھٹ کر زندگی نہ گزارنا تھی۔ حیان کے لیے گھر والوں کی واضح پسندیدگی نے اسے بے سکون کر ڈالا تھا۔ وہ اپنے خوابوں سے کسی طور دستبردار نہ ہونا چاہتی تھی۔ اسے ہر صورت کسی مال دار شخص سے شادی کرنا تھی۔ وہ مادیت پسند تھی اور خوش حال زندگی گزارنے کی خواہش مند تھی۔ ابو اور بھیا مل کر اس کی خواہشات پوری کروتے تھے۔ نہ جانے حیان اپنی محدود آمدنی میں اس کی خوشیاں پوری کر سکے یا نہیں۔

☼ ☼ ☼
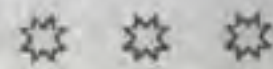
"اس کا دماغ تو ٹھیک ہے۔" رملہ نے بھابھی سے رشتے پر صاف انکار کردیا تھا۔ بھابھی نے اسے سمجھانے کی پوری کوشش کی۔ لیکن اس کی نہ ہاں میں نہیں بدل سکی تھی۔ آخر کار بھابھی کو اس کا انکار گھر والوں تک پہنچانا پڑا۔ امی نے سنا تو وہ غصے سے بپھر اٹھیں۔

"آنٹی! میں نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی۔ مگر وہ کہتی ہے کہ اسے میری اور رمنا کی طرح گھٹ گھٹ کر زندگی نہیں گزارنا ہے۔" بھابھی نے من و عن رملہ کا جواب امی کو سنا دیا۔ وہ سخت تشویش زدہ ہوگئیں۔

فاروق، ہاشم کو ہاں کر چکے تھے اور وہ لوگ اک آدھ روز میں آکر بات پکی کرنا چاہتے تھے اور دو ماہ میں شادی کی تاریخ بھی مانگ رہے تھے۔ رقیہ تو دل میں رب کی شکر گزار تھیں کہ رملہ کے لیے مناسب اور معقول رشتہ بروقت مل گیا۔ آج کل تو لوگ بیٹیوں کے رشتوں کے لیے بہت پریشان رہتے تھے۔ مناسب رشتوں کا تو جیسے کال پڑ گیا تھا۔ اگر رشتے مناسب مل جاتے تو لڑکے والوں کی ڈیمانڈز لڑکی والوں کے ہوش اڑا دیتی تھیں۔ ہاشم صاحب کی تو کوئی ڈیمانڈ بھی نہ تھی۔ رملہ یونیورسٹی گئی ہوئی تھی۔ بھابھی نے اس کی غیر موجودگی میں بات کرنا زیادہ مناسب سمجھا تھا۔

"یا اللہ! تو ہی اس لڑکی کو ہدایت دے۔" رقیہ نے تشویش سے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ وہ خود سر تو تھی۔ لیکن وہ اتنا خود سر ہوگی کہ ان کے طے کیے رشتے سے صاف انکار کردے گی۔ یہ ان کے گمان میں نہ تھا۔ رقیہ پر دھیرے دھیرے غصہ غالب آنے لگا۔

"آنے دو اس کو میں خود اس سے بات کرتی ہوں۔" رملہ کی ناشکری نے انہیں کافی پریشان کردیا تھا۔

"آنٹی! پلیز آپ ذرا نرمی سے اس سے بات کیجیے گا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بات سمجھنے کے بجائے ضد پر اڑ جائے۔" زائرہ بھابھی نے نرمی بھری رسانیت سے رقیہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں قائل کیا۔ رقیہ نے پرسوچ انداز میں سر ہلا دیا۔ ان کے چہرے پر پھیلی تشویش نے زائرہ کو بھی پریشان کردیا تھا۔ آخر وہ بھی اسی گھر کا فرد تھی۔ بھلا وہ کیسے پرسکون رہ سکتی تھی۔ اسے بھی رملہ کے فیصلے پر سخت افسوس ہوا تھا۔ مگر وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼
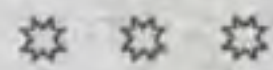
"تمہیں کیا ہوا ہے؟ تمہارا موڈ صبح سے آف

ہے۔" سر زبیری کی بیٹی کی منگنی تھی۔ ڈیپارٹمنٹ کا تمام اسٹاف انوائٹ تھا۔ سر زبیری دو روز کی لیو پر تھے۔ یمنی صبح سے رملہ کی بے زاریت و جھنجلاہٹ محسوس کر رہی تھی۔ وہ دونوں سر زبیری کے فری پیریڈ میں ڈیپارٹمنٹ کی کینٹین میں ریفریشمنٹ کے لیے آگئیں۔ آرڈر حسب معمول یمنی نے دیا تھا۔ رملہ ایسا تکلف بہت کم کرتی تھی۔ چونکہ دونوں کی برسوں پرانی دوستی تھی۔ سو یمنی نے بھی کبھی برا نہ مانا تھا۔ یمنی نے کینٹین میں آرڈر دے کر سائیڈ میں رکھی چیئر پر بیٹھی رملہ کو بغور دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

رملہ کی آنکھوں میں ٹوٹے کانچ سی چبھن تھی اور آنکھوں کی لالی رتجگے کی غماز تھی۔ اس کے چہرے پر بہت کچھ کھو دینے کا کرب تھا اور ذات سے چھلکتی بے چینی اندرونی خلفشار کی عکاس تھی۔ یمنی نے اس کا ہاتھ نرمی سے پکڑا تو رملہ کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور آنسو پلکوں کی باڑ پر اکٹھے ہونے لگے جنہیں روکنے کی کوشش میں رملہ نے اپنا نچلا لب سختی سے دانتوں تلے داب لیا تھا۔ بکھری بکھری رملہ نے یمنی کو پریشان کر دیا۔

"پلیز رملہ! بتاؤ کیا ہوا ہے؟" کینٹین میں اسٹوڈنٹس کا خاص رش تھا۔ وہ کوئی سچویشن کری ایٹ نہ کرنا چاہتی تھی۔ اس نے رملہ کو موقع کی نزاکت کا احساس دلایا تو وہ اپنے آنسو پونچھتی کھڑی ہو گئی۔

"یمنی میں لائبریری جا رہی ہوں۔" رملہ خود ترسی کا شکار ہو رہی تھی۔ اسے یمنی پر رشک آ رہا تھا۔ وہ امیر گھر کی بیٹی اور صنعت کار گھرانے کی بہو بننے والی تھی۔ گو رملہ نے بھابھی سے انکار کر دیا تھا لیکن اسے رتی بھر امید نہ تھی کہ اس کی گھر میں شنوائی ہو گی۔ وہ بھی ضد میں کم نہ تھی۔ اس نے رات سے بھوک ہڑتال کی ہوئی تھی۔ مگر اس کے دل میں کہیں یہ خدشہ بھی تھا کہ گھر والے اس کی ایک نہ سنیں گے۔ وہ دل میں آسانی سے ہار نہ ماننے کا تہیہ کر چکی تھی۔

یمنی حیرانی سے اسے جاتا دیکھتی رہ گئی۔ پھر وہ آرڈر کینسل کروا کر تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔ اسے رملہ کے آف موڈ کی وجہ جاننے کی بے تابی تھی۔ وہ ہمیشہ ہر بات اس سے شیئر کرتی تھی۔ وہ اسے کوئی بات جتائے بنا رہ نہ سکتی تھی۔ یمنی اسی امید پر اس کے پیچھے دوڑی تھی۔

"رملہ! رکو رملہ۔" وہ لائبریری کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی کہ یمنی نے اسے پکارا۔ رملہ اس کی پکار سنی ان سنی کرتی بنا رکے تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی رہی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے ابھی تک جاری تھے۔ یمنی مطمئن تھی کہ یہاں کوئی اسٹوڈنٹ نہ تھا۔ اسے رملہ کے آنسو ڈسٹرب کر رہے تھے۔

"رملہ۔۔۔" وہ لائبریری کے دروازے تک پہنچی تو یمنی نے اس کی راہ روک لی۔ اور اس کا بازو تھام کر لائبریری کے نسبتاً "پرسکون گوشے میں لے گئی۔ وہ دونوں اکثر لائبریری میں یہیں آکر بیٹھتی تھیں۔

"بولو۔" یمنی نے قطعیت سے کہتے ہوئے اس کے فرار کی ساری راہیں مسدود کر دیں اور شاید وہ بھی خود سے لڑتے لڑتے تھک گئی تھی۔ اسے سب کچھ بتاتی چلی گئی۔

"تو اس میں پرابلم کیا ہے۔ وہ کم از کم تمہاری فیملی سے تو ویل سیٹلڈ ہے اور اکلوتی اولاد بھی۔ نہ لمبی چوڑی سسرال اور نہ ہی کوئی متوسط فیملی ہے۔" یمنی کو پوری بات سن کر رملہ پر غصہ آگیا تھا۔ وہ غصے سے دانت پیستے ہوئے اس کو نرمی سے سمجھانے لگی۔ یمنی کو حیان ہاشم میں کوئی خامی نظر نہ آئی تھی۔

"اگر تم میری جگہ ہوتیں تو پھر میں پوچھتی۔ تمہاری اپنی تو صنعت کار گھرانے میں منگنی ہوئی ہے نا۔ تمہیں میرے خوابوں سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے۔" یمنی اس کی دیرینہ اور مخلص دوست تھی۔ وہ اس کے تمام خوابوں سے آگاہ تھی۔ پھر بھی اسے ہی غلط سمجھ رہی تھی۔ رملہ دکھ سے بھر گئی۔ یمنی کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ وہ دوست کی بدگمانی پر ۔۔۔ اسے بے یقینی سے دیکھتی رہ گئی۔ رملہ اپنے کرب و دکھ میں گم دوست کی متغیر ہوتی رنگت نہ دیکھ پائی۔ اسے یمنی کا خلوص یاد نہ رہا۔ اسے صرف یہ یاد تھا کہ یمنی کو حیان ہاشم جیسا

رشتہ اس کے لیے مناسب لگا تھا۔ وہ اگلے لمحہ بت بنی خاموش بیٹھی یمنی پر اک نظر ڈال کر لمبے لمبے ڈگ بھرتی لائبریری سے چلی گئی۔

☼ ☼ ☼
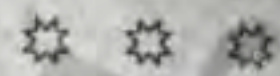
"رقیہ! تم کھانا کیوں نہیں کھا رہی ہو؟" عاصم کے آفس سے آتے ہی زائرہ نے کھانا لگا دیا تھا۔ ابو ریٹائرمنٹ کے بعد اسی ادارے میں پرائیویٹ طور پر جاب کر رہے تھے۔ وہ شام تک گھر آجاتے تھے۔ وہ رقیہ کی پراسرار خاموشی محسوس کر رہے تھے۔ رقیہ کھانا بھی برائے نام کھا رہی تھیں۔ فاروق انہیں ٹوکے بنا نہ رہ سکے تھے۔

"امی۔۔۔" رقیہ کی اسرار بھری خاموشی طویل ہوئی تو عاصم ۔۔۔ نرمی سے ٹوکے بنا نہ رہ سکا۔ فاروق مضطرب نظروں سے رقیہ کو دیکھ رہے تھے۔

ازدواجی زندگی میں کئی نشیب و فراز آئے تھے۔ رقیہ نے تو کبھی کسی مشکل میں ہمت نہ ہاری تو پھر اب کیا ہوا تھا۔ فاروق بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئے۔ رقیہ کی غیر معمولی خاموشی فاروق کا دل دہلانے لگی تھی۔ گھر اتنا بڑا نہ تھا کہ اپنے کمرے میں موجود رملہ تک آوازیں نہ پہنچتیں۔ تین کمروں پر مشتمل پانچ مرلہ گھر کی طرز تعمیر ایسی تھی کہ گھر میں بقول رملہ پرائیویسی بالکل نہ تھی۔

ابو اور بھائی نے مل کر گھر کے حالات وقت کے ساتھ بہتر کر لیے تھے۔ ان کے طرز زندگی اور رہن سہن میں بھی کافی تبدیلی آئی تھی۔ سب مطمئن زندگی گزار رہے تھے سوائے رملہ کے۔ رملہ ابو کی بے حد لاڈلی تھی اور وہ گھر میں صرف ان ہی کی پروا کرتی تھی۔ ابو اس کے بے جا لاڈ اٹھاتے نہ تھکتے تھے۔ امی ٹوکتیں تو وہ مسکرا کر انہیں ٹال جاتے۔ رملہ بھی باپ سے بے حد محبت کرتی تھی۔ رملہ کا دل خوف سے سکڑ گیا۔ اس پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔ اس کا انکار ابو سے زیادہ دیر مخفی نہ رہ سکتا تھا۔ مگر اتنی جلدی۔۔۔ وہ ذہنی طور پر بالکل تیار نہ تھی۔ وہ سراسیمگی میں بند دروازے سے کان لگا کر کھڑی ہو گئی۔

باہر جامد سناٹا تھا کلاک کی سوئیوں کی ٹک ٹک فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ رقیہ مناسب الفاظ تلاشنے لگیں۔ تاکہ فاروق کو زیادہ غصہ نہ آئے۔ فاروق فطرتاً "نرم خو اور دھیمے مزاج کے تھے۔ مگر وہ خلاف مزاج بات پر غصہ میں آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔ گھر میں اس رشتے کے سب سے زبردست حامی وہی تھے۔ وہ اپنی لاڈلی کے خیالات جان کر یقیناً "غصے سے بپھر جاتے۔

"رملہ کی خواہش ہے کہ اس کی یہاں شادی نہ کی جائے۔" رقیہ نے نپے تلے لہجے میں بات کا آغاز کیا۔ فاروق اور عاصم چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔

عاصم آفس سے جلدی چھٹی لے کر حیان کے متعلق چھان بین کر کے آیا تھا۔ ہاشم صاحب معزز اور شریف آدمی تھے۔ عاصم کو ان کا گھر بھی بے حد پسند آیا تھا اور حیان۔۔۔ حیان تو تصویر سے کہیں بڑھ کر خوبرو تھا۔ وہ ڈنر کے بعد امی اور ابو سے اس موضوع پر بات کر کے انہیں شادی کی فائنل ڈیٹ فکس کرنے کا مشورہ دینا چاہتا تھا۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹ تھا۔ فاروق کے چہرے پر تفکر کے گہرے بادل منڈلانے لگے۔ وہ تو خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگے تھے کہ رب تعالیٰ انہیں ان کے فرائض سے خوش اسلوبی سے فارغ کر رہا تھا۔

"آپ اسے کہیں وہ اپنا دماغ ٹھکانے پر رکھے۔" عاصم لمحہ بھر میں بات کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔ رملہ کی بے جا ضد اور خواہشات گھر میں کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہ تھیں۔ عاصم کے ماتھے پر غصے سے رگ ابھر آئی۔ وہ غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ ٹیبل پر منٹوں میں تناؤ پھیل گیا۔ سب اپنی اپنی جگہ مجرم سے بن کر رہ گئے تھے۔

"ابو! میں حیان کے متعلق مکمل چھان بین کر کے آیا ہوں۔ آپ بس ہاں کر دیں۔ اگر ہم نے دیر کی تو رملہ کی خواہش وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی جائیں گی۔" عاصم خفگی سے کہتا کھانا ادھورا چھوڑ کر اپنے

کمرے میں چلا گیا۔

"بیٹا تم کھانا تو کھاتے جاؤ۔" عاصم غصے کا تیز تھا اور اسے بھوکے پیٹ نیند نہ آتی تھی۔ رقیہ نے ممتا بھری تشویش سے پیچھے سے ہانک لگائی۔ عاصم نہ رکا۔

رقیہ نے دزدیدہ نگاہوں سے فاروق کو دیکھا۔ ان کے چہرے پر تفکر کے سائے مزید گہرے ہو گئے اور وہ کسی گہری سوچ میں گم نوالہ ہاتھ میں پکڑے کھانا کھانا بھول چکے تھے۔ رقیہ کے دل میں وسوسے ابھرنے لگے۔ انہوں نے لرزتے دل سے ان کا کندھا ہلایا۔

فاروق نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے نوالہ منہ میں ڈالا اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ بھابھی بھیا کے پیچھے جا چکی تھیں۔ رقیہ نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ رملہ کا سانس جہاں کا تہاں رک گیا۔ وہ بھیا کے غصے سے بخوبی واقف تھی۔ وہ غصے میں اپنے فیصلے میں ترمیم نہ کرتے تھے۔

"بھیا کون ہوتے ہیں میری زندگی کا فیصلہ کرنے والے۔ مجھے حیان سے ہرگز شادی نہیں کرنی ہے۔" خواہشات کی پجارن رملہ کا دل بھائی کے خلوص پر متنفر تھا۔ اسے حیان سے بنا ملے اور دیکھے چڑ ہونے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"خوش نصیب ہے وہ انسان جس کا دل ہوس، بغض، لالچ، حسد اور طمع جیسی لعنتوں سے پاک ہو۔ وہ اپنے رب کے فیصلوں پر راضی ہو۔ ایسا انسان بہت پرسکون زندگی گزارتا ہے رملہ۔ مجھے نہ جانے کیوں ڈر لگتا ہے بیٹا۔ کہیں تم بد نصیبوں میں شامل نہ ہو جاؤ۔"

رملہ، ابو کے ساتھ روزانہ صبح واک کے لیے قریبی پارک جاتی تھی۔ وہ نماز فجر کے بعد ابو کے کمرے میں آتی تو وہ اس کا انتظار کر رہے ہوتے تھے اور اس کے آتے ہی پارک کی راہ لیتے۔ اس نے اپنا معمول گھر میں پھیلی ٹینشن کی وجہ سے ایک ہفتے سے ترک کر رکھا تھا۔ اس روز ابو نے نماز فجر کے بعد اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ خوشگوار حیرت میں گھر گئی۔ وہ ان کی آمد کا مقصد جانتی تھی اس لیے ان کے ہمراہ ہو لی۔

سورج کی سنہری کرنیں اونچے درختوں سے چھن چھن کر زمین کو چوم رہی تھیں۔ ٹھنڈی میٹھی ہوا فضا میں خوشگواریت کا سبب تھی۔ وہ دونوں واکنگ ٹریک پر واک کرنے لگے۔ ابو خلاف معمول بہت خاموش تھے۔ یہ ان کی بے لوث و انمول چاہت ہی تو تھی کہ انہوں نے رملہ سے کوئی سوال جواب نہ کیا تھا۔ وہ تو اس کے بغیر واک بھی اکیلے نہ کرتے تھے۔ رملہ کا دل قطرہ قطرہ پگھلنے لگا۔

فاروق صاحب نے کچھ دیر بعد تھک کر سرو کے کمزور تنے سے ٹیک لگالی۔ ابو اتنے کمزور اور ضعیف تو نہ تھے کہ وہ اتنی جلدی تھک جاتے۔ رملہ ہمیشہ پہلے تھکتی اور وہ ابو سے ستانے کے لیے اصرار کرتی تھی۔ فاروق صاحب اس پر ہنستے واک جاری رکھتے حتیٰ کہ ان کی سانس پھول جاتی۔ آج وہ صرف دو چکر لگا کر تھک گئے تھے۔ رملہ کا دل کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا۔

"ابو۔" اس کا دل کرلا اٹھا تھا۔ اس نے نرمی سے ان کا کندھا ہلایا۔ ان کی آنکھوں میں پھیلی یاسیت نے رملہ کو ہراساں کر دیا تھا۔ ابو نے رملہ پر نظریں ٹکا دیں۔ ان کی آنکھوں میں کچھ تو ایسا تھا کہ وہ مجرموں کی طرح نظریں جھکانے پر مجبور ہو گئی۔

رملہ نے چند لمحوں بعد انہیں کہتے سنا تو دہل کر بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹی۔ ابو یکدم بہت بوڑھے لگنے لگے تھے۔ وہ کٹھور و سنگدل نہ تھی کہ باپ کا غم نہ سمجھتی اور نہ ہی کم فہم یا ناسمجھ تھی کہ ان کی بات کی گہرائی تک نہ پہنچتی۔

"رملہ، حیان بہت اچھا لڑکا ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا بیٹا۔" انہوں نے درختوں سے پرے آسمان پر اڑتے پرندوں کے غول پر نظریں ٹکا دیں۔

ان سے رملہ کا ہارا وجود دیکھا نہ جا رہا تھا۔ انہیں اچھی طرح یاد تھا وہ بچپن میں میلے یا مینا بازار سے اپنی پسند کی چیزیں لیتی تھی۔ پھر وہ وقت و حالات کے ساتھ شہر کے بہترین شاپنگ مالز سے حسب استطاعت شاپنگ کرنے لگی۔ اس نے ہمیشہ ان سے اپنی پسند کی فرمائش کی تھی۔ وہ ان سے ہر چیز مانگ لیتی تھی اور اب۔ اب وہ مانگ نہ رہے تھے۔ مگر اس سے کچھ لینا چاہتے تھے۔ والدین کا ہر فیصلہ اولاد کی بھلائی کے لیے ہوتا ہے۔ انہوں نے حیان کے لیے استخارہ بھی کیا تھا اور ان کا دل اس رشتے پر مطمئن ہو گیا تھا۔ دل کا اطمینان بڑھنا بھی تو اچھے فیصلے کی ایک نشانی ہوتا ہے۔

ابو تھک کر نیچے گھاس پر بیٹھ گئے۔ رملہ کا دل تڑپ کر رہ گیا۔ وہ کبھی بھی واک کے بعد ستانے کے لیے پارک میں نہیں بیٹھے تھے۔ رملہ ہارنے لگی۔ اس کے فیصلے میں دراڑ پڑنے لگی۔ وہ ابو کا یقین توڑنا نہیں چاہتی تھی۔ انہوں نے ہمیشہ اس کی ہر خواہش پوری کی تھی۔ کیا تھا اگر وہ ان کی ایک خواہش پورا کر دیتی۔

"ابو آپ بتایا کرتے تھے نا کہ باپ کی دعا اولاد کے حق میں فوراً" قبول ہوتی ہے۔ تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ باپ کا یقین اولاد کے حق میں غلط ثابت ہو۔" رملہ کو اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ ابو نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور ان کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ وہ دبے دبے جوش سے اٹھ کر رملہ کے پاس آئے جو ان سے چند قدم دور لٹے مسافر کی مانند کھڑی تھی۔

"رملہ میری جان۔" انہوں نے فرط مسرت سے اسے خود سے لپٹا لیا۔ انہیں رملہ کی اجڑی حالت پر گہرا تاسف تھا۔ لیکن ان کی دور اندیش نگاہ اس کے بہتر مستقبل پر تھی۔ رملہ نادان تھی۔ وہ تو نا سمجھ نہ تھے۔ واپسی پر رملہ کے قدموں کا بوجھل پن واضح تھا۔

☼ ☼ ☼

کمرہ خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ اسے مختلف رسموں کے بعد یہاں لا کر بٹھایا گیا تھا۔ اس کے ہاں کرنے کی دیر تھی۔ ابو اور عاصم بھائی نے اسی دن ہاشم صاحب سے رضامندی ظاہر کر کے رملہ کے ایگزامز کے بعد کی ڈیٹ فکس کر دی تھی۔ رملہ نے شادی کی شاپنگ میں امی کے بے حد اصرار پر بے دلی سے حصہ لیا تھا۔ امی نے آپی اور بھابھی کے ساتھ جا کر اس کی ساری شاپنگ کی تھی۔ انہوں نے حتی الوسع کوشش کی کہ شاپنگ رملہ کے پسندیدہ شاپنگ مالز سے کی جائے۔ امی اس کی پراسرار خاموشی سے کبھی کبھار گھبرا کر ابو سے شکایت لگاتیں تو وہ انہیں رسانیت سے سمجھا بجھا کر مطمئن کر دیتے۔

ان ہی تیزی سے گزرتے دنوں میں شادی کا دن آن پہنچا تھا۔ رملہ فیروزی اور اسکن کلر کے کنٹراسٹ نگوں کے کام والے شرارہ سوٹ میں غضب ڈھا رہی تھی تو حیان بھی لائٹ میرون کام دار شیروانی میں کم نہ لگ رہا تھا۔ دونوں کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی لگ رہی تھی۔ رملہ نے پہلے یمنیٰ کو اپنی شادی میں انوائیٹ کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ابو کو علم ہوا تو انہوں نے سب کو مصلحتاً" خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ شادی کے کارڈ چھپ کر آئے تو رملہ نے پہلا کارڈ یمنیٰ کے لیے نکال لیا تھا۔ دراصل وہ اپنی ناآسودہ خواہشات پر اسے ہنسنے کا موقع نہ دینا چاہتی تھی۔ حالانکہ یہ اس کی خود ساختہ سوچ تھی۔ پھر اسے یمنیٰ کا خلوص و پیار یاد آیا تو اسے انوائیٹ کیے بنا نہ رہ سکی۔ یمنیٰ اس سے خفا ہوئے بنا روزانہ اس سے ملتی رہی اور رملہ نے بھی اپنی شادی کی خبر سب سے پہلے اسے ہی سنائی تھی۔ اس نے رملہ کو ڈھیروں خوشیوں کی دعائیں دی تھیں۔

رملہ تھک کر چور ہو گئی تھی۔ اسے چند رشتے دار لڑکیاں حیان کو بھیجنے کا کہہ کر کچھ دیر قبل گئی تھیں۔ رملہ نے ستانے کے لیے کمر بیڈ کی پشت سے ٹکا لی۔ اس کا ذہن حیان کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ اس نے حیان کا ساتھ قبول کر لیا تھا۔ نہ جانے اس حسین رات کا سحر تھا یا حیان کی وجاہت کا اثر۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ دروازے پر آہٹ ہوئی تو دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔ رملہ کو اس پل اپنے خواب نہیں حیان کا خیال تھا۔ یمنیٰ کو بھی حیان بہت پسند آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کی آنکھ نامانوس مگر انتہائی سحر انگیز خوشبو سے

کھلی تھی۔ کمرے میں دلفریب مہک رچی بسی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ نظریں نامانوس کمرے کے درو دیوار سے ٹکرا کر بیڈ تک آئیں تو ذہن میں جھماکا ہوا۔ رات پوری جزئیات اور رعنائی سمیت اس کی یادداشت میں اتر آئی۔ وہ اک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ حیان ابھی تک سو رہا تھا۔ اس کے لبوں پر میٹھی مسکراہٹ بکھر گئی۔

بکھرے بال، کھڑی ناک، نرم ہونٹ، بھرے بھرے گال، گندمی رنگت، حیان بلاشبہ خوبرو تھا۔ رملہ کی آنکھوں میں نرم چمک ابھری اور محبت نے اس کی انگلی تھام کر چپکے سے یوں دل کی سرزمین پر مضبوطی سے قدم رکھا کہ وہ خود بھی لمحہ بھر کو حیران رہ گئی۔ حیان کی حسین قربت، تنہائی اور محبت کے نئے نویلے جذبات نے رملہ کو گڑبڑا کر نظریں بدلنے پر مجبور کر دیا۔ اسی لمحہ حیان جاگ گیا اور دونوں کی نگاہ اک پل کو ٹکرائی۔ رملہ کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ وہ نظریں بدل کر خوامخواہ اپنا دوپٹا درست کرنے لگی۔

حیان کے لبوں پر بکھری دلفریب مسکراہٹ نے اس کی وجاہت بڑھا دی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر رملہ کو اپنی چاہت بھری آغوش میں سمیٹ لیا۔ رملہ ذرا سا کسمسائی۔ مگر اس کے لیے حیان کی چاہت بھری قربت سے فرار ممکن نہ تھا اس کا دل فرار کا تمنائی بھی نہ تھا۔ محبت نے دل کی سرزمین پر نوخیز کونپلیں کھلا دیں۔ اس نے آسودگی سے حیان کی مضبوط پناہ میں سر چھپا لیا۔ وہ وقتی طور پر اپنے خواب بھی بھول گئی تھی۔ حیان نے اس کی جھولی میں محبت کے سکے گرا کر اسے انمول کر دیا تھا۔ رفتہ رفتہ گھر میں چھائی خاموشی مہمانوں کے اٹھنے سے ختم ہونے لگی۔

رملہ نہانے کے لیے واش روم میں گھس گئی۔ ولیمہ شام کو تھا۔ وہ نہا کر آئی تو اس کے گھر سے آپی اور بھابھی ناشتا لے کر آچکی تھیں۔ حیان خوشدلی سے ان سے باتوں میں مگن تھا۔ رملہ کے لبوں پر بکھرنے والی مسکراہٹ اندرونی خوشی کا پتا دے رہی تھی۔ حیان کی حسین سنگت نے اسے مسکرانا سکھا دیا تھا۔ ورنہ تو وہ کئی روز سے جیسے خود سے بھی خفا تھی۔ بھابھی اور آپی پرسکون ہو گئیں۔

ولیمہ کی تقریب میں کافی مہمان مدعو تھے۔ حیان اور رملہ کی حسین جوڑی سب ہی کی نظروں کا مرکز تھی۔ وہ بلاشبہ چاند، سورج کی جوڑی لگ رہے تھے۔ رملہ پارلر سے تیار ہوئی تھی۔ وہ بارات سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ رقیہ اور فاروق اسے خوش دیکھ کر مطمئن تھے۔ رملہ کا ہنستا چہرہ ان کے درست فیصلے کا ثبوت تھا۔

☼ ☼ ☼
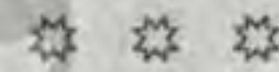
دن سکون سے گزرتے رہے۔ رملہ کی خواہش تھی کہ وہ ہنی مون پر شمالی علاقہ جات کی طرف جائے۔ حیان نے آفس سے شادی کے لیے دس روز کی لیو لی تھی۔ جو کہ ختم ہونے والی تھی۔ پھپھو نے بہترین بری بنانے کی کوشش میں اچھا خاصا خرچا کر ڈالا تھا۔ حیان نے آفس سے لون لیا تھا۔ وہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ نہ جانے پھپھو سے کس نے کہہ دیا تھا کہ ولیمہ شہر کے بہترین ہال میں ہونا چاہیے۔ انہوں نے تو ضد پکڑ لی تھی اور جس ہال میں ولیمہ کیا گیا تھا اس کے خرچ نے حیان اور ہاشم کے دانتوں تلے پسینہ نکال دیا تھا۔

حیان کی جیب تقریباً" خالی تھی۔ اسے اگلے ماہ آفس سے اینول لیو ملنا تھی۔ وہ ان دنوں میں ہنی مون پریڈ منانا چاہتا تھا تاکہ اسے تنخواہ بھی مل جاتی۔ مگر رملہ تو کچھ سمجھنے پر تیار ہی نہ تھی۔

"حیان ہم ہنی مون کے لیے کب جا رہے ہیں؟" یمنی نے ان دونوں کی دعوت کی تھی۔ حیان تیار ہو کر رملہ کے انتظار میں بیڈ پر نیم دراز اسے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اسکن اور ریڈ کامدار سوٹ میں لائٹ میک اپ اور ریڈ پرل جیولری میں دمک رہی تھی۔ وہ حسین تھی۔ لیکن آج تو اس کی چھب ہی نرالی تھی۔ حیان کو وہ شادی اور ولیمہ والے دن سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ وہ تیار ہو کر آئی تو اک ادا سے حیان سے پوچھنے لگی۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ بیرون ملک ہنی مون کے لیے جاتی۔

"یار! مجھے اگلے ماہ اینول لیو ملے گی تو پھر ہم چلیں گے۔" حیان اس کے غیر متوقع سوال پر لمحہ بھر کے لیے گڑبڑا گیا۔ پھر سنبھل کر اسے محبت سے اپنی بانہوں میں سمیٹتے ہوئے جواب دیا۔

"اونہوں۔ پھر وہ ہنی مون تو نہ ہوا۔ وہ تو صرف سیر ہو گی۔" رملہ نے اٹھلا کر اس کی بانہوں کے حصار سے نکلتے ہوئے منہ پھلایا۔

"رملہ پلیز میری لیو اب ختم ہونے والی ہے۔" شادی کے بعد دعوتوں کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ حیان نے پیسوں کا ذکر گول کرتے ہوئے چھٹی کا عذر بنایا۔

"چلیں یمنی انتظار کر رہی ہو گی۔" وہ خفا ہو چکی تھی۔ اس نے اپنا پرس اٹھایا اور باہر نکل گئی۔ صحن میں کھڑی بائیک نے اس کا موڈ مزید آف کر دیا۔ اسے عاصم بھیا کی بائیک سے بھی چڑ تھی۔ اسے گاڑی کا جنون تھا۔ اس نے عاصم بھیا سے ایک بار گاڑی کی فرمائش تک کر ڈالی تھی اور امی نے اس کے وہ لتے لیے تھے کہ اسے خاموش ہو کر راہ فرار اختیار کرنا پڑی اور اس نے بعد میں بھائی سے معافی بھی مانگی تھی۔

حیان بائیک کی چابی لے کر آیا تو رملہ خفا منہ موڑے کھڑی تھی۔ اس نے بائیک باہر نکالی تو رملہ خاموشی سے پیچھے بیٹھ گئی۔ یمنی نے دعوت پر خاصا اہتمام کر ڈالا تھا۔ رملہ مسرور و نازاں تھی۔ جبکہ اتنا کچھ کرنے پر حیان خوامخواہ شرمندہ ہو رہا تھا۔ یمنی کی فیملی بہت نائس تھی۔ رملہ کا موڈ واپسی پر بھی آف تھا۔ اس نے حیان سے کوئی بات نہ کی۔

"مجھ سے مت روٹھو یار۔ میں تو چند روز میں تمہارا عادی ہو گیا ہوں۔" رملہ نے چینج کرنے کے بعد سونے کے لیے کروٹ موڑی تو حیان نے محبت سے اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتی محبت نے رملہ کو مغرور بنا دیا۔ لیکن اس نے خفگی نہ چھوڑی۔ اس کا دل حیان کی چاہت پر مطمئن تھا۔ اسے یقین تھا کہ حیان اس کی خواہش مان لے گا۔ اس نے اظہار خفگی کے طور پر حیان کے ہاتھ جھٹک دیے۔ وہ چند لمحے خاموش لیٹا رہا۔

"تم جو چاہو گی میں وہی کروں گا پلیز تم اپنی ناراضی ختم کرو۔"

اس کی ناراضی حیان کے لیے سوہان روح تھی۔ وہ خون بن کر اس کے جسم میں شامل ہو چکی تھی۔ اس کی چاہت کی مشک حیان کی سانسوں کو ہر لمحہ مہکاتی تھی۔ اس نے تڑپ کر رملہ کا چہرہ اوپر کیا۔ رملہ کا دل مسرت و انبساط سے ہمکنے لگا۔ اسے حیان کی چاہت و قربت سے بڑھ کر اپنی بات منوا لینے کی خوشی تھی۔ اس نے حیان کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال دیں۔ حیان کو اپنا رکتا سانس بحال ہوتا محسوس ہوا۔ اس نے رملہ کو اپنی آغوش میں لیتے ہوئے اس کے ریشم جیسے بالوں میں منہ چھپا لیا۔

☼ ☼ ☼

وہ دونوں ہنی مون کے لیے شمالی علاقہ جات کی طرف گئے تھے۔ رملہ بے حد خوش تھی۔ حیان نے اپنے ایک دوست سے ادھار لیا تھا۔ رملہ کو اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ حیان ٹرپ کا خرچ کیسے برداشت کرے گا۔ رملہ خوش تھی اور حیان اس کی خوشی میں مسرور تھا۔ خوب صورت گزرگاہیں، اونچے لمبے پہاڑ، دیودار، صنوبر اور یوکلپٹس کی مدہوش کرتی باس و فطرت کے حسین نظارے۔ وہ دونوں ان ہی مناظر میں گم ایک دوسرے کی حسین رفاقت اور چاہت سے لطف اندوز ہوتے رہتے۔ حیان نے آفس سے ایک ہفتہ کی مزید لیو لی تھی۔ دونوں کو وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا اور حیان کی لیو ختم ہونے میں ایک روز رہ گیا۔

"حیان! مجھے اسلام آباد میں جنریشن سے شاپنگ کرنی ہے۔" اگلے روز ان کی واپسی تھی۔ وہ دونوں وادی کی سیر کر کے لوٹے تھے اور خاصا تھک گئے تھے۔ رملہ پیکنگ کر رہی تھی۔ حیان اسے تمام چیزیں اکٹھی کر کے پکڑا رہا تھا۔ رملہ نے حیان کے جوتے بیگ کے کونے میں گھسیٹرے اور بیگ کی زپ بند کر دی۔ حیان اس کی اک اور فرمائش پر سٹپٹا گیا۔ اس نے چند ہزار بچا کر رکھے تھے۔ وہ واپسی پر دوست کو پیسے دے کر

قرضہ کچھ کم کرنا چاہتا تھا۔
"رملہ! تمہارے بری کے سارے سوٹ نئے ہیں اور ان میں سے کچھ پھپھو نے جنریشن سے لیے تھے۔" حیان نے رسانیت سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ پھپھو نے بری کے کپڑے اور جوتے بھی برانڈڈ لیے تھے۔ حیان کو نہ جانے کیوں اب شبہ ہونے لگا تھا کہ ان سے یہ فرمائش رملہ نے کی ہوگی۔ وہ چند روز میں رملہ کی شاپنگ اور برانڈ کریز سے واقف ہو چکا تھا۔ اگلے لمحے حیان نے خود کو بری طرح لتاڑ ڈالا اور دل میں خود کو ملامت کرنے لگا۔ بھلا رملہ کے پاس پھپھو کا نمبر کہاں سے آتا۔
"آپ مجھے انکار کر رہے ہیں۔" رملہ نے لگاوٹ بھری مسکراہٹ حیان کی طرف اچھالی۔ وہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگا اور الجھ کر رہ گیا۔ وہ رملہ کو ناراض بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔
"حیان میری بری میں CASEUAL سوٹس کم ہیں پلیز۔" رملہ نے حیان کے انکار کرنے سے پہلے ہی لجاجت سے اس کے قریب آکر اس کے بازو پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی منت کی۔ وہ ٹھنڈی آہ بھر کر سر ہلا کر رہ گیا۔ رملہ اس کی رضامندی پاتے ہی خوشی سے کھل اٹھی۔
"آپ کتنے اچھے ہیں۔" رملہ خوشی سے بے قابو ہو کر حیان سے لپٹ گئی۔ حیان کے لیے اس کی خوشی بہت قیمتی تھی۔

☼ ☼ ☼

شام کے سائے گہرے ہونے کو تھے۔ دور افق پر شام کی لالی بکھر کر رات کی تاریکی میں گھلنے لگی تھی۔ حیان کو آفس سے خلاف معمول کافی دیر ہو گئی تھی۔ حیان گھر آتے ہی چائے پیتا تھا۔ رملہ نے بابا اور حیان کے لیے چائے بنائی اور ڈریس چینج کرنے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ حیان نے اسے امی کی طرف لے کر جانا تھا اور اس کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ رات کی بڑھتی تاریکی رملہ کا دل ہولا رہی تھی۔ وہ تیار ہو کر بے تابی سے حیان کا انتظار کرنے لگی۔ چائے ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ اس نے بابا کو کھانا اور چائے دے دی۔ بابا آفس سے آکر جلد ڈنر کر لیتے تھے۔ وہ آفس میں لنچ نہ کرتے تھے۔ سو انہیں رات کو بھوک جلدی لگ جاتی تھی۔
"جیتی رہو بیٹا۔ حیان ابھی تک نہیں آیا۔" رملہ بابا کے کھانا کھانے کے بعد برتن اٹھانے لگی تو بابا نے اسے دعائیں دیتے ہوئے تفکر سے استفسار کیا۔
"نہیں بابا! میں نے صبح انہیں کہا تھا کہ آج امی کی طرف جانا ہے۔ آپ جلدی گھر آجائیے گا۔" نک سک سے تیار رملہ نے نروٹھے لہجے میں انہیں تفصیلاً بتایا۔ بابا کے لبوں پر اس کے بچکانہ انداز پر مسکراہٹ بکھر گئی۔
"لو آگیا میں اس کے کان کھینچتا ہوں ذرا۔" وہ بھی حیان کے لیٹ ہونے پر فکر مند ہو گئے تھے۔ حیان نے گھر فون بھی نہ کیا تھا۔ بابا نے دو بار کال ملائی تو اس نے ڈس کنیکٹ کر دی گیٹ کی بیل بجی تو بابا بے تابی سے کہتے گیٹ کھولنے کے لیے آگے بڑھے۔ رملہ بھی ان کے ہمراہ تھی۔ بابا نے جوں ہی گیٹ کھولا وہ حیران رہ گئے۔ جبکہ رملہ مارے مسرت و اشتیاق کے بچوں کی سی معصومیت سے بھاگ کر قریب آگئی۔
"السلام علیکم۔" حیان نے گاڑی سے نکل کر متحیر کھڑے بابا اور بچوں کی سی معصومیت بھری خوشی سے گاڑی کو تکتی رملہ کو سلام کیا۔
"بابا! آپ کی دعاؤں سے میری پروموشن ہو گئی ہے۔" حیان نے بابا کے گلے لگتے ہوئے دونوں کی نگاہوں میں چھپے سوال کا جواب دیا۔
حیان کو کمپنی نے ایک پروفیشنل کورس کے لیے کچھ ماہ قبل کوریا بھیجا تھا۔ حیان کامیابی سے کورس مکمل کر کے واپس لوٹا تو اس نے اپنے جونیئرز کو ٹریننگ دینا شروع کر دی۔ کمپنی کی کوریا کی ایک مشہور کمپنی سے دو ماہ قبل ڈیلنگ طے ہوئی تھی۔ کورین کمپنی کو مقامی کمپنی کی پراڈکٹ اور طریقہ کار بہت پسند آیا تھا۔ مقامی کمپنی نے کورین کمپنی کی ایما پر حیان کو کوریا جاب

کرنے یا پاکستان میں پروموشن کا آپشن دیا تھا۔ حیان نے پروموشن کا آپشن قبول کر لیا۔ کمپنی نے اینکریمنٹ اور گاڑی بطور پروموشن دی تھیں۔ وہ گھر سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے بابا کی کال بھی ڈس کنیکٹ کر دی تھی۔ بابا نے محبت سے اسے گلے لگایا۔
رملہ گاڑی کے گرد گھوم کر اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ اسے گاڑی بہت پسند آئی تھی۔ وہ حیان سے گاڑی کا مطالبہ کرنے والی تھی۔ اسے شادی پر لیے گئے قرضے کا علم تھا۔ سو اس نے مصلحتاً "خاموشی اختیار کر لی۔ قدرت نے اس کی خواہش اتنی جلدی پوری کر دی تھی۔
"آپ فوراً" یہ بائیک بیچ دیں۔" رملہ کو تیار ہوتے وقت بائیک کی سواری کا سوچتے ہی ہول اٹھ رہے تھے۔ اس نے گاڑی آتے ہی فوراً" بائیک سے چھٹکارا پانے کا سوچا تھا۔ بائیک حیان استعمال کرتا تھا۔ بابا نے کبھی بائیک استعمال نہ کی تھی۔ وہ آفس بھی پرائیویٹ کنوینس سے جاتے تھے۔
"بیٹا رملہ صحیح کہہ رہی ہے۔ اس سے قرضہ بھی اتر جائے گا۔" بابا نے بھی فوراً" اس کی تائید کی۔ بابا کا ارادہ حیان کی شادی کے بعد جاب چھوڑنے کا تھا۔ مگر انہیں شادی پر لیے گئے لون کی وجہ سے اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا اور انہوں نے ایک سال کا مزید کنٹریکٹ سائن کر لیا تھا۔ قرضہ کافی اتر چکا تھا۔ صرف چند ہزار رہ گئے تھے جو بائیک کی فروخت سے پورے ہو جانا تھے۔
"حیان چلیں دیر ہو رہی ہے۔" رملہ کو اچانک خیال آیا تو اس نے باتوں میں مصروف حیان کو مخاطب کیا۔ رملہ کو گاڑی پر سوار ہونے کی بے تابی تھی۔
"رملہ! ہم آنٹی کی طرف کل چلیں گے۔ آج ہم سب باہر ڈنر کریں گے۔" بابا کے چہرے پر آسودگی اور آنکھوں میں مسرت بھری چمک تھی۔ ان کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیر گئی۔ غالباً" انہیں امی یاد آگئی تھیں۔ وہ اس خوشی کے موقع پر زندہ ہوتیں تو رب کا شکر ادا کرتی نہ تھکتیں۔ بابا کو یکایک احساس تنہائی نے اپنی گرفت میں جکڑ کر اداسی کے سائے ان کے گرد پھیلا دیے تھے۔ حیان بابا کے بدلتے روپ بخوبی پہچانتا تھا۔ وہ انہیں تنہا کر کے مزید اداس نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے محض ان کی خوشی کی خاطر اپنا پروگرام کینسل کرتے ہوئے اشارتاً" بابا کو بہلانا چاہا۔ بابا ان دونوں کے ساتھ کسی فنکشن میں کم جاتے تھے۔ وہ امی کے بعد تنہائی پسند ہو گئے تھے۔ بابا اپنی وجہ سے انہیں پروگرام ہرگز کینسل نہ کرنے دیتے۔
رملہ سر شام تیار ہو کر حیان کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ ہفتے میں ایک دن چند گھنٹوں کے لیے میکے جاتی تھی۔ بابا رنگ میں بھنگ ڈال کر بہو کا موڈ آف نہ کرنا چاہتے تھے۔ بابا حیان کے اشارتاً" منت کرنے پر کھانا کھا لینے کے باوجود مان گئے تھے۔
"ہاں ٹھیک ہے پھر چلیں۔" رملہ نے ذرا سی ہچکچاہٹ کے بعد مسکراتے ہوئے حیان کی بات مان لی۔ وہ یہ خوشی صرف حیان کے ساتھ سلیبریٹ کرنا چاہتی تھی۔ اسے حیان کی خاطر مجبوراً" یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑا۔ وہ حیان کو خفا نہ کر سکتی تھی۔ اس کے دل میں پہلی بار بابا کے لیے بغض پیدا ہوا۔
"کیا تھا اگر بابا خود منع کر دیتے۔" اسے گاڑی میں سیر کی بے تابی تھی۔ اس کے ہامی بھرتے ہی حیان نے اس کے لیے فرنٹ ڈور کھولا۔ وہ ملکہ کی سی تمکنت سے بیٹھ گئی۔ حیان نے بابا کو پچھلی سیٹ پر بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ رملہ نے مرر میں پیچھے مطمئن بیٹھے بابا کو دیکھتے ہوئے تنفر سے سوچا تھا۔ حیان نے گم سم بیٹھی رملہ کو استفہامیہ نظروں سے دیکھا تو اسے جبراً" چہرے پر مسکراہٹ طاری کرنا پڑی۔

☼ ☼ ☼

یمنی کی شادی تھی۔ اس نے رملہ کو ایک ہفتہ قبل اپنے گھر رہنے کے لیے انوائیٹ کر لیا تھا۔ رملہ نے حیان اور بابا کی وجہ سے سہولت سے اسے منع کر دیا اس روز اس کی بارات تھی۔ رملہ نے اپنی بری کا کافی بھاری کامدار جوڑا پہنا تھا۔ ڈیپ میرون کلر کے

جارجٹ سوٹ پر سفید اور بیجنل پرلز کا نفیس کام کیا گیا تھا۔ رملہ ہیرنگ آرٹیفیشل ایئررنگز میں بہت دلکش لگ رہی تھی۔ اسے گولڈ کی جیولری خاص پسند نہ تھی۔ وہ محض منہ دکھائی میں دیا حیان کا گولڈ کا نازک لاکٹ سیٹ اور بریسلیٹ ہر وقت پہنے رہتی۔ اس کے گولڈ کی تمام جیولری بینک کے لاکر میں سیفٹی کے خیال سے محفوظ تھی۔

وہ تک سک سے تیار ہو کر آئی تو حیان گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ حیان نے گاڑی اسٹارٹ کی کہ بابا کی کربناک چیخ نما آواز نے دونوں کو دہلا دیا۔ حیان بجلی کی سی تیزی سے بابا کے کمرے کی سمت لپکا۔ رملہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ بابا دونوں ہاتھوں سے سینہ مسلتے ہوئے بیڈ پر اوندھے منہ پڑے تھے۔

"بابا۔" حیان نے بے قراری سے انہیں سیدھا کرتے ہوئے ان کے گال تھپتھپائے۔ بابا آنکھیں بند کیے نیم بے ہوش تھے۔ انہوں نے حیان کے پکارنے پر ہولے سے آنکھیں کھولیں۔ وہ ہارٹ پیشنٹ تھے۔ حیان نے ان کے آنکھیں کھولتے ہی سائیڈ ٹیبل سے ان کی ٹیبلٹ اور پانی انہیں تھمایا۔ بابا نے پانی پی کر ٹیبلٹ زبان کے نیچے رکھ لی۔ رملہ خاموش تماشائی بنی کھڑی تھی۔ بابا کی حالت کچھ دیر بعد سنبھل گئی مگر حیان کا دل انہیں تنہا چھوڑ کر جانے پر رضامند نہ تھا۔ وہ یہی سوچ سوچ کر دہل رہا تھا کہ اگر وہ چند لمحے قبل نکل جاتے تو ان کے پیچھے بابا کی کیا حالت ہوتی۔ اسے بابا سے شدید محبت تھی۔ وہ امی کے بعد بابا کو کھونا نہ چاہتا تھا۔ وہ بابا کے ہاتھ پکڑے ان کا سر اپنی گود میں رکھے ہوئے تھا۔ رملہ کو محبت کا مظاہرہ کوفت میں مبتلا کر رہا تھا بابا قدرے پرسکون تھے۔

"حیان چلیں۔" رملہ کی برداشت ختم ہو گئی تھی۔ اس نے گھڑی کی سمت دیکھا۔ یمنی کی رخصتی کا وقت گیارہ بجے تھا اور ساڑھے نو ہو چکے تھے۔ انہیں ہال تک پہنچنے میں آدھ گھنٹہ مزید لگ جانا تھا۔ اس کے پاس یمنی کے ساتھ گزارنے کے لیے صرف ایک گھنٹہ بچا تھا۔ حیان متذبذب تھا۔

"حیان بیٹا! تم دونوں جاؤ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔" بابا نے آنکھیں کھول کر حیان کو جیسے جانے کی اجازت دی۔ وہ کوفت و بےزاریت سے حیان کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگی۔ اسے بابا کی بیماری ڈھکوسلہ محسوس ہوئی تھی۔

"ہوں... بابا نرے ڈرامہ باز ہیں۔ انہیں بھی عین ٹائم پر بیمار ہونا تھا۔" رملہ نے نخوت سے سوچتے ہوئے فرنٹ سیٹ سنبھالی۔ اس کا موڈ آف تھا۔ حیان کو اس سے بے حسی کی توقع نہ تھی۔ اس نے مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی۔

"رملہ! تم فنکشن اٹینڈ کرو میں تمہیں بعد میں آ کر لے جاؤں گا۔" وہ رملہ کا بے حد خیال رکھتا تھا۔ اس کی خواہشیں پوری کرتا اور وہ... وہ دوست کی شادی میں لیٹ ہو جانے کی وجہ سے اپنا موڈ آف کیے ہوئے تھی۔ اسے حیان کے بابا کی کوئی پروا یا فکر نہ تھی۔ حیان کو اس پر غصہ آ رہا تھا۔ اس نے گاڑی ہال کے سامنے روکتے ہوئے قطعیت سے مخالف سمت دیکھتے ہوئے اسے اس کی بدسلوکی باور کرائی۔

"حیان آپ..." حیان سنجیدگی سے لب بھینچے سرد نگاہوں سے سامنے نظر مرکوز کیے ہوئے تھا۔ اس کا یہ روپ رملہ کے لیے بالکل نیا تھا۔ وہ اس حیان سے بالکل مختلف لگ رہا تھا جسے وہ چھ ماہ سے جانتی تھی۔ حیان نے اسے ہاتھ اٹھا کر خاموش کروا دیا۔ وہ بات کرنا بھول کر اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔ حیان کا رویہ بے لچک تھا۔

رملہ کے دل میں بابا کے لیے بغض بڑھ گیا۔ وہ اپنی سوچ یا رویے پر بالکل نادم نہ تھی۔ اس نے گاڑی کا دروازہ اک دھاڑ سے بند کیا اور غصے سے پاؤں پٹختی اندر چلی گئی۔ حیان تاسف سے اسے جاتا دیکھنے لگا اس کی خوب صورت براؤن آنکھوں میں افسردگی پھیل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وسیع و عریض ہال کے لان کو خوب صورتی سے

سجایا گیا تھا۔ اسٹیج کی دلکشی پھولوں اور لائٹس سے بڑھائی گئی تھی۔ لان میں جگہ جگہ ٹیبلز کے گرد چیئرز رکھی گئی تھیں۔ اسٹیج پر رشتے دار خواتین کا رش تھا۔ یمنی کو ابھی پارلر سے لایا گیا تھا اور اسٹیج پر فوٹو سیشن چل رہا تھا۔ یمنی ڈیپ ریڈ کلر کے لہنگے میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ لانگ شرٹ کے دامن پر بنا نفیس موتیوں اور دوپٹے کا نفیس بھاری کام مہنگے سوٹ کی مالیت کا خود اعلان کر رہا تھا۔ رملہ کو یمنی کی بھابھی اسٹیج کے عین سامنے والی ٹیبل پر بٹھا کر گئی تھیں۔ تاکہ وہ رش کم ہونے پر یمنی کے پاس چلی جائے۔ رملہ اس کا گہری نظروں سے جائزہ لے رہی تھی۔ یمنی کی جیولری و ڈریس وہاں موجود تمام خواتین کا موضوع گفتگو بنا ہوا تھا۔

فنکشن میں شہر کی تمام کریم اکٹھی تھی۔ بڑی بڑی بیگمات، قیمتی ڈریس اور بھاری جیولری میں لدی پھندی امارت کا جیتا جاگتا اشتہار لگ رہی تھیں۔ رملہ یہاں آنے سے پہلے اپنی تیاری سے مکمل مطمئن تھی۔ لیکن اب دوسری بیگمات کی تیاری اور امارات چھلکاتے وجود نے اسے احساس کمتری میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس کے اندر احساس کم مائیگی شدت سے جاگ اٹھا۔ حالانکہ وہ خود بھی قیمتی ڈریس اور جیولری پہنے ہوئے تھی۔ اسٹیج پر فوٹو سیشن ختم ہونے کا نام نہ لے رہا تھا۔ وہ انتظار کی کوفت سے بدمزا ہو کر ہال کا طائرانہ جائزہ لینے لگی۔

"ایکسکیوزمی بیٹا کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟"

وہ بوریت سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر واضح بیزاری تھی۔ سوچوں اور پچھتاوے میں غلطاں رملہ سے بلیک شیفون کی ڈارک براؤن کامدار بارڈر والی ساڑھی میں ملبوس خاتون نے اس کے قریب خالی چیئر کی طرف اشارہ کیا۔ رملہ نے چونک کر گردن موڑی تو نظر ایک گریس فل خاتون پر پڑی۔

ان کی متانت و وقار نے رملہ کو کافی متاثر اور ان کی مہنگی ساڑھی اور ڈائمنڈ جیولری نے خاصا مرعوب کیا تھا۔ وہ خاتون بلاشبہ اپنی عمر سے کافی چھوٹی نظر آ رہی تھیں۔ ان کے بالوں سے جھانکتی ہلکی چاندی ان پر سوٹ کر رہی تھی۔ رملہ میں احساس کم مائیگی مزید بڑھ گیا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو قناعت اور شکر کی دولت سے قطعی محروم ہوتے ہیں۔ ان کی خواہشات و طلب کا دائرہ اپنی پچھلی خواہشات و طلب کے پورا ہونے پر مزید بڑھتا جاتا ہے۔

رملہ کی ذات میں نا آسودہ خواہشوں کا دھواں بھرنے لگا۔ اک پل کو اس کا دل چاہا کہ وہ تمام لحاظ و تہذیب بالائے طاق رکھ کر صاف انکار کر دے۔ اجنبی خاتون منتظر تھیں۔

"جی۔" نہ جانے کیسے اس نے ٹرانس کی سی کیفیت میں سر اثبات میں ہلا دیا۔ ان کی گہری نگاہیں رملہ پر جمی تھیں جو بلاشبہ ہال میں سب سے الگ و منفرد نظر آ رہی تھی۔ رملہ ان کی نگاہوں کے ارتکاز سے جزبز ہو کر پہلو بدلنے لگی۔

"بیٹا کیا آپ شادی شدہ ہیں؟" رملہ مروت و لحاظ کا دامن ترک کر کے اجنبی خاتون کو ٹوکنے والی تھی کہ انہوں نے غیر متوقع سوال کر دیا۔ رملہ قدرے تحیر سے انہیں دیکھنے لگی۔ ان کی نگاہوں میں چھپی واضح پسندیدگی نے اسے قدرے پزل کر دیا تھا۔

"جی۔" رملہ نے ہچکچا کر مختصر جواب دیا۔ وہ الجھی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔ خاتون کے چہرے پر یکدم مایوسی کے سائے پھیل گئے اور وہ لب بھینچے چند ثانیے دم سادھے بیٹھی رہیں۔ ان کی خاموشی رملہ کی الجھن میں اضافہ کر رہی تھی۔

"ایکچوئیلی میں یمنی کی بڑی ممانی ہوں اور اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے لڑکی تلاش کر رہی ہوں۔" وہ رملہ کی الجھن دور کرنے لگیں۔ جبکہ رملہ سے آگے ایک لفظ نہ سنا گیا۔ وہ ان کی بات غائب دماغی سے سننے کے باوجود ان کے آنے کا مقصد جان گئی تھی۔ وہ یاسیت کی انتہا پر تھی۔ یمنی کی ممانی نے بات کے اختتام پر شگفتگی سے اسے مسکرا کر دیکھا تو وہ جواباً "مروتاً" بھی نہ مسکرا سکی۔ خاتون اس کے حسن و معصومیت سے متاثر ہوئی تھیں۔ ان کے چہرے پر

اپنی "مہم کی ناکامی" کا افسوس پھیلا ہوا تھا۔

رملہ کے اندر اٹھتا دھواں بھانبڑ بن گیا تھا۔ اس کا وجود سوکھی لکڑی کی طرح تڑخنے لگا۔ اسے اپنے والدین پر شدید غصہ آنے لگا۔ جنہوں نے اسے حیان جیسے کنگلے کے پلے باندھ دیا۔ اس پل اسے حیان کی چاہت بھری قربت اور پرخلوص رفاقت بھی یاد نہ آئی تھی اسے کچھ یاد تھا تو صرف اپنے نا آسودہ خواب' خاتون نہ جانے کب چلی گئیں اسے خبر نہ ہوئی تھی۔

"رملہ! تمہیں یمنی بلا رہی ہے۔" دلہن بنی یمنی نے رملہ کے پاس سے ممانی کو اٹھتے دیکھا تو رملہ کے دھواں دھواں چہرے نے اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجا دی۔ اس نے فوراً" اپنے قریب بیٹھی زرمینہ بھابھی کو رملہ کو بلانے بھیج دیا۔ زرمینہ بھابھی اسے پیغام دے کر آگے بڑھ گئیں۔ رملہ اپنے وجود کو بمشکل گھسیٹ کر یمنی کے پاس گئی تھی۔

"رملہ۔" وہ یمنی کے پاس گم صم سوچوں میں غلطاں تھی۔ یمنی اسے ٹوکے بنا نہ رہ سکی تھی۔ وہ رملہ کی رگ رگ سے واقف تھی۔

"رملہ تم حیان بھائی کی قدر کرنا سیکھ لو' ورنہ تم ایک دن بہت پچھتاؤ گی۔" دلہن بنی یمنی نے غصے سے دانت کچکچائے۔ وہ رملہ کے چہرے پر تحریر خود ترسی و خود اذیتی کی داستان پڑھ چکی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ اسے وہیں پکڑ کر مارنا شروع کر دیتی۔

اسی لمحہ نکاح کے لیے مرد آگئے تو رملہ نے نامحسوس طور پر جگہ چھوڑ دی۔ اسے یمنی پر غصہ آنے لگا۔ وہ اس کی فیلنگز سمجھنے کی بجائے اسے موردالزام ٹھہرا رہی تھی۔ نہ جانے وہ کیسی دوست تھی جو اسی پر غصہ کر رہی تھی۔ وقت مقررہ پر حیان اسے لینے آپہنچا۔ وہ ناراضی میں یمنی سے ملے بنا اس کی رخصتی سے پہلے گھر چلی گئی۔ نکاح کے بعد کھانے کا دور چلا۔ یمنی کی نگاہیں رملہ کو تلاشنے میں ناکام رہیں۔ اسے نکاح کے بعد خاور کے ساتھ رسموں کے لیے بٹھایا گیا تو رملہ کے لیے متفکر یمنی خاور کی غیر معمولی خاموشی اور اداسی نہ بھانپ سکی۔ کچھ دیر بعد رخصتی کا شور اٹھا اور وہ پیا دیس سدھار گئی۔

☼ ☼ ☼

"کیا کہا تم نے؟" حیان اس سے زیادہ دیر خفا رہ ہی نہ سکتا تھا۔ اس نے بنا کوئی گلہ شکوہ کیے رملہ سے اگلے روز از خود صلح کر لی تھی۔ رملہ چند روز سے الجھی الجھی سی اور خاموش تھی۔ وہ حیان کے استفسار پر ٹال گئی۔ چہرے پر ہمہ وقت بے زاریت سجائے مارے بندھے گھر کے کام اور بابا کا خیال رکھ رہی تھی۔ اس روز اس کا بہت دنوں بعد موڈ خوشگوار ہوا تھا۔ حیان سونے کے لیے رات کو لیٹا تو رملہ نے محبت سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ وہ آفس سے لیٹ اور تھکا ہوا آیا تھا۔ نیند اس کی اولین خواہش تھی۔ حیان نے نیند سے بوجھل آنکھیں بمشکل کھولتے ہوئے مسکرا کر محبت پاش نظروں سے دیکھا اور اسے اپنی محبت بھری آغوش میں سمیٹ لیا۔

رملہ نے خود سپردگی اختیار کر لی۔ نیند میں مدہوش حیان پہچان نہ سکا۔ رملہ ایسا صرف اپنی بات منوانے کے لیے کرتی تھی۔ حیان کے نیند سے بھاری پپوٹے باہم پیوست ہو گئے۔ رملہ نے نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ حیان نے پل بھر کے لیے مندی پلکیں کھولیں اور یہی لمحہ تھا جب رملہ نے اس کی سماعتوں پر بم گرایا تھا۔

"کیا کہا تم نے۔" حیان کی نیند لمحہ بھر میں اڑنچھو ہو گئی۔ وہ اک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا اور رملہ کی بانہیں پرے جھٹکتے ہوئے غصے سے بھینچے لہجے میں غرایا۔ اسے رملہ کی نرم و نازک بانہیں سانپ کی مانند ڈستی محسوس ہوئی تھیں۔

"حیان! ہم شہر کے پوش ایریا میں کوئی بنگلہ خرید لیں گے۔ یہ گھر اور میرے زیورات بیچ کر اتنی رقم اکٹھی ہو جائے گی۔" رملہ کے لیے حیان کا غصہ بالکل نیا تھا۔

اس نے کبھی نرم خو و دھیمے لب و لہجے والے حیان کو شدید غصے میں نہ دیکھا تھا۔ لیکن وہ دبنے والوں میں

سے نہ تھی۔ اگر وہ اب دب جاتی تو اپنی خواہش کبھی پوری نہ کرپاتی اور اسے اپنی خواہش سے دستبرداری کسی قیمت پر قبول نہ تھی۔ وہ حیان کے دل میں چھپی اپنی محبت کو اس کی کمزوری بنانا بخوبی جانتی تھی اور وہ خود دبنے کی بجائے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔

"ایک تو میں آپ کی معاشی مدد بھی کررہی ہوں اور آپ مجھ پر ہی غصہ کررہے ہیں۔" رملہ نے ڈھٹائی کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہوئے ناراضی دکھائی۔ حیان اس کا احسان مند ہونے کی بجائے اسی پر غصہ کررہا تھا۔ آخر اس میں دونوں کا فائدہ تھا۔ ان کا معیار زندگی مزید بلند ہوتا اور بہترین زندگی گزارنا ہر انسان کا حق تھا۔ رملہ الٹا حیان پر خائف تھی۔

"رملہ میں نے آج تک تمہاری کوئی خواہش نہیں ٹالی ہے، مگر یہ خواہش تم بھول جاؤ۔ میں یہ گھر چھوڑنے کا تصور تک نہیں کرسکتا۔"

گھر شہر کی بہترین کالونی میں خاصی جدید طرز تعمیر کا حامل تھا۔ حیان کی امی نے اس گھر کے چپے چپے کو اپنے ہاتھوں سے سنوارا تھا۔ انہوں نے اپنے دل کے تمام ارمان اس گھر کی تزئین و آرائش میں پورے کیے تھے اور پھر بابا اور اسے بھی یہ گھر بے حد عزیز تھا۔ حیان کو امی کی ڈیتھ کے پانچ سال بعد بھی گھر کے چپے چپے سے ان کی خوشبو آتی تھی۔ اس کے لیے یہ خیال سوہان روح تھا اس نے انگلی اٹھا کر رملہ کو غصے بھری سختی سے وارن کیا اور خفگی سے کروٹ بدل لی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی رملہ کی مادیت پسندی نے اسے شدید دکھ پہنچایا تھا۔ اس نے ہمیشہ رملہ کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا خیال رکھا تھا اسے پہلی بار شدت سے رملہ کا "اصل روپ" سمجھ میں آیا تھا۔

"شاید رملہ مجھ سے نہیں میری تنخواہ سے محبت کرتی ہے۔" حیان نے کرب سے سوچا اس کے ذہن میں ماضی کی ریل گھومنے لگی تھی۔ حیان کو اپنے دماغ کی نسیں پھٹتی محسوس ہونے لگیں۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر دباتے ہوئے کرب سے آنکھیں موندلیں۔

رملہ خواہشات کی پجارن تھی۔ اسے محبت، خلوص اور رشتوں سے کوئی غرض نہ تھی۔ حیان کا دکھ بڑھتا جارہا تھا اس کے دل میں رملہ سے شکوہ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆
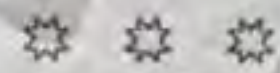
اگلے روز ناشتے کی ٹیبل پر رملہ حیان کی پکار کی منتظر رہی۔ حیان بے نیازی سے ناشتا کرتا رہا۔ وہ بابا سے باتوں میں مگن رہا اس نے رملہ کو نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔ رملہ بے خبر تھی کہ اس بار حیان اس سے ناراض ہے۔ رملہ کا خیال تھا کہ حیان کا غصہ وقتی ہے جو جلد اتر جائے گا اس کا رواں رواں حیان کی سمت متوجہ تھا۔ حیان اسے یکسر نظر انداز کیے ہوئے تھا۔ رملہ نے اس کی شدت سے بھرپور محبتیں پائی تھیں اس کے لیے حیان کی ناراضی سوہان روح تھی وہ اسے شدت سے چاہتی تھی۔

اس کی انا اسے گفتگو میں پہل کرنے سے روک رہی تھی۔ وہ دب کر اپنی خواہش سے دستبردار نہ ہونا چاہتی تھی۔ رملہ کی یمنیٰ کی ممانی سے ملاقات کے بعد خود ترسی شدت اختیار کرگئی تھی۔ اسے اپنے والدین سے بھی گلہ تھا۔ اگر وہ اس کی جلد شادی نہ کرتے اور مزید سال، دو سال انتظار کرلیتے تو رملہ کو ایک پرتعیش زندگی میسر ہوتی۔ اس نے حیان کی محبت یکسر فراموش کردی تھی۔ اسے یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ حیان نے اس کی خاطر دوستوں سے رقم ادھار لی تھی۔

"بیٹا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وہ بے دلی سے ناشتا ٹھونس رہی تھی۔ بابا نے اچانک اس سے تشویش سے پوچھا تھا انہیں رملہ کچھ مضطرب و بے چین لگی تھی۔ رملہ ہنس مکھ لڑکی تھی وہ صبح ناشتے کے وقت چہکتی رہتی تھی اس کی خلاف معمول خاموشی بھی بابا نوٹ کررہے تھے۔

"جی جی بابا۔" اس نے گڑبڑا کر ہکلاتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا اور کن انکھیوں سے ناشتا کرنے میں مگن حیان کو دیکھا۔ حیان نے بنا توجہ دیے چائے کا کپ اٹھالیا۔ رملہ کو اپنی بے قدری پر رونا آنے لگا۔

"بیٹا تم اپنا دھیان رکھو اور گھر کے کاموں میں مصروف ہونے کے بجائے آرام کرو۔ مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔" بابا جانے سے پہلے اسے تاکید کرنا نہ بھولے تھے۔ رملہ نے دھیرے سے سرہلادیا وہ ناشکری کی انتہا پر جلتی کڑھتی رہی۔ حیان نے بابا کی تشویش پر اک جتاتی نظر رملہ پر ڈالی اس نے سٹپٹا کر نظریں چرالیں۔

☆ ☆ ☆
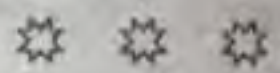
"خاور آپ کو آفس سے دیر ہورہی ہے۔" یمنیٰ نے آفس کے لیے تیار ہوتے خاور کی ٹائی درست کی تو اس نے یمنیٰ کے گرد بازوؤں کا حلقہ تنگ کردیا۔ یمنیٰ نے شوخی بھری شرارت سے اس کے سینے پر ہولے سے مکا مارتے ہوئے اسے پیچھے دھکیلا تھا۔

یمنیٰ اور خاور ہنی مون ٹرپ کے لیے تھائی لینڈ اور سنگاپور گئے تھے۔ وہ دونوں دو ہفتوں بعد واپس لوٹے تھے۔ یمنیٰ کا دل رملہ سے ملنے کے لیے شدت سے مچلنے لگا، لیکن وہ رملہ کی خود ترسی و احساس کمتری کو بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔ سو وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اسے رملہ کے متعلق سوچنے کی فرصت نہ رہی۔ رفتہ رفتہ دعوتوں کا سلسلہ تھمنے پر زندگی ڈھب پر آنے لگی اور خاور نے آفس جوائن کرلیا۔ آفس کا پہلا دن تھا اور خاور کا دل شرارتوں پر مائل تھا۔

"یمنیٰ بہت ظالم ہو یار تم۔" خاور نے مصنوعی آہ بھر کر دہائی دیتے ہوئے شوخ شرارت کی۔ یمنیٰ بلش ہوگئی۔ خاور دلچسپی سے ٹکٹکی باندھے اس کے سہانے روپ کو دل میں سمونے لگا اس کی والہانہ نگاہوں سے یمنیٰ کے دل کی دھڑکنیں بڑھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

یمنیٰ کی آنکھ کھٹکے پر کھلی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں بارہ بجارہی تھیں۔ رات کافی گہری ہوچکی تھی۔ خاور گھر نہ لوٹا تھا۔ یمنیٰ نے سرہانے پڑا دوپٹہ شانے پر پھیلایا اور بکھرے بالوں کو کلپ میں مقید کرتی لاؤنج میں آگئی۔ ملازمہ بھی جاگ رہی تھی۔ وہ خاور کا انتظار کررہی تھی تاکہ وہ اسے کھانا گرم کرکے دے سکے۔

"فردوس تم ابھی تک سوئی نہیں۔" یمنیٰ نے لاؤنج میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے کارپٹ پر اونگھتی ملازمہ سے سوال کیا۔ خاور نے گارمنٹس کی فیکٹری اسٹارٹ کی تھی وہ اپنے نئے بزنس کو آج کل زیادہ ٹائم دے رہا تھا۔ وہ رات کو دیر سے گھر آتا تھا، لیکن اسے اتنی دیر کبھی نہ ہوئی تھی۔

"بی بی جی چھوٹے صاحب کو کھانا دینا ہے، میں ان ہی کا انتظار کررہی ہوں۔" بوڑھی ملازمہ نے سعادت مندی سے جواب دیا تھا۔ وہ یعقوب (خاور کے والد) کی پرانی اور وفادار نوکرانی تھی۔ یعقوب صاحب نے خاور اور یمنیٰ کو ولیمہ سے اگلے روز نئے گھر میں شفٹ کردیا تھا۔ رملہ نے سنا تو حسب توقع اس نے یمنیٰ کی قسمت پر جی بھر کر رشک کیا۔ سچ تو یہ تھا کہ یمنیٰ کو بھی اپنے نصیب پر رشک آتا تھا اور وہ حاسدین کی نظربد سے محفوظ رہنے کی دعائیں مانگتی رہتی تھی۔ یمنیٰ نے محض سرہلانے پر اکتفا کیا۔

"فردوس آپ جاکر سوجائیں، میں خاور کو کھانا دے دوں گی۔" گھڑی کی سوئیاں ایک پر پہنچیں تو یمنیٰ نے نیند سے بے حال فردوس کو بھیج دیا۔ اس کی رہائش سرونٹ کوارٹر میں تھی۔ اس کا میاں اور بچے سرشام سوچکے تھے وہ ممنونیت سے سر کو جنبش دیتی ہوئی اپنے کوارٹر چلی گئی۔

"کہاں تھے آپ؟" یمنیٰ نے دوبار خاور کو کال کی اس کا سیل مسلسل آف تھا۔ خاور ڈیڑھ بجے گھر آیا۔ گاڑی پورچ میں کھڑی کرکے لاؤنج میں آیا تو یمنیٰ سے ٹاکرا ہوگیا۔

"وہ میں۔۔۔ میں ذرا بزی تھا۔ تم ابھی تک نہیں سوئی ڈارلنگ۔" یمنیٰ کا خوف و پریشانی سے برا حال تھا۔ وہ اتنے بڑے گھر میں نوکروں کے ساتھ اکیلی تھی۔ یمنیٰ کلمہ شکر ادا کرتی خاور کے گلے لگ گئی۔

خاور نے گلے لگی یمنیٰ کو کوفت سے دیکھا وہ اس وقت یمنی کا موڈ آف یا اسے کسی قسم کے شک میں نہ ڈالنا چاہتا تھا۔ اس نے یمنی کے سوال پر گڑبڑا کر وضاحت دی اور اس کے مصنوعی لگاوٹ سے بال بکھیر دیے۔ وہ خاصا تھک چکا تھا اور فوراً" آرام کرنا چاہتا تھا۔

"آپ چینج کریں، میں آپ کے لیے کھانا لگاتی ہوں۔" یمنی کو دفعتاً" خاور کی تھکن کا خیال آیا تو وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔

"نہیں، میں کھانا کھا آیا ہوں۔" وہ اسے ٹوکتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ یمنی روزانہ اسی کے ساتھ ڈنر کرتی تھی۔ وہ اس سے نظریں چرا گیا۔

"کھانا کھا آئے ہیں۔" یمنی اس کے نقش پا کو تکتی زیر لب بڑبڑائی تھی اس نے کھانا نہیں کھایا تھا اور اسے سخت بھوک لگی تھی، مگر اس کی بھوک یکایک ختم ہو گئی تھی۔ وہ حیران تھی خاور نے کبھی کھانا گھر سے باہر نہ کھایا تھا۔ وہ لنچ بھی گھر سے منگواتا تھا۔ وہ کمرے میں آئی تو خاور چینج کیے بنا سو چکا تھا۔ یمنی کی پر سوچ نگاہیں خاور پر تھیں۔ اس نے خاور کو کمبل اوڑھایا اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس نے لائٹ آف کی اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"یار کیا مصیبت ہے۔ مجھے درمیان میں کیوں گھسیٹ رہا ہے۔ تم خود یہ مسئلہ دیکھو۔" خرم نے جھنجلا کر اسد کو غصے سے گھورا۔ اسد کے بڑے بھائی کے بیسٹ فرینڈ کی شادی تھی وہ اپنے گھر والوں سے چھپ کر شادی کر رہا تھا۔ لڑکی والوں کی طرف سے مختصر مہمان مدعو تھے جبکہ لڑکے کے لیے گواہان نکاح اکٹھے کرنا بھی مشکل امر ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے بیسٹ فرینڈ ضیا کو اعتماد میں لے کر اسے گواہان اکٹھے کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔ ضیا نے اپنے بھائی اسد سے چند دوست اکٹھے کرنے کے لیے کہا تھا۔ ضیا اور خاور دو ہی دوست تھے اسی لیے اس نے بھائی سے مدد کی درخواست کی تھی۔ اسد اسی ضمن میں گھنٹہ بھر سے خرم کو کنوینس کر رہا تھا وہ مسلسل انکاری تھا۔

"پلیز یار میں صرف بھائی کی خاطر تمہارے پاس آیا ہوں ورنہ مجھے "بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ" والا کردار ادا کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" اسد نے برا سا منہ بنا کر خرم کی جیسے منت کی تھی۔ اس کے چہرے پر سچائی تھی۔ خرم موم ہو گیا۔

"ویسے ضیا بھائی کے ان دوست کو لو میرج کا بخار کچھ زیادہ ہی شدت سے نہیں چڑھا ہے۔" خرم کا دل نہیں مان رہا تھا، مگر اسد کی منت سماجت پر مزید انکار بھی مشکل تھا۔ وہ دونوں بیسٹ فرینڈ تھے اور دونوں کی برسوں پرانی دوستی تھی۔

"یار ان صاحب کی دوسری شادی ہے اور پہلی شادی کو دو ماہ بھی نہیں ہوئے ہیں۔" اسد خود بھی عاجز تھا اس نے ضیا بھائی کو بہت سمجھایا تھا اسے ان کا اس معاملے میں پڑنا قطعاً" نہ بھایا تھا۔ اس نے بھائی کو گھر والوں کو سب بتانے کی دھمکی بھی دی تھی ان کے گھر والے بھی ضیا کو سختی سے ڈانٹ ڈپٹ کر روک دیتے مگر ضیا نے اپنی ناراضی کی دھمکی دے کر اسد کو منع کر دیا تھا اور وہ بھائی کے سامنے مجبوراً" واحتراماً" نیم رضامند ہو گیا۔ ضیا بھائی بھی دوست کی دوستی نباہ رہے تھے۔ خاور نے صرف ان ہی پر اعتماد کیا تھا اور وہ اس کا اعتماد نہیں توڑنا چاہتا تھا۔

"واٹ! مجھے لگتا ہے لو میرج کے بخار کا اثر ان کے دماغ پر پڑا ہے۔" خرم حیرت سے اپنی جگہ اچھل پڑا۔ اس کا تنفر مزید بڑھ گیا۔ اسے ضیا کے دوست سے بنا ملے چڑ ہو گئی تھی۔

"سوری یار! میں نہیں جاؤں گا۔ زرمینہ آپی بھی آئی ہوئی ہیں۔ نجانے وہاں کتنی دیر لگے آپی شام کو لوٹ جائیں گی۔" خرم نے معقول بہانہ بنایا۔ زرمینہ آپی اپنی نند کی شادی کے بعد پہلی بار میکے آئی تھیں۔

"اچھا تیری مرضی یار! میں چلتا ہوں پھر۔" اسد کو دیر ہو رہی تھی۔ نکاح پانچ بجے تھا سوا چار ہو چکے تھے اسے خرم کے انکار کی صورت میں کسی اور کو گواہ بننے پر راضی کرنا تھا۔ اسد کے چہرے پر مایوسی چھائی تھی۔

"اچھا مرنہ میں تیرے ساتھ چلتا ہوں، لیکن میں نکاح کے فوراً" بعد واپس آجاؤں گا۔" خرم سے اسد کی یاسیت بھری شکل دیکھی نہ گئی۔ اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی جانے کی مشروط طور پر ہامی بھر لی۔

"ہاں ٹھیک ہے تو چل میرے ساتھ۔" اسد فوراً" مان گیا مبادا انہیں اس کا ارادہ نہ بدل جائے، خرم چینج کر کے دس منٹ بعد اس کے ساتھ تھا۔ وہ دونوں ٹھیک پانچ بجے مطلوبہ گھر پر تھے۔ گھر کی ظاہری حالت سے شادی کا گمان نہ ہوتا تھا۔ گھر کے ہال نما بڑے کمرے میں چند افراد جمع تھے۔ وہ دونوں بھی ان میں شامل ہو گئے۔ خرم کو ضیا بھائی کے دوست سے ملنے کا "فطری اشتیاق" تھا۔ خاور اور ضیا دوسرے کمرے میں تھے۔ مولوی صاحب آئے تو وہ دونوں بھی مہمانوں میں آ گئے۔

باتوں میں مگن خرم انہیں دیکھ نہ پایا تھا۔ نکاح شروع ہوا تو ہال کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ دفعتاً" خرم کی نظر دولہا بنے ضیا بھائی کے دوست پر پڑی تو وہ بری طرح چونک اٹھا۔ اس نے خاور کو فوراً" پہچان لیا تھا۔ نکاح و دعا کے بعد مہمانوں کو کھانا پیش کیا گیا۔ خرم کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ اسے یمنی پر ترس آرہا تھا۔ کیوٹ و سوبر سی یمنیٰ اس قابل تو نہ تھی کہ اسے محض دو ماہ بعد ریجیکٹ کر کے اس کی جگہ کسی دوسری عورت کو دے دی جاتی۔ وہ افسردہ پریشان تھا۔ اسے خاور اور اپنی بے بسی پر غصہ آرہا تھا۔ وہ افسردگی میں جلدی واپسی بھول گیا تھا۔

"میں خرم ہوں! زرمینہ آپی کا بھائی۔" کھانے کے بعد مہمان رخصت ہونے لگے تو خرم نے خاور سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔ خاور کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ وہ مصافحہ کیے بنا شاک کی کیفیت میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے خرم کو تکے گیا۔

وہ مناسب وقت آنے پر اپنی شادی کا اعلان کرنا چاہتا تھا اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کا "راز" ایک روز میں ہی افشا ہو جائے گا۔ خاور نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"خاور بھائی مجھے اجازت دیں، گھر میں زرمینہ آپی آئی ہوئی ہیں۔ مجھے جلد واپس جانا ہے۔" خرم نے سرد و سپاٹ نگاہوں سے خاور کو گھورتے ہوئے سفاکی کا مظاہرہ کیا۔

خاور کی ذات میں دھماکے ہونے لگے، وہ گرنے کے سے انداز میں صوفے پر بیٹھتا چلا گیا۔ خرم کے چہرے پر حظ اٹھاتی زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اگلے لمحے وہ لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے تیزی سے باہر نکل گیا۔ ضیا اور اسد نا سمجھی سے ساری صورت حال سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔

☼ ☼ ☼

وہ دس منٹس سے کچن میں گھسی ہوئی تھی۔ موسم تبدیل ہو رہا تھا لوڈشیڈنگ میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا۔ حیان کا موڈ بھی ٹھیک نہ ہوا تھا۔ وہ اس کی پسند کا کھانے بنا رہی تھی۔ اس نے فریج سے چکن اور قیمہ نکال کر پانی میں برف پگھلنے کے لیے ڈال دیا۔ پھر قیمہ ایک چھلنی میں چھان کر ڈھانپ دیا۔ حیان کو چکن رولز اور مٹر قیمہ بہت پسند تھے۔ اس نے چکن اور آلو بوائل ہونے کے لیے برنر پر رکھے اور قیمہ کے لیے پیاز لہسن چھیلنے لگی۔ موسم میں قدرے حدت تھی وہ مزید آدھ گھنٹے میں خاصا کام سمیٹ چکی تھی۔ اس نے چکن رولز پر ڈبل روٹی کا چورا لگا کر فریج میں فریز ہونے کے لیے رکھ دیے۔ قیمہ مٹر بھن چکا تھا۔ وہ ساتھ روٹیوں کے لیے آٹا گوندھنے لگی۔ اس کے آٹا گوندھنے تک سالن تیار ہو گیا تھا۔ وہ سلاد اور رائتہ تیار کر کے روٹیاں بنانے لگی۔ آج ہفتہ تھا حیان اور بابا اکثر ہفتے کو دوپہر کو گھر آجاتے تھے وہ ان کے آنے سے پہلے کھانا تیار کر کے خود بھی فریش ہو جانا چاہتی تھی۔ دفعتاً" گھر کی خاموش فضا میں موبائل بپ صور

اسرافیل کی مانند گونجی۔ رملہ نے آخری روٹی بنا کر روٹیاں رومال میں لپیٹ کر ہاٹ پاٹ میں رکھیں اور ہاتھ صاف کرکے لاؤنج میں آگئی جہاں صوفے پر دھرا موبائل خاموش ہوچکا تھا۔ رملہ نے موبائل پر کال چیک کی تو اسکرین پر یمنی ——— کے حروف ابھر آئے وہ اسے کال بیک کرنے کو تھی کہ موبائل دوبارہ گنگنا اٹھا۔

"یار نجانے کیوں میرا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ میں نے سوچا تمہیں کال کرلوں۔" یمنی نے سلام دعا کے بعد رملہ کے زیادہ دنوں بعد فون نہ کرنے کے طنزیہ شکوہ پر صاف گوئی سے صفائی دی۔

"اوہ اگر تمہارا دل آج بھی نہ گھبراتا تو تم مجھے فون نہ کرتیں۔" رملہ نے یمنی کی صاف گوئی پر جل کر کاٹ دار طنز کیا۔ وہ یمنی پر طنز کرتے وقت بھول گئی تھی کہ اس نے بھی تو اسے فون نہ کیا تھا۔

"نہیں، نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میں تمہیں ویسے بھی فون کرنے ہی والی تھی۔" یمنی نے بوکھلا کر فوراً" وضاحت بھری صفائی دی۔

خاور کی روٹین کافی چینج ہوگئی تھی۔ وہ راتوں کو اکثر لیٹ گھر آنے لگا تھا۔ یمنی اور خاور کی صبح گیارہ بجے سے پہلے نہ ہوتی تھی۔ خاور ناشتا کرکے بارہ، ایک بجے تک آفس چلا جاتا۔ یمنی سارا دن گھر میں تنہا بولائی بولائی پھرتی تھی۔ اس کا دل نجانے کیوں صبح سے گھبرا رہا تھا۔ اس نے ٹی وی آن کیا تمام چینلز پر تقریباً" ریپیٹ پروگرامز تھے جو اس نے دیکھ رکھے تھے۔ اس نے بور ہوکر ٹی وی بند کردیا اسے مطالعے کا کوئی خاص شوق نہ تھا اس نے بوریت دور کرنے کے لیے رملہ کو فون کیا تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ آج کل کیا ہورہا ہے، تم تو بنگلہ نما گھر میں تنہا مزے سے رہتی ہوگی۔" رملہ کو نجانے اس پر ترس آیا یا وہ اس کی ذاتی زندگی کے متعلق جاننا چاہتی تھی۔ کچھ بھی سہی بہرحال اس نے موضوع گفتگو بدل دیا تھا۔ یمنی اسے اپنی روٹین لائف اور ہنی مون ٹرپ کے متعلق بتانے لگی۔ ان کی ملاقات شادی کے بعد ہوئی تھی نہ ہی ان کی فون پر بات ہوئی تھی۔

"یار تم کسی روز میری طرف چکر لگاؤ نا۔ میں تمہیں اپنے ٹرپ کی پکس اور مووی کلپس دکھاؤں گی۔" یمنی نے اسے تفصیلاً" بتانے کے بعد کہا۔ اس کا دل رملہ سے ملنے کو شدت سے مچل گیا تھا۔ خاور نے ہنی مون ٹرپ کی موبائل پر مختصر مووی اور پکس کھینچی تھیں اور واپسی پر اسے اپنے لیپ ٹاپ میں قید کرلیا تھا۔

"ضرور میں جلد چکر لگاؤں گی۔" رملہ بشاش لہجے میں مسکرائی۔ اس کا بھی یمنی سے ملنے کے لیے دل مچلنے لگا تھا۔ اسے یمنی کا نیا گھر دیکھنے کا زیادہ اشتیاق تھا۔ وہ اس کے بنگلے کا ڈیزائن دیکھنا چاہتی تھی تاکہ وہ اپنے لیے بھی جدید طرز تعمیر کا بڑا گھر لے سکے۔ اسے گھروں کے جدید ڈیزائن کا کوئی آئیڈیا نہ تھا۔

"حیان بھائی کا کیا حال ہے؟" یمنی کے سوال پر رملہ کے مسکراتے لب سکڑ گئے۔ رملہ کو حیان کی خفگی سے زیادہ اپنی انسلٹ کا تصور سنجیدہ کرگیا۔

"ہیلو۔" دوسری طرف چھائی خاموشی سے جھنجلا کر یمنی نے اسے مخاطب کیا۔

"ہاں وہ ٹھیک ہیں، تم سناؤ خاور بھائی کیسے ہیں؟" گم سم رملہ نے چونک کر ہوش میں آکر بتاتے ہوئے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ وہ یمنی کو حیان کے خراب موڈ کا نہ بتانا چاہتی تھی۔ یمنی حسب معمول نصیحتوں پر اتر آتی جو اسے "زہر" لگتی تھیں۔

"خاور نے ذاتی بزنس اسٹارٹ کیا ہے وہ اسی میں بہت بزی ہوتے ہیں آج کل۔" یمنی نے خیریت بتانے کے بعد اس سے بزنس کا ذکر کیا۔

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ نیا بزنس اسٹیبلش ہونے کے لیے وقت اور محنت دونوں مانگتا ہے۔" رملہ نے اس کی تشویش محسوس کرکے اسے تسلی دی۔ یمنی کا دھیان صبح سے بار بار خاور کی طرف جارہا تھا۔ رملہ سے بات کرنے کے بعد خاصا بہل گئی تھی، مگر موضوع گفتگو دوبارہ خاور بنا تو یمنی کو عجیب بے چینی نے گھیر لیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اکٹھی ہونے

لگی۔ وہ خود اپنی کیفیت سمجھنے سے عاجز تھی۔

"یمنی!" وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئی تو رملہ کو اس کی بھید بھری خاموشی نے پریشان کردیا۔

"رملہ! وہ رات کو بھی بہت دیر سے گھر آنے لگے ہیں۔" یمنی نے بھیگی آواز میں تشویش کا اظہار کیا۔ رملہ کے لیے اس کے آنسو سہنا آسان نہ تھا اس کا بس نہ چل رہا تھا وہ اڑ کر اس کے پاس پہنچ جائے اور اس کے آنسو اپنی ہتھیلیوں پر چن لے۔

"یمنی پاگل ہو تم کیوں خود کو خوامخواہ ہلکان کررہی ہو۔ بھائی کا بزنس سیٹ ہوجائے گا تو وہ اپنی روٹین بھی چینج کرلیں گے۔" رملہ نے محبت بھری نرمی سے اسے ڈانٹتے ہوئے تسلی دی۔ رملہ کا دل شدت سے یمنی سے ملنے کو چاہنے لگا تاکہ اس کی اداسی ختم ہو۔ ان دونوں کی دوستی ایسی ہی تھی وہ اک دوجے کے بنا ادھوری تھیں۔

"یار حیان آگئے ہیں ہم پھر بات کریں گے اوکے بائے۔" گیٹ پر گاڑی کا ہارن بجا تو باتوں میں مگن رملہ نے چونک کر اسے حیان کی آمد کی اطلاع و الوداعی کلمات کے بعد فون بند کردیا اور گیٹ کھولنے کے لیے لپکی۔ اسے باتوں میں خود تیار ہونے کا موقع نہ مل سکا تھا اس کا ذہن یمنی کی طرف بھٹک گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ریڈ سگنل پر کافی رش تھا۔ صبح کا وقت تھا۔ آفس، اسکول و کالج جانے والوں کی گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگی تھیں۔ بابا کی کمپنی نے اپنا آفس چینج کیا تھا۔ ان کا نیا آفس حیان کے آفس سے قریب تھا وہ روزانہ اسی کے ساتھ آفس آتے جاتے تھے۔

"حیان بیٹا کیا تمہارا رملہ سے کوئی جھگڑا ہوا ہے۔" سگنل کھل چکا تھا۔ گاڑیوں کی لمبی قطاریں دھیرے دھیرے اپنا رستہ بنا رہی تھیں۔ حیان نے گاڑی سگنل سے آفس کے رستے پر ڈالی تو بابا نے اچانک خیال آنے پر سوال کر ڈالا۔

حیان کچھ روز سے الجھا الجھا اور خاموش رہنے لگا تھا۔ ان سے حیان کی بدلی کیفیت زیادہ دن چھپی نہ رہ سکی مگر وہ "مصلحتاً" خاموش تھے۔ رملہ بھی اکھڑی اکھڑی رہتی تھی اور گھریلو کام کاج مارے باندھے کرتی تھی۔

"نہیں بابا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" حیان نے چونک کر سنبھلتے ہوئے مطمئن کرنے کی سعی کی۔ وہ بابا کو رملہ کی نئی فرمائش کے متعلق نہیں بتانا چاہتا تھا۔ انہیں بھی تو گھر بہت عزیز تھا وہ بھی گھر میں امی کی مہک محسوس کرتے تھے۔ اس دوران بابا کا آفس آ گیا۔ انہیں مزید جرح کا وقت نہ مل سکا۔ حیان نے تشکر بھری طویل سانس بھرتے ہوئے گاڑی ان کے آفس کے سامنے روک دی۔

"بیٹا والدین کے لیے اولاد کی خوشیاں بے حد مقدم ہوتی ہیں اور غم و پریشانی باعث تشویش۔ تم مجھے اپنی پریشانی میں شریک نہیں کرنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی ہے۔" بابا نے گاڑی سے اترتے ہوئے مایوسی سے سر ہلایا۔ ان کے چہرے پر بکھرے ملال نے حیان کو پشیمان کردیا۔

"بابا میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا ہوں۔" حیان نے دور جاتے بابا کو تصور میں مخاطب کیا اور گاڑی ریورس کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

مرے دل، میرے مسافر
ہوا پھر سے حکم صادر
کہ وطن بدر ہوں ہم تم
دیں گلی گلی صدائیں
کریں رخ نگر نگر کا
کہ سراغ کوئی پائیں
کسی یار نامہ بر کا
ہر اک اجنبی سے پوچھیں
جو پتا تھا اپنے گھر کا
سر کوئے ناشنایاں
ہمیں دن سے رات کرنا
کبھی اِس سے بات کرنا

کبھی اس سے بات کرنا
تمہیں کیا کہوں کہ کیا ہے
شب غم بری بلا ہے
ہمیں یہ بھی تھا غنیمت
جو کوئی شمار ہوتا
ہمیں کیا برا تھا مرنا
اگر ایک بار ہوتا

"بی بی جی آپ کا فون ہے۔" یمنی کی موبائل بیٹری لو تھی اس نے سیل چارجنگ پر لگا دیا اور فردوس سے سارے گھر کی صفائی کروانے لگی۔ خاور رات کو جلدی گھر آگیا تھا۔ وہ ناشتا کرکے تھوڑی دیر قبل آفس گیا تھا۔ وہ لاؤنج میں ڈسٹنگ کروا رہی تھی۔ نذیر (ملازم) نے اس کا سیل فون اسے لا کر دیا۔

"ہیلو بھابھی السلام علیکم!" یمنی نے زرمینہ کو سلام کیا۔ فردوس ڈسٹنگ کر چکی تھی۔ اس نے اسے ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو تم؟" زرمینہ نے سنجیدگی سے جواباً "سلامتی" بھیجتے ہوئے اس کی خیریت پوچھی۔ زرمینہ شوہر کو سب کچھ بتا چکی تھی اور وہ زرمینہ کی دی اطلاع کی تصدیق بھی کر چکا تھا۔

"یمنی خاور کہاں ہے؟" زرمینہ ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد اصل موضوع کی طرف آئیں۔ انہیں "حقیقتاً" نرم دل و پر خلوص لڑکی کو بتاتے ہوئے دکھ ہو رہا تھا۔ یمنی ہنی مون ٹرپ سے واپسی کے بعد بہت خوش تھی۔ اس نے اپنے موبائل میں سیو ہنی مون ٹرپ کی پکچرز اور ویڈیو کلپس گھر میں سب کو دکھائے تھے۔ اندرونی خوشی نے اس کے چہرے کی دلکشی میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ حسین تھی مگر اب تو اس کے من موہنے چہرے پر نظر ٹکانا محال تھا۔

"کیوں بھابھی خیریت؟" یمنی کو زرمینہ کے لہجے میں کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔ وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔ اس کا دل وہموں میں گھر کر لرزنے لگا۔ خاور ہفتے میں ایک بار گھر سے باہر بھی رات گزارنے لگا تھا۔ اس نے میکے میں کسی سے ذکر نہ کیا تھا۔ خاور نے اس کے استفسار پر بزنس پارٹی کا بہانہ بنایا تھا۔

"یمنی اس نے دوسری شادی کر لی ہے۔" وہ بے دم ہو کر نیچے سفید ماربل کے فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔ آنسو اس کے گالوں کو بھگونے لگے تھے۔ اس کے چہرے پر لٹنے کی واضح داستان تھی۔

"ہیلو! ہیلو یمنی" دوسری طرف چھائی خاموشی نے زرمینہ کو دہلا دیا۔ انہوں نے بے تابی سے یمنی کو پکارا۔ وہ بتا دیکھے جان چکی تھیں کہ یمنی رو رہی ہے۔ یمنی کے آنسو رکنے کا نام نہ لے رہے تھے۔ بھابھی نے کال ڈس کنیکٹ کی اور بجلی کی سی تیزی سے چادر اوڑھتے ہوئے مما کے پاس آگئیں۔ وہ بھی بیٹی کے لٹنے پر غم سے نڈھال تھیں۔

"مما! میں یمنی کی طرف جا رہی ہوں۔" مما عموماً اس وقت سوتی تھیں اسی لیے وہ ان کو بتا کر پورچ میں جانے لگیں۔

"رکو زرمینہ میں بھی چلتی ہوں۔" وہ مڑے بنا رک گئیں۔ مما اور وہ اگلے بیس منٹس میں اس کے پاس تھیں۔ یمنی انہیں دیکھتے ہی ان سے لپٹ گئی اس کے بے آواز آنسو چیخوں کا روپ دھار چکے تھے۔

☼ ☼ ☼

اس روز اتوار تھا حیان اور بابا کی آفس سے چھٹی تھی۔ رملہ نے ناشتے کے بعد سارے گھر کی اچھی طرح صفائی ستھرائی کی۔ وہ گھر کی صفائی سے فارغ ہوئی تو دوپہر کا کھانا تیار کرنے لگی۔ حیان کا موڈ ہنوز آف تھا وہ اس سے ضرورتاً "بات کرتا تھا اس کا لیا دیا انداز بھی رملہ کا فیصلہ نہ بدل سکا تھا۔ اس نے "مصلحتاً" وقتی خاموشی اختیار کر لی تھی۔

وہ کھانا تیار کرنے کے بعد نہانے چلی گئی۔ اس کا ارادہ کھانا کھانے کے بعد سیر کی فرمائش کرنے کا تھا۔ وہ آنے والے وقت سے بے خبر خوش کن خیالوں میں کھوئی نہا کر آئی اور کھانا لگا دیا۔ اس نے کوفتے اور چکن بریانی بنائی تھی۔ بابا چاول سالن کے بغیر نہ کھاتے تھے۔

"واہ بیٹا کھانا بہت اچھا ہے۔ حیان تم یہ کوفتے لو۔ رملہ نے بہت مزے کے بنائے ہیں۔" بابا نے پہلا نوالہ منہ میں ڈالتے ہی اس کی جی بھر کر تعریف کی اور خاموشی سے بریانی کھاتے حیان کی طرف سالن کا ڈونگا بڑھایا۔ حیان نے خاموشی سے ڈونگا پکڑ کر سائیڈ پر رکھ دیا۔

اپنی تعریف پر شاداں رملہ کے دل کو دھچکا لگا۔ حیان اچھے کھانوں کا شوقین تھا۔ بابا نے تعریف کی تو رملہ کو حیان کا موڈ بہتر ہونے کی امید ہونے لگی جو اس کے ڈونگا سائیڈ پر رکھنے سے ٹوٹ گئی۔ رملہ کا ننھا دل سسک اٹھا اور آنکھوں میں ہلکی نمی تیر گئی۔

"حیان آپ سالن چکھ کر تو دیکھیں۔" رملہ نے نمی دل میں اتارتے ہوئے ہولے سے حیان کی طرف ڈونگا بڑھایا۔ بابا اکھڑے اکھڑے حیان کو لب بھینچے گھور رہے تھے۔ حیان نے کچھ بھی کہے بغیر کھانا ختم کیا اور کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو حیان۔" بابا نے سختی سے اسے حکم دیا تو وہ لب بھینچے بیٹھ گیا۔ وہ حیان کے رویے کی تبدیلی کئی روز سے نوٹ کر رہے تھے اور اس سے ایک آدھ بار استفسار بھی کر چکے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ دونوں کے بیچ کوئی ان بن ہو گئی ہوگی۔ میاں بیوی کا رشتہ محبت و لڑائی کے درمیان بندھا خوب صورت و نازک تانا ہے۔ انہیں دونوں کے درمیان معاملے کی سنگینی کا پہلی بار اندازہ ہوا تھا

"رملہ تم مجھے بتاؤ کیا معاملہ ہے آخر۔" بابا حیان سے پوچھ کر دیکھ چکے تھے وہ ان سے کبھی کچھ نہ چھپاتا تھا۔ اب یقیناً "بات ہی کچھ ایسی تھی جسے وہ ان سے ہر صورت چھپانا چاہتا تھا۔ انہیں ان دونوں کی خوشیاں عزیز تھیں وہ خود کو ان کے معاملے میں انوالو کیے بغیر نہ رہ سکے تھے۔ رملہ گو مگو سی خاموشی سے اپنی انگلیاں مروڑنے لگی۔ بابا کی استفہامیہ اور حیان کی سرد تنبیہی نگاہیں اس پر جمی تھیں۔ وہ بے بسی سے رونے لگی اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے کمرے میں بھاگ گئی۔ بابا تفکر سے رملہ اور قریب بیٹھے حیان کو دیکھتے رہ گئے۔

☼ ☼ ☼

"مجھے ایک ہفتے کے لیے امی کی طرف جانا ہے۔" کچھ دیر بعد حیان کمرے میں آیا تو رملہ نے اس سے فرمائش کی۔ اس کے آنسو کب کے خشک ہو چکے تھے اور وہ رونا بھول کر حیان کی بے رخی و بے توجہی پر کڑھتی رہی۔ اسے حیان سے شدید محبت تھی۔ رملہ اپنی خواہشات و خوابوں کی تکمیل اسی کی سنگت میں چاہتی تھی۔ اسے حیان کی خفگی کا احساس بھی کچوکے لگاتا تھا۔ وہ شعور کی پہلی منزل سے خوابوں کی سیڑھی پر قدم رکھ چکی تھی اسی لیے اس کے لیے اپنے خوابوں سے دستبرداری بہت مشکل تھی۔ حیان کے آج کے رویے نے اسے احساس توہین سے دوچار کر دیا تھا۔ وہ توہین سے سلگتی لال بھبھوکا چہرہ لیے ساری دنیا سے خفا لگ رہی تھی۔

"تم پانچ منٹ میں تیار ہو جاؤ میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔" رملہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ حیان نے اسے شادی کے بعد ایک دن بھی میکے نہ رہنے دیا تھا۔ کجا یہ کہ ایک ہفتہ۔ اس نے محض ایک ترپ کا پتا استعمال کیا تھا تاکہ اس کی ناراضی ختم ہو جائے اسے پورا یقین تھا کہ حیان اسے میکے رہنے کے لیے نہیں جانے دے گا اور وہ حیان کی منت و سماجت بھری محبت پر اپنی "خواہش" کی تجدید کرے گی۔ سب کچھ اس کی توقع کے خلاف تھا۔

حیان اسے تیاری کی ہدایت دے کر واش روم چلا گیا۔ رملہ سن ذہن لیے بیٹھی رہ گئی اس کا ذہن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو چکا تھا اور وہ اس گھڑی کو کوسنے لگی جب اس کے ذہن میں یہ منحوس خیال آیا تھا۔ اس کی ترکیب اسی پر الٹ گئی تھی اور وہ بری طرح پھنس گئی تھی۔ وہ میکے نہیں جانا چاہتی تھی وہ محض حیان پر اپنا "رعب" ڈال کر اسے منانا چاہتی تھی۔

"تم تیار نہیں ہوئیں؟" وہ ٹھیک پانچ منٹ بعد باہر تھا۔ رملہ کو چار و ناچار اپنی بات کا بھرم رکھنے کو تیار ہونا

پڑا جو اسے اپنی انا بہت عزیز تھی۔ وہ بھول گئی تھی کہ جب محبت میں انا حائل ہو جاتی ہے تو محبت میں دوری کی دراڑ آجاتی ہے۔ اس نے بیگ میں اپنے کپڑے ٹھونسنے شروع کر دیے۔

"رملہ میری ایک بات یاد رکھنا۔ تم یہاں خود آئی ہو اور تمہیں واپس بھی خود آنا ہو گا۔" حیان نے اس کے گھر کے سامنے گاڑی روک دی۔ رملہ غصے سے دروازہ بند کرتی اپنا بیگ گھسیٹتی حیان کو بنا سلام کیے اتر کر جانے لگی تو حیان نے خفا و غصے میں بھری رملہ کو وارن کیا۔ رملہ اس کی بے رخی پر تڑپ کر مڑی۔ حیان نے تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ رملہ کی آنکھیں بھیگ گئیں اور وہ اپنے فیصلے پر پچھتاتی گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼
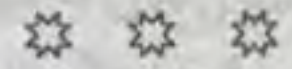
ہال کمرے میں کم و بیش دس افراد جمع تھے۔ کمرے میں پن ڈراپ سائیلنس تھا۔ سب ہی افراد کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ خاموشی کی تنی گہری چادر کو کبھی کبھار یمنی کی سسکیاں چیر دیتی تھیں۔ اس کی مما اور ساس اس کے آنسو بار بار پونچھ رہی تھیں، لیکن اس کے آنسو خشک ہونے کا نام نہ لیتے تھے۔ رو رو کر اس کا حلق خشک ہو چکا تھا۔ مسلسل رونے سے اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ خاور مجرموں کی طرح سر جھکائے سوچوں میں گم بیٹھا تھا۔

"خاور تمہیں سدرہ (دوسری بیوی) کو طلاق دینا ہو گی۔" بڑے بھیا کی آواز کمرے میں گونجی۔ انہیں یمنی بہت عزیز تھی اس کے تسلسل سے بہتے آنسو ان کے لیے ناقابل برداشت تھے۔ ڈیڈی نے بیٹے کے کندھے کو نرمی سے دبایا۔ بھیا کا غصے سے برا حال تھا ان کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ سدرہ نامی لڑکی کا قتل کر دیں جو ان کی بہن کے حق پر ڈاکا مارے ہوئی تھی۔

"سوری بھیا میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں یمنی کا پورا خیال رکھوں گا اس کا ہر حق ادا کروں گا۔ میری پوری کوشش ہو گی کہ اسے مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو۔"

خاور کی مجرموں کی طرح جھکی گردن تن گئی اور اس نے بھیا کا مطالبہ ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ وہ خفیہ شادی پر شرمندہ تھا، لیکن اس نے دوسری شادی کر کے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ اس کا بے لچک انداز بڑے بھیا کے ساتھ چھوٹے بھیا کو بھی سلگا گیا۔

"خاور تمہیں سدرہ کو طلاق دینا ہو گی۔" یعقوب صاحب نے پہلی بار مداخلت کی تھی۔

سدرہ ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ خاور نے گھر میں سدرہ کا ذکر کیا تو انہوں نے اسے عاق کر دینے کی دھمکی دیتے ہوئے اس کی سدرہ سے شادی سے صاف انکار کر دیا۔ انہوں نے جلد اس کی شادی اپنے بزنس سرکل میں کر دی۔ ان کا خیال تھا کہ خاور شادی کے بعد سدرہ کو بھول جائے گا وہ لاعلم تھے کہ یہ ان کی بھول ہے۔

"سوری پاپا میں پہلے بھی سدرہ سے ہی شادی کرنا چاہتا تھا آپ نے انکار کر دیا۔ میرے لیے اسے بھلانا ناممکن ہے۔" خاور نے پرسکون لہجے میں دھماکا کیا۔ وہ باپ سے خفا ہوا تھا اس نے بھوک ہڑتال بھی کی، مگر سب بے سود رہا تھا۔ یمنی سلجھی ہوئی دل کش لڑکی تھی وہ اسے پسند آئی تھی۔

"میں اپنی دونوں بیویوں کے درمیان کوئی فرق نہ رکھوں گا۔" خاور نے چند لمحوں کے توقف کے بعد یمنی کو دیکھتے ہوئے اپنے دونوں سالوں کو "مطمئن" کرنا چاہا۔ یمنی کے آنسو اسے اذیت دے رہے تھے، مگر وہ دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ اس کے دل کا اک کونا یمنی سے شادی کے بعد بھی ویران تھا اس کا دل مکمل آباد ہوا تو یمنی کا دکھ اسے اذیت و بے بسی سے دوچار کرنے لگا اسے یمنی کے آنسو اپنے دل پر گرتے محسوس ہو رہے تھے۔

"یمنی میں تم سے بھی بہت محبت کرتا ہوں۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔" خاور نے یمنی کے قدموں میں بیٹھ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے سب کی نگاہیں ان دونوں پر جمی تھیں۔ یمنی کے دونوں بھائی مطمئن تو نہ تھے، لیکن رفتہ رفتہ ان کا غصہ کم ہو رہا تھا۔ خاور کے

لہجے میں چھپی سچائی نے سب کا اشتعال قدرے کم کر دیا تھا۔ یمنی رونا بھول کر یک ٹک اسے تکنے لگی۔ خاور کی آنکھوں میں سچی محبت تھی وہ دو حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ نجانے کیوں یمنی کو اس پر اک پل کو ترس آگیا۔ اس کا دل خاور کی محبت پر ایمان لے آیا تھا۔

"خاور مجھے صرف آپ چاہئیں۔" یمنی کو اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ اسے لگا کمرے میں صرف وہ اور خاور ہیں یا پھر ان کی باقی ماندہ محبت۔ خاور کو اس سے ادھوری محبت تھی اسے تو خاور سے مکمل محبت تھی۔ وہ اس سے الگ ہونے کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔

"یمنی۔" ڈیڈی نے بیٹی کو ڈپٹتے ہوئے ٹوکا تھا۔ انہوں نے یمنی کی کبھی کوئی خواہش ادھوری نہ رہنے دی تھی پھر اب وہ کیسے اک ادھورے مرد کے ساتھ زندگی گزارتی۔

یمنی نے پلٹ کر ڈیڈی کو ملتجی نگاہوں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ تو ایسا تھا کہ ڈیڈی کی زبان تالو سے چپک گئی اور ان کے باقی الفاظ ان کے منہ میں ہی رہ گئے۔ خاور ہنوز اس کے قدموں میں کسی پجاری کی مانند دو زانو بیٹھا تھا۔ اس نے ممنونیت بھری نظر سے یمنی کو دیکھا اس کی آنکھوں میں تشکر کا رنگ ابھر آیا تھا ہال میں موجود افراد کے چہروں پر مایوسی پھیل گئی۔ ڈیڈی کو یعقوب صاحب سے اس دھوکے کی امید نہ تھی مگر ان کی اپنی بیٹی ہی ان کا فیصلہ ماننے کو تیار نہ تھی تو وہ کیا کرتے۔ وہ تاسف بھری افسردگی سے بیٹی کی خوشیوں کے لیے دعاگو تھے۔

☼ ☼ ☼
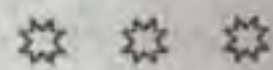
آسمان پر چمکتے سنہری آفتاب کی جگہ سیاہ بدلیوں نے لے لی تھی۔ موسم نے یکایک جون بدلی تو ماحول میں خوش گواریت گھل گئی۔ میٹھی ٹھنڈی ہوا ساری فضا میں اٹھلاتی پھر رہی تھی۔ خوش گوار موسم من میں میٹھی کسک پیدا کرنے لگا تھا۔ دور نیلے گگن پر سفید کبوتروں کا جوڑا موسم سے خوب لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ان کی اٹکھیلیاں اور مستیاں موسم کی طرح جوبن پر تھیں۔ دفعتاً ایک کبوتر فضا میں کہیں کھو گیا اور دوسرا کبوتر اپنے ساتھی کی تلاش میں دیوانہ وار چکر لگانے لگا۔ اس کی پرواز میں مستی کی جگہ بے تابی پریشانی نے لے لی تھی۔ کچھ دیر بعد کبوتر تھک کر سامنے وسیع و عریض کوٹھی کی دیوار پر آن بیٹھا۔ اس کی بھید بھری خاموشی۔ یمنیٰ کو اپنا دکھ محسوس ہوئی۔ اس نے مڑ کر جہازی سائز بیڈ پر سوئے خاور کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اکٹھی ہونے لگی تھی۔ اس نے گلاس ونڈو کے پردے پھیلا دیے۔ کمرے میں گھپ اندھیرا پھیل گیا۔ وہ آہستگی سے چلتی بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔ خاور آنکھیں موندے لیٹا تھا۔ اس کے خوبرو چہرے پر دھیمی مسکان سجی تھی۔ محبت کی چمک نے اس کی مردانہ وجاہت میں اضافہ کیا تھا۔ وہ بے خودی سے اسے تکنے لگی۔ آنکھوں کی نمی دھیرے دھیرے بڑھنے لگی تھی۔

"یمنی! تم کیا سمجھتی ہو مجھے تمہارے رونے کی خبر نہ ہو گی۔" نیند سے بوجھل آنکھیں کھولتے ہوئے خاور نے محبت بھری نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگایا۔ یمنی کے آنسو اس کی گود میں دھری ہتھیلیوں پر گرنے لگے۔ خاور تڑپ کر اس کے عین سامنے آبیٹھا۔ اس کے چہرے پر مسکان کی جگہ اذیت نے لے لی تھی۔

"محبت بے خبر نہیں ہوتی — تو وہ بے خبری میں شب خون کیوں مارتی ہے خاور۔" وہ سسک اٹھی۔ درد نے اس کے دل پر ہلکی چٹکی کاٹی تو آنکھوں کی نمی مزید بڑھ گئی تھی۔ وہ درد محبت سے بے حال کرلا رہی تھی۔

"یمنی پلیز مجھے اذیت نہ دو۔" خاور نے خفت بھری نمی سے اس کے آنسو اپنی ہتھیلی پر چن لیے تھے۔

وہ ہفتے میں دو راتیں سدرہ کے پاس رہتا تھا اس نے سدرہ کو الگ فلیٹ خرید کر دیا تھا۔ خاور نے یمنی کی دل جوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ یمنی کو محبت میں بٹے اس شخص پر یکدم ٹوٹ کر پیار آگیا۔ محبت نے کتنی بے دردی سے خاور کو اپنے شکنجے میں کسا تھا کہ وہ

پر بھی نہیں پھڑپھڑا سکا۔

"خاور رونا میرے اختیار میں نہیں ہے، میں رونا نہیں چاہتی ہوں مگر....." یمنی نے ہونٹوں تک آئی سسکی دباتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔ خاور نے اسے اپنی محبت بھری آغوش میں سمیٹ لیا۔ وہ اس کے سینے سے لگی مزید آنسو بہانے لگی۔ خاور کی نرم محبت بھری قربت بھی اس کے آنسو روکنے میں ناکام تھی۔ خاور اس کے کندھے سہلانے لگا اور ہونٹ اس کے ریشمی بالوں پر رکھ دیے۔ محبت دکھ سمیت یمنی کی زندگی کا جزو بن چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

ہاں آج بھی میں نے
وہی لباس پہنا ہے
جس میں دیکھ کر تم مجھے
پاگل سے ہو جاتے تھے
لیکن آؤ دیکھو کہ
میں آج بھی
تیری پسند کی دنیا میں
سانس لے رہی ہوں
لیکن
آج پاگل ہونے والا کوئی نہیں
سراہنے والا کوئی نہیں
اور اس غم میں میں
سچ مچ پاگل ہو جاؤں گی

اس کی نیند اک عجب احساس سے ٹوٹی تھی۔ وہ چند ثانیے آنکھیں موندے پڑی رہی۔ پھر اس کے ذہن میں ایک خیال کوندا وہ ہڑبڑا کر جھٹکے سے دائیں طرف مڑی۔ بیڈ خالی تھا اس نے دائیں سمت بوکھلا کر دونوں ہاتھوں سے ٹٹولا۔

"وہ حیان آفس چلے گئے۔ اف اللہ آج میں اتنا سوئی ہوں اور انہوں نے مجھے جگایا بھی نہیں۔" اس نے تفکر سے سوچتے ہوئے سرہانے دھرا دوپٹہ اوڑھا اور پاؤں میں سلیپر بمشکل اڑستی عجلت سے باہر بڑھنے لگی کہ دروازے تک پہنچ کر چونکتے ہوئے ٹھٹک کر رک گئی۔ اس کا سویا ذہن دھیرے دھیرے بے دار ہونے لگا تھا۔ وہ ہارے جواری کی طرح لٹے انداز میں آہستگی سے چلتی ہوئی بیڈ تک آئی اور گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں حزن و وحشت چھپی تھی اور اس کا چہرہ غم کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اس کے دل میں حیان کی یاد چٹکی بھرنے لگی۔ اس نے خالی نظروں سے کمرے کا طائرانہ جائزہ لیا۔

"پھپھو پاپا میرے لیے نئی گاڑی لائے ہیں۔" جاثم اپنی نئی کار اسے دکھانے لے آیا۔ عاصم بھیا دو روز قبل اس کے لیے نئی ریموٹ کنٹرول گاڑی لائے تھے۔ اس نے محض جاثم کے اشتیاق کے مد نظر گاڑی تھام لی۔

"یہ بہت اچھی ہے بیٹا۔" اس نے گاڑی کی تعریف کرتے ہوئے جاثم کا گال چوم کر مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔ اس کے لب معمولی پھیل کر سکڑ گئے۔ رملہ کی آنکھوں میں نمی اکٹھی ہونے لگی۔

اسے یہاں آئے دوسرا دن تھا۔ حیان نے پلٹ کر اس کی خبر تک نہ لی تھی۔ وہ اپنی ضد پر قائم تھا اور رملہ کے اندر سناٹے گہرے ہو رہے تھے۔

"پھپھو آپ رو رہی ہیں۔" ننھا جاثم معصومیت بھری تشویش سے گاڑی چھوڑ کر اس کے قریب آگیا اسے گاڑی دکھانے کا اشتیاق نہ رہا تھا۔ وہ پھپھو کے لیے متفکر تھا۔

"بیٹا تم باہر جاؤ۔" نجانے رقیہ کب وہاں آئیں انہوں نے گہری نظروں سے رملہ کو دیکھتے ہوئے جاثم کو گاڑی تھمائی وہ باہر چلا گیا۔

رقیہ نے دروازہ بند کیا اور اس کے مد مقابل آن بیٹھیں۔

"رملہ تم رات کو آئیں تو میں نے تم سے آتے ہی سوال جواب مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے سچ سچ تمام صورت حال بتاؤ۔" وہ شادی کے بعد میکے رہنے نہ آئی تھی انہیں اعتراض اس کے میکے رہنے پر نہیں بلکہ اس کے تنہا آنے پر تھا۔ وہ ماں تھیں اور ماؤں کے دل بیاہی بیٹیوں کے معاملے میں ہمیشہ سہمے رہتے ہیں۔ ان کے دل میں کئی خدشات تھے جنہیں وہ نوک زبان پر لانے سے ہچکچا رہی تھیں یا شاید وہ خود کو بہلا رہی تھیں۔

"امی کوئی بات نہیں ہے حیان آفس کے کام کے سلسلے میں ایک ہفتے کے لیے کراچی گئے ہیں تو میں ادھر رہنے آگئی بس۔" رملہ نے انہیں جھوٹی تسلی دی۔ وہ ماں تھیں ماں اولاد کا ہر بھید بوجھی پہیلی کی مانند فوراً بوجھ لیتی ہے۔ رملہ کی کھوکھلی وضاحت نے انہیں پریشان کر دیا۔

"رملہ چلو مان لیا کہ تم حیان کی غیر موجودگی میں ادھر آئی ہو لیکن بیٹا تمہیں اپنے سسر کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ وہ اکیلے کہاں سے کھانا کھائیں گے ان کی غیر موجودگی میں روزانہ گھر کون سنبھالے گا۔" رقیہ کی تشویش کم ہونے کا نام نہ لے رہی تھی ان کے ماتھے پر تفکر کی گہری لکیر تھی۔

"امی میں ان کے لیے کھانے بنا کر فریز کر آئی ہوں اور مجھے انہوں نے ہی تو ادھر رہنے بھیجا ہے۔" رملہ نے امی کی ملامتی نگاہوں سے نظریں چراتے ہوئے ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔ وہ امی کو مشکوک نہ کرنا چاہتی تھی۔ امی سے کچھ بعید نہ تھا وہ خود حیان کو فون کھڑکا دیتیں۔

رملہ نے بھی اپنی ضد کو انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ وہ ناسمجھی و نادانی میں فراموش کر چکی تھی کہ ازدواجی زندگی میں ضد و انا خوشیوں کا شیرازہ بکھیر دیتی ہیں۔ امی نجانے مطمئن ہوئیں یا نہیں، مگر انہوں نے مزید جرح نہ کی تھی۔ ان کے ماتھے پر تشویش و تفکر کی لکیریں بڑھ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

میں گرہ میں باندھ کے حادثات
نکل پڑا تیری کھوج میں
کہیں بار کول کی تھی سڑک
جہاں آگ بانٹتی دھوپ تھی
کبھی کچی راہ کی دھول میں
جہاں سانس لینا محال تھا
سر رزم جان کبھی درد دل سے ہار کر
میں تو خانقاہوں پہ مانگتا پھرا منتیں
کبھی رات رات بھر بسر دعاؤں میں ہو گئی
کبھی قافلے مری آس کے
کسی دست شناس میں کھو گئے
میرا پیراہن تھا پھٹا ہوا، کہیں گرد گرد اٹا ہوا
میں ادھورے پن کے سراب میں
تجھے ڈھونڈتا پھرا در بدر
کسی اجنبی کے دیار میں
کوئی دکھ ملا کسی موڑ پر کوئی غم ملا کسی چوک میں
کسی راہ گزر کے سکوت میں کوئی درد آ کے ڈرا گیا
کبھی چل پڑا کبھی رک گیا کسی کشمکش کے غبار میں
مجھے کیا ملا تیرے پیار میں
میں گرہ میں باندھ کر حادثات
کہیں گم ہوا تیری کھوج میں

"رملہ تم خود جا رہی ہو اور تمہیں آنا بھی اپنی مرضی سے خود ہوگا میں تمہیں لینے نہیں آؤں گا۔"

شام کا ملگجا اندھیرا چہار سو پھیل چکا تھا وہ کالونی کی سڑکوں پر پیدل مارچ کر کے تھک کر چور ہو چکا تھا اس کے خوبرو چہرے پر تھکن و اذیت کے نشانات ثبت تھے وہ ارد گرد سے بے نیاز گم تھا۔ رملہ کو گئے دوسرا روز تھا۔ وہ گھر میں پھیلے سناٹے اور رملہ کی یادوں سے چھٹکارا پانے کے لیے گھر سے نکل پڑا اس پر رملہ کی یادوں نے شدت سے حملہ کیا تھا۔ اس نے زعم سے رملہ کو خود آنے کا کہا تھا اور وہ محض دو روز بعد خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ دل اسی ہرجائی کے لیے تڑپ رہا تھا۔ وہ یہاں تھی تو دل دید کے لیے نہ ترستا تھا۔ اس کے اندر پچھتاوے پیدا ہونے لگے جو اگلے لمحے اس کی ضد یاد آنے پر معدوم ہو گئے۔

"وہ بچی نہیں ہے۔ اسے اپنا فیصلہ بدلنا ہوگا۔" حیان نے کالونی کی ایک وسیع و عریض کوٹھی کے لان میں بیرونی دیوار پر پھیلی بوگن ویلیا کی بیل سے پھولوں کا گچھا نوچ کر اپنی فرسٹریشن نکالنے کی کوشش کی۔ بابا

الگ اس سے خفا ہو گئے تھے۔ انہوں نے حیان سے بات چیت اور اس کے ساتھ آفس آنا جانا بند کر دیا تھا۔ انہیں سارا قصور حیان کا لگتا تھا۔

"حیان مجھے جنریشن سے شاپنگ کرنی ہے۔"

"مجھے ECS کے شوز اور STYLO کے ہینڈ بیگز بہت پسند ہیں۔"

اس نے ہاتھ میں پکڑا پھولوں کا گچھا دور پھینک کر رملہ کی یادوں کی شدت کم کرنا چاہی اس کی ہربات میں من مانی کی عادت و پختگی حیان کی بے پناہ محبت نے پیدا کی تھی۔ وہ حیان سے پہلی بار خفا بھی سوٹ کی فرمائش پوری نہ ہونے پر ہوئی تھی۔ اس نے حیان سے دو روز بات نہ کی تھی اور سوٹ ملنے پر ہی مانی تھی۔

وہ رملہ کی خفگی کئی روز سے برداشت کیے ہوئے تھا' مگر بابا کی خفگی۔۔۔

بابا کی خفگی اس کی رگوں کو چیر رہی تھی۔ وہ اس کی کل کائنات تھے۔ اس نے بوجھل قدموں سے گھر کی راہ لی۔ بابا کھانا کھا چکے تھے۔ اس کی طبیعت پر چھایا مکدر پن مزید بڑھ گیا تھا۔ وہ بابا کو رملہ کی ضد کے متعلق بتا کر ان کے دل میں رملہ کی عزت کم نہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ بابا کی جتاتی نظریں نظرانداز کرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

اس نے گیٹ پر ہاتھ رکھا تو وہ ہلکی چرچراہٹ کے بعد کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہو گئی۔ طبیعت پر چھائی یاسیت نے قدموں کو من من بھر کا کر دیا تھا۔ انسان کے اندر کا موسم بدل جائے تو بیرونی موسم و حالات بھی اسے یاسیت کی گہری دھند سے باہر نہیں نکال پاتے ہیں۔ ہر منظر' ہر شے ویسی ہی تھی۔ سامنے پھیلا لان' دائیں طرف بنا تعمیری پورشن اور لان کے آخری سرے پر مخالف سمت مڑتا پچھلا چھوٹا صحن' مگر اسے کچھ بھی پہلے جیسا نہیں لگ رہا تھا۔ سب کچھ چند روز میں بدل گیا تھا اور شاید ہمیشہ یونہی رہنا تھا۔

"ارے یمنی تم۔۔۔ تم کب آئیں؟" وہ خالی نظروں سے گھر کی عمارت کو دیکھ رہی تھی کہ چھوٹی بھابھی اپنے سپوت کے ہمراہ برآمد ہوئیں۔ طلحہ ناشتا نہیں کر رہا تھا اور وہ اسے کھلانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھیں۔ انہوں نے اس کے قریب آکر اسے گلے لگا لیا۔ یمنی کی آنکھیں ان کی محبت پر بھیگنے لگیں۔ کبھی کبھار میکے کا مان عورت کو سرشار کر دیتا ہے۔

"بھابھی خاور مجھے ابھی چھوڑ کر گئے ہیں۔ وہ آفس سے واپسی پر مجھے لیتے جائیں گے۔" یمنی نے آنکھوں کی نمی اندر دھکیلتے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ و بشاشت طاری کی۔ بھابھی کے لبوں پر دھیمی مسکان پھیل گئی۔

"طلحہ بیٹا ادھر آؤ۔" بھابھی نے لان میں کھیلتے طلحہ کو پکارا تھا۔ یمنی ان کے طلحہ کی طرف متوجہ ہونے پر اندر بڑھ گئی۔ بھابھی طلحہ کو ناشتا کروانے لگیں۔

"السلام علیکم!" لاؤنج میں ڈائننگ ٹیبل کے گرد ناشتا کرتے افراد نے چونک کر اسے دیکھا۔ بڑے بھیا کی آنکھوں میں غصہ و ناراضی واضح تھی۔ انہوں نے رخ موڑ لیا۔ مما نے اسے اپنی ممتا بھری آغوش میں سمیٹ لیا۔ وہ قطرہ قطرہ پگھلنے لگی۔

"یمنی۔" وہ مما سے لپٹی ہوئی تھی۔ ڈیڈی نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا۔ وہ خود کو محفوظ سائبان تلے محسوس کرنے لگی چھوٹے بھیا نے سر کے اشارے سے اس کے سلام کا جواب دیا تھا اور ہنوز ناشتا کرنے میں مگن تھے۔

"بھیا۔" بڑے بھیا ناشتا کر کے اس سے مخاطب ہوئے بنا آفس جانے لگے تو اس نے تڑپ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

بھیا نے رک کر اس پر اک نظر ڈالی اور اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"داور بیٹا۔" ڈیڈی کا دل یمنی کے لیے تڑپ اٹھا۔ انہوں نے بیٹے کو تنبیہہ کی' وہ رک گئے۔ یمنی کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ دل ہار کر ان کی چاہتیں نہ کھونا چاہتی تھی۔

"پلیز ڈیڈی! آپ مجھے مجبور نہ کریں۔"

بڑے بھیا اس سے سخت خفا تھے۔ وہی تو اس کی خاور سے طلاق کے حامی تھے۔ ان کا بس چلتا تو وہ ایک دن بھی یمنی کو وہاں نہ رہنے دیتے ڈیڈی نے ان کا مطالبہ رد کر کے یمنی کی حمایت کی تھی اور آج بھی وہ یمنی کے ساتھ تھے۔ بھیا نے غصے پر قابو پا کر لہجہ حتی المقدور نرم رکھا تھا۔

"داور! تمہاری بیٹی ہو گی تو پھر میں تم سے پوچھوں گا۔" ڈیڈی کے کانچ سے ٹوٹے لہجے کی چبھن نے داور بھیا کو موم کی طرح نرم کر دیا۔ وہ لب بھینچ کر خود کو کمپوز کرتے یمنی کے پاس آگئے بھابھی' مما اور چھوٹے بھیا خاموش تماشائی بنے تھے۔ داور بھیا کے تین بیٹے تھے اور انہیں بیٹیاں بہت پسند تھیں۔ زرمینہ چوتھی بار امید سے تھیں اور وہ رب سے بیٹی کے طلب گار تھے۔

"بھیا!" یمنی ان سے لپٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے تیزی سے آنسو بہنے لگے۔ داور محبت سے اسے سینے سے لگا کر اس کے آنسو پونچھنے لگا۔ ڈیڈی کے لبوں پر آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ڈیڈی۔۔۔" یمنی بھیا سے الگ ہو کر ڈیڈی سے لپٹ گئی۔ ڈیڈی ہمیشہ اس کی ڈھال بنے تھے۔ وہ خاور کے بنا نہیں رہ سکتی تھی۔ یہ ڈیڈی ہی تھے جنہوں نے اس کی آنکھوں میں چھپی خواہش جان کر داور کا مطالبہ رد کیا تھا اور آج بھی وہی یمنی کی بڑے بھیا سے صلح کا پیش خیمہ بنے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ صحن کی بائیں دیوار کے ساتھ بنی پودوں کی کیاری کے قریب چیئر پر آنکھیں موندے سر بیک سے ٹکائے بیٹھی تھی۔ اسے آئے ہفتہ ہونے کو تھا۔ حیان نے تو جیسے اسے اپنی زندگی سے نکال دیا تھا۔ اس کے پاس شادی سے پہلے موبائل نہ تھا۔ حیان نے اسے ایک مہنگا موبائل دلوایا تھا۔ حیان نے ان گزرے دنوں میں ایک کال تک کرنا گوارا نہ کی تھی۔ وہ تو اس کی ساری یادیں جیسے دل و دماغ سے کھرچ چکا تھا۔ رملہ کے لبوں پر آہ پھیل گئی۔ رملہ کو پل پل حیان اور بابا کا خیال ستا رہا تھا۔

"حیان! تم تو میرے بغیر ایک دن نہیں رہ سکتے تھے کجا کہ ایک ہفتہ۔" رملہ کو اپنا دل مسلتا ہوا محسوس ہوا۔ نمی نے تیزی سے اس کی آنکھوں میں جگہ بنائی۔

رقیہ کا شک بھی یقین میں بدل چکا تھا۔ انہیں کسی گڑبڑ کا احساس اول روز سے ہی ستا رہا تھا۔ وہ بیٹی کی فطرت سے بخوبی واقف تھیں۔ انہوں نے دبے لفظوں میں اس سے دوبارہ حیان کی واپسی کا پوچھا تھا اور وہ انہیں کسی طور بھی مطمئن نہ کر پائی تھی۔

"رملہ۔" رقیہ اسے پکار رہی تھیں اور وہ سوچوں میں گم ان کی آواز نہ سن پائی تھی۔ انہوں نے قریب آکر اس کا کندھا ہلایا تو اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔ رملہ کی آنکھوں میں پھیلی وحشت و سرخی نے ان کا دل دہلا دیا۔ ان کا ممتا بھرا دل وہموں میں گھرنے لگا۔

"رملہ تم مجھے اصل حقیقت بتا کیوں نہیں دیتی ہو۔" رمنا آپی کا فون آیا تھا۔ وہ رملہ سے بات کرنا چاہتی تھیں۔ امی اسے آپی کے فون کا بتانے آئی تھیں۔ مگر اس کی دگرگوں حالت اور چہرے پر چھائی افسردگی و یاسیت نے انہیں پریشان کر ڈالا تھا۔ امی کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔

وہ امی کو بھلا کیا بتاتی اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اپنی غلطی و حماقت کا اعتراف کر لیتی۔ اس کی مجرمانہ نگاہیں آسمان پر جمی تھیں۔ رقیہ کی زمانہ شناس نگاہیں بیٹی کے چہرے سے اپنے بھیانک خدشات کی حقیقت جان گئی تھیں۔

"رملہ! تو نے یہ کیا کیا۔۔۔ تم بہت بدقسمت ہو۔ تم نے حیان جیسے ہیرے کو کھو دیا۔" رقیہ کے لہجے میں چھپے تاسف نے رملہ کا وجود پچھتاووں کی آگ میں جھونک دیا۔

"امی پلیز! آپ یوں تو نہ کہیں۔" رملہ نے تڑپ کر فوراً" دہائی دی۔ وہ حیان سے جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اس کے روم روم میں بسا تھا۔

رقیہ کا رنج سے برا حال تھا۔ رملہ کی حماقت نے انہیں سخت متفکر کردیا تھا۔ وہ نادانی میں اپنی خوشیاں داؤ پر لگا چکی تھی۔ رقیہ کی زود رنج خاموشی نے رملہ کا غم دوچند کردیا۔ حیان کی معنی خیز ناراضی نے اسے اندر سے توڑ دیا تھا۔ اس کی ضد رفتہ رفتہ ختم ہونے لگی تھی۔

"حیان میں تم بن ادھوری ہوں۔" رملہ نے دل میں پوری سچائی سے اعتراف کیا۔ اس کا فخر و مان وہی تو تھا۔ اس نے سچائی قبولنے میں تاخیر نہ کی تھی۔ دل نے فوراً" ایک فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ مطمئن ہو کر آپی کا فون سننے اٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"حیان..... مجھے اصل حقیقت بتاؤ۔ آخر رملہ گھر چھوڑ کر کیوں گئی ہے؟" بڑی پھپھو کو بابا نے بطور خاص بلوایا تھا۔ رملہ کو گئے کئی روز ہوچکے تھے۔ اس نے پلٹ کر کسی کی خبر نہ لی تھی اور نہ ہی حیان اسے لینے گیا تھا۔ بابا ان دونوں کی ناراضی سے بہت پریشان تھے۔ انہوں نے ناراضی بھلا کر حیان سے رملہ کے متعلق استفسار کیا تو وہ انہیں ٹال گیا ——— وہ حیان کے کملائے چہرے پر چھائی آزردگی سے سخت رنجیدہ تھے۔

پھپھو ان کے بلاوے پر فوراً" چلی آئی تھیں۔ اس کے چہرے پر کھنڈی زردی نے پھپھو کو بھی ملول کردیا تھا۔ انہوں نے حیان کو خوب آڑے ہاتھوں لیا تو وہ بے بس ہوگیا اور ان سے کچھ بھی نہ چھپا سکا۔ وہ جوں جوں بات مکمل کررہا تھا۔ پھپھو کا پارہ غصے سے ہائی ہورہا تھا۔ جبکہ بابا غم کی عمیق گہرائی میں ڈوبے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھوچکے تھے۔ انہیں رملہ کی حد درجہ مادیت پرستی نے دکھی کردیا تھا۔ وہ حیان کے لیے بھی متفکر تھے۔ جو اس کی ضد کسی صورت ماننے کو تیار نہ تھا۔

"مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی۔ مجھے رملہ کا فون سن کر اس کی بات ماننے کی بجائے اسے صاف انکار کردینا چاہیے تھا۔" پھپھو نے ساری بات سن کر تاسف کا اظہار کیا۔ بابا اور حیان چونک گئے۔

"کون سا فون پھپھو۔" حیان نے چونکتے ہوئے استفسار کیا۔ پھپھو جلد بازی میں راز اگل چکی تھیں، انہوں نے رملہ کا راز دل میں چھپائے رکھا تھا، مگر وہ بے دھیانی میں روانی سے اگل گئیں۔

"وہ بیٹا میرا مطلب تھا کہ اگر تم اسے شروع سے قابو میں رکھتے تو وہ اتنا آگے نہ جاتی۔ وہ مادیت پرست تھی تو تم نے اس کی بے جا فرمائشیں پوری کرکے اسے من مانی کا عادی بنا دیا ہے۔" پھپھو نے گڑبڑا کر بات سنبھالنے کی کوشش کی۔ حیان غصے میں تھا وہ بھتیجے کا غصہ اور بھائی کی پریشانی بڑھانا نہیں چاہتی تھیں۔ رملہ کے بغیر گھر حقیقتاً" سونا سونا لگ رہا تھا۔

"پھپھو آپ نے فون کی بات کی تھی۔" حیان نے قطعیت بھرے تیور لیے ان سے حقیقت اگلوانا چاہی تھی۔ اس کے چہرے پر واضح بے یقینی پھیلی تھی اسے ان کی بات کا اعتبار نہ تھا۔ ہاشم کو بھی یقین تھا کہ وہ ان دونوں سے کچھ چھپا رہی ہیں۔

"بھائی جان جن دنوں ہم شادی کی تیاریاں کررہے تھے مجھے ایک روز رملہ نے فون پر بری کی شاپنگ برانڈڈ اور شہر کے بہترین شاپنگ مالز سے کرنے کی ہدایت کی تھی۔" پھپھو نے مجرمانہ انداز میں ساری حقیقت اگل دی۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ انہوں نے دونوں سے یوں نظریں چرائیں جیسے سارا قصور ان ہی کا ہو۔

انہیں رملہ پر شدید تاؤ آرہا تھا۔ ان کی جہاندیدہ نگاہیں رملہ کی آزاد منش اور خود سر طبیعت آغاز میں ہی بھانپ چکی تھیں، مگر وہ اتنی احمق ہوگی کہ اپنی ازدواجی خوشیوں کو داؤ پر لگا لے گی۔ انہیں اس کا بالکل اندازہ نہ تھا۔

رملہ نے رسم منگنی میں ان کی منجھلی بہو سے خاصی دوستی گانٹھ لی تھی۔ اس دوستی میں بھی سارا ہاتھ ان کی بہو کی چرب زبانی و حاضر دماغی کا تھا۔ وہ خاصی باتونی تھی۔ اس کی رملہ سے پہلی ملاقات میں ہی اتنی دوستی ہوگئی کہ اس نے اپنا سیل نمبر رملہ کو دے دیا تھا۔ وہ فون سن کر سخت متفکر و متحیر ہوئی تھیں۔ انہیں اس وقت بھی رملہ پر خاصا غصہ آیا تھا، لیکن ان کی بہو نے ہی یہ کہہ کر ان کا غصہ ٹھنڈا کیا تھا کہ رملہ کی پسند سے شاپنگ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے آخر اسے ہی شادی کے بعد استعمال کرنا ہے۔ ان کی بہو نے تو انہیں رملہ کے ساتھ مل کر شاپنگ کرنے کا مشورہ دیا تھا جسے انہوں نے فوراً" رد کردیا تھا۔ انہیں اب اپنا فیصلہ درست محسوس ہورہا تھا۔

حیان نے غصے سے ہتھیلی پر زوردار مکا مارا۔ اسے اسلام آباد ٹرپ میں رملہ کا شاپنگ کریز دیکھ کر ایک آدھ بار شبہ گزرا تھا جسے اس نے اپنا وہم سمجھ کر ذہن سے جھٹک ڈالا تھا۔ حیان کے چہرے پر غصے کی سرخی پھیل گئی تھی۔ ماتھے پر ابھری لکیر شدید اندرونی انتشار کی غماز تھی۔

"حیان۔" پھپھو نے ماحول پر چھائی خاموشی توڑتے ہوئے اس کے کندھے پر تسلی آمیز انداز میں ہاتھ رکھا۔ بابا الگ متفکر اپنا سر پکڑے بیٹھے تھے۔ انہوں نے تو مسئلہ سلجھانا چاہا تھا۔

"پھپھو، بابا آپ دونوں مجھے بالکل کسی بات پر فورس نہیں کریں گے۔ میرا آج بھی وہی فیصلہ ہے۔ وہ خود گئی تھی اسے خود آنا ہوگا، اگر وہ اپنی ضد اور انا قربان نہیں کرسکتی تو نہ سہی۔ مجھے اپنی محبت قربان کرنا آتی ہے۔" حیان نے باری باری دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے اپنا اٹل فیصلہ بے لچک لہجے میں سنایا تھا اس کے ٹھوس لہجے اور حتمی فیصلے نے دونوں کو پریشان کردیا تھا۔ انہیں بخوبی احساس ہوچکا تھا۔ رملہ آسانی سے اپنی خواہشات سے دستبردار ہونے والوں میں سے نہ تھی۔ بابا نے تھکی تھکی نظریں گھر کے در و دیوار پر ڈالیں۔ یہ گھر انہیں بھی بہت عزیز تھا، مگر حیان کی خوشیوں سے بڑھ کر نہیں۔

☼ ☼ ☼

بادلوں نے آسمان کو یکایک ڈھک لیا۔ موسم کے پینترا بدلتے ہی گرمی کا بھی زور ٹوٹ گیا تھا۔ موسم کی خوش گواریت اور فضا میں رچی ہلکی نمی بھری ہوا بارش کی آمد کا پتا دے رہی تھی۔ وہ امی کو بتا کر یمنی کے گھر چلی آئی۔ چوکیدار نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ خان بابا یمنی کے ڈیڈی کے پرانے ملازم تھے۔ انہوں نے ہی خان بابا کو یہاں لگوایا تھا۔ درحقیقت یمنی خاصی ڈرپوک اور بزدل لڑکی تھی۔ اسے کسی پر اعتبار نہ تھا۔ وہ نئے گھر میں شفٹ ہوتے ہوئے احساس عدم تحفظ کا شکار تھی۔

"ارے آج اپنی رملہ بٹی آئی ہے۔" خان بابا نرم دل اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ انہیں رملہ اور یمنی بیٹیوں کی طرح عزیز تھیں۔ انہوں نے گرمجوشی و محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"آؤ میں یمنی بٹی کو بلاتا ہوں۔" خان بابا اسے لیے آگے بڑھے۔

"بابا آپ رکیں میں خود چلی جاتی ہوں۔" اس نے کچھ سوچ کر یمنی کے حقیقی معنوں میں محل نما بنگلہ پر نظر ڈالتے ہوئے انہیں منع کردیا۔ انہوں نے مسکرا کر تائیدی سر ہلایا اور اپنی جگہ پر واپس بیٹھ گئے۔ گیٹ کے عین سامنے سفید ماربل کی چکنی و چمکدار روش انٹرنس ڈور تک جاتی تھی۔ روش کے دائیں طرف وسیع و عریض لان تھا۔ لان کے انتہائی سرے پر سوئمنگ پول تھا۔ رملہ کو سوئمنگ پول کا شفاف پانی دور سے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ شریر ہوا پانی کی سطح کو نرمی سے چھو کر اس میں ہلکا ارتعاش پیدا کررہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی تھوڑی دیر پہلے نہا کر گیا ہو۔

رملہ کے اندر شدت سے محل نما گھر کی خواہش ابھری تھی۔ اس کے حسین چہرے پر دلی خواہش نے دھیمی مسکان پیدا کردی تھی۔ اگلے لمحہ اسے حیان کی خفگی یاد آگئی۔ اس کے لبوں سے مسکراہٹ سمٹ گئی۔ وہ اندر بڑھ گئی۔ وال ٹو وال کارپٹ، مہنگا فرنیچر، امپورٹڈ ڈیکوریشن پیسز اور مہنگی پینٹنگز سب ہی کچھ قابل دید تھا۔ وہ یمنی کی بے تکلف دوست تھی اور اسی بے تکلفی سے پورے گھر کا چکر لگا رہی تھی۔ جدید طرز تعمیر

اور تزئین و آرائش نے اسے خاصا متاثر کیا تھا۔ وہ ٹہلتی ہوئی گھر کے عین وسط میں پہنچ گئی، اسے صرف گھر دیکھنے کا شوق تھا اسے گھر کے راستوں کا علم نہ تھا۔ وہ کسی کی مدد کے بغیر باہر نہ جاسکتی تھی۔ وہ کچھ سوچ کر رک گئی۔ اس نے بغور اپنے اردگرد دیکھا۔ گھر میں مکمل خاموشی کا راج تھا۔ اسے پہلی بار گھر میں پھیلے سناٹے سے خوف آیا تھا۔ وہ محل نما گھر میں تنہا تھی یہ احساس اسے رفتہ رفتہ خوف میں مبتلا کرنے لگا۔

"آپ کون ہیں؟" اسی لمحہ فردوس نجانے کہاں سے آگئی۔ اس نے اجنبی خوش لباس لڑکی کو دیکھ کر نرمی بھری سختی سے استفسار کیا۔ رملہ خوف سے آواز پر اچھل پڑی۔ اسے دوسراہٹ کے احساس نے یکدم بہادر بنا دیا۔

"مجھے یمنی سے ملنا ہے۔" اس نے اپنی گھبراہٹ اور خوف پر قابو پاتے ہوئے نو وارد کو آگاہ کیا۔ فردوس نے اسے سرتاپا گھورا۔ وہ حلیے سے اچھے گھرانے کی لگتی تھی۔ خان بابا نے اسے کسی مہمان کی آمد کا نہ بتایا تھا۔ اس نے خان بابا کو کسی بھی مہمان کی آمد سے آگاہ کرنے کی سختی سے ہدایت کی ہوئی تھی۔ خان بابا اسے ہر مہمان کی آمد کا بتاتے تھے اور وہی مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر یمنی یا خاور کو اطلاع دیتی تھی۔

"آئیں۔" فردوس اسے جانچتی نظروں سے ٹٹول کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ رملہ نے کندھے اچکا دیے۔ وہ رملہ کو ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کا اشارہ کرتی دائیں سمت بنے کمروں میں سے ایک میں گھس گئی۔ رملہ ڈرائنگ روم کا جائزہ لیتی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"مجھے پورا یقین تھا کہ تم ہی ہوگی۔" یمنی فردوس کی اطلاع پر بھاگی چلی آئی اور بغیر سلام دعا کے آتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ رملہ نے محبت سے اس کے گالوں پر نزاکت بھرا بوسہ لیا۔

"کیسی ہو تم؟ اتنے روز سے فون بھی نہیں کیا۔" یمنی نے اس سے الگ ہو کر اس کی خیریت پوچھتے ہوئے محبت بھرا شکوہ کیا۔ رملہ کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"میں تو خود سے بچھڑ گئی ہوں یمنی۔ بھلا تم سے کیا رابطہ رکھتی۔" رملہ پلٹ کر دور آسمان پر نظریں جماتے ہوئے ہولے سے بڑبڑائی تھی۔ یمنی کو اس کی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

"تم نے کیا حماقت کی ہے رملہ؟" یمنی نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر تقریباً" جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔ یمنی کے چہرے پر وحشت ہی وحشت تھی۔ رملہ کی آنکھوں میں حیرت ابھر آئی۔

"کیا کیا ہے تم نے؟" یمنی کو اس کی فکر تھی۔ وہ نادان لڑکی اپنے ہاتھوں اپنی خوشیاں اجاڑنے پر تلی ہوئی تھی۔ دنیا تو اس کی لٹنے کو تھی پھر بھلا یمنی کیوں اجڑی اجڑی لگ رہی تھی۔ رملہ نے یمنی کو بغور دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔ وہ پہلے جیسی یمنی نہ لگ رہی تھی۔

یمنی تو ہر وقت نک سک سے تیار، پر اپر ڈریسنگ اور ہلکے میک اپ میں رہتی تھی۔ اسے ہمیشہ یمنی سے مل کر گمان گزرتا تھا کہ وہ کہیں جانے کو تیار ہوئی ہے اور یہ یمنی... جو اس کے سامنے کھڑی تھی بالکل مختلف تھی۔ بکھرے بال، ملگجا لباس، میک اپ سے عاری سپاٹ ستا ہوا چہرہ جیولری سے خالی وجود... یمنی کے اجڑے حال نے اسے چونکا دیا۔

"یمنی۔" رملہ کے لب ہلے اس نے یمنی کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ یمنی کی آنکھوں میں پھیلی وحشت کی جگہ بے چینی نے لے لی تھی۔ رملہ کے لبوں پر جامد خاموشی تھی۔ یمنی کا دل انہونی کے خوف سے دھیرے دھیرے لرزنے لگا تھا۔

"یمنی میں نے گھر چھوڑ دیا ہے۔" رملہ نے دھیرے دھیرے اسے ساری بات بتا دی اس کے آخری جملے پر یمنی سناٹے میں آگئی۔

"چٹاخ... چٹاخ" وہ دو قدم آگے بڑھی۔ اس نے اک لمحہ رملہ کو بغور دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں پھیلے سکون نے اس کی آنکھیں بھگو دیں۔ وہ نادان لڑکی اپنی

نادانی میں "کیا" کھونے کو تھی اسے بالکل اندازہ نہ تھا۔ یمنی نے دو طمانچے اس کے گالوں پر جڑ دیے۔

"بے وقوف لڑکی تمہیں اندازہ ہے تم کیا کھونے جارہی ہو۔ رملہ رشتوں میں ریا یا غرض شامل ہوجائے تو رشتوں میں کشش ختم ہوجاتی ہے۔ ریادار رشتے دلوں سے محبت ہمیشہ کے لیے کھرچ دیتے ہیں۔" یمنی نے اس کا گریبان دونوں ہاتھوں سے زور سے کھینچتے ہوئے اسے اک جھٹکا دیا۔ تحیر زدہ ساکن کھڑی رملہ اس ردعمل کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ اپنے گالوں پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے یمنی کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ اسے یمنی سے شدید ردعمل کی توقع نہ تھی۔

"مجھے دیکھو رملہ میرے پاس کیا نہیں ہے، دولت، اسٹیٹس، محل جیسا گھر، برانڈڈ ملبوسات و شوز، ڈائمنڈ و گولڈ۔ سب ہی کچھ ہے نا میرے پاس۔" یمنی نے اس کا گریبان چھوڑ کر اپنے شاندار و وسیع و عریض گھر پر طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد رملہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس سے تائید چاہی تھی۔ ساکت کھڑی رملہ اس کی تائید نہ کرسکی۔ وہ ناسمجھی سے یمنی کو گھورے جارہی تھی۔

"رملہ کوئی مجھ سے یہ سب لے لے۔ مجھے یہ سب نہیں چاہیے مجھے پورے کا پورا خاور چاہیے۔ بس کوئی مجھے "مکمل" خاور کہیں سے لادے۔" وہ دکھ سے اس کے قدموں میں دوزانو بیٹھتی چلی گئی اس کا گلا رندھ گیا۔ آنسو شدت سے اس کے گالوں کو بھگونے لگے۔ رملہ نے بے یقینی سے دیوار کو مضبوطی سے تھام لیا۔ ورنہ وہ تو کھڑے قد سے گرجاتی۔ یمنی کیا کہہ رہی تھی۔ وہ بے یقینی و تحیر کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔

"پورے کا پورا خاور، مکمل خاور۔" رملہ کے لب بے یقینی سے سرسرائے وہ آہستگی سے چلتی یمنی کے قریب آبیٹھی۔ اس نے نرمی سے یمنی کے بال سلجھاتے ہوئے اس کا آنسوؤں سے تر چہرہ اونچا کیا۔ یمنی مہربان کندھا میسر آتے ہی اس کی آغوش میں سما

گئی۔ یمنی کی سسکیاں اس کا دل چیرے جارہی تھیں اس کی آنکھیں بھی رفتہ رفتہ نم ہونے لگیں۔

یمنی اسے دھیرے دھیرے اپنا دکھ سنانے لگی۔

رملہ کا دل سہما جارہا تھا۔

”لوٹ جاؤ رملہ تم اپنی جنت میں لوٹ جاؤ۔“ یمنی نے یکایک اس سے الگ ہوتے ہوئے التجا کی۔ ”عورت مرد کے بنا ادھوری ہے۔ مرد کے بغیر عورت رل کر بے مول ہوجاتی ہے۔ اس کی ساری دولت مرد ہی تو ہے۔“ یمنی کی اجڑی حالت چیخ چیخ کر رملہ کو کائنات کی اٹل حقیقت سے آگاہ کررہی تھی۔ لاؤنج کے انتہائی سرے پر صدمے سے گنگ خاور وہیں سے پلٹ گیا۔ اس کی چال میں شکستگی و لڑکھڑاہٹ نمایاں تھی۔ یمنی کی سسکیاں تھمنے کا نام نہ لے رہی تھیں۔

”مجھے یمنی کی طرح اپنی زندگی سمجھوتوں کی نذر نہیں کرنی ہے۔“ رملہ نے مضمحل ذہن سے پختہ ارادہ کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

”رملہ بیٹا محبتوں میں جب انا آجائے تو انسان کے ہاتھ میں صرف خسارہ آتا ہے۔ انسان وقتی طور پر اپنی انا کو عزیز رکھتا ہے‘ چاہے پھر ساری عمر پچھتاوے کی کسک پھانس کی مانند اس کے سینے میں چبھتی رہے اسے پروا نہیں ہوتی ہے۔ تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جو اپنی نام نہاد انا کا پرچم بلند رکھنے کی سعی میں اپنا دامن درد اور کسک سے بھرلیتے ہیں۔“ وہ جب سے یمنی کے گھر سے آئی تھی‘ خاموش و اداس تھی رقیہ نے اسے ٹٹولا تو اس نے انہیں خاور کی دوسری شادی کا بتادیا۔

اس کا اپنا آشیانہ بھی آندھی کی زد پر تھا جسے اب اس نے بچانا تھا۔ رقیہ کی جہاندیدہ نگاہیں بیٹی کے ملول چہرے کے پیچھے پچھتاوے کے سائے محسوس کرچکی تھیں۔ انہوں نے لوہا گرم دیکھ کر کاری ضرب لگائی جو کارگر ثابت ہوئی۔

”اللہ نہ کرے امی۔“ وہ رودی۔ رملہ آنسو ضبط کرتے کرتے تھک چکی تھی۔ اسے رونے کا بہانہ چاہیے تھا۔ رقیہ ماں تھیں وہ اس کے آنسو برداشت نہ کرسکیں۔

”رملہ بیٹا مت رو میری جان۔“ رقیہ نے محبت سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے اسے خود سے لگالیا۔ رملہ کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو تھے۔ وہ مطمئن تھیں کہ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا ہے۔

وہ فاروق صاحب اور عاصم سے سارا معاملہ چھپائے ہوئے تھیں۔ انہوں نے مردوں کو اس معاملے میں ڈالنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ عاصم بھی غصے کا بہت تیز تھا۔ وہ غصے میں ہوش کی بجائے جوش سے کام لیتا تھا۔ ان کا رواں رواں رب کا شکر گزار تھا۔ اطمینان ان کے چہرے پر پھیلا تھا۔

☼ ☼ ☼

زندگی میں عجب یاسیت در آئی تھی۔ وقت گگی بندھی رفتار سے بھاگا جارہا تھا۔ دن رات عجب اداسی کی لپیٹ میں تھے۔ مگر دل۔۔۔ دل کو قرار نہ تھا۔ دل بے چین اپنی ضد پر اڑا تھا۔ شام کا ملگجا اندھیرا رات کی ہلکی تاریکی میں مدغم ہونے لگا تھا۔ لان میں لگے درختوں پر بیٹھا آخری پرندہ بھی اڑ کر جاچکا تھا۔ تنہائی تو اسی کا مقدر تھی شاید‘ اس نے بوجھل سانس فضا کے سپرد کی۔

”اللہ اکبر اللہ اکبر“ قریبی مسجد سے مغرب کی اذان کی آواز بلند ہونے لگی اور بابا مسجد جانے کی تیاری کرنے لگے۔

”حیان بیٹا میں مسجد جارہا ہوں۔“ بابا نے چھوٹے سے لان نما صحن میں سوچوں میں گم بیٹھے حیان کو با آواز بلند آگاہ کیا۔ انہوں نے رک کر چند ثانیے اسے خفا نظروں سے دیکھا وہ بہت چپ رہنے لگا تھا۔ وہ ہنسنے ہنسانے والا حاضر جواب حیان تو قصہ پارینہ بن گیا تھا۔ وہ افسردگی سے سر جھٹک کر مسجد چلے گئے۔ حیان نے محض اک نظر ان پر ڈالنے پر اکتفا کیا تھا۔ فضا میں مکمل سکوت طاری تھا۔

رملہ نے پلٹ کر اس کی یا بابا کی خیر خبر رکھنے یا کسی قسم کا کوئی رابطہ رکھنے کی کوشش نہ کی۔ اس کے گھر والوں نے بھی ان دونوں سے ملنے کی زحمت تک نہ کی تھی۔ اسے آنٹی رقیہ سے یہ توقع نہ تھی وہ بے حد سلجھی ہوئی اور سمجھ دار عورت تھیں۔ وہ حیان کو عاصم اور رضا کی طرح چاہتی تھیں اسے امی کے بعد حقیقتاً ان میں ماں کی صورت نظر آئی تھی۔ رملہ کے میکے والے ہفتے میں ایک آدھ چکر لگالیتے تھے۔ انہوں نے ان گزرے دنوں میں ادھر آنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔

”کیا خبر اس نے گھر والوں سے اصل بات چھپا رکھی ہو۔“ سوچوں میں گم حیان کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

”نہیں آنٹی اس سے حقیقت اگلوا چکی ہوں گی۔“ اس نے اپنی سوچ کی اگلے لمحے ہی نفی کردی تھی۔

فضا میں یکدم گرد اڑنے لگی۔ ہوا ابھی ساکن تھی گیٹ پر آہٹ ہوئی۔ حیان نے بابا سمجھ کر آہٹ پر دھیان نہ دیا اٹھتے قدموں کی چاپ ساکن و خاموش فضا میں ارتعاش پیدا کررہی تھی۔ کچھ دیر بعد قدموں کی چاپ حیان کے قریب آکر رک گئی۔ اس کا دل اک انوکھے احساس سے دھڑک اٹھا۔ اس نے نظر اٹھا کر نووارد کو دیکھا اور اپنی جگہ بے یقینی سے ساکت رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

حیان کے ساکت وجود میں دھیرے دھیرے حرکت پیدا ہونے لگی۔ وہ آہستگی سے چلتا رملہ کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ رملہ نے نظریں جھکالیں۔ حیان کے اداس چہرے پر خوشی کی چمک پھیلنے لگی۔ دونوں کے بیچ اک چبھنے والی خاموشی ٹھہر گئی تھی۔ حیان اس کی واپسی کا منتظر تھا۔ اگر وہ چاہتا تو وہ رملہ کی طرح ضد اور غصے میں اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر دوسری شادی کرسکتا تھا۔ رملہ کا رواں رواں رب کا مشکور تھا۔ اس کی جنت پرسکون اور سلامت تھی۔ وہ خود سر نہیں تھی‘ مگر ناشکری تھی۔

”آئی ایم سوری حیان۔“ رملہ نے گلوگیر لہجے میں اپنی غلطیوں کا گویا اعتراف کیا تھا۔ حیان کے من میں خوشیوں کے دیپ جل اٹھے تھے۔ رملہ کا دل اس کی مسلسل خاموشی سے گھبرانے لگا تھا۔ اس کے آنسوؤں میں شدت آنے لگی۔

”رملہ!“ حیان کا محبت سے چور لہجہ اسے اندر تک پرسکون کرگیا۔

اس نے آنکھیں اٹھائیں آنسوؤں کی نمی نے آنکھوں کی چمک بڑھادی تھی۔ حیان نے اس کی آنکھوں میں اٹکے آنسو اپنی ہتھیلی پر چن لیے۔ رملہ خوشی سے سرشار حیان سے لپٹ گئی۔ حیان نے محبت سے اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے اس کے تمام آنسو صاف کیے۔

”تھینک یو حیان آپ بہت اچھے ہیں میں آئندہ آپ کو کبھی تنگ نہیں کروں گی۔“ رملہ نے گھر کے در و بام پر نظر ڈالتے ہوئے معنی خیزی سے حیان کو دیکھا۔

یہ گھر اس نے بھی بہت شوق سے سنوارا تھا۔ اس کے چپے چپے میں اس کی محبت بھی شامل تھی۔ ہوس نے اسے وقتی طور پر اپنی مضبوط گرفت میں ضرور جکڑا تھا‘ مگر وہ دل سے نجانے کیوں اس گھر سے مانوسیت انسیت نہ کھرچ پائی تھی۔ ابھی اسے بابا سے بھی معافی مانگنا تھی۔ حیان نے اسے اپنی محبت بھری بانہوں میں نرمی سے جکڑلیا۔ خوشیوں کے جگنوؤں نے رملہ کے گرد ہالہ بنالیا۔ اس نے جگنو اپنی مٹھی میں مقید کرنے میں تاخیر نہ کی۔ اس کے گرد اک روشنی سی پھیل گئی تھی۔ حیان کے چہرے پر چھائی آسودگی اندرونی خوشی کا عکس تھی۔ دونوں کی پرسکون نظریں ملیں تو دونوں کے لبوں پر مدھر مسکراہٹ بکھر گئی۔ زندگی کی پرسکون روشن راہیں دونوں کے ملن پر دھیرے سے گنگنانے لگیں۔

☼ ☼

نورِ عین

اس کے گہری سرخ مہندی سے رچے ہوئے ہاتھ ٹھنڈے یخ ہو رہے تھے گھنی سیاہ پلکوں نے غضب کی خوب صورت آنکھوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ چھوٹی سی خوب صورت بندیا سے سجا ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے گلاب پر شبنم کے قطروں کی مانند چمک رہے تھے۔ کمرے میں گلاب کے پھولوں اور کلیوں کی ملی جلی مہک نے خوابناک سا تاثر قائم کر رکھا تھا۔

ایمان نے اپنی لرزتی ہوئی پلکوں کو اوپر اٹھایا تو اسے بیڈ کے بالکل سامنے سجے ہوئے نئے نکور ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنا عکس نظر آیا۔ پانی جیسے شفاف آئینے میں اس کا غضب کا روپ لو دے رہا تھا۔

"کیا یہ میں ہوں؟" آئینے میں اپنے پور پور سجے ہوئے روپ کو دیکھ کر وہ خود ہی سحر زدہ ہو گئی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ ہوش و حواس کی دنیا میں واپس آئی۔ ڈر اور خوف کی شدت سے اس پر باقاعدہ کپکپاہٹ طاری ہو گئی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" سمیر نے اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا۔

"جج۔۔۔ جی ٹھیک ہے۔" ایمان نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو پھر آپ کانپ کیوں رہی ہیں؟" سمیر نے نرمی سے پوچھا۔

"وہ مم۔۔۔ مجھے آپ سے ڈر لگ رہا ہے۔" ایمان نے اٹکتے ہوئے جملہ مکمل کیا۔

"ڈر لگ رہا ہے لیکن کیوں؟ میں کوئی جن بھوت تو نہیں۔" سمیر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میری دوست نے مجھے بتایا تھا کہ شوہر بیوی کو قابو میں رکھنے کے لیے پہلی ہی رات اپنی بیوی پر بہت رعب جھاڑتے ہیں تاکہ وہ ہمیشہ اس سے دب کر رہے اور تو اور ہاتھ اٹھانے سے بھی نہیں چوکتے۔" ایمان نے انگلیاں مروڑتے ہوئے کہا۔

"آپ کی دوست نے آپ کو الٹی سیدھی پٹیاں پڑھا کر مجھ غریب پر بڑا ظلم کیا ہے۔ ایسا پہلے زمانے میں تو شاید ہوتا ہو آج کے دور میں تو بیوی کا رعب ہوتا ہے اپنے شوہر پر اور میں تو ویسے بھی بہت سیدھا سادا بندہ ہوں بیوی کو دبا کر رکھنا اور آپ جیسی حسین بیوی کو ایسا تو ممکن ہی نہیں۔" سمیر نے اس کے کومل روپ کو آنکھوں میں بھرتے ہوئے کہا۔

"واقعی آپ مجھ پر کبھی ناراض نہیں ہوں گے۔" ایمان نے اپنی خوب صورت آنکھوں کو سمیر پر مرکوز کرتے ہوئے کہا۔ سمیر کے نرم لہجے نے اس کے اعتماد کو بحال کیا تھا۔

"بالکل نہیں بلاوجہ ناراض ہونا اور رعب جھاڑنا مجھے پسند نہیں۔ دیکھو ایمان میں رشتوں کو بہت اہمیت دیتا ہوں میری زندگی میں میری فیملی تم سمیت بہت اہمیت رکھتی ہے۔ کسی بھی گھر میں ایڈجسٹ کرنے کے لیے بہت سے کمپرومائزز کرنا پڑتے ہیں۔ مجھے لڑائی جھگڑے پسند نہیں اور مجھے یقین ہے کہ تم میری ناپسندیدہ چیز کو مجھ پر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کرو گی۔ چھوٹے موٹے اختلافات زندگی کا معمول ہوتے ہیں لیکن ان اختلافات کو اپنی زندگی پر اثر انداز نہ ہونے دینا ہی عقل مندی ہے اور مجھے امید ہے کہ تم ہمیشہ سمجھ داری کا ثبوت دو گی وعدہ کرو ایمان ہمارے رشتے کی بنیاد میں صرف اور صرف محبت شامل ہو گی۔" سمیر نے اپنی چوڑی ہتھیلی کو پھیلاتے ہوئے کہا۔

"جی میں ہمیشہ آپ کے اس مان کا مان رکھوں گی۔ آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی اور اپنے گھر کے سکون کو اپنے دل کے سکون سے مقدم سمجھوں گی۔" یہ کہتے ہوئے ایمان نے اپنا حنائی ہاتھ سمیر کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

"ارے بیٹا تم تو کچھ لے ہی نہیں رہیں تمہارا اپنا گھر ہے اور پھر کھانے میں کیسی شرم یہ چکن لونا خزانے خاص طور پر تمہارے لیے بنایا ہے۔"

سلمیٰ بیگم نے ناشتا کرتی ہوئی ایمان کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا جو سلور کام والے ڈارک گرین جوڑے میں لائٹ سا میک اپ کیے اور نازک

سی سلور جیولری پہنے کسی نکھرے ہوئے پھول کی مانند تر و تازہ اور شاداب لگ رہی تھی ہلکی سی نمی لیے گھنے سیاہ سلکی بالوں نے خوب صورت چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں امی جان میں کھا تو رہی ہوں۔" ایمان نے چمچے کی مدد سے تھوڑا سا چکن اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"سمیر بیٹا تم ایسا کرو ناشتا کرنے کے بعد ایمان کے ساتھ اس کے میکے سے ہو آؤ۔ رات آٹھ بجے ولیمہ ہے، لیکن چھ بجے تک واپس آجانا تمہیں تو پتا ہے نا دلہن کی تیاری میں وقت لگتا ہے اور پھر تمہیں بھی تیار ہونا ہو گا آخر کو دولہا ہو۔" سلمیٰ بیگم نے ناشتا کرتے ہوئے سمیر کو مخاطب کیا۔

"ٹھیک ہے امی جان جیسا آپ بہتر سمجھیں میں ایمان کو اس کے میکے چھوڑ آؤں گا، لیکن میرا سارا دن ادھر رہنا ممکن نہیں ولیمہ کے کچھ انتظامات باقی ہیں وہ بھی کرنے ہیں۔ میں چھ بجے تمہیں لینے آجاؤں گا۔" سمیر نے پہلے ماں پھر ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

☼ ☼ ☼

"امی! ایمان آپا آگئیں۔" ایمان سے چھوٹی ماہین نے ایمان کو دیکھتے ہی ایک زبردست نعرہ لگایا۔

"ارے بیٹا تم آگئیں، میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔" رقیہ بیگم نے ایمان سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

"کیسے ہو تم سمیر بیٹا۔" رقیہ بیگم نے سمیر کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا۔

کچھ ہی دیر بعد چائے اور دیگر لوازمات سے بھری ہوئی ٹرالی لے کر ماہین ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

"ارے امی اتنا زیادہ تکلف کیوں کیا آپ نے گھر کی ہی تو بات ہے، میں کوئی مہمان نہیں آپ کا اپنا بیٹا ہوں، میں وہی کھانا پسند کروں گا جو سب کھائیں گے وعدہ کریں کہ آپ آئندہ اتنا زیادہ تکلف نہیں کریں گی۔" سمیر نے رقیہ بیگم کو اپنے بازو کے گھیرے میں لیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹا آئندہ نہیں کروں گی۔ اچھا تم تو ٹرائی کرو ایمان کے پاپا خاص طور پر تمہارے لیے کر آئے ہیں۔" رقیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نمرہ تو کہتی تھی کہ داماد بہت نخریلے ہوتے ہیں کھانے پینے میں تو حد سے زیادہ نخرے کرتے ہیں لیکن یہ تو بالکل بھی ایسے نہیں ہیں، میں واقعی بہت خوش قسمت ہوں۔" یہ سوچتے ہوئے ایمان کی آنکھوں میں تشکر کے رنگ بہت واضح تھے۔

"اچھا امی اب میں چلتا ہوں ولیمہ کے انتظامات بھی دیکھنے ہیں۔ ویسے ابو نظر نہیں آرہے کہاں ہیں وہ؟" سمیر نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ان کے ایک دوست کی طبیعت بہت خراب تھی اسی کی عیادت کے لیے گئے ہیں ورنہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ان کی لاڈلی بیٹی اور داماد گھر آئیں اور وہ گھر پر موجود نہ ہوں جاؤ ایمان بیٹا سمیر کو دروازے تک چھوڑ آؤ۔" رقیہ بیگم نے چائے کے خالی کپ ٹرالی میں رکھتے ہوئے کہا۔

☼ ☼ ☼
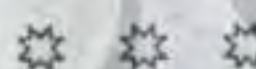
"میرے ساتھ ہی چلو ایمان تمہارے بغیر جانے کا دل نہیں چاہ رہا۔" سمیر نے اس کی حیا سے جھکی ہوئی آنکھوں کو جذب سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں "صرف" آپ کو دروازے تک چھوڑنے آئی ہوں اب شام کو آپ سے ملاقات ہوگی خدا حافظ۔" ایمان نے مسکراتے ہوئے صرف پر زور دیا۔ بائیک کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد اس نے ہنستے ہوئے دروازہ بند کیا۔

ایمان ہنستی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو رقیہ بیگم نے اس کا گل رنگ چہرہ دیکھ کر اس کی دائمی خوشیوں کے لیے دل سے دعا کی تھی۔

"ایمان آپا آپ تو بہت خوب صورت ہو گئی ہیں۔ ایسا کریں امی آپ میری شادی بھی کر ہی دیں۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ دن بعد لوگ مجھے آپا کی بہن ماننے سے انکار کریں۔" ماہین نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"بہت بدتمیز ہوتی جا رہی ہو تم ماہین۔" ایمان نے ہنستے ہوئے ماہین کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"ایمان بیٹا تمہارے سسرال والے کیسے ہیں؟ تمہارے ساتھ ان کا رویہ ٹھیک تو ہے نا۔" رقیہ بیگم نے فکر مندی سے پوچھا۔

"ارے امی وہ سب بہت اچھے ہیں، میں تو بہت ڈر رہی تھی کہ نا جانے سسرال کیسا ہو لیکن وہاں جا کر میرے سارے خدشات ختم ہو گئے وہ واقعی بہت اچھے ہیں امی۔" ایمان نے رقیہ بیگم کے ہاتھوں کو نرمی سے دباتے ہوئے یقین دلایا۔

"تو بیٹا باتوں میں میرا دھیان ہی نہیں گیا تمہارے سسرال والوں کو دینے والے کپڑے پیک کر کے سوٹ کیس میں رکھ دیے ہیں جاتے ہوئے لے جانا اور ہاں بیٹا دھیان سے تمہارے سسرال والوں کی دی گئی لسٹ کے مطابق چالیس جوڑے بنتے تھے، لیکن میں نے پینتالیس رکھے ہیں کچھ کمی بیشی ہو تو دیکھ لینا۔ ان جوڑوں پر بہت سے روپے خرچ ہو گئے پیسے تو تھے نہیں ہمارے پاس تمہارے ابا نے کسی سے قرض لیا ہے اب تو میں سوچ رہی ہوں کہ ماہین کی دفعہ میں اس کے سسرال والوں کو دینے والے جوڑوں کے لیے الگ سے کمیٹی ڈالوں گی۔" رقیہ بیگم نے پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

"ماہین سنا نہیں تم نے دروازے پر دستک ہو رہی ہے دیکھو بیٹا تمہارے ابو ہوں گے۔" رقیہ بیگم نے ماہین کو آواز دیتے ہوئے کہا جو کچن میں برتن دھونے گئی تھی۔

"نہیں امی ماہین کو رہنے دیں دروازہ میں کھولتی ہوں ابو کو سرپرائز ملے گا۔" ایمان نے ایکسائٹمنٹ سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

☼ ☼ ☼

ناشتے کی ٹیبل پر کافی رونق تھی، ایمان کی دونوں شادی شدہ نندیں حنا اور شنزا بھی وہیں موجود تھیں ایمان کی خالہ ساس بھی سلمیٰ بیگم کے ساتھ ہی ناشتے کے لیے ہال میں داخل ہوئیں۔

"رات کو ولیمہ کا فنکشن کافی لیٹ ہو گیا تھا۔ میری تو نیند ہی خراب ہو گئی لو بھلا بارہ بجے تک سوتی رہی ہوں ابھی بھی نیند پوری نہیں ہوئی۔ تم لوگوں کو ٹھیک سے نیند آگئی تھی۔" سلمیٰ بیگم نے سمیر اور ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جی امی فنکشن کافی لیٹ ہو گیا تھا شاید اسی لیے طبیعت کچھ بھاری بھاری سی محسوس ہو رہی ہے کچھ دیر سوؤں گا تو طبیعت بحال ہو جائے گی۔" سمیر کسل مندی سے بولا۔

"ٹھیک ہے ناشتے کے بعد تم سو جانا اور تم بھی بہو۔ تھکاوٹ ہو گئی ہو گی۔" سلمیٰ بیگم نے ایمان کو مخاطب کیا۔

"نہیں امی جان میں ٹھیک ہوں ویسے بھی مجھے زیادہ سونے کی عادت نہیں۔" ایمان نے چائے میں چینی مکس کرتے ہوئے کہا۔

"اچھی عادت ہے بیٹا بیٹیوں کی تربیت ایسی ہی ہونی چاہیے۔" سلمیٰ بیگم نے ایمان کو کھلے دل سے سراہا۔

"چائے میرے کمرے میں بھجوا دینا۔" سمیر نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے حرا سے کہا۔

"امی جان وہ میری امی نے آپ کے لیے جوڑے بھجوائے تھے کل آپ بہت مصروف تھیں تو میں نے سوٹ کیس حنا آپا کو دے دیا تھا۔" ایمان نے چائے کا کپ منہ سے لگایا۔

"جی امی ایمان نے مجھے ہی سوٹ کیس دیا تھا، میں نے اسٹور روم میں رکھوا دیا تھا، میں ابھی لے کر آتی ہوں۔" حنا نے ایکسائٹمنٹ سے کہا۔

"حرا تم اور شنزا مل کر برتن اٹھا لو۔" سلمیٰ بیگم نے اپنی بیٹیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جن میں جوڑوں کا نام سنتے ہی پھرتی بھر گئی تھی۔

"یہ لیں امی۔" حنا اکیلی ہی سوٹ کیس گھسیٹ کر ہال میں لے آئی۔ سب ہی کی پُرشوق نگاہیں سوٹ

کیس پر جمی تھی۔ سلمیٰ بیگم نے ایک سرخوشی کے عالم میں سوٹ کیس کھولا۔

سوٹ کیس کھلتے ہی جیسے دھنک کے سارے رنگ زمین پر اتر آئے تھے۔ تمام جوڑوں کے رنگ بہت ہی دلکش تھے اور ان کے پرنٹ بھی لاجواب لگ رہے تھے۔

"رنگوں کے معاملے میں میری امی کی چوائس واقعی بہت اچھی ہے۔" ایمان نے دل ہی دل میں رقیہ بیگم کو سراہا۔

جوڑوں پر کی گئی ٹرانسپیرنٹ پلاسٹک کی پیکنگ اور ان پر آرٹسٹک انداز میں لگے ہوئے Name tag جوڑوں کی شان بڑھا رہے تھے یہ ضرور ماہین کا کارنامہ ہے اس کا ذہن شروع سے ہی آرٹسٹک ہے۔ ایمان نے محبت سے سوچا۔

"تم ایسا کرو کہ اپنی خالہ ساس اور نندوں کو اپنے ہاتھ سے جوڑے دے دو باقی خاندان کے جوڑے میں خود ہی ان تک پہنچا دوں گی۔ سمیر کے تینوں ماموں اور ممانیوں کے جوڑے تو میں خود شام کو ان کے گھر دے آؤں گی باقی وہ رشتہ دار جو شہر سے باہر ہیں ان کو جوڑے ٹی سی ایس کروا دیتے ہیں۔" سلمیٰ بیگم نے سائیڈ پر رکھے ہوئے تخت پر جوڑوں کا ڈھیر لگاتے ہوئے کہا۔

"جی امی جان۔" ایمان نے سب سے پہلے اپنی ساس اور پھر باقی سب کو باری باری ان کے Name tag والے جوڑے دیے۔

"ارے بھئی سب اپنے اپنے جوڑے کھول کر تو دکھائیں ذرا۔" حرا نے اپنے جوڑے کو پیکنگ سے نکالتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ بھئی بہت اچھا ہے۔ اس کا ڈیزائن تو دیکھیں دوپٹے کا پرنٹ تو بہت ہی پیارا ہے۔" حرا نے چہکتے ہوئے کہا۔

"یہ جوڑے تو انار کلی میں چھ چھ سو کے بک رہے تھے، میں نے خود دیکھا ہے بلکہ میری نند نے تو ایک سوٹ خریدا بھی تھا۔" حنا نے اپنے جوڑے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اتنے زیادہ جوڑے اور وہ بھی صرف رنگوں کے فرق کے ساتھ لینے پر ڈسکاؤنٹ بھی تو ملا ہوگا۔" ایمان نے حرا کی بات پر اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس کیا۔

"حنا بیٹا اس جوڑے میں کوئی خرابی تو نہیں رنگ دیکھو کتنا اچھا ہے اور کپڑا بھی مناسب ہے۔" ایمان کی خالہ ساس نے رسانیت سے کہا۔

"کیا خالہ ایک ہی بھائی ہے ہمارا کتنے ارمان تھے اس کی شادی کو لے کر آپ کو نہیں پتا میرے سسرال میں کتنی بدنامی ہوگی میری جب انہیں پتا چلے گا کہ بھائی کے سسرال سے میرے لیے یہ چھ سو والا جوڑا آیا ہے۔" حنا نے بے دردی سے سوٹ کو گولہ بناتے ہوئے کہا۔

"اور نہیں تو کیا کبھی گھر میں بھی ہم نے چھ سو والا سوٹ نہیں پہنا۔ میں تو نہیں پہنوں گی یہ چھ سو والا جوڑا۔" شہزا نے بھی باتوں میں اپنا حصہ ڈالا۔

ایمان آنکھیں جھپک جھپک کر آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"امی آپ مجھے کوئی اچھا سا جوڑا لے دیں، میں اپنے سسرال یہ جوڑا لے کر نہیں جاؤں گی۔" حنا نے ہٹیلے لہجے میں کہا۔

"اور مجھے بھی لے کر دیں، میں بھی سسرال میں شرمندہ ہونا نہیں چاہتی۔" شہزا نے اپنے دو ماہ کے بیٹے کو کندھے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے لے دوں گی حرا تم یہ جوڑا ٹرنک میں رکھوا دو دینے دلانے میں کام آجائے گا آج کل تو سسرال والوں کی کوئی عزت نہیں بس بیٹی کو جہیز اچھا دے دیتے ہیں وہ بھی صرف اسی کے استعمال کے لیے سسرال والوں کو دینے والے گفٹ ہی اتنے فالتو ہوتے ہیں کہ ان کی کوالٹی گھٹیا ترین بھی ہو جائے تو کوئی پروا نہیں کرتا۔" سلمیٰ بیگم نے حرا کو اپنا جوڑا پکڑاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

ایمان کے دل پر ایک گھونسہ پڑا اور اس نے آنکھ میں کچھ پڑ گیا کی گردان کرتے ہوئے سارے آنسو واش بیسن میں بہا دیے۔

☼ ☼ ☼
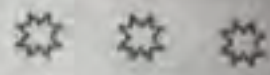
"میں انہیں کچھ نہیں بتاؤں گی مجھے پتا ہے کہ یہ میری تکلیف پر دکھی ہوں گے، لیکن اس سے بھی زیادہ دکھی اس بات پر ہوں گے کہ مجھے ان کے پیاروں نے تکلیف میں مبتلا کیا ہے۔ اگر کوئی اور مجھے تکلیف دیتا تو میں ان سے ضرور مدد مانگتی، مگر اب، اب میں انہیں دوراہے پر کھڑا نہیں کروں گی۔ اپنے وعدے کا بھرم رکھنے کے لیے، ان کا مان سلامت رکھنے کے لیے مجھے برداشت کرنا ہوگا۔ کیا بھلا سا نام ہے اس برداشت کا ہاں یاد آیا کمپرومائز، مجھے کمپرومائز کرنا ہوگا تاکہ ان کا اور میرا رشتہ کمپرومائز نہ بن جائے۔" ایمان نے سوئے ہوئے سمیر کی پشت کو دیکھتے ہوئے ایک عزم سے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

☼ ☼ ☼
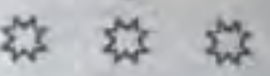
"امی جان وہ گرم مسالا پیسنے والی مشین نہیں مل رہی۔" ایمان نے کچن سے باہر آکر پوچھا۔ سلمیٰ بیگم جو باورچی خانے کے باہر رکھے تخت پر بیٹھی حنا سے باتیں کر رہی تھیں چونک اٹھیں۔

"ارے ہاں، بہو وہ مشین تو خراب ہو گئی تم ایسا کرو حرا سے کہو وہ تمہیں سل بٹے پر مسالا پیس دے گی۔" سلمیٰ بیگم نے متانت سے کہا شاید یہ ایمان کی تحمل مزاجی ہی تھی کہ جوڑوں والا قصہ "تقریباً" روزانہ ہی ڈسکس ہوتا تھا، لیکن وہ اپنی ساس اور نندوں سے ہمیشہ عزت اور محبت سے ہی پیش آتی تھی شاید اسی لیے جوڑوں والے معاملے کے علاوہ کبھی کوئی اور بدمزگی نہیں ہوئی تھی۔ کمپرومائز کا گر ایمان نے اچھی طرح سیکھ لیا تھا۔

"امی جان اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے جہیز والا گرائینڈر نکال لوں حرا کے پیپرز ہو رہے ہیں ان کا وقت ضائع ہوگا ویسے بھی چیزیں استعمال کرنے کے لیے ہوتی ہیں پیک کر کے رکھنے کے لیے نہیں۔" ایمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں، لیکن کل کلاں کو تمہاری مشین خراب ہو گئی تو ہمیں الزام نہ دینا۔" سلمیٰ بیگم نے چھالیہ کترتے ہوئے کہا۔

"میں چیزوں سے نہیں انسانوں سے پیار کرنے کی قائل ہوں ویسے بھی یہ چیزیں مجھے صرف اپنے استعمال کے لیے نہیں دی گئیں بلکہ گھر میں استعمال کے لیے دی گئی ہیں اور گھر گھر والوں کے بغیر تو نہیں بن سکتا تھا آپ فکر نہ کریں مشین خراب ہو بھی گئی تو نئی آجائے گی۔" ایمان نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیا بتاؤں امی میری دیورانی کے میکے سے سارے سسرال والوں کے لیے کیا غضب کے جوڑے آئے ہیں اتنے نفیس اور خوب صورت جوڑے کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔ کوئی بھی جوڑا پندرہ سو دو ہزار سے کم کا نہیں تھا میری نندیں تو بھابھی کے واری صدقے جا رہی تھیں اور ایک ہم ہیں ہماری بھابھی لائیں بھی تو کیا چھ سو کا جوڑا وہ بھی نہ لاتیں۔" حنا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"چلو کوئی بات نہیں خیر سے، بہو خوشخبری دینے والی ہے، میں تم تینوں کو تمہاری پسند کے کپڑے خرید کر دوں گی۔" سلمیٰ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ تو ہمیشہ ہی دیتی ہیں امی حسرت تو مجھے اس بات کی ہے کہ مجھے بڑی نند کے طور پر عزت دی جائے ویسے امی بھابھی کے میکے سے بچے کے پیدا ہونے پر بھی تو ہمارے لیے کپڑے آئیں گے۔ تو بس بھابھی کو کہہ دیجیے گا کہ جوڑے معیاری اور قیمتی ہونے چاہئیں۔" حنا نے ماں کو سمجھاتے ہوئے کہا اور کچن میں حنا کے لیے چکن کڑاہی تیار کرتی ہوئی ایمان جو ان کی گفتگو کو حرف بہ حرف سن رہی تھی بے بسی سے آنسو پی کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼
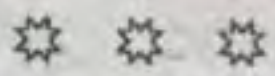
"ماشاء اللہ کتنا خوب صورت بیٹا ہے نا ہمارا دل چاہتا ہے اسے سیدھا گھر لے جاؤں۔" سمیر نے ننھے عذیر کو بانہوں میں بھرتے ہوئے ایمان کو مخاطب کیا۔

"ارے بھئی جہاں اتنے مہینے صبر کیا پندرہ دن اور

سہی اور ویسے بھی عذیر رات رات بھر سونے نہیں دیتا دیکھوں گی آپ جیسے نیند کے شیدائی کیسے یہ ڈسٹربنس برداشت کرتے ہیں۔" ایمان نے فیڈر بناتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"یہ میرا پہلا بیٹا ہے میرے جگر کا ٹکڑا اس کے لیے ایک رات تو کیا میں ساری زندگی سوئے بغیر گزار سکتا ہوں اور تمہیں تو پتا ہے' میں اپنی ذمہ داری نبھانا بخوبی جانتا ہوں۔" سمیر نے سنجیدگی سے کہا۔

"بس پندرہ دن اور صبر کرلیں پھر تو میں اور عذیر گھر آہی جائیں گے۔" ایمان کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ تھی۔

✡ ✡ ✡

"امی میں پچھلے تین مہینے سے آپ سے کہہ رہی ہوں کہ آپ مجھے بھلے سے کچھ نہ دیں' لیکن میرے سسرال والوں کے جوڑے بہت اچھے ہونے چاہئیں اس دفعہ میں آپ کے ساتھ جاؤں گی جوڑے خریدنے کے لیے۔" ایمان کا لہجہ ہلکی سی ضد لیے ہوئے تھا۔

"کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے ایمان۔" رقیہ بیگم نے افسردگی سے دریافت کیا۔

"یقین تو ہے امی' لیکن میری شادی پر آپ نے میرے سسرال والوں کو جو چھ چھ سو والے جوڑے دیئے تھے' میں نے اس کا خمیازہ پورا سال بھگتا ہے۔" ایمان نے گہری سانس بھری۔

"تم خوش تو ہو نا بیٹا تمہارے سسرال والوں اور سمیر کا رویہ کیسا ہے۔ تمہارے ساتھ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا کیا مسئلہ ہے ایمان۔" رقیہ بیگم نے دہل کر پوچھا۔

"ارے امی آپ تو فوراً" ہی فکر مند ہو جاتی ہیں سب ہی بہت اچھے ہیں بس کپڑوں کے معاملے میں ہی میری ساس اور نندوں نے اعتراض کیا تھا اور میں یہ اعتراض ختم کرنا چاہتی ہوں حالانکہ وہ میرے سامنے تو کچھ نہیں کہتے' لیکن جب بھی کسی شادی پر دیے جانے والے سسرالی جوڑوں کی بات ہوتی ہے تو میں اپنی ہی نظروں میں چور بن جاتی ہوں بس اسی لیے۔" ایمان نے رقیہ بیگم کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

✡ ✡ ✡

"چلو بیٹا جلدی سے تیار ہو جاؤ تمہارے ابو رکشا لینے گئے ہیں تمہارے سسرال والوں کے لیے جوڑے بھی تو لے کر آنے ہیں۔" رقیہ بیگم نے اپنے پرس میں ڈھیر سارے نوٹ رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن امی آپ کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے کل تک تو آپ پیسے نہ ہونے کی وجہ سے اتنی پریشان تھیں۔" ایمان نے تجسس سے پوچھا۔

"میں نے اپنی سونے کی ایک چوڑی بیچ دی ہے اچھے وقتوں کی بنی ہوئی تھی ایک تولے سے اوپر تھی بہت اچھے دام مل گئے اب سارے کام ہو جائیں گے۔" رقیہ بیگم نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

"لیکن امی وہ چوڑیاں تو ابو نے آپ کو بنا کر دی تھیں اور آپ کو کتنی عزیز تھیں۔ میری وجہ سے آپ نے اپنی چوڑی بیچ دی' میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" روتی ہوئی ایمان رقیہ بیگم کے گلے جا لگی۔

"روؤ نہیں بیٹا عورت کا زیور تو اس کی اولاد ہوتی ہے اور اگر یہ مادی چیزیں بیچ کر میں اپنی اولاد کی خوشیاں خرید لوں تو یہ سودا مہنگا تو نہیں۔ اب تو تم بھی یہ سمجھ سکتی ہو کہ اولاد کی خوشی میں ہی ماں کی خوشی ہوتی ہے' تم خود جو ماں بن گئی ہو شاباش بیٹا اب اپنے آنسو صاف کرو مجھے لگتا ہے کہ رکشا آگیا ہے۔" رقیہ بیگم نے ایمان کی کمر تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"کاش میرے سسرال والے میرے میکے والوں کی مجبوریاں سمجھ سکتے۔" کپڑوں کی ایک بہت بڑی دکان میں پہلا قدم رکھتے ہوئے ایمان کو پہلی بار اپنے سسرال والوں پر غصہ آیا تھا۔

✡ ✡ ✡

"واؤ بھابھی کیا جوڑا ہے کتنا نفیس اور شاندار کپڑا ہے اور ذرا امبر ائڈری تو دیکھیں۔" حرا خوشی کے

مارے بار بار اپنا سوٹ ایمان کو ہی دکھاتی جا رہی تھی۔
"ایسا جوڑا تو بازار میں تین ساڑھے تین ہزار کا ملتا ہے' میری دیورانیاں اور جیٹھانیاں تو جل کر کوئلہ ہو جائیں گی۔" حنا کی آواز خوشی کے مارے کپکپا رہی تھی۔ "اور تو اور امی جان کا جوڑا تو دیکھو کیسا سوبر رنگ ہے اور امبر ائڈری کے تو کیا ہی کہنے کیوں امی جان۔" حنا نے سوالیہ انداز میں کہا۔
"بہت اچھا جوڑا ہے اور سچ ہے بھئی گفٹ کے معیار سے دینے والے کے دل میں اپنی اہمیت کا اندازا ہوتا ہے۔ اپنی امی کو میری طرف سے شکریہ کہنا۔" سلمیٰ بیگم نے مسکراتے ہوئے ایمان کو مخاطب کیا۔

☼ ☼ ☼

گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو نمو کی صورت میں اپنی رحمت سے نوازا تھا۔ شادی کے پانچ سالوں میں ایمان کی پوزیشن اپنے سسرال میں کافی مستحکم ہو چکی تھی۔ حرا کی شادی ایک سال پہلے بہت اچھے خاندان میں ہوئی تھی اور شادی کے انتظامات میں ایمان نے بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ لین دین کے جوڑوں کی وجہ سے اٹھائی جانے والی اذیت کے علاوہ کوئی تلخ بات اس کی یادوں کا حصہ نہیں تھی کہ کمپرومائز کرنا اسے بہت اچھے طریقے سے آتا تھا اور وہ جوڑے جن کی وجہ سے وہ طنز کے نشتر سہتی رہی کب کے برتے جا چکے تھے اور اب کام والی ماسیوں کے زیر تسلط تھے۔ البتہ سمیر واقعی سیدھا سادا' ذمہ دار اور محبت کرنے والا شوہر ثابت ہوا تھا۔ ایمان کے لیے راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا ہاں لیکن رقیہ بیگم کی چوڑیاں تین سے چار نہ ہو سکیں۔

☼ ☼ ☼

"عذیر بیٹا کھانا کھا لو نا پھر میں نے تمہارے پاپا کے کپڑے بھی پریس کرنے ہیں۔" ایمان کھانے کی پلیٹ پکڑے پچھلے آدھے گھنٹے سے عذیر کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھی۔
"نہیں ماما مجھے کھانا نہیں کھانا مجھے پھوپھو کے بے بی کے ساتھ کھیلنا ہے۔" عذیر نے ضدی لہجے میں کہا۔
"او کے بیٹا تم یہ کھانا ختم کر لو پھر ہم دونوں نیچے دادو کے کمرے میں جا کر حرا پھوپھو کے بے بی سے ڈھیر سارا کھیلیں گے۔" حرا نے چاولوں سے بھرا ہوا چمچہ اس کے منہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا جسے عذیر نے ہنسی خوشی منہ میں ڈال لیا ایمان نے جیسے سکھ کا سانس لیا۔

☼ ☼ ☼

"لو بھئی حرا اب تو تمہارا بھتیجا سعد سے کھیلنے کا وعدہ لے کر ہی کھانا کھاتا ہے' سعد سو تو نہیں گیا عذیر کھیلنا چاہ رہا تھا اس سے۔" ایمان نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ حرا اور سلمیٰ بیگم جو باتوں میں مصروف تھیں اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔
"کوئی بات نہیں بھابھی یہ تو سویا ہی رہتا ہے عذیر تم آؤ بیڈ پر بیٹھو میں سعد کو تمہاری گود میں لٹا دیتی ہوں۔ تمہارا جتنا دل کرے تم اس کے ساتھ کھیلنا۔" حرا نے عذیر کو اٹھا کر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے کہا جو فوراً" ہی آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔
"حرا پھوپھو یہ میرے کپڑے تو گندے نہیں کرے گا۔" عذیر نے معصومیت سے پوچھا۔
"نہیں بیٹا تم آرام سے اسے گود میں اٹھا سکتے ہو۔" حرا نے سعد کو عذیر کی گود میں منتقل کرتے ہوئے کہا جو اپنی بے آرامی پر ذرا سا کسمسا کر سو گیا۔
"کیا بات ہے امی جان آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔ خیریت تو ہے نا۔" ایمان نے سلمیٰ بیگم کی پریشانی بھانپتے ہوئے کہا۔
"بھابھی میں کب سے امی سے کہہ رہی ہوں کہ میرے سسرال والوں کو دینے والے جوڑوں کا انتظام کر دیں۔ بیس پچیس دن ہی تو رہ گئے ہیں میرے جانے میں۔" حرا نے سعد کے کپڑوں کو تہ کرتے ہوئے کہا۔
"تو اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے جوڑے تو لانے ہی ہیں ایک دو دن میں آ جائیں گے۔" ایمان نے رسانیت سے کہا۔

"وہ اصل پریشانی کی بات تو یہ ہے کہ حرا جو جوڑے لے کر جانا چاہ رہی ہے وہ بہت قیمتی ہیں۔ ایک جوڑے کی قیمت ہی چھ سات ہزار سے اوپر ہے۔ کم سے کم دس جوڑے چاہیے ہوں گے تو تم خود ہی سوچو حساب کہاں کا کہاں پہنچ جائے گا۔ دس بیس ہزار کا انتظام تو آرام سے ہو سکتا ہے مگر اسی نوے ہزار کا انتظام کیسے ہو گا۔" فکرمندی سلمیٰ بیگم کے لہجے سے عیاں تھی۔
"حرا ایسی ضد کیوں کر رہی ہو تم جانتی ہو نا کہ ہم اتنے قیمتی گفٹ دینا افورڈ نہیں کر سکتے تمہاری شادی پر بھی تو امی جان نے اتنے اچھے جوڑے دیے تھے تمہارے سسرال والوں کو دو دو ہزار میں بہترین جوڑے مل گئے تھے اب بھی ویسے ہی خرید لیں گے تم امی جان کو پریشان نہ کرو تم تو بیٹی ہو اور بیٹیاں بڑی سمجھ دار ہوتی ہیں۔" ایمان نے حرا کو نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔
"بھابھی مجھے امی کو پریشان کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میری شادی پر دیے گئے جوڑے میرے سسرال میں کسی کو پسند نہیں آئے تھے ان کے اسٹینڈرڈز او نچے ہیں بھابھی یہ ایک سال میں نے کیسے گزارا ہے مجھے ہی پتا ہے میری نندیں تو میرے سامنے میرے میکے والوں کے دیے گئے جوڑوں کو گھٹیا کہنے سے بھی نہیں چوکیں میرے دل میں درد کی ہزاروں سوئیاں چبھتی رہیں اور میں خاموش رہی میری ساس نے خاص طور پر ہدایت کی ہے کہ اگر میں ان کے معیار کے مطابق جوڑے لا سکتی ہوں تو ٹھیک ہے ورنہ جوڑے لانے کی ضرورت نہیں میری نندیں تو گھر میں بھی چار پانچ ہزار روپے سے کم لاگت کا سوٹ نہیں پہنتیں یہی مبالغہ آرائی میں نے پورا سال اٹھتے بیٹھتے سنی ہے۔" حرا کے ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے تھے آنسو ایک تواتر سے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔
"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا خود ہی ساری پریشانیاں سہتی رہیں بہت ہی بدذات اور کمینے نکلے تیرے سسرال والے کوئی بات نہیں بیٹا خدا کی لاٹھی بے آواز ہے تم فکر نہ کرو میں ضرور کچھ نہ کچھ کروں گی۔" سلمیٰ بیگم نے حرا کو اپنے بازوؤں میں بھرتے ہوئے کہا۔
یہ سب مائیں ایک جیسی کیوں ہوتی ہیں چار سال پہلے کی یاد ایمان کے دماغ میں تازہ ہوئی اب اور تب میں صرف اتنا فرق تھا کہ تب ایمان کو رقیہ بیگم دلاسا دے رہی تھیں اور آج سلمیٰ بیگم زخم خوردہ حرا کے زخموں پر پھاہے رکھ رہی تھیں ایمان کی آنکھوں کے کنارے تیزی سے گیلے ہونے لگے۔

☼ ☼ ☼

"حرا' ایمان جلدی کرو بیٹا بازار جانا ہے دیر ہو رہی ہے۔"
"جی امی حرا آ رہی ہے بس وہ سعد کی چیزیں بیگ میں رکھ رہی تھی' لیکن امی آپ کے پاس اتنے سارے پیسے کہاں سے آئے' سمیر نے تو صرف بیس ہزار روپے ہی دیے تھے۔" ایمان نے حیرانی سے پوچھا۔
"وہ میں نے اپنی سونے کی دو چوڑیاں بیچ دی ہیں اولاد سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہوتا چوڑیوں کا کیا ہے پھر بن جائیں گی۔" سلمیٰ بیگم نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔
"کاش امی جان آپ بھی کمپرومائز کے گر سے واقف ہوتیں تو میری زندگی کے وہ قیمتی دن بلاوجہ ہی برباد نہ ہوتے۔ اپنی بہوؤں کو میکے سے قیمتی جوڑے لانے کے لیے مجبور کرنے والے سسرالی یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ وہ دکھ اور اذیت جو وہ بے زبان بہو اور اس کے میکے والوں کو دیتے ہیں کل کو وہ دکھ اور اذیت انہیں خود بھی برداشت کرنا پڑے گا بہوؤں سے کمپرومائز کی توقع رکھنے والے اگر اپنا ظرف تھوڑا سا بڑا کر کے کمپرومائز کر لیں تو کتنی ہی زندگیاں کانٹوں پر نہ گھسیٹی جائیں۔" آنکھوں میں آنسو بھرے ایمان اپنی ساس کی کلائی میں پڑی دو چوڑیوں کو دیکھ رہی تھی جنہیں اب کبھی چار نہیں ہونا تھا۔

☼ ☼

سعدیہ عزیز آفریدی

خدائے عصر

ناولٹ

وہ ایئرپورٹ پہ کھڑے تھے' سفید براق کلف لگا کرتا شلوار ان کی آنکھوں میں جہاں بھر کا غرور اور شان واضح تھی اور کیوں نہ ہوتی وہ سندھ کے انتہائی متمول خانوادے سے تعلق رکھتے تھے' نسلوں سے ان کا خاندان زمینوں کا بے تاج بادشاہ تھا پارلیمنٹ میں اہم عہدوں پر تھے اور روحانی طور پر بھی بہت تسلیم کیے جاتے تھے اور آج ان کی خوشی دیدنی تھی ان کا اکلوتا بیٹا حسن نواز اپنی اعلا تعلیم مکمل کرکے گھر لوٹ رہا تھا۔

مسافر آہستہ آہستہ باہر آنے لگے تھے' ان کی نظریں کھوج رہی تھیں یہاں تک ایک نوجوان ان کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ دراز قد' خوش جمال بالکل ان کی جوانی کی کاربن کاپی۔

وہ ان کے گلے سے لگنا چاہتا تھا لیکن وہ اتنے وضع دار تھے انہوں نے اسے گلے سے جھولنے نہیں دیا تھا' کندھوں سے تھام کر بس غرور سے دیکھا تھا۔

"پورا کا پورا انگریز بن کر آیا ہے' انگلینڈ راس آگیا تمہیں۔"

سامنے کھڑے نوجوان نے مسکرانے پر اکتفا کیا وہ بہت زیادہ بدمزا ہوا تھا باپ کی محبت میں اس آنا کافی ہے.....

"کیا بابا سائیں اب بھی نہیں بدلے' لوگ کہتے ہیں جو شے نظروں سے دور ہو اس کے لوٹنے پر دل خود بخود ہمکتا ہے۔"

اماں تو یہی کہتی تھیں مگر بابا سائیں نے تو شروع سے اماں سائیں کی بات نہ ماننے کی قسم کھا رکھی تھی۔ وہ گاڑی کے سامنے کھڑا تھا' ملازم سے اس کا ایک بیگ اٹھانے میں دقت ہو رہی تھی اس بیگ کا وزن زیادہ تھا' بس وہ ازلی رحم کی وجہ سے اس کی مدد کو آگیا اس نے بیگ کو ہاتھ ہی لگایا تھا کہ بابا سائیں کا الٹا ہاتھ اس ملازم کے منہ پر پڑا تھا غصے میں لگا ہاتھ' ملازم لڑکھڑا گیا تھا۔

"روٹی پانی نہیں کھاتا ہے کیا۔" ان کی نگاہیں شعلہ بار اور لہجہ غصیلا تھا۔

"بابا سائیں واقعی میں نہیں بدلے ہیں۔"

"حاضر سائیں' معافی سائیں۔" ملازم کسی پالتو کتے کی طرح پھر سے آگے بڑھ کر سامان اٹھا رہا تھا۔

وہ گاڑی میں بیٹھا تو بابا سائیں غصیلے لہجے میں بولے۔

"باہر پڑھنے بھیجا تھا رائل لوگوں میں اٹھو بیٹھو گے تو تمہارا اوے آف بدلے گا' لیکن تم تو وہی پہلے جیسے دیسی بوائے بن کر لوٹے ہو' حسن نواز اگر تمہیں اپنی عزت کا خیال نہیں تو میری عزت کا ہی کچھ خیال کر لیا کرو' ہمارا ملازمین سے میل جول ہماری نسلی نجابت پر گالی ہے' کمی کمین ہوتے ہیں حکم بجالانے کے لیے اور ہم لوگ ان پر حکمرانی کرنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔"

وہ کچھ دیر کے لیے ساکت ہو گیا "غریب لوگوں کو مر جانا چاہیے میں ڈارون کی تھیوری کو مانتی ہوں' دنیا میں صرف انہیں جینے کا حق ہے جو طاقت ور ہیں جو اپنے سرکل کو توڑ کر آگے بڑھے اور سب سے اونچے مقام پر جا کر بیٹھ جائے' مجبور اور لاچار لوگوں کا ہماری زندگی میں کوئی عمل دخل نہیں' یہ اپنے لیے کچھ کر سکتے ہیں نہ دوسروں کے لیے' جسٹ پیراسائیٹز۔"

مارگریٹ انتھونی اگر بابا سائیں سے مل لے تو فوراً ان کی مرید ہو جائے اور خود بابا سائیں اسے تمغے پہنانے لگیں۔

وہ آپ ہی آپ ہنسا اس نے بابا سائیں کی ساری ڈانٹ اماں سائیں کی نرم گرم گود کے آسرے پر مٹی کی طرح خود سے جھاڑ دی تھی۔

طویل سفر نہیں تھا وہ کراچی کی رہائش گاہ پر آیا تھا۔ دوسرے دن گاؤں جانے کا پروگرام تھا' سامان گاڑی کے ساتھ گاؤں کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں آیا اور کپڑے لے کر واش روم میں گھس گیا پھر نیم گرم پانی سے شاور لے کر جب وہ

باہر نکلا تو پہلے سے خود کو بہتر محسوس کر رہا تھا۔ اس نے بال خشک کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا جوس ہونٹوں سے لگایا۔

"اماں سائیں پتا نہیں جاگ رہی ہوں گی یا سو رہی ہوں گی۔"

اس نے ان کی مصروفیات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی، پھر بے چین ہو کر موبائل اٹھالیا وہ نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ جب بہت اچانک بابا سائیں اس کے کمرے میں چلے آئے وہ ادب سے اٹھ کھڑا ہوا تھا، مگر اس کی آنکھیں اپنے سیل فون کو حسرت سے دیکھ رہی تھیں۔ "تم کب تک کھانا کھاؤ گے۔"

"کوئی خاص حکم بابا سائیں۔" وہ ان کے جملے کی نوعیت سے حکم بجالانے کے لیے تیار تھا۔

بابا سائیں شان سے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

"ہاں ایک جگہ زمین دیکھی ہے، میں چاہ رہا تھا تم بھی دیکھ لو تو میں ڈیل فائنلائز کرلوں۔۔۔"

"نئی زمین، مگر ہمارے پاس زمینیں کم تو نہیں بابا سائیں۔" بابا سائیں کا رنگ پھر سے سرخ ہو گیا تھا۔

"زمینیں ہماری شان ہوتی ہیں یہ انسان کے پاس جتنی زیادہ ہوں کم ہیں تم پتا نہیں کس پر گئے ہو میری کوئی عادت کوئی خصلت تم میں نہیں آئی ہے۔ کبھی کبھی مجھے شرم آتی ہے تمہیں اپنا بیٹا کہتے ہوئے۔ تم سے اچھا تو شاہ نواز سومرو ہے جو ہے تو میری بہن کا بیٹا مگر اس کے اندر مستقبل کے سائیں ایک مکمل حاکم کی ساری کوالٹیز موجود ہیں۔"

اس نے چونک کر بابا سائیں کو دیکھا، شاہ نواز سومرو اس کی نظر میں خاندان بھر کا ظالم بے رحم انسان ان کے لیے رول ماڈل تھا، اور وہ ان کے لیے قابل نفرین اور اس کا ہر عمل قابل گرفت تھا، اس کے بابا سائیں اس سے اتنا الگ کیسے ہو سکتے تھے، کبھی کبھی وہ خود بھی پریشان ہو جاتا تھا، لیکن اس کی پیدائش گاؤں کی حویلی میں ہوئی تھی اس لیے دل کو تسلی تھی وہ کسی اولا بدلی کا شکار نہیں ہوا تھا بس خلاف معمول اور خلاف توقع باپ سے الگ تھا۔

"چلیے بابا سائیں، ہم زمین دیکھ لیتے ہیں کھانا آکر کھالیں گے۔" اس نے سیل فون جیب میں ڈالا کسی اچھے موقع کی آس میں۔

وہ کسی بت کی طرح بابا سائیں کے ساتھ بیٹھا تو کبھی کبھی ان کے اس رویے سے وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ان کے درمیان کوئی اچھا یا کوئی برا ریلیشن ہے بھی یا نہیں یا وہ ولدیت کے خانے میں صرف ایک نام ہیں۔

اس نے آنکھوں کو ترچھا کر کے بابا سائیں کو دیکھا، خوبرو، پر تمکنت اپنے وجود کا غرور وہ ایسے ہی تھے کہ اس کی اماں سائیں ڈاکٹر فرحانہ کو ان سے محبت ہوئی لیکن پھر یہ محبت کہاں گئی اسے پتا نہ چل سکا، ڈاکٹر فرحانہ بابا سائیں کے دور پرے کے شہری رشتہ داروں میں سے تھیں اس لیے شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی تھی یہ بابا سائیں کی دوسری شادی تھی پہلی بیوی سے ان کی چار بیٹیاں تھیں۔

"سمیرا باجی۔۔۔" یکدم اسے سمیرا باجی یاد آئیں اس نے موبائل نکالا اور اسی وقت ڈرائیور نے گاڑی روک دی وہ برا سامنہ بنا کر باہر نکلا۔

زمین بہت شاندار جگہ تھی تیز ہواؤں نے اس کا استقبال کیا تھا جگہ جتنی کھلی ہو ہوا اتنی تیز اور مقام جتنا اونچا اور بلند ہو یہ تیز ہوائیں اتنی ہی شوریدہ ہو کر آپ کے بدن کو تھپیڑوں کی طرح لگتی ہیں، کبھی آپ کا بدن کانپتا ہے، کبھی قدم لڑکھڑاتے ہیں، کبھی آپ کو لگتا ہے آپ اس اونچائی سے گر ہی جائیں گے لیکن ایسے ہر موقع پر اپنے اللہ کو یاد کرو اور کہو حضرت آپ نے ہی اس مقام پر کھڑا کیا ہے آپ ہی استقامت دیں میں راستہ نہیں جانتا مجھے راستہ دکھائیں کھرے کھوٹے کا الگ کرنا آپ سکھائیں۔

"سمیرا باجی۔۔۔" اس کے لب پھر کانپے۔

بابا سائیں اس شاپنگ مال کے بارے میں اسے بریف کر رہے تھے جو اس جگہ تعمیر ہونا تھا نقشہ نویس اور انجینئر بھی اس کو اپنے تئیں اس شاپنگ مال کی بابت اپنے حسابوں آن بورڈ لے رہے تھے مگر اس کا دماغ ادھر تھا ہی نہیں گاؤں کی گلی اور اپنی حویلی کے

راستے پر سفر کر رہا تھا، وہ سامنے دیکھ رہا تھا جب کسی کی دہائی نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی۔

"او بڑے صاحب، مت ظلم کرو یتیم بچوں اور بیوہ بڑھی عورت پر، میرے پاس صرف یہ ہی زمین ہے، جس سے میں اپنے بیٹے کی اولاد کو پال رہی ہوں مت کر ظلم۔" وہ پوری طرح چونک اٹھا تھا۔

"یہ سب کیا ہے بابا سائیں؟"

"پاگل عورت ہے تمہیں لگتا ہے۔ اتنی بڑی اور اتنی اچھی لوکیشن پر اس کی زمین ہو سکتی ہے؟ جب سے اس زمین کے کاغذات سائن کیے ہیں تب سے عاجز کر دیا ہے آفس پر لوکیشن پر ہر جگہ دماغ کھانے آجاتی ہے۔" "ایسے نہ کہیں بابا سائیں بہت مجبور اور بے چاری عورت لگ رہی ہے۔"

"حسن نواز غریب لوگوں کی ہمدردی کا بخار کبھی اترے گا بھی یا ہمیشہ اسی پیڑ میں جلتے رہو گے۔"

"غریب لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا کیا گناہ ہے بابا سائیں؟"

"غریب لوگوں کو صرف خیرات دی جا سکتی ہے وہ میں دیتا ہوں مگر تم سمجھتے ہو میں غریبوں کو گلے کا ہار بنا کر بیٹھ جاؤں گا تو یہ تمہاری بھول ہے، یہ غریب کبھی کسی کے نہیں ہوتے جہاں موقع لگا وہیں وار کرتے ہیں۔"

"مگر بابا سائیں کیا پتا یہ واقعی اس کی زمین ہی ہو۔"

"نہیں ہے اس کی زمین، کمی کمین عورت ہے برتن مانجھ کر اپنا پیٹ پالتی ہے یہاں خیمہ ڈال کر بیٹھی تھی، یہاں اتنے پوش علاقے میں، میرے بزنس منیجر کو یہ زمین اتنی پسند آئی کہ وہ رہ نہ سکا، زمین کا مالک میرے سامنے کھڑا تھا اور یہ توتے کی طرح ایک ہی رٹ لگا رہی تھی یہ زمین اس کی ہے، میں نے کہا تھا لا کاغذات لا میں مان جاؤں گا یہ زمین تیری ہے، شودی کے پاس کچھ نہیں نکلا، بغلیں جھانکتی رہی میں نے رقم دی چیز لی پھر میں یہ دردسر کیوں بھگتوں۔"

اس نے سنا مگر پتا نہیں اس کا دل کیوں کہہ رہا تھا وہ عورت جھوٹ نہیں بول رہی، عورتوں کے آنسو اس کے دل پر گرم گرم سیسے کی طرح گرتے تھے۔

"یہ عورتوں کی آنکھیں ہر وقت اتنی نم کیوں رہتی ہیں، انہیں رونے کا اتنا شوق کیوں ہوتا ہے۔" اسے یکدم اماں سائیں اور اپنی کزن نوری یاد آگئی تھی، نوری اس کی اماں سائیں کے بھائی کی بیٹی تھی اور شاید اسے پسند بھی کرتی تھی مگر بابا سائیں کو نوری سے خدا واسطے کا بیر تھا، کیوں کہ وہ بھی اماں سائیں کی طرح ڈاکٹرنی بن رہی تھی۔

"عورتیں ان پڑھ جاہل ہوں تو زیادہ بہتر رہتا ہے مرد کے فیصلوں میں چوں چرا کرتی ہیں نہ اختلاف بلکہ گائے بھینس کی طرح سر جھکائے ہر حکم پر سر جھکا لیتی ہیں۔"

اماں سائیں کے خاندان میں بہت زیادہ امیری نہیں تھی لیکن علم کی دولت کی فراوانی تھی اور یہی دولت ترکے میں دی جاتی کہ شاید بابا سائیں نے اسے انگلینڈ بھی اسی ضد میں بھیجا کہ پاکستانی ڈگری کے مقابلے باہر کی مہر لگی ہو گی تو ان کی عزت اور بڑھ جائے گی۔ وہ چلنے لگے تھے جب اس عورت نے حسن نواز کی بانہہ پکڑ لی تھی۔

"تو ظالم نہیں لگتا تیری پیشانی بڑی روشن اور تیری آنکھیں بڑی گہری ہیں پھر بھی تو ان ذلیل لوگوں کے ساتھ پھر رہا ہے تجھے اپنی آخرت کی فکر نہیں۔"

وہ پلٹ کر کہنا چاہتا تھا ماں جی میں آپ کی بات تفصیل سے سنوں گا مگر بابا سائیں کا وہی الٹا ہاتھ عورت کے منہ پر پڑا تھا۔

"اب ہمیں اپنی آخرت کی خبریں تجھ جیسی رذیل عورت سے ملیں گی، اپنی نصیحتیں اپنے پاس رکھ، نواز بخش ان لوگوں میں سے نہیں جو کووں کے کوسنے پر اپنے ڈھور کے مرنے کا انتظار کرے چل دفع ہو جا آئندہ صورت نہ دکھانا مجھے۔"

بوڑھی عورت زمین پر پڑی تھی حسن نواز کا دل کوئی تیزی سے مسل رہا تھا مگر وہ آگے بڑھ کر اس بوڑھی عورت کو سہارا دے کر نہ اٹھا پا رہا تھا نہ ہی اس کے ہونٹ سے بہنے والے خون کو روک سکتا تھا۔

"یاد رکھنا صاحب جیسے میرے منہ پر طمانچہ مارا ہے نا اللہ تیرے منہ پر طمانچہ مارے گا میری پیشانی مٹی میں لت پت ہے مگر یاد رکھنا تجھے تو وہاں موت ملے گی جہاں

مٹی بھی تیرا بدن نہ چھوئے گی۔" بابا سائیں پلٹے تھے ایک ٹھوکر لگائی تھی۔

"مت دے بد دعائیں میں تیری بد دعاؤں سے نہیں ڈرتا اگر تیری بد دعا میں اتنا اثر ہوتا تو تو اس حالت میں نہ پڑی ہوتی ذلیل عورت پتا نہیں کون کون سی فلمیں دیکھ کر ان کا سوانگ رچا رہی ہے' چار پیسے کے لیے۔" وہ گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔

اس کے بابا سائیں نے گاؤں کا اوطاق سمجھ کر جو حشر کیا تھا اس بوڑھی عورت کا اگر یہی کسی مصروف سڑک پر ہوتا تو منٹوں سیکنڈوں میں نواز بخش کے کرتوتوں کی بریکنگ نیوز چل جاتی تھی شکر تھا کہ یہ زمین قدرے دور افتادہ مگر پوش ایریا سے تعلق رکھتی تھی اس کا دل کانپ رہا تھا تبھی رات کو نواز بخش کے سو جانے پر وہ چپکے سے اٹھا تھا اور گاڑی لے کر اسی مقام پر جا پہنچا۔

بوڑھی عورت دونوں بچوں کو لے کر سڑک کنارے بیٹھی تھی جھگی ڈالے' ٹھٹھرتی ہوئی مگر کسی مرغی کی طرح بچوں کو گرمائش دینے کی کوشش میں انہیں خود سے چمٹائے ہوئے تھی' نیند کی جگہ اس بوڑھی عورت کی آنکھوں میں حسرت تھی' دکھ تھا' پتا نہیں یہ دکھ ذلت کا تھا یا لٹ جانے کا۔

"بی بی سائیں۔" وہ اپنے سندھ کے مخصوص پیار بھرے لہجے میں بولا تھا' بوڑھی عورت نے خوف زدہ ہو کر اسے دیکھا۔ حسن نواز کا دل پگھل کر آنکھوں میں آ گیا تھا۔

"معاف کر دو بی بی سائیں' بابا سائیں دل کے برے نہیں۔" اسے لگا وہ جھوٹ نہیں بول سکتا اتنی صفائی سے تو چپ ہو کر ہاتھ جوڑ کر بیٹھ گیا۔

"معاف کر دو بی بی سائیں میرا دل ڈرتا ہے بد دعاؤں سے۔"

"پھر روکتا کیوں نہیں ہے اپنے باپ کو' کیوں ظلم کرنے دیتا ہے اسے غریبوں پر' جو ظالم کا ساتھ دے وہ بھی ظالم' سزا دونوں کو برابر کی ملے گی۔۔۔ چل جا مجھے نہیں کرنی تجھ سے کوئی بات مجھے اب بس اپنے انصاف کا انتظار ہے دنیا دار جھوٹے ہو سکتے ہیں میرا رب سوہنا سچا اس کا انصاف سچا۔۔۔"

"بی بی سائیں کیا یہ زمین تمہاری ہے واقعی میں؟"

"ادھر دیکھ میری آنکھ میں' کیا یہاں تجھے جھوٹ نظر آتا ہے' میرا بیٹا حکومت میں ملازم تھا پڑھا لکھا قابل شیر جوان' اسے یہ پلاٹ اپنی نوکری کی وجہ سے ملا تھا' مگر وہ چاہتا تھا اس زمین کی قیمت اور بڑھ جائے تو وہ اسے بیچ کر اپنا کوئی گھر لے اور باقی رقم اپنے ان بچوں کے نام بینک میں رکھوا دے' ہم حکومتی گھر میں آرام سے رہ رہے تھے مگر میرے بیٹے کی مدت ملازمت چند سال بعد ختم ہونے والی تھی' وہ پریشان رہنے لگا تھا تبھی اس کا ایک دوست جو اس کے پاس آیا اس نے پتا نہیں اسے کیا سہانے خواب دکھائے کہ وہ اپنا زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارنے لگا۔ راتوں کو گھر دیر سے آتا تھا تبھی بہو سے پتا چلا اس نے اسٹیٹ ایجنسی کا کام شروع کر دیا ہے' گھر میں پیسا آنے لگا وہ خود بھی مکان خریدنے بیچنے لگا' مگر میں نے ہمیشہ اسے کہا وہ لالچ میں کسی پر بھی اندھا اعتماد نہ کرے مگر اس پر جوانی کی وفاداری اور دوستی کا بھوت سوار تھا۔

ان ہی دنوں ایک بہت بڑی کوٹھی کا سودا ہوا سودے میں رقم کم پڑ گئی دی ہوئی لاکھوں کی رقم بھی کھٹائی میں پڑتی دیکھی تو اس نے عارضی ٹائم لینے کے لیے اپنے اس پلاٹ کے کاغذات اپنے دوست کے حوالے کر دیے تاکہ وہ اس زمین پر قرضہ لے سکے' بہتر شرائط پر قرضہ لے کر بعد میں چکانے کا ارادہ تھا مگر ایک حادثے میں بیٹا بھی چل بسا بہو بھی' دونوں بچے میرے پاس تھے مجھے ایک ماہ کا نوٹس ملا اور ایک ماہ کے بعد باہر کھڑا کر دیا گیا میں سامان کیا کرتی وہیں کے لوگوں میں سستے داموں بیچ کر اس جگہ آ گئی جھونپڑی ڈال کر رہنے لگی مگر پھر اچانک یہاں یہ باؤنڈری وال بننی شروع ہو گئی اور انہوں نے مجھے دھکے دے کر نکال دیا' مجھے بتایا گیا یہ پلاٹ کسی نے خرید لیا ہے مگر یہ پلاٹ میرے بیٹے کے نام تھا' اس کا کوئی مالک کہاں سے آ گیا۔"

"بی بی سائیں تم عدالت کیوں نہیں گئیں؟"

سوال جتنا احمقانہ تھا حسن نواز کے علم میں تھا مگر وہ پھر بھی اپنے دل کے اندر بکھری بے چینی کو تھوڑا سانس لینے کے لیے یہ سوالات کے جال بچھا رہا تھا۔

"میرے پاس اپنی اولاد کو کھانا کھلانے کے پیسے نہیں میں عدالت کہاں سے جاتی اگر عدالت جاتی تبھی تو کون وہاں صرف نیکی اور اجر کمانے بیٹھا ہے۔ تم نہیں جانتے آج کا مسلمان کتنا ظالم' مدد کرنے میں کتنا بخیل ہو گیا ہے کوئی دوسرا تکلیف اور مشکل میں آن گھرے تو کوئی اس کی ڈوبتی کشتی کو پار لگانے کے لیے آگے نہیں بڑھتا' بلکہ ڈوبنے کا انتظار کرتا ہے تاکہ اس کی لاش بیچ سکے گدھ مرنے کا انتظار کرتے ہیں مگر ہمارے معاشرے کے گدھ زندہ لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں ان کے خواب چباتے ہیں ان کی آنکھیں نوچ کر ان میں ویرانی بھر دیتے ہیں جیسے میرے بیٹے کے ساتھ ہوا۔"

حسن نواز نے اس بوڑھی عورت کی طرف دیکھا تھا اور لجاجت سے کہا تھا۔

"بی بی سائیں میری ایک بات مانو گی۔۔۔ دیکھو نہ مت کرنا۔" احترام سے اس کے گھٹنوں کو چھو کر منت بھرے لہجے میں بولا۔

"مجھے اپنے بابا سائیں سے بہت محبت ہے میں انہیں کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا' آپ سمجھو آپ کی مدد کر رہا ہوں مگر میری نیت آپ دونوں کے لیے نیک ہے۔"

اس نے بوڑھی عورت کو اٹھایا تھا اور تینوں کو اپنی گاڑی میں لے جا کر ایک فلیٹ میں پہنچا۔ کراچی میں رہائش کے دنوں کی یہ پہلی یادگار اور بابا سائیں کا پہلا گفٹ تھا اس کے لیے ایسے کئی گفٹ ہر جگہ موجود تھے جن کی اصل تعداد خود بابا سائیں کو بھی نہیں معلوم تھی۔

"بی بی سائیں یہ گھر آج سے تمہارا ہے' آج کے بعد تم کوئی کام مت کرنا بس اپنے شجاعت کے بچوں کی بہتر پرورش کرنا' میں وقت نکال کر ان بچوں کی اسکولنگ کا بھی انتظام کرتا ہوں۔" جیب سے والٹ نکالا جس میں ہزار ہزار کے نوٹ ٹھنسے ہوئے تھے یہ بھی بابا سائیں کا پیار تھا اس کے لیے' بیٹے کی جیب کبھی خالی نہیں ہونی چاہیے۔

"یہ رقم رکھ لیں ان سے راشن وغیرہ ڈلوا لیں تائی بی سائیں میں فرصت ملتے ہی پھر چکر لگاؤں گا اور جلد ہی اس فلیٹ کے قانونی کاغذات آپ کے نام پر تبدیل کروا دوں گا۔"

بوڑھی عورت کچھ نہیں بول پا رہی تھی حسن نواز کے سر پر ہاتھ رکھے روئے جا رہی تھی بے تحاشا پھوٹ پھوٹ کر' حسن نواز خود بھی روتا ہوا وہاں سے اٹھا تھا مگر جب تکیے پر سر رکھ کے لیٹا تو اس کے دل میں چبھن کم تھی۔

"کل ملوں گا اماں سائیں۔" وہ مسکراتا ہوا آنکھیں بند کر کے بیڈ پر لیٹا یا سائیڈ ٹیبل پر رکھی اماں سائیں کی تصویر کو بوسہ دے کر نیند کی وادیوں میں کب اترا پتا ہی نہیں چلا۔

☆ ☆ ☆
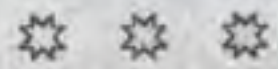
صبح حسب معمول بہت اچھی ہوئی تھی وہ فریش ہو کر ناشتے کے ٹیبل پر تھا بابا سائیں اس کو بہت غور سے دیکھ رہے تھے' اس نے اپنے سامنے اخبار پھیلا کر ان کی ایکسرے کرتی آنکھوں سے عارضی طور پر بچنے کی کوشش کی۔ وہ چائے انڈیل رہا تھا جب اچانک حملہ ہوا تھا۔

"رات کہاں گئے تھے؟" وہ مکمل کنفیوز رہا۔

"ایسے ہی دم گھٹ رہا تھا تو آؤٹنگ پر چلا گیا تھا سی ویو۔"

"کراچی کے حالات جانتے بوجھتے تم سے مجھے اتنی بے وقوفی کی توقع نہیں تھی۔" وہی ازلی غصیلا لہجہ۔

بابا سائیں کی پوری سیکرٹ سروس ہو گی اسے اتنا گمان نہیں تھا اس کا خیال تھا گاؤں اور زمینوں کے معاملات دیکھنے والے عام سے وڈیرے ہوں گے مگر اس کے بابا سائیں جدید زمانے کے جدید حاکم تھے ہر کام بہت احتیاط سے کرنا پڑے گا اور اپنے لیے ایک

متوازی سیکرٹ سروس قائم کرنے کے لیے اسے کئی سال درکار تھے۔ مگر وہ ہر حال میں اس رنگ میں رنگنے کے خیال سے آیا تھا سو پریشان یا ہراساں نہیں تھا۔

بابا سائیں نے گاڑی تیار کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ دوپہر کا کھانا گاؤں میں تھا۔ وہ ملازمین کی بھاگ دوڑ دیکھ رہا تھا۔ رات آکر اس نے کال کرنے کی کوشش کی تھی مگر 5 سال سے بل جمع نہ کروانے کی وجہ سے اس کا نمبر عارضی طور پر بلاک کر دیا گیا تھا یہی وجہ تھی کہ خواہش کے باوجود وہ اماں سائیں سے کوئی رابطہ نہیں کر سکا تھا۔

12 بجے ان کی گاڑیوں کا قافلہ گاؤں کے لیے روانہ ہوا جیسے جیسے سفر طے ہو رہا تھا۔ ویسے ویسے اس کے دل کی دھڑکن مہمیز اختیار کرتی جا رہی تھی۔ اماں سائیں کی گود میں سر رکھے 5 سال ہو گئے تھے گھر بدر کیے پورے 10 سال اس کی ساری پڑھائی کراچی میں ہوئی تھی۔ اولیول اے لیول پڑھائی کا بوجھ رشتوں کی دوری کتنی کتنی بار اماں سائیں کا فون آتا مگر وہ چاہ کر بھی بہت ڈھیر ساری باتیں نہ کر پاتا‘ کبھی ملنے جاتا تو بس صبح سے شام تک کسی قیدی کی طرح بابا سائیں کا خاص ملازم زنان خانے پر آن کھڑا ہوتا پیغام پر پیغام بھجوائے جاتا۔

”سائیں کا حکم ہے چلنے کو تیار ہو جائیں۔“ اور وہ بھرے دل تشنہ آنکھوں سے سب سے الوداع لیتا ہوا باہر نکل جاتا حویلی کی کھڑکی سے سمیرا باجی اور اماں سائیں اسے آخری وقت تک نظروں میں اتارے جاتیں اور وہ بابا سائیں کے ڈر سے انہیں سر اٹھا کر نہ دیکھتا کہ پھر وہ اماں سائیں پر الٹ پڑتے کہ بچے کو کیوں جذباتی اور ہراساں کرتی ہو۔

آج دن کچھ الگ تھا آج وہ تعلیم مکمل کر کے لوٹا تھا ایک کامیاب انسان بن کر واپس آیا تھا اور دوسری سب سے خوشی کی بات اس کے لیے یہ تھی کہ اب بھرپور جوان تھا۔

اب وہ اختلاف بھی کر سکتا تھا اور اپنی رائے بھی منوا سکتا تھا۔ ایسا سب کچھ وہ اس وقت کرنا چاہتا تھا جب وہ اپنا ہوم ورک مکمل کر لیتا۔ حالات و واقعات جان کر قدم اٹھانے سے کامیابی زیادہ قریب ہو کر رہتی ہے۔ اس کے ہونٹ مسکرائے تھے حویلی کے آثار نظر آنے لگے اندر داخل ہوتے ہی اسے معلوم تھا وہ لال سائیں بی بی سائیں اور بہنوں کے جھرمٹ میں کھینچ لیا جاتا تھا۔

”اماں سائیں۔“ اس کے لب خود بخود شیرینی سے بھر گئے گاڑیاں رکنا شروع ہو گئی تھیں‘ کمدار ملازمین کی فوج ظفر موج اسے پتا ہی نہیں وہ اندر تک خود گیا تھا یا دھکیلا گیا تھا۔ رسم و رواج استقبال مگر اماں سائیں کے سینے سے لگنے کا اسے ارمان ہی رہا ضرور اس کی لیے کوئی سرپرائز ڈش کی تیاری ہو گی۔ وہ نظر بچا کے اندر کچن میں چلا گیا مگر وہاں بھی ملازمین کی فوج ظفر موج ہی نظر آئی بڑی سی چادر کا بکل ڈالے اماں سائیں کہیں نہیں تھیں۔

”حکم سائیں‘ کچھ چاہیے آپ کو۔“ بوڑھی ملازمہ نے خاموش کھڑے دیکھ کر گھبرا کے پوچھا‘ وہ نفی میں سر ہلا کر باہر آگیا۔

”اماں سائیں کہاں ہیں بی بی سائیں!“ یہ اس کا پہلا مربوط جملہ تھا سب کی نظریں بابا سائیں پر جا کر تھم گئیں۔

”مر گئی ہے وہ.....“ اتنا اکھڑ بے تاثر لہجہ حسن نواز کھڑے سے بیٹھ گیا سمیرا باجی‘ آسیہ باجی ثانیہ باجی کی آنکھوں میں جان کھنچ آئی تھی تبھی اس نے دیکھا بہنوں کی لسٹ میں رافعہ بھی نہیں تھی۔

”رافعہ کہاں ہے؟“ کپکپاتا لہجہ۔

”مر گئی ہے وہ بھی.....“ حسن نواز اٹھا اور کچھ کہے بغیر حویلی سے نکلتا چلا گیا اسے لگا کوئی دھماکہ ہوا ہے جس نے اس کی ذات کے پرخچے اڑا دیے۔

”اداسائیں آپ کو پتا ہے میں آپ سے کتنی محبت کرتی ہوں؟“ حسن نواز نے شرارت سے رافعہ کو دیکھا۔

”کتنی؟“

”اتنی ساری۔“ اس نے ہاتھوں کے اشارے سے اپنی محبت کی پیمائش بتانی چاہی۔ حسن نواز نے شرارت سے اسے دیکھا۔

”بس اتنی سی محبت۔“ اس نے اس کا دائرہ بناتے ہاتھ کو سمیٹ دیا تھا تو وہ اس کے سامنے آن بیٹھی

”اچھا پوری دنیا کی ساری بہنوں کے برابر۔“

”ہاہاہا۔“ اس کا قہقہہ جاندار تھا اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”یو آر سو انوسنٹ ہمیشہ خوش اور آباد رہو میری بہنا۔“

وہ نہر پر بیٹھا تھا بالکل گم سم۔ دعائیں اسے نہیں لگیں وہ مر گئی اس کی رافعہ مر گئی‘ اماں سائیں اسے چھوڑ گئیں اور کسی نے اسے بتایا تک نہیں..... اتنا ظلم ..... میرے ساتھ اتنا ظلم۔ وہ زمین آسمان ایک کر کے رو رہا تھا اسے دنیا کی پروا تھی نہ بابا سائیں کے کسی ردعمل کا خدشہ۔

”رافعہ مجھ سے ایک سال بڑی ہے مگر مجھ سے چار سال چھوٹی لگتی ہے۔“ مارگریٹ سے وہ اکثر کہا کرتا مارگریٹ سے اس کی ایک سیکنڈ میں دوستی ہوتی ایک سیکنڈ میں ناراضی مگر ان پانچ سال میں صرف وہ مارگریٹ سے ہی دوستی کر سکا تھا‘ ایک تو اس کا مزاج ہر کسی سے گھلنے ملنے والا نہیں تھا وہ اپنی دنیا میں مگن رہتا تھا۔ دوسرے لوگ اس کے شاہانہ طرز زندگی سے بھی بہت متاثر تھے مگر وہ کتنا غریب تھا کتنا زیادہ غریب..... اس کی رو رو کر خشک آنکھوں سے پھر سے آنسو بہنے لگے وہ نہر کے پانی کو دیکھے جا رہا تھا اس کا دماغ بالکل خالی تھا۔ جب اچانک بابا سائیں کے ملازم خاص نے اس کا کندھا ہلایا تھا۔

”حاکم سائیں آپ کو گھر بلا رہے ہیں۔“ اس نے خالی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

”کون سے گھر؟“

”حوصلہ کرو سائیں عزت بچانے کے لیے بڑے بڑے فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔“

”عزت بچانے کے لیے؟“ اسے کرنٹ لگا۔

”آپ کو جو پوچھنا ہے حاکم سائیں سے پوچھیں مجھے کچھ نہیں معلوم۔“ ملازم خاص نے دانتوں تلے زبان دبا کر خود کو اور اپنی جذباتیت کو کوسا تھا۔ وہ اٹھا ہی تھا کہ لڑکھڑا گیا ملازم خاص نے سنبھالنے کی کوشش کی مگر اس نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

”میں خود کو سنبھال سکتا ہوں۔“ وہ جیپ میں چپ کر کے جا بیٹھا۔

رات کے کھانے میں سب بیٹھے تھے مگر اس کو بھوک تھی نا پیاس میں وہ سب کا ساتھ دے رہا تھا آسیہ باجی اپنے شوہر‘ نور محمد کے ساتھ بیٹھی تھیں‘ ثانیہ باجی واپس چلی گئی تھیں اور رافعہ کی کرسی خالی پڑی تھی بابا سائیں کی داہنی طرف بی بی سائیں بیٹھی تھیں اور بائیں کرسی..... شاید اب وہ کرسی ہٹا دی گئی تھی۔

”کھانا کھاؤ حسن نواز‘ مردوں کو ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر دل ہارنا نہیں چاہیے۔“

چھوٹی چھوٹی باتیں.....“ اسے جیسے کسی بچھو نے ڈنک مارا بابا سائیں کے لیے کسی کا مر جانا چھوٹی سی بات ہے..... ہمیشہ کی جدائی پھر کبھی وہ چہرہ نہ دیکھ سکتا وہ لہجہ نہ سن سکتا کیا واقعی چھوٹی سی بات ہے۔

”آپ کی نظر میں میری ماں کا مر جانا چھوٹی سی بات ہے‘ رافعہ چلی گئی بھری جوانی میں موت اوڑھ کر لیٹ گئی اور آپ کہتے ہیں چھوٹی سی بات ہے آپ کے لیے بڑی بات کیا ہوتی ہے؟“

”اپنے لہجے کو سنبھال کر بات کرو‘ میں آج بھی تمہارا باپ ہوں آج تک اس لہجے میں مجھ سے کسی نے بات نہیں کی۔“ بی بی سائیں نے ٹھنڈے ہاتھوں سے اسے تھام لیا تھا آنکھوں کی لاچاری سے زبان بندی کا حکم دیا تھا پھر وہ رات شام غم کی رات تھی وہ بی بی سائیں کے سامنے بیٹھا تھا۔

”کیا ہوا تھا اماں سائیں کو.....“

”رافعہ کا غم لے بیٹھا اسے مجھ سے زیادہ رافعہ اس کی گودوں میں پلی بڑھی تھی اس کی بھیانک موت کا سن کر اس کا دل بند ہو گیا۔ میرے سامنے دو لاشیں رکھی تھیں مگر میرا دل نہیں رکا بس وہ مر گئی۔“

”ہوا کیا تھا بی بی سائیں؟“ اس کی آنکھیں پھر سے

بھیگنے لگیں۔

"شاہ نواز سومرو...." بی بی سائیں چپ ہو گئیں۔

"کیا بابا سائیں شاہ نواز سے اس کی شادی کرنا چاہتے تھے۔"

"ہاں۔" بی بی سائیں نے تکیے کے نیچے سے ڈائری نکال کے دی۔

"یہ وہ جھلی لکھتی رہتی تھی اس کے سامان سے، مائی خیراں نے مجھے لا کر دی۔" اس نے ڈائری تھامی کمرے میں آگیا۔ بیڈ پر بیٹھ کر اس ڈائری کو یوں چھوتا رہا جیسے یہ رافعہ تھی۔

کتنی ان کہی دعائیں پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ گریں اس نے ڈائری کھولی۔

"میرا بھیا۔" پہلا لفظ ہی جان لیوا تھا دل کے قریب کہیں درد نے آواز اٹھائی شور مچایا تھا۔

"میرا بھیا دنیا کا سب سے بہترین بھیا ہے جب وہ حویلی میں آتا ہے تب مجھے لگتا ہے مجھے کسی نے پنجرے سے آزاد کر دیا ہے میں اپنی مرضی سے بولتی ہوں اپنی مرضی سے جاگتی ہوں، تب مجھے بابا سائیں کی سرخ سرخ آنکھوں سے ڈر بھی نہیں لگتا۔ میرا بھائی نہ ہوتا تو شاید میرے اندر جو یہ پڑھنے کا شوق ہے اسے بھی قتل کر دیا جاتا۔ حسن نواز نے ہی بابا سائیں سے میرے لیے جنگ لڑی پورا خاندان ایک طرف اور میرا حسن نواز ایک طرف اور ہمیشہ کی طرح وہ جیت گیا۔ آسیہ باجی کا شور، ثانیہ باجی کا واویلا، میرے بہنوئیوں کا ہنگامہ سب دم توڑ گئے۔

وہ سب مجھے قاتل نگاہوں سے دیکھتے کیوں کہ ان کے مقابلے زندگی نے مجھے زیادہ بہتر جینے کا پلیٹ فارم دیا۔ آج کل میں انٹر کے امتحانات کی تیاری کر رہی ہوں بی بی سائیں، اماں سائیں میرا بہت خیال رکھنے لگی ہیں، انہیں لگتا ہے میں ایک نئی تاریخ رقم کرنے جا رہی ہوں میری وجہ سے اماں سائیں نے اپنی مختلف کاٹنز میں بند کتابیں پھر سے کھولنی شروع کر دی ہیں وہ بہت سے معاملات میں مجھے مدد دے رہی ہیں حالانکہ بابا سائیں سے انہیں اس معاملے میں روز ہی کچھ نہ کچھ سننا پڑتا ہے لیکن حسن نواز کی ڈھارس سے وہ ہر بات سہہ جاتی ہیں۔

5 جنوری۔

آج مجھے حسن نواز بہت یاد آ رہا ہے پتا نہیں اسے 5 جنوری کیسے بھول گئی۔ آج میں نے نیا جوڑا پہنا ہے سب کچھ نیا نیا مگر مجھے سب کچھ پرانا پرانا لگ رہا ہے میرا ایک ہی تو بھائی ہے اسے بھی میں یاد نہ رہوں تو زندہ رہنے کا فائدہ۔

اس نے ڈائری پر ہاتھ رکھا اور اپنے آنسوؤں کو بہنے دیا۔

"مجھے بخار تھا اوی میں پورے 5 دن اسپتال میں رہا بابا سائیں سے اتنا کہا سب سے ملنے باتیں کرنے کا دل کرتا ہے، مگر وہ ایک ہی بات پر اڑے رہے شیر جوان ہو یہ زنانہ جذباتی پن مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔ مجھے دیکھو میں اپنا بائی پاس اکیلا کروا کے آ گیا تھا۔ کسی کو خبر نہیں کی تھی اور ایک تم ہو بخار میں واویلا کرنے لگے ہو۔ قسم سے اوی میں تمہاری سالگرہ نہیں بھولا تھا اس دن میں بے ہوش رہا تھا۔" وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے رافعہ کہیں قریب ہی بیٹھی اسے سن رہی ہو۔

9 مارچ۔

مجھے شاہ نواز کا گھر میں عمل دخل بالکل پسند نہیں۔ بابا سائیں جب بھی شہر جاتے اپنے گھر کی حکومت پوری کی پوری شاہ نواز کو سونپ کر جاتے ہیں۔ وہ ہر چیز میں دخل اندازی کرتا ہے، یہاں کیوں کھڑی تھیں، وہاں کیوں بیٹھی تھیں، اس سے ملنے کیوں گئی تھیں پتا بھی ہے اس کے گھر میں جوان بھائی ہیں اور وہ ہماری ذات برادری سے کم تر لوگ ہیں۔ وہ مجھے عجیب نظروں سے گھورتا ہے میرا دل چاہتا ہے میں اس کی آنکھیں نوچ لوں، یا پھر میرا ادا حسن نواز گھر آ جائے تاکہ میں اس کے پیچھے چھپ کر اس کی ان گندی آنکھوں سے بچ سکوں، اماں سائیں نے اسے کتنی بار ڈانٹا ہے اس کی ذو معنی باتوں پر میرے قریب آنے پر مگر وہ بابا سائیں کی شہہ پر ہم میں سے کسی کی نہیں سنتا ہے وہ جب تک گھر میں رہتا ہے میری جان آنکھوں میں کھنچ آتی ہے اس دن وہ بول رہا تھا "جتنا مجھ سے بھاگتی ہے غلامی کرے گی دیکھ لینا شاہ نواز جو کہتا ہے وہ کر کے دکھاتا ہے۔" میں نے اماں سائیں سے اس کے اس جملے کا مطلب پوچھا تو ساری رات اماں سائیں کے کمرے سے بابا سائیں کی تیز تیز آواز دل دہلاتی رہی پتا نہیں وہ کیا کہہ رہے تھے کیا نہیں مگر صبح اماں سائیں میرے سامنے آئیں تو ان کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ مجھے پہلی بار ان کی چپ سے ڈر لگا۔

اس نے ڈائری روک کر گہرا سانس لیا یوں جیسے رافعہ کا سارا خوف وہ اس سانس میں رکھ کر ہواؤں میں تحلیل کر دینا چاہتا ہو۔

"شاہ نواز...." اس کے لب کانپے، نفرت سے اس نے اس تصویر کو دیکھا جو تھی تو اس کی اور بابا سائیں کی تصویر مگر پیچھے سے اچانک شاہ نواز نے زبردستی اس تصویر میں اپنی انٹری دی تھی۔ وہ یہ تصویر کمرے میں نہیں لگانا چاہتا تھا مگر بابا سائیں نے زبردستی اس تصویر کو گھر کی کئی دیواروں پر آویزاں کروا دیا تھا۔

"آخر ہے کیا اس تصویر میں خاص؟" اس نے ایک دن جھنجلا کے کہا تھا، تب بابا سائیں کا پدرانہ شفقت سے چہرہ بھر گیا تھا۔

"شاہ نواز اس تصویر میں بہت پیارا لگ رہا ہے کیا تمکنت کیا شاہانہ نگاہ ہے، بالکل پرفیکٹ حاکم ہے مگر افسوس وہ میرا بھانجا ہے بیٹا نہیں۔" اس کا دل جوان کے تاثرات سے کچھ اچھا سننے کا متمنی تھا خزاں رسیدہ پتے کی طرح چرمرا گیا اس نے ڈائری پھر کھول لی تھی۔

10 مارچ۔

آج شاہ نواز گھر میں ایسے ہی گھستا چلا آیا مائی خیراں نے کہا بھی تھا کہ دونوں بی بیاں شہر گئی ہیں مگر اس نے کسی کی نہیں سنی، سمیرا آپا جی نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا مگر وہ اٹھ کر اندرون خانہ چلا آیا اور پھر اس کی وہی نظریں۔ اس نے میری کتابوں کو اٹھا اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیا۔ سمیرا آپا جی نے اسے ڈانٹنے کی کوشش کی مگر میری طرح سمیرا آپا جی بھی اس سے بہت ڈرتی تھیں تبھی ان کی آواز مری مری تھی اس نے مجھ سے کہا۔

"پڑھ لکھ کر تو نے کہاں کی افسرانی لگ جانا ہے کیوں اپنی آنکھوں کا تیل نکالتی رہتی ہے جوانی میں سمیرا آپا جی کی طرح ہو جائے گی۔" اس نے سمیرا آپا جی کی آنکھوں کی کمزوری کا مذاق اڑایا تھا۔ سمیرا آپا جی رونے لگیں اور وہ ہنس پڑا۔

"اوہیں مخمل یار تم تو ہر چیز کو دل پر لے جاتی ہو سمیرا آپا جی۔" وہ سمیرا آپا جی کہہ رہا تھا مگر اس کے چھونے کا انداز بہت گندا تھا سمیرا آپا جی سمٹ کر پیچھے ہٹ گئی تھیں۔

"او مائی پور سمیرا آپا جی...." سمیرا آپا جی کے آنسو تیز تیز بہنے لگے تھے۔

سمیرا آپا جی 35 سال کی ہو گئی تھیں اور بابا سائیں کی ضد میں کہ برادری سے باہر رشتہ نہیں دیں گے کے چکر میں وہ اب تک گھر بیٹھی ہوئی تھیں حالانکہ برادری سے باہر ماموں کی فیملی میں اتنا اچھا رشتہ تھا ان کے لیے اور شاید پسند کا بھی دخل تھا مگر بابا سائیں نے بات گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر سمیرا آپا جی کا ماموں کے گھر آنا جانا بند کروا دیا تھا۔

"وہ فرحانہ کا بھائی ہے تمہارا سگا ماموں نہیں تم اس کے لیے بھی نامحرم ہو۔ اس کے کزن کے بیٹے کے سامنے آؤ میں اور میری عزت یہ گوارہ نہیں کرتی۔"

اس نے دوبارہ صفحہ الٹا۔

آج مائی خیراں نے مجھے حیران کر دیا یہ کہہ کر کے شاہ نواز کو کوئی لڑکی پسند کرتی ہے وہ ہمارے دشمنوں کی بیٹی ہے مگر شاہ نواز پر فریفتہ ہے گھر والوں کے کہنے میں نہیں، مار پیٹ کے باوجود وہ اس سے ملتی ہے۔

"کیا واقعی شاہ نواز اس سے محبت کرتا ہے؟" میں نے مائی خیراں سے پوچھا تو وہ نفرت سے ہنسنے لگیں۔

"شاہ نواز جس وقت محبت کرنے لگے نا وہ قیامت کا دن ہو گا یا پھر وہ اس سے اتنا قریب کیوں ہو رہا ہے۔"

"بدلہ بی بی سائیں دشمنوں کی لڑکی سے منہ کالا کر لیا تو مدتوں وہ اپنے زخموں کو چاٹتے رہیں گے اپنی بیٹی کو کاری کر دیں تب بھی ان کی نسلیں ناک نیچی ہونے کا بدلہ نہیں اتار سکتیں۔"

بہت ظالم ہے شاہ نواز ہر چیز سے کھیلنا اس کا شوق ہے مگر اب وہ لوگوں کے دلوں سے ان کی زندگیوں سے بھی کھیلنے لگا ہے پتا نہیں میرے اندر خطرے کے سائرن کیوں بج رہے ہیں۔

20 مارچ۔

مائی خیراں نے بتایا آج شاہ نواز نے دشمنوں کی لڑکی سے منہ کالا کیا اور بھاگ گیا ہے کل وہ پنچائیت میں پیش ہوگا' بابا سائیں اس کے ساتھ پتا نہیں کس طرح پیش آئیں گے۔

وہ صاف مکر گیا کہ وہ زینت کو جانتا ہے سارے لوگوں نے مل کر زینت کے گھر والوں سے پوچھا کہ کوئی گواہ ہے کہ ان کی بیٹی کے ساتھ منہ کالا کرنے والا شاہ نواز ہے؟ بہت سے لوگ گواہ ہیں مگر شاہ نواز سے سب ڈرتے ہیں بابا سائیں آج شام لوٹے تو ان کا چہرہ تمتما رہا تھا کیوں کہ ناکافی ثبوت کی وجہ سے پنچائیت نے شاہ نواز کو بری کر دیا۔ میں بابا سائیں کے لیے چائے لے کر گئی تو بابا سائیں شاہ نواز کو کرید رہے تھے وہ سچ کہہ رہا ہے یا واقعی اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں شاہ نواز یہاں بھی مکر گیا اور بابا سائیں نے اس کے ہاتھ پر کسی دوست کی طرح ہاتھ مار کر خوشی کا اظہار کیا۔

"کوئی بھی تھا اس نے کام بہت اچھا کیا اب ساری زندگی زخم چاٹتے رہیں گے پورے گاؤں میں عزت اچھل گئی ہے۔"

"اس لیے کہتا ہو ماموں سائیں رافعہ کو پڑھانے کا فیصلہ واپس لے لو لڑکیاں شہر کی ہوا ایک بار بھی کھا آئیں نا تو ان کی آنکھیں چار ہو جاتی ہیں پھر یہ کسی کے ہاتھ نہیں آتیں۔" بابا سائیں نے اسے اپنے گھر کے معاملات میں مداخلت نہیں سمجھا اور بولے۔

"حسن نواز' کی وجہ سے مجبور ہو گیا ہوں ورنہ لڑکیوں کا پڑھنا لکھنا مجھے نہیں سمجھ آتا آخر ان کو جھونکنا تو چولہا چکی ہی ہے۔" اس کے بعد ڈائری میں کچھ نہیں تھا۔

وہ ڈائری رکھ کر سمیرا باجی کے کمرے کی طرف گیا تھا اس وقت بہت رات ہو چکی تھی مگر اس کے دل میں جو آگ لگی ہوئی تھی وہ وقت' حالات' ماحول کچھ بھی کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس نے دستک دی' دروازہ لاک نہیں تھا اس نے ہولے سے دروازہ کھولا اور حسب توقع سمیرا باجی کو جائے نماز پر بیٹھے دیکھا دنیاداری کا ہر خواب بابا سائیں نے ان کی آنکھوں سے نوچ لیا تھا سو ان کے دل کی ڈور اللہ سے جڑ گئی تھی۔

ان کی نفل نماز کی نیت طویل تھی وہ ایسے ہی جاگ کر عبادتیں کیا کرتی تھیں سو اس نے بہت صبر سے ان کا انتظار کیا۔ وہ دعا مانگ کر اٹھیں تو ایک دم اسے سامنے دیکھ کر ان کے ہاتھ سے جائے نماز گر گئی حسن نواز نے بڑھ کر جائے نماز کو احترام سے اٹھایا اور سمیرا باجی کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"مجھے اس وقت تمہاری توقع تھی بھی اور شاید نہیں بھی تھی۔۔۔ مجھے لگا تھا اماں سائیں اور رافعہ کی موت کی خبر سن کر شاید تم ساری رات نہ سو سکو' مگر جب کمدار نے تمہارے نہر کنارے بیٹھ کے رونے کی خبر دی تو سوچا دل کا غبار تھا جو مدتوں کے رشتوں کی وجہ سے امنڈ آیا' تم اپنے کمرے میں سونے چلے گئے تو خیال ہوا بس وہ چند آنسو بہت تھے ان دونوں کی محبت کے قرض چکانے کے لیے' کمرے میں آکر میں بہت روئی تھی حسن۔"

"نہیں ادی ایسا نہیں تھا بی بی سائیں نے رافعہ کی ایک ڈائری دی تھی' وہ پڑھ رہا تھا پھر جہاں سے رافعہ چپ ہوئی ہے وہاں سے آپ کے پاس آیا ہوں۔۔۔ کیوں کہ اس دن صرف آپ گھر میں تھیں۔"

سمیرا باجی کی آنکھیں 4 سال بعد بھی اس دکھ پر برسنے لگیں۔

"میں اس دن بہت خوش تھی' کیونکہ بہت دنوں بعد بابا سائیں نے اماں سائیں کو اپنے گھر جانے کی اجازت دی تھی بی بی سائیں کو شہر سے کچھ چیزیں خریدنی تھیں اس لیے وہ بھی ان کے ساتھ چلی گئیں' رافعہ اپنی کتابیں لے کر چھت پر بیٹھی پڑھ رہی تھی' میں ملازماؤں سے کام کروا رہی تھی' رافعہ نے فرمائش

کی تھی اماں سائیں کی رسیپی سے چکن پلاؤ بنانے کی چاول بھگو دیے تھے میں پیاز کاٹ رہی تھی جب اچانک شاہ نواز گھر میں داخل ہوا اس کے ساتھ اس کے خاص ملازم تھے ایک کمبل کندھے پر پڑا ہوا تھا بابا سائیں نے آج تک غیر مردوں کو حویلی میں داخل نہیں ہونے دیا تھا مگر وہ بنا روک ٹوک اندر داخل ہوا تھا میں کچھ سمجھی بھی نہیں تھی کہ مجھے رافعہ کی چیخوں کی آواز آنے لگی کوئی' سیڑھیوں سے تیزی سے اتر رہا تھا' رافعہ بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی۔ شاہ نواز نے اسے کمرے میں دھکا دیا اور اس کے ملازمین نے کمبل کمرے میں رکھ کر لاش باہر نکال کر رافعہ کے بیڈ پر رکھ دی۔

"ادی سمیرا چپ ورنہ تو بھی ماری جائے گی۔" اس نے مجھے جنگلیوں کی طرح پکڑ لیا پھر اس نے اپنے بندوں سے کہا۔

"مار دو اسے بھی عزتوں کے لیے قتل کرنا ہماری سندھ کی شان ہے' ہم بے غیرت نہیں۔" میں مچلتی رہی' چیختی رہی مگر میری ایک نہ سنی اس جانور نے میری رافعہ کو میرے سامنے مار ڈالا۔۔۔ ملازمین چلے گئے تو وہ لاش کے پاس بیٹھ کر ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

"تجھے نہ چاہتے ہوئے بھی میرے ہی کام آنا پڑا زندہ رہ کر ہاں کر دیتی تو ابھی اس طرح نہ مرتی۔" رافعہ کا جسم تڑپ رہا تھا اور وہ اس کی اس تڑپ سے بھی مزا لے رہا تھا' حسن نواز کی آنکھیں خون رنگ ہو گئیں۔

"اور بابا سائیں۔۔۔" حسن نواز کی آواز میں دکھ کے ساتھ سختی بھی تھی اس کے جبڑے کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔

"بابا سائیں نے پوچھا رافعہ واقعی کاری تھی شاہ نواز نے پورے یقین سے کہا ہاں ماموں سائیں رافعہ کاری تھی۔" میں نے چلا چلا کر کہا۔

"شاہ نواز اس کا قاتل ہے زینت کا بھائی اس سے بدلہ لینے آیا تھا' شاہ نواز کے ہاتھ سے قتل ہو گیا تو اس نے یہ سوانگ رچایا' مگر میری کسی نے نہیں سنی مجھے کمرے کے اندر بند کر دیا گیا اماں سائیں کو یہ خبر شہر میں ملی تھی وہیں انہیں ہارٹ اٹیک ہوا میں گھر میں ان کے آنے کا انتظار کر رہی تھی مگر ایمبولینس میں ان کی لاش آئی میرے سامنے وہ دونوں تھیں اور۔۔۔ اور بابا سائیں کی آنکھ سے ایک آنسو نہیں ٹپکا۔" حسن نواز خاموشی سے اٹھ گیا تھا' اس نے کمرے میں آکر دراز کھولی تھی اور اپنا ریوالور جو وہ ہمیشہ امن پسند ہونے کی وجہ سے گھر رکھتا تھا اپنے بیک ہولسٹر میں لوڈ کر کے ہینگ کر دی تھی۔

"شاہ نواز تم میرے ہاتھوں سے مرو گے اور ہر وہ شخص مرے گا جو تمہیں بچانے کے لیے آگے آئے گا۔۔۔" اس نے تکیے سے سر ٹکایا مگر رافعہ کے مرنے کا سین بار بار اس کے تصور میں آکر اسے بے چین کرنے لگا۔ شاید زندگی میں پہلی بار اس نے اس رات اسموکنگ کی تھی۔

دوسری صبح اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں شاہ نواز غیر متوقع طور پر ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھا نظر آیا شاہ نواز نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

"کیوں حسن نواز آج کل کہاں ہوتے ہو ابھی تک ہمارے گھر نہیں آئے؟ یار آؤ کسی دن اوطاق پر کوئی چرغہ شرغہ کھاؤ کوئی پارٹی شارٹی رکھیں ہم تمہارے لیے کوئی رقص وقص رکھیں' قسم سے تم نے اتنے دھماکے دار رقص انگلینڈ میں نہیں دیکھے ہوں گے کیا لٹکے جھٹکے ہوتے ہیں ان کے قسم سے۔۔۔" حسن نواز نے گھور کے اسے دیکھا۔

"ادا شاہ نواز تمہیں تو تمیز بھی نہیں ہے کہ گھر کی عورتوں کے سامنے کیسی زبان بولنی ہے کیسی نہیں۔" شاہ نواز جو رقص کے تصور میں گم تھا ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر اثر لیے بغیر ہنس کر بولا۔

"بھئی میرا تو یہی طریقہ ہے بات کرنے کا میں نہیں الگ الگ چہرہ لے کر پھرتا کہ گھر والوں کے لیے الگ باہر والوں کے لیے الگ۔" اس نے پراٹھا اپنی طرف کھسکایا اور کھانا شروع کر دیا۔ حسن نواز نے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں قتل کرنے کے بعد نیند بھی آجاتی ہے' تم

کھانا بھی اسی طرح کھالیتے ہو نشہ بھی اسی طرح حلق سے اتر جاتا ہے تمہارے تم انسان ہو یا جانور۔"

"اداحسن نواز یہ میری بے عزتی ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تبھی بابا سائیں کھانے کے کمرے میں داخل ہوئے۔

"کیا ہو گیا ہے؟"

"پتا نہیں اداحسن نواز کس قتل کی بات کر رہے ہیں؟"

"کس قتل کی بات کر رہا ہوں۔" اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا تھا۔

"میں رافعہ کے قتل کی بات کر رہا ہوں اماں سائیں کے قتل کی بات کر رہا ہوں۔"

"سمیرا۔۔۔ سمیرا۔" بابا سائیں نے جواب کے بجائے سمیرا کو لائن حاضر کر لیا۔

"تو کب تک کھوڑ مارتی رہے گی تیرا دل نہیں تھکتا۔ رافعہ کو شاہ نواز نے نہیں میں نے مارا تھا اور عزتوں کے لیے یہ قتل ہوتے آئے ہیں۔"

"عزتوں کے لیے قتل۔۔۔ آپ جیسے فرعون اپنے جرم چھپانے کے لیے کرتے ہیں ایسا۔"

"چلو یہ ہی سہی وہ میری بیٹی تھی میں نے خود مارا اسے پھر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا کاری تھی وہ مر گئی میرے لیے میرا نام میری عزت ہر رشتے سے بڑھ کر ہے' اسے بچانے کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔"

"بابا سائیں آپ کو نہیں پتا لیکن آپ ظالم ہو بہت ظالم اور ظالم کے ساتھ جب اللہ کا قہر ٹکراتا ہے نا تو سارا نام ساری عزت گم ہو کر رہ جاتی ہے نہ زمین جگہ دیتی ہے نہ آسمان رحم کھاتا ہے۔" بابا سائیں نے غصے میں برتن پھینکنا شروع کر دیے تھے شاہ نواز ناراض ہو کر جا چکا تھا اور سمیرا باجی تھر تھر کانپ رہی تھیں مگر اس نے پورے اطمینان کے ساتھ خاموشی سے ناشتا کیا اور پھر اس کا رخ قبرستان کی طرف تھا۔

"کاری قبرستان الگ ہے چھوٹے سائیں۔" اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ وہ رافعہ کی قبر پر گیا کتنی دیر تک آنسو بہاتا رہا باتیں کرتا رہا اس کی قبر کو یوں چھو رہا جیسے رافعہ اس کے سامنے بیٹھی ہو۔ وہاں سے نکل کر اپنے آبائی قبرستان میں اماں سائیں کی قبر کے سامنے فاتحہ خوانی کے بعد ان کی قبر سے لپٹ کر رونے لگا آنسو تھے کے تھمنے کا نام ہی نا لیتے تھے۔

☼ ☼ ☼

"پتا نہیں وہ کون سا لمحہ تھا جب مجھے نواز بخش سے محبت ہوئی وہ میری یونیورسٹی میں تھے۔ دادی اماں کی شہزادوں والی کہانیاں سن سن کر میرے اندر ایک شہزادہ ڈسکور کرنے کا جنون سا پیدا ہو گیا تھا میرے کئی رشتے آئے مگر میں انکار کرتی رہی پھر اچانک نواز بخش سے لائبریری میں ٹاکرا ہوا' ہم دونوں نے ایک ہی بک کی طرف ہاتھ بڑھایا میں ہٹلر کی جذباتی ناکامی کی کہانی پڑھنا چاہتی تھی کہ ایک ایسا شخص جس نے پوری دنیا پر حکمرانی کا خواب دیکھا تھا اس کے اپنے ذاتی چھوٹے چھوٹے خواب جب پورے نہیں ہوئے تو اس نے اس کی زندگی پر کیا اثر ڈالا؟ نواز بخش نے بک کو پکڑا تو چھوڑا نہیں اور مجھے ان کی یہی ادا بھا گئی مردوں کی یہی شان ہوتی ہے اور میں اس شان کے آگے پورے قد سے گر گئی ہمارے خاندان میں زیادہ تر اردو اسپیکنگ تھے مگر مجھے اپنے دور پرے کے یہ نواز بخش پسند آگئے پہلے میں یہ نہیں جانتی تھی مگر آہستہ آہستہ بات چیت ہونے پر جاننے لگی۔

وہ لاپروا اور صنف نازک کی جذباتیت کو وقت کا زیاں خیال کرتے تھے انہیں اس سے غرض نہیں ہوتی تھی کہ اگر میں انہیں فون نہیں کر پا رہی یا میں بیمار ہوں تو میں اب کیسی ہوں شاید ان کی زندگی میں میری جگہ نہ تھی پر میری آنکھوں پر جو پٹی بندھی تھی اس کے پیچھے سے مجھے وہ ہی دیوتا لگتے۔ میں چند سیکنڈ کے لیے پژمردہ ہوتی مگر 5 منٹ بعد میری حالت نواز بخش کی آواز نے بغیر ایسی ہونے لگتی جیسے جل سے مچھلی' میں ناراضی' بھول بھال لفظوں کی محبت کے سہارے کے لیے ان سے بات کرنے پر مجبور ہو جاتی۔ ہر بات پر اس لوکے کہہ کر کسی گرمجوشی کا اظہار نہ کرتے یعنی میں آگئی ہوں تو بھی ٹھیک ہے' میں نہیں آئی تو بھی ٹھیک ہے کبھی کبھی یہ مجھے اپنی سیلف ریسپیکٹ کی ناقدری لگتی مگر میں دل سے مجبور تھی پھر پڑھائی میں گم ہو گئی تو میری ہفتوں' ہفتوں ان سے بات نہ ہوتی یہاں تک کہ میں نے ایم ایس کمپلیٹ کر لیا۔ ہاؤس جاب کا ویٹ کر رہی تھی کہ کسی کے منہ سے سنا نواز بخش نے شادی کر لی ہے' میں تڑپ کر رہ گئی نواز بخش تو صرف میرے تھے انہیں چھونے' چاہنے کا حق بھی صرف میرا تھا پھر یہ کوئی اور کیوں آیا؟ اگلی بار میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے یہ سوال کر دیا میرا لہجہ بھی سخت تھا اور میں بھی وہ ہتھے سے اکھڑ گئے۔

"کیا مطلب ہے؟ تم مجھ سے اس لہجے میں کیسے بات کر سکتی ہو؟ کیا میں نے کبھی تمہیں کوئی سبز باغ دکھایا تھا؟ کبھی تم سے کوئی وعدہ کیا تھا؟ میں نے کہا تھا تم سے کہ میں صرف تم سے شادی کروں گا؟" میں صمٌ بکمٌ ہو گئی ایسا زبان سے نہ سہی مگر کبھی کبھی لہجے اور رویہ سے لگتا تھا ان کے مگر مجھے پھر بھی اتنی جلدی اپنی خواہش کا دامن نہیں کھولنا چاہیے تھا کتنا انسلٹنگ فیل ہو رہا تھا میں دل کی مان کر نرم لہجے میں بولی۔

"پھر بھی ہم دوست تو تھے۔ آپ کی شادی کی اطلاع اگر مجھے آپ سے ملتی تو شاید میں اتنا ہرٹ نہ ہوتی لیکن کسی تیسرے فرد نے جب یہ خبر دی اور جس لہجے میں دی میں تو شرم سے پانی پانی ہو گئی۔"

"کیوں؟" انہوں نے آنکھیں ترچھی کر کے مجھے دیکھا۔

"شرم سے پانی پانی ہونے کی کیا بات ہے۔ شادی کی ہے میں نے کوئی گناہ نہیں اور ایک اطلاع میری یہ شادی چار سال پہلے ہو چکی تھی جب میں تم سے ملا اس وقت میری دو بیٹیاں بھی تھیں حالانکہ میں انہیں متعارف کروانا پسند نہیں کرتا لیکن اس لیے بتا رہا ہوں تاکہ آپ کو پھر کوئی صدمہ نہ پہنچے۔"

"مگر آپ نے پہلے کبھی نہیں بتایا یہ سب" میں رو دینے کو تھی اور وہ اسی کھردرے سفاک لہجے میں بولے۔

"کبھی ایسا موقعہ ہی نہیں آیا۔ آپ میری فطرت جانتی ہیں میں بلاوجہ اپنے فیملی میٹرز ہر ایک سے ڈسکس نہیں کرتا۔"

"ہر ایک سے۔۔۔" یہ جملہ تیر کی طرح دل میں کھب گیا اور میں وہاں سے خاموشی سے اٹھ آئی۔

میرا ہاؤس جاب کنفرم ہو گیا تو میں نے ان ہی مصروفیات میں خود کو کھپا لیا۔ میں زیادہ سے زیادہ ہاسپٹل میں رہنے لگی گھر میں بھابھی بھائی امی سب میرے لیے فکرمند تھے۔ اچانک ایک شام میں ڈیوٹی کے بعد گھر پہنچی تو ڈرائنگ روم میں وہ بیٹھے تھے نواز بخش سومرو' میں نے انہیں اتنے طویل عرصے بعد دیکھا اور میں جو سمجھتی تھی میں انہیں بھول جاؤں گی بھول چکی ہوں میں یکدم پھر سے اسی نقطے پر آکر کھڑی ہوئی تھی۔ بھیا نے مجھے اندر بلایا تھا اور نواز بخش کے آنے کی وجہ بتانے لگے۔

"نواز بخش آپ کا رشتہ لے کر آئے ہیں ان کی ایک بیوی گاؤں میں بھی ہے اور یہ آپ سے دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں آپ کی کیا رائے ہے فرحانہ آپ پر کوئی دباؤ نہیں کہ آپ یہ رشتہ لازمی قبول کریں یہ نواز بخش کا کہنا اور ماننا ہے۔" مجھے تو لگ رہا تھا میں ہواؤں میں اڑنے لگی تھی میں 18 سال کی نہیں تھی مگر میرا دل کسی الہڑ دوشیزہ کی طرح رقص کرنے لگا تھا اور اس دل سے ایک ہی آواز آتی تھی قبول ہے' قبول ہے' ہر حال میں قبول ہے۔

بھیا شاید میرے چہرے سے میرے جذبات جان گئے اور یوں ایک جمعہ کو میں سادگی سے نکاح کر کے ان کے پہلو میں بٹھا دی گئی۔ گاؤں میں ہماری شادی کا اصل جشن ہوا مجھے یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا میں خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین انسان سمجھ رہی تھی۔ وہ کمرے میں آئے تو بہت سے جملے تھے جو میں نے سوچا تھا ان کے اظہار پر میں کہوں گی' وہ یہ بولیں گے تو میں یہ کہوں گی' وہ ایسا کہیں گے تو میں جواب میں ویسا

کہوں گی مگر وہ میرے سامنے آن کر بیٹھے تو میں اپنے آپ میں سمٹ گئی وہ بالکل غیر جذباتی انداز میں بولے "تمہیں جان لینا چاہیے میں نے تم سے شادی صرف بیٹے کی خواہش کی وجہ سے کی ہے اگر تم مجھے بیٹا دے سکیں تو اس حویلی میں رہ سکتی ہو لیکن اگر تم نے بھی بیٹی پیدا کی تو میں لمبی قطار لگانے کی بجائے تمہیں طلاق دے دوں گا۔" شادی کی پہلی رات اور اتنا سفاک لہجہ ..... میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"تو آپ کو مجھ سے محبت نہیں تھی، کبھی محبت ہوئی بھی نہیں اتنی سی، بہت معمولی سی، تنکے برابر بھی۔"

"فرحانہ۔" ان کا جلالی لہجہ میرے اوپر تھر تھری کی طرح طاری ہو گیا۔

"یہ محبت وحبت کیا ہوتی ہے مجھے نہیں معلوم نہ میں نے کبھی اس چکر میں پڑنے کی کوشش کی ہے اور بہتر ہے آج کے بعد تم بھی نہ پڑنا کیوں کہ مجھے منہ لٹکا کر رکھنے والی عورتیں بالکل پسند نہیں۔" جس رات کے لیے بے تحاشا خواب اور محبت کے زاویے تھے ایک ایک کر کے سب ٹوٹ گئے۔

رشتوں کی بنیاد دو جذبات ہوتے ہیں محبت یا ضرورت صبح آنکھ کھلی تو مجھے ایقان ہو چکا تھا کہ میں نواز بخش سومرو کے لیے صرف ضرورت کی ایک چیز ہوں اور بس، گزرنے والا ہر دن اس بات کو پختہ سے پختہ تر کرتا چلا گیا یہاں تک کہ مجھے ماں بننے کی خوشی میسر آئی تو وہ بھی ایسے جیسے کسی کی موت کی خبر ملی ہو۔ میرا دل چاہتا تھا میں ہر وقت چیخ چیخ کر روؤں ایک بار اسی طرح کا ہسٹریائی دورہ پڑ بھی گیا تھا۔ ادی شمسہ نے بتایا میں پاگلوں کی طرح روئے جا رہی تھی اور ایک ہی بات کہتی جا رہی تھی "بیٹی ہونے پر پلیز نواز مجھے طلاق مت دو بھلے مجھے اس گھر میں ملازمہ بنا کر رکھ لو مگر مجھے طلاق مت دو، میں تم سے دور ہونے کا دکھ سہہ نہیں پاؤں گی۔" ادی شمسہ ہر وقت میری دل جوئی کرتی رہتی تھیں رافعہ ابھی صرف ایک سال کی تھی اور میں ہر اذان پر اس سے دعا کرواتی تھی کہ اللہ مجھے ایک بیٹا دے مجھے بیٹیاں پسند تھیں مگر میں ایک بیٹا مانگے جاتی تھی یہاں تک کہ میری گود میں ادی شمسہ نے بیٹا لا کر دیا حسن نواز میری محبت ہاں میری یک طرفہ محبت کی ڈور کو مضبوط وجہ دینے والا۔"

یکدم انہوں نے ڈائری بند کر دی تھی اور پاگلوں کی طرح رونے لگے ان کی شہزادی بہن نے کیا کیا نہیں سہا تھا اس محبت کے چکر میں اس ڈائری کو وہ 4 سال میں کوئی چار ہزار بار پڑھ چکے تھے اور آج جب کسی نے بتایا حسن نواز گاؤں آیا ہے تو وہ پھر سے تڑپ اٹھے کیوں کہ حسن نواز کراچی میں ہونے کے باوجود ان سے ملے بغیر گاؤں چلا گیا تھا۔

"تیرے بیٹے میں تیری ایک بھی عادت نہیں آئی اسے بھی محبت اور رشتے جی کا جنجال لگتے ہیں، ملے بغیر چلا گیا ہے گاؤں۔"

انہوں نے ڈائری رائٹنگ ٹیبل کی دراز میں ڈال دی اور افسردگی سے سرما کی ہواؤں سے فرحانہ کا پتا پوچھنے بیٹھ گئے مگر دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔

☼ ☼ ☼

حسن نواز کراچی واپس آیا اس بوڑھی عورت کے بچوں کو اسکول میں داخل کروایا گھر میں ماہانہ راشن ڈلوایا اور باسی رکھ کے دی۔ بوڑھی عورت دعائیں دے رہی تھی تبھی حسن نواز کا لہجہ بھر آگیا۔

"اپنی ایک بد دعا واپس لے لو بی بی سائیں! مٹی مٹی میں نہ ملے تو اس کی بڑی بے حرمتی ہوتی ہے۔ لوگ نشان عبرت بنا لیتے ہیں۔ پلیز میرے بابا سائیں کا شرم پردہ برقرار رکھنے کی دعا کر دیں، انہیں ہدایت ملے یہ دعا مانگ دیں۔" بوڑھی عورت منہ سے کچھ نہیں بولی تھی مگر اس نے ہاتھ بلند کر دیے تھے۔ حسن نواز نے بوڑھی عورت کا اکاؤنٹ کھلوا کے اکاؤنٹ میں کچھ رقم بھی ٹرانسفر کروا دی تھی اور اب وہ اپنے ماموں کے گھر آگیا تھا۔ سب نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا مگر ماموں۔

"ماموں کہاں ہیں؟"

"وہ لائبریری میں ہیں تین دن سے دل گرفتہ ہیں کہ حسن نواز کراچی اترا کراچی رہا مگر مجھ سے ملنے نہیں آیا۔" مامی نے بھرے گلے سے شوہر کے دل کی واردات کہہ سنائی وہ دبے قدموں ماموں کی لائبریری میں آگیا ان کے سینے پر اب بھی فرحانہ کی ڈائری دھری تھی اور آنکھیں ساون۔

"ماموں پلیز مجھے غلط مت سمجھیں، بابا سائیں کو تو آپ جانتے ہیں نا ان کے آگے کس کی مرضی چلتی ہے مجھے تو گاؤں پہنچ کر پتا چلا کہ میں کیا کیا کھو چکا ہوں، ماموں میرے جیسے لٹے پٹے شخص سے آپ کو ناراضی زیب دیتی ہے کیا؟" ماموں نے بانہیں پھیلا کر اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ سب کھانے کے کمرے میں تھے، بہت ڈھیر ساری باتیں ہوئیں مزید گلے شکوے ہوئے حسن نواز کی وضاحتیں معذرتیں، وقت کا پتا نہیں چلا مگر رات گئے جب وہ عادتاً لائبریری میں گئے تو ان کا غصہ الاماں الاماں.....

"ڈائری کہاں گئی! میری فرحانہ کی ڈائری کس نے اٹھائی میں نے کہا بھی ہے میری چیزوں کو مت چھوا کرو۔ وہ صرف ڈائری نہیں میری فرحانہ ہے سمجھتے کیوں نہیں ہو تم لوگ۔"

اچانک ان کا موبائل گنگنا اٹھا انہوں نے فون ریسیو کیا تو حسن نواز گہری آواز سے بول رہا تھا۔

"اماں سائیں ہر روز آپ کے پاس ہوتی ہیں آپ سے باتیں کرتی ہیں، صرف ایک رات انہیں میرے پاس رہنے دیں ماموں جی۔" بڑے بھیا روئے گئے کچھ نہیں بولا گیا تھا ان سے انہوں نے سرہلا کر جواب دیا تھا جیسے حسن نواز کو ان کا چہرہ نظر آرہا ہو۔

☼ ☼ ☼
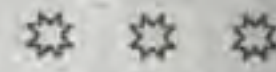
بابا سائیں نے شہر کے مضافات میں گاؤں کا مزا لینے کے لیے ایک کوٹھی پلس فارم ہاؤس بنوایا تھا، آج اس کی تقریب رونمائی تھی۔ حسن نواز کو بھلے برے دل سے اس میں لازمی شرکت کی دعوت تھی۔ رقص و سرود، شاہ نواز سومرو دوست احباب اور ان کی حرکتوں پر خوش ہوتے بابا سائیں۔ اس کا دل بالکل اس محفل میں نہیں لگ رہا تھا لیکن وہ صرف اس لیے نہیں اٹھا تھا کہ اس کے اٹھتے ہی شاہ نور سومرو نے جملے کسنے تھے اور بابا سائیں نے اس کی وجہ سے اس کی اماں سائیں کو صلواتیں سنانی تھیں۔ نام کی تختی نصب کرنا سب سے آخری کام تھا بابا سائیں نے اپنا نام سنگ مرمر پہ باریک تراشیدہ عمدہ خطاطی کے نمونے پہ لکھوایا اور اس نیم پلیٹ کو لے کر کافی بار اشتیاق کا اظہار بھی کیا تھا جب وہ تختی بن کر آئی تو خوش ہو کر پورے 5 ہزار اجرت کے علاوہ کاریگر کو دیے گئے تھے اور اب صرف لگانے کا کام باقی تھا۔ بابا سائیں کا وہاں ہونا ضروری نہیں تھا مگر ان کا اشتیاق روکے ہوئے تھا کاریگر بہت مہارت سے نیم پلیٹ کو پہلے سے تیار خانے میں سیمنٹ لگا کر فٹ کر رہا تھا جب بہت اچانک شاہ نواز کے کتے کے اچانک جھپٹنے سے کاریگر کے ہاتھ سے تختی گر کر بڑے ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ بابا سائیں کا چہرہ غصے سے سرخ آنکھیں لال انگارہ سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگی پھر وہی الٹے ہاتھ کا تھپڑ منحنی سا کاریگر لڑکھڑا کر گر ہی گیا۔

"روٹی پانی نہیں کھاتا کیا؟ اتنے پیسے خرچ ہوئے وہ الگ دوسرے اتنا دل آگیا تھا میرا۔" بابا سائیں نے گرے ہوئے کاریگر کی انگلیوں پر اپنا پاؤں رکھ دیا حسن نواز بھاگ کر آیا تھا۔

"بابا سائیں یہ ظلم ہے۔" بابا سائیں نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں اور شاہ نواز سومرو نے بابا سائیں کو بڑھاوا دیا۔

"اس کی انگلیاں کچل دیں تاکہ اسے پتا چلے یہ نام کس رئیس کا تھا، آپ کے نام کا ایک ایک حرف عزت شان اور بزرگی کے لیے بنا ہے ماما سائیں۔"

"عزت شان بزرگی سب میرے اللہ کے لیے ہے۔" اس نے دوٹوک کہا مگر بابا سائیں کو اس کی آواز آئی ہی نہیں انہوں نے اس کی انگلیاں اپنے جوتے کے نیچے مسل ڈالی تھیں کاریگر چیخ رہا تھا ملازمین کے چہرے اترے ہوئے تھے اس کا دل کوئی مسل رہا تھا مگر بابا سائیں اور شاہ نواز بے انتہا خوش تھے۔ اس سے

ٹھہرا نہیں گیا اور وہاں سے روانہ ہوگیا۔

سب ہی چیزوں میں اس نے بہتری لانے کی کوشش کی تھی جس میں اسکول اور ہاسپٹل کا قیام اولین بنیادوں میں رکھا تھا بابا سائیں اس بات پر بہت چراغ پا ہوئے لیکن برادری کے سامنے اسے پگڑ پہنا کر اپنی جگہ دے چکے تھے اس لیے صرف غصہ ہی کرسکے۔

حسن نواز دھیرے دھیرے چینج لا رہا تھا' وہ پیسہ جو شاہ نواز سومرو اور بابا سائیں اپنے عیش اور ملکیت زمین کے لالچ میں گنواتے تھے وہ پیسہ اب غریبوں کے لیے استعمال ہو رہا تھا۔ شہر میں اس نے "دارالسکون" کی بنیاد ڈالی تھی اور کچی آبادی میں ایک نیا ہاسپٹل قائم کیا تھا۔

بابا سائیں کچھ عرصے تو دیکھتے رہے پھر شاہ نواز سومرو کے بہکاوے اور کان بھرنے پر اس کے مقابلے پر اتر آئے۔ وہ بھی بابا سائیں کا بیٹا تھا معصومیت سے بولا۔

"الیکشن میں کامیابی کے لیے آپ کی راہ ہموار کر رہا ہوں بابا سائیں آپ نے نوٹ نہیں کیا میڈیا میں اگر چار لوگ آپ کے خلاف بول رہے ہیں تو آٹھ لوگ آپ کو سپورٹ بھی تو کر رہے ہیں۔" بابا سائیں کے غصے کے غبارے سے ہوا نکل گئی وہ کندھا تھپتھپا کر چلے گئے تھے پھر الیکشن کمپین چل رہی تھی جب کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ شاہ نواز سومرو بنا کسی نے اس کی کار پر فائرنگ کی اور اس کی گاڑی بے قابو ہو کر پول سے ٹکرا گئی گاڑی پچک گئی تھی لاش کو ٹکڑوں میں کاٹ کر نکالا گیا وہ بھی ان دنوں کراچی میں تھا' سمیرا باجی کا اطلاع ملتے ہی سب سے پہلے فون آیا ڈری سہمی سی سمیرا باجی..... وہ فون پر کچھ کہنے کی بجائے گاؤں کے لیے روانہ ہوگیا بہرحال تدفین کے لیے اسے گاؤں تو جانا ہی تھا۔ سمیرا باجی نے اسے دیکھتے کے ساتھ ہی سینے سے لگالیا تھا۔

"تمہاری دراز میں تمہاری ریوالور نہیں ہے ادا سائیں کہیں تم نے شاہ نواز کو تو نہیں مارا۔"

اس نے سمیرا باجی کو الگ کیا تھا۔ "نہیں وڈی ادی مجھے افسوس رہے گا کہ میں اسے قتل نہیں کرسکا کتنی مرتبہ وہ اکیلے میں ملا بھی مگر ہر بار اس کی موت خود بچا کے لے جاتی کبھی بابا سائیں آڑے آجاتے کبھی اس کے یار دوست۔"

سمیرا باجی نے بھرے گلے سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا پھر نرمی سے بولیں۔

"اچھا کیا جو اس کے ناپاک خون سے ہاتھ نہیں رنگے وہ اس قابل تھا ہی نہیں کہ اسے عزت کی موت ملتی جتنا غرور کرتا تھا اپنی جوانی پر دیکھا نا کیسے مردہ حالت میں مرا ہے ٹی وی پر بتا رہے تھے کہ گاڑی چلاتے ہوئے وہ نشے کی حالت میں بھی تھا' اس نے دو ناکے اوور اسپیڈنگ سے توڑے پولیس پہلے ہی اس کے پیچھے تھی مگر اسے پتا ہی نہیں تھا۔"

"اوور اسپیڈنگ....." اس نے حیرت بھری خوشی سے دیکھا۔

"وڈی ادی آپ....." وہ جو جاننا چاہ رہا تھا اس کے لیے اسے مناسب لفظ نہیں مل رہے تھے تبھی سمیرا باجی نے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر شرارتی لہجے میں کہا۔

"بھائی انگلینڈ کی یونیورسٹی میں پڑھ کر آگیا تو وڈی ادی دو چار لفظ انگلش کے بھی نہیں بول سکتی۔" اس کے بالوں کو انگلیوں سے سنوارتے ہوئے مسکرا کے بولیں۔

"اماں سائیں اور رافعہ مجھے کچھ نہ کچھ زبردستی پڑھاتے رہتے تھے پھر وہ بھی کہتے تھے پڑھو سمیرا پڑھنے سے انسان کے اندر کئی در کھلتے ہیں۔"

"وہ....." یکدم جھماکا ہوا اس نے سمیرا باجی کی گود میں سر رکھ دیا تھا پھر نرم لہجے میں بولا تھا۔

"کیا آپ انہیں پسند کرتی تھیں کیا اب بھی کرتی ہیں؟" سمیرا باجی کے چہرے پر ایک سایہ سا آکر لہرا گیا وہ گھبرا گیا تھا۔

"سوری وڈی ادی میں شاید کچھ غلط کہہ گیا۔" اٹھا تو سمیرا باجی کی گھبراہٹ کی اصل وجہ سمجھا سامنے بابا سائیں دکھ و اندوہ کی تصویر بنے کھڑے تھے۔

"شاہ نواز مر گیا اور تم یہاں پیار محبت کے راستے ہموار کرنے کی پلاننگ کر رہے ہو کسی کے مرجانے کا مطلب سمجھتے ہو کیا ہوتا ہے؟"

حسن نواز اٹھا اور بہت سادہ سے لہجے میں بولا۔

"مرنے کا مطلب ہے بس مرجانا' یہ تو بہت چھوٹی سی بات ہے بابا سائیں' ویسے ہی جیسے اماں سائیں مر گئیں..... جیسے رافعہ مر گئی تھی۔" سمیرا باجی کا رنگ سفید پڑ گیا۔

"میرے خلاف بھڑکاتی ہے اپنے باپ کے خلاف میرے بیٹے کو۔" بابا سائیں نے ہاتھ اٹھایا مگر وہ ہوا میں معلق رہ گیا حسن نواز نے ان کے ہاتھ کو ہوا میں پکڑ لیا۔

"یہ میری وڈی ادی ہیں ان کی عزت کے لیے میں اپنی جان دے بھی سکتا ہوں اور لے بھی سکتا ہوں بابا سائیں۔" غصے سے چھوٹے ٹیبل کو ٹھوکر مارتا ہوا وہ باہر نکل گیا بابا سائیں اکیلے کھڑے تھے سمیرا باجی بھی کمرے میں رکی نہیں تھیں..... وقت نے الٹی گنتی شروع کردی تھی مگر نادان لوگ آخری سانس تک بے بہرہ رہتے ہیں بابا سائیں نے بھی سر جھٹکا اور شاہنواز کی تدفین کے انتظامات دیکھنے کے لیے باہر نکل گئے۔

☼ ☼ ☼

حسن نواز نے پھر سے سمیرا باجی سے وہی سوال کیا تھا ان کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔

"ہاں محبت کرتی تھی' ان کی باتیں ان کا لہجہ مگر بابا سائیں غیر برادری میں شادی کرنے کو حرام سمجھتے تھے اماں سائیں نے بہت کوشش کی' بہت سر مارا مگر بابا سائیں نہیں مانے' پھر افضل نے دو چار سال انتظار کیا بھی مگر کب تک بلا آخر دباؤ میں آکر انہیں شادی کرنی ہی پڑی۔" حسن نواز کا چہرہ اتر گیا لیکن ماموں کے گھر سے پھر سے ہو کر آیا تو بہت خوش تھا۔

"سمیرا باجی ہے تو کمینہ پن کسی کی تکلیف پر خوش ہونا لیکن گڈ نیوز فار یو' افضل بھائی کی تین سال پہلے طلاق ہوگئی ہے' دو بچے ہیں ان کے جن کی دیکھ بھال افضل بھائی کے ذمے ہے' ان کی بیوی نے دوسری شادی کر بھی لی۔ اب بولیں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا آپ پھر سے انہیں قبول کرپائیں گی؟"

سمیرا باجی نے سر جھکا لیا تھا دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے میں پھنسا کر مدھم لہجے میں بولیں۔

"ادا ہم لڑکیوں کی کیا مرضی کیا سوچ ہوگا تو وہی نا جو بابا سائیں چاہیں گے۔"

"ادی ایسا نہیں ہے گاؤں کی گدی پر اب میں بیٹھا ہوں سارے فیصلے میری مرضی سے ہوں گے۔"

"ادا برسوں سے چلی آنے والی رسم کو تم نے چھیڑا بھی نا تو یہ سب اونچی اونچی کرسیوں پہ بیٹھے ہوئے گدھ تمہارا سارا ماس نوچ نوچ کے کھا جائیں گے۔" کہتے کہتے سمیرا باجی کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا تھا حسن نواز نے ان کی ٹھوڑی آگے کی.....

"حسن نواز اب وہ انگلینڈ سے لوٹنے والا ڈرا سہما نوجوان نہیں ہے وڈی ادی' دو سال یہاں کے ماحول میں رچ بس کے راستے نکالنے آگئے ہیں سیاست کرنا سیکھ گیا ہے تمہارا ادا' سارے نوجوان تمہارے ادا کے حامی ہیں بڑوں کی طاقت ہے تو نوجوانوں کا بھی ووٹ بینک ہے آنا تو نئی نسل نے ہے نا ان شاہوں کی گدیوں پر آپ فکر مند نہ ہوں اگر آپ آج بھی افضل بھائی سے محبت کرتی ہیں تو آپ کی شادی کروانا میری ذمہ داری ہے۔"

یہ کہہ کر اٹھ گیا مگر پتا نہیں کسی ملازمہ کی چغل خوری سے یہ بات پہلے ہی افشا ہوگئی۔

دونوں بہنیں اور بہنوئی بابا سائیں کے سامنے آکر بیٹھ گئے۔

"کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے غیر برادری کا ہے شہر میں رہتا ہے۔ میں نے کہا بھی تھا ادی سمیرا کا حق بخشوا دو مگر بابا سائیں آپ مانتے نہیں۔ آج ویسا ہوتا جیسے میں نے کہا تھا تو ادی سمیرا کے دل میں یہ ناپاک خیال آتا ہی نہیں۔" بابا سائیں بھانت بھانت کی باتیں سن رہے تھے انہیں حسن نواز کا انتظار تھا جسے اوطاق سے بلوایا گیا تھا۔ پورے آدھے گھنٹے بعد وہ ان سب کے سامنے تھا۔

"تم نے سمیرا کی شادی کی بات سوچی بھی کیسے؟" وہ بہت معصومیت سے دیکھنے لگا پھر نرمی سے بولا۔

"کیوں بابا سائیں بھائی ہوں میں ان کا ان کے گھر بسانے کی فکر مجھے ہی کرنی تھی نا؟"

"غیر برادری میں کسی شہری سے؟"

"میں سمجھتا ہوں یہ فرسودہ معیار آپ لوگوں کا بنایا ہوا ہے اور جو چیز اللہ کی طرف سے نا ہو اس میں وقت، حالات اور ضرورت کے تحت تبدیلی یا ترمیم کی جا سکتی ہے۔"

"بابا سائیں وڈی ادی کا حق بخشوا دیں بس ہم یہ ذلت نہیں اٹھا سکتے۔"

"وڈی ادی آپ کی بیٹی نہیں ہے ثانیہ ادی، آپ کی بیٹی ہو اس کا رشتہ نہ ملے تو آپ اس کا حق بخشوا دیجیے گا میں اس کی دعائے خیر میں ضرور شامل ہوں گا۔" سفاک لہجہ دوبدو انداز، ثانیہ باجی ہتھے سے اکھڑ گئیں۔

"بدفالیں نہ نکالو ادا حسن میری بیٹی کو اللہ اس وقت سے نہ گزارے۔" وہ طنز سے ہنس پڑا تھا۔

"وہ بیٹی جو ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئی آپ کا کلیجہ کیسا پھٹ رہا ہے اور میری وڈی ادی اس دنیا میں ہیں مگر آپ سب نے انہیں مار رکھا ہے کیا وہ انسان نہیں ان کا کوئی خواب نہیں ایک گھر گھرہستی کی آرزو نہیں، میں آپ کے قاعدے قانون کو نہیں مانتا، اگر کوئی مجھے اس کے جواب میں قتل کرنا چاہتا ہے تو قتل کر دے مگر میں ادی سمیرا کو بیاہ کر ان کے گھر ضرور بھیجوں گا۔"

"بابا سائیں کچھ بولیں آپ نے سارا نظام اس کے ہاتھ میں دے کر سب کچھ تباہ کر ڈالا ہے، بابا سائیں۔ آپ کے نام سے لوگ جتنا ڈرتے تھے اب حسن نواز کی وجہ سے ان سب لوگوں کو زبان لگ گئی ہے۔ وہ کسی بھی بات پر اعتراض کر دیتے ہیں حسن نواز کو غلط کہہ جاتے ہیں اس کے منہ پر اور وہ خوش ہوتا ہے انہوں نے اس کی غلطی کو درست کیا۔" ایک بہنوئی کی آواز آئی۔ بابا سائیں نے توجہ ہی نہیں دی۔ حسن نواز مسکرا کر بولا۔

"کوئی انسان عقل کل نہیں ہوتا صحیح غلط کا اندازہ کسی کا بھی غلط ہو سکتا ہے مجھے واقعی خوشی ہوتی ہے اگر کوئی میری راہ سیدھی کر دے، میں جھوٹی نام و نمود کے پیچھے نہیں بھاگتا ادا شہباز۔"

بابا سائیں کچھ کہے بغیر اٹھ کر چلے گئے تھے۔ شاہ نواز سومرو کی موت کا غم ان پر بہت شدت سے طاری تھا وہ کوئی فیصلہ لینے کی حالت میں ہی نہیں تھے اوطاق میں بھی چند انتظامی تبدیلیوں کی وجہ سے دونوں بہنوئیوں کو اعتراض تھا مگر وہ ڈٹ گیا تھا کسی کو تو ڈانٹنا تھا۔ یوں ادی سمیرا کا نکاح بہت سادگی سے حویلی میں ہی کر دیا گیا افضل بارات کے ساتھ رخصت کروا کے چلے گئے تھے اس دن بابا سائیں پوری رات اوطاق میں تھے، پھر پندرہ دن تک وہ گھر نہیں آئے ادی سمیرا کی شادی میں صرف حویلی کی ملازمائیں، بی بی سائیں اور وہ خود شامل تھا۔ وہ بہت خوش تھا کہ اس نے ایک ٹھیک فیصلہ لیا تھا۔ اس نے ادی سمیرا کو گلے لگا کر بہت ساری دعائیں دی تھیں اور نرمی سے کان میں کہا تھا۔

"اب مجھے کوئی ڈر نہیں وڈی ادی بھلے اب کوئی مجھے قتل بھی کر دے تو غم نہ کرنا، میرے بعد میرے حق میں دعا کرتی رہنا۔"

ادی سمیرا نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا بہت ساری دعائیں دیں اس کی پیشانی پر بوسہ لیا۔ یوں زندگی نے ایک خوش کن موڑ لے لیا تھا۔

بابا سائیں نے خود کو سیاست کی نذر کر دیا تھا ان کی پارٹی نے کسی اور پارٹی سے الحاق کیا تھا جس کے اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے وہ اپنی 4 گاڑیوں کے ہمراہ دوسرے شہر کے لیے نکلے تھے حسن نواز کا دل اس دن بہت دھڑک رہا تھا اس نے بابا سائیں کو روکا بھی مگر بابا سائیں نے اس سے قطع تعلق کر لیا تھا بلکہ باقی دونوں بڑی بہنوں نے بھی ملنا جلنا ترک کر دیا تھا مگر اسے سمیرا باجی کی خوشی کے لیے یہ بہت کم قیمت لگتی تھی بڑے بہنوئی نے برادری کو اس کے خلاف بھڑکایا تھا، پرانے سارے چاول اسی دیگ کو چمٹے ہوئے تھے مگر نئی نسل فیصلوں میں جس حد تک شریک ہونے لگی تھی وہ

سب حسن نواز کے حق میں ہی تھے۔

☼ ☼ ☼

بابا سائیں کا یہ قطعی نجی دورہ تھا اور یہ خبر ابھی وہ میڈیا میں نہیں دینا چاہتے تھے اس لیے میڈیا مطلع تھی نا ہی انہوں نے اصولی اور قانونی طور پر پولیس کو انفارم کیا تھا ان کے مطابق خاصی سیکورٹی تھی ان کے ساتھ مگر سندھ کی پٹی ختم ہوتے ہی ان پر افتاد ٹوٹ پڑی دور دور تک یہ کچے کا علاقہ تھا اگلی گاڑیاں ایک جھٹکے سے رک گئی تھیں۔

"پتا کرو کیا ہوا ہے؟" تحکم سے انہوں نے پوچھا۔

"سائیں گاڑیوں کے ٹائر پنکچر ہو گئے ہیں۔" وہ حیران ہوئے "ایک ساتھ دونوں گاڑیوں کے ٹائر کیسے پنکچر ہو سکتے ہیں؟" وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ دو لینڈ کروزر ان کی گاڑیوں کے قریب آکر رکیں وہ سارے لوگ ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے۔

"بہت دنوں سے فیلڈنگ لگا رکھی تھی تجھ پر بہت بڑی آسامی ہے تو۔۔۔" ایک کرجدار آواز گونجی اور تب انہیں پتا چلا جن کی حفاظت میں وہ چلے تھے وہ محافظ بکے ہوئے تھے صرف پرانے ملازموں میں سے 6 افراد ان کے وفادار تھے اور آٹھ ان کے خلاف کھڑے تھے۔

"آسانی سے جانا ہے۔۔۔ یا حیل حجت کر کے۔"

انہوں نے بغیر کسی تعرض کے ان کے ساتھ جانا مناسب سمجھا۔ ان کی جیبیں خالی کروالی گئی تھیں سیل فون چھین لیا گیا تھا۔

"یہ زیادتی ہے۔" انہوں نے پہلی بار سرد لہجے میں کہا۔

"زیادتی نہیں اپنا حق چھین رہے ہیں جو تم کب سے دبا کر بیٹھے ہوئے ہو۔"

"مجھ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔" وہ اسی اکھڑ لہجے میں بولے۔

"ہر وہ امیر آدمی جس کے پاس ضرورت سے بہت زیادہ روپیہ ہے وہ ہمارا حق ہے اور ہم ایسے سارے امیر لوگوں سے زبردستی اپنا حق چھینتے ہیں۔" وہ کریڈٹ کارڈ دیکھتے جاتے اور ان کی آنکھیں پھیلتی جاتیں۔

"تم تو ہماری امید سے بھی بڑی آسامی نکلے۔" سارے کریڈٹ کارڈ ڈیش بورڈ پر پڑے تھے۔

"پارسل کو کوریئر کرو ورنہ مشکل میں پڑ جائیں گے۔" وہ کچھ سمجھے بھی نہیں تھے ان کے چہرے پر اسپرے کر دیا گیا۔ ان کی جب آنکھ کھلی وہ ایک بار برداری والے ٹرک میں موجود تھے وہ ہونق ہو گئے ان کا اس گندے ماحول میں دم گھٹ رہا تھا۔

"میں کہاں لے جایا جا رہا ہوں؟"

عارضی قید خانے میں رابطے کا ہر ذریعہ شناخت کا ہر سرا گم تھا وہ عجیب سے مخمصے میں پھنسے ہوئے تھے جب ڈرائیور نے چیخ پکار مچائی ٹرک کے بریک فیل ہو چکے ہیں ٹرک کا ڈرائیور اور مکینک ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے وہ کسی کو فون بھی کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن ان کا رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ وہ شخص گم سم بیٹھا تھا اور اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے پارٹی کی اس کارنر میٹنگ میں شرکت کا دعوت نامہ قبول کیا تھا اور اس وقت کو کوس رہا تھا جب سیاسی فگر ہونے کے باوجود میڈیا اور پولیس کو انفارم کیے بغیر تن تنہا اپنے سیکورٹی کے ساتھ شہر سے باہر نکلا تھا۔ اس کی تقریر اس کے کوٹ کی جیب میں تھرتھرا رہی تھی اور تقریر کے سارے لفظ اس پر ہنس رہے تھے۔ اب وہ اپنی مرضی پر نہیں اس ٹرک کی مرضی پر چل رہا تھا۔

"تو کیا وہ اب تک واقعی اپنی مرضی پر چل رہا تھا؟" دل انجانے خوف سے لرزا تو پہلی بار اس کو اپنے اندر جھانکنے کا خیال آیا۔

ٹرک اپنی مرضی پہ چل رہا تھا اسے روکنے کی ہر کوشش ناکام ہو گئی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ٹرک کھائی میں گر گیا یہ قطعی دور افتادہ علاقہ تھا یہاں امداد پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہمیشہ ہی لوگ اپنی مدد آپ کے تحت اس طرح کی حادثاتی صورت حال سے نمٹتے تھے۔ ٹرک کے دونوں افراد اس گاؤں سے اگلے علاقے کے باشندے تھے۔ اس لیے پہچان لیے گئے مگر اس شخص کی شناخت نہیں ہوئی تھی اس لیے اسے "امانتاً" سپرد خاک کر دیا گیا تھا اس کی قبر پر نمبر دس لکھا تھا۔ اس قبرستان میں ایسی کئی قبریں تھیں جن میں لوگوں کو "امانتاً" دفن کیا گیا تھا بہت سے لوگ اپنے پیاروں کو ڈھونڈ لیتے تھے ان کی قبر کشائی کے بعد ڈیڈ باڈی ان کے آبائی علاقوں کو روانہ کر دی جاتی تھی مگر یہ بے نام قبر صرف نمبر دس کے ٹیگ سے پہچانی جا رہی تھی۔

پانچواں دن تھا جب ایک نوجوان وہاں آیا۔ وہ بتا رہا تھا کہ کیسے وہ چار دن سے پریشانی کے عالم میں اپنے باپ کو تلاش کر رہا تھا پھر ایک محافظ کسی طرح واپس حویلی پہنچا تو اصل صورت حال کا علم ہوا پھر جو ملازم اس سازش کا حصہ تھے انہیں گرفتار کر لیا گیا باقی بازیاب کروائے گئے اور وہیں پوچھ گچھ سے اس گاؤں کا سراغ ملا۔

☼ ☼ ☼

وہ ایمبولینس ساتھ لے کر آیا تھا اور اب گم سم کھڑا قبر نمبر 10 کو تک رہا تھا۔ "روٹی پانی نہیں کھاتا کیا؟" اتنے پیسے خرچ ہوئے وہ الگ دوسرے اتنا دل آ گیا تھا میرا۔" بابا سائیں نے گرے ہوئے کاریگر کی انگلیوں پر اپنا شوز رکھ دیا تھا۔

"اس کی انگلیاں کچل دیں ماما سائیں تاکہ اسے پتا چلے یہ محل کس رئیس کا ہے" "آپ کے نام کا ایک ایک حرف عزت شان اور بزرگی کے لیے بنا ہے۔"

"عزت شان اور بزرگی سب میرے اللہ کے لیے ہے۔" تابوت ایمبولینس میں رکھا جا رہا تھا اور حسن نواز کے آنسو نہیں تھمتے تھے۔ شان، غرور، بزرگی کا یہ انجام ہونا لکھا تھا۔۔۔ قبر نمبر 10۔۔۔ اسے اس لمحے رانعہ یاد آئی جو آج بھی کاری قبرستان کے ایک کونے میں اپنی بے عزتی پر خون کے آنسو رو رہی ہے اسے قتل ہونے سے بڑھ کر بے عزت ہو کر مرنے سے جو دکھ پہنچا تھا اس کا شاید وہ ابھی تک مداوا نہیں کر سکا تھا۔

بابا سائیں کی تدفین کر دی گئی تھی سب لوگ اس سے تعزیت کر رہے تھے اور وہ خاموش کھڑا تھا۔

"لوگ کہتے ہیں میں بہت نیک، بہت پارسا بہت اچھا انسان ہوں، مگر یہ صرف میں جانتا ہوں 40 فیصد اگر میں فطرتاً" اچھا اور نیک ہوں تو 60 فیصد اس لیے نیک ہوں کہ میری اماں سائیں کہتی تھیں کہ نیک، فرماں بردار، بلند کردار اولاد ماں باپ کے لیے ایک طرح سے صدقہ جاریہ بنا دی جاتی ہے وہ اچھا عمل کرتی ہے تو اس کا اجر اس کے والدین کی روح کو اسی طرح پہنچایا جاتا ہے جس طرح اولاد کے گناہوں کے لیے انہیں مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ مجھے پتا ہے میری اماں سائیں جنتی عورت ہیں مگر میں اپنے بابا سائیں کے لیے خوشیوں کی بیلیں لگاتا ہوں تاکہ جب لوگ ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیں تو میرے بابا سائیں پر سے کچھ سختی ختم ہو جائے۔ مجھے نہیں معلوم میری یہ سوچ کس حد تک صحیح ہے مگر بس میں صدقہ جاریہ کرنے میں لگا ہوا ہوں۔ اللہ سائیں مجھے ناکام و نامراد مت لوٹانا۔"

اس نے آنکھیں بند کر کے دعائیہ ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لیا اور نوری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اماں سائیں کی دعائیں، سمیرا باجی کی محبت اور نوری کی دلداری، اس نے نقصان کا کوئی سودا نہیں کیا تھا اگر کہیں وہ دنیاوی گھاٹے میں تھا بھی تو اسے اطمینان تھا اس کی آخرت اچھی رہنے والی ہے اس نے اپنی زندگی کا سودا آخرت کی عزت کے ساتھ طے کیا تھا اور وہ جانتا تھا وہ خسارے میں نہیں تھا۔

☼ ☼

رفاقت جاوید

بی لیو یو می

فل والیوم میں میوزک بج رہا تھا اور درزی جسے ماسٹر صاحب کہہ کر خواتین بڑے پن کا احساس دلایا کرتی تھیں۔ وہ محظوظ ہوتے ہوئے میوزک کے ساتھ اپنی بے سری آواز کو ترنگ سے ملانے کی کاوش میں لاپروائی اور بے توجہی سے کپڑوں کو چیر پھاڑ کر اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں محو تھا۔

عنیقہ شاپ میں داخل ہوتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھ کر بڑبڑائی۔

"او تیرا بھلا ہو۔ اس غل غپاڑے میں کیا کاٹو گے اور کیا سیو گے؟ اف کس قدر ہمارے پیسے اور وقت کا زیاں ہے۔ کیا ہماری ماؤں کا وقت بہتر نہیں تھا جب سلائی، کڑھائی کا کام گھر پر کیا جاتا تھا۔ نہ کم بخت ڈیزائنر تھے، نہ بھیڑ چال تھی، وقت بدلا اور ہم بھی سرتاپا بدل گئے۔ اپنی حیثیت اور اپنی ویلیوز فراموش کر کے مقابلے کی دوڑ میں لگ گئے۔ اسپیشلی خواتین ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور تجوریاں خالی کرنے میں شوہروں کا درد سر بن چکی ہیں۔ جوں جوں بے روزگاری بڑھی، مہنگائی حملہ آور ہوئی، محلات نما گھر تعمیر ہونے لگے۔ شادیاں اتنی طوالت اختیار کر گئیں کہ فنکشنز کا پھیلاؤ ہفتوں کو نگل گیا یہ سب کیا ہے؟ اور افسوس کہ میری طرح کی سوچ رکھنے والی بے حساب خواتین پھر بھی اس دوڑ میں رواں دواں ہیں۔" وہ سوچے جا رہی تھی اور درزی اس کی آمد سے بے خبر اپنی ہی دنیا میں مگن جھوم رہا تھا۔ قینچی بھی میوزک کے اتار چڑھاؤ کے مطابق چل رہی تھی۔

عنیقہ نے اس کی کٹنگ ٹیبل پر ہاتھ مار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس نے والیوم کم کر کے اس پر استفہامیہ نگاہ ڈالی۔ تو وہ قدرے جھینپ سی گئی۔

"جی باجی فرمائیے.... اگر کپڑے لینے آئی ہو تو وہ تو ابھی تیار نہیں ہیں۔ کل نہیں تو پرسوں ضرور مل جائیں گے۔" وہ شان بے نیازی سے بولا۔

"ماسٹر صاحب! بڑی مجبوری ہے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ میری بہنیں اور بھابھیاں آپ کے ہاتھوں کے سلے ہوئے کپڑے پہننا پسند کرتی ہیں۔ اب عید سر پر ہے۔ آپ مجھے ٹائم سے کپڑے دیں گے تو بات بنے گی نا۔ ٹی سی ایس سے پہنچانے میں بھی ہفتہ دو ہفتے تو لگ ہی جاتے ہیں۔" وہ ایک دم سے ذہن سے تمام سوچوں کو پرے طرف کرتی ہوئی ملائمت سے بولی۔

"باجی فکر نہ کرو۔ تم نے پندرہ جوڑے دیے ہیں پندرہ اور لا دیں۔ سارے اکٹھے ہی سل جائیں گے۔ دراصل کچھ کاریگر میٹھی عید کے بعد واپس ہی نہیں پہنچے۔ جب ان کے پیسے ختم ہو جائیں گے تو آ جائیں گے۔ وہ بھی میری مجبوریوں کو جانتے ہیں۔ اگر ڈانٹ دیا تو ساتھ والی دکان پر جا بیٹھیں گے۔ میری بے عزتی بھی ہو جائے گی بازار میں اور نقصان الگ اور پھر ملک کے حالات تو تمہارے سامنے ہیں۔" وہ اکتاہٹ سے بولا۔

"بے چارہ بات تو سچ ہی کہہ رہا ہے۔ اس ماحول میں ہر فرد اپنے اپنے مسائل میں بری طرح جکڑا ہوا ہے۔" عنیقہ نے اک لمبی سرد آہ بھر کر سوچا۔

"میری باجی پریشان ہو گئی اے۔ تسی فکر نہ کرو۔ جوڑے آج ہی خرید کے لیا دیو۔ ربن اور لیس سمیت۔ ایسے ڈیزائن کروں گا کہ سب اش اش کرا ٹھیں گی۔" وہ تسلی دیتے ہوئے بولا۔ "ماسٹر صاحب! میرے کپڑوں کے شاپرز اسی طرح پڑے ہیں۔ آپ

انہیں پہنچوا تک نہیں۔"

وہ آس پاس طائرانہ نظروں سے دیکھتی ہوئی اپنے شاپرز کی پہچان کے بعد اضطراری کیفیت میں بولی۔

"میں نے کہہ دیا اور یوں سمجھو کہ ہو گیا۔" وہ بے ساختگی سے بولا۔

"ماسٹر صاحب! آپ کو خبر نہیں کہ آدھا امریکہ آپ کو جانتا ہے۔ ان کے فیملیز فنکشنز پر اپنے اور غیر آپ کے ڈیزائن کردہ ملبوسات کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھتے ہیں۔ دیکھیں نا نام اور شہرت تو نصیبوں والوں کو ملتی ہے۔" وہ خوشامدی لہجے میں بولی۔

"تے فیر تسی اسراں کرو مجھے وہاں ہی بھیجوا دو۔ انہیں بھی آسانی ہو جائے گی میرے بھی وارے
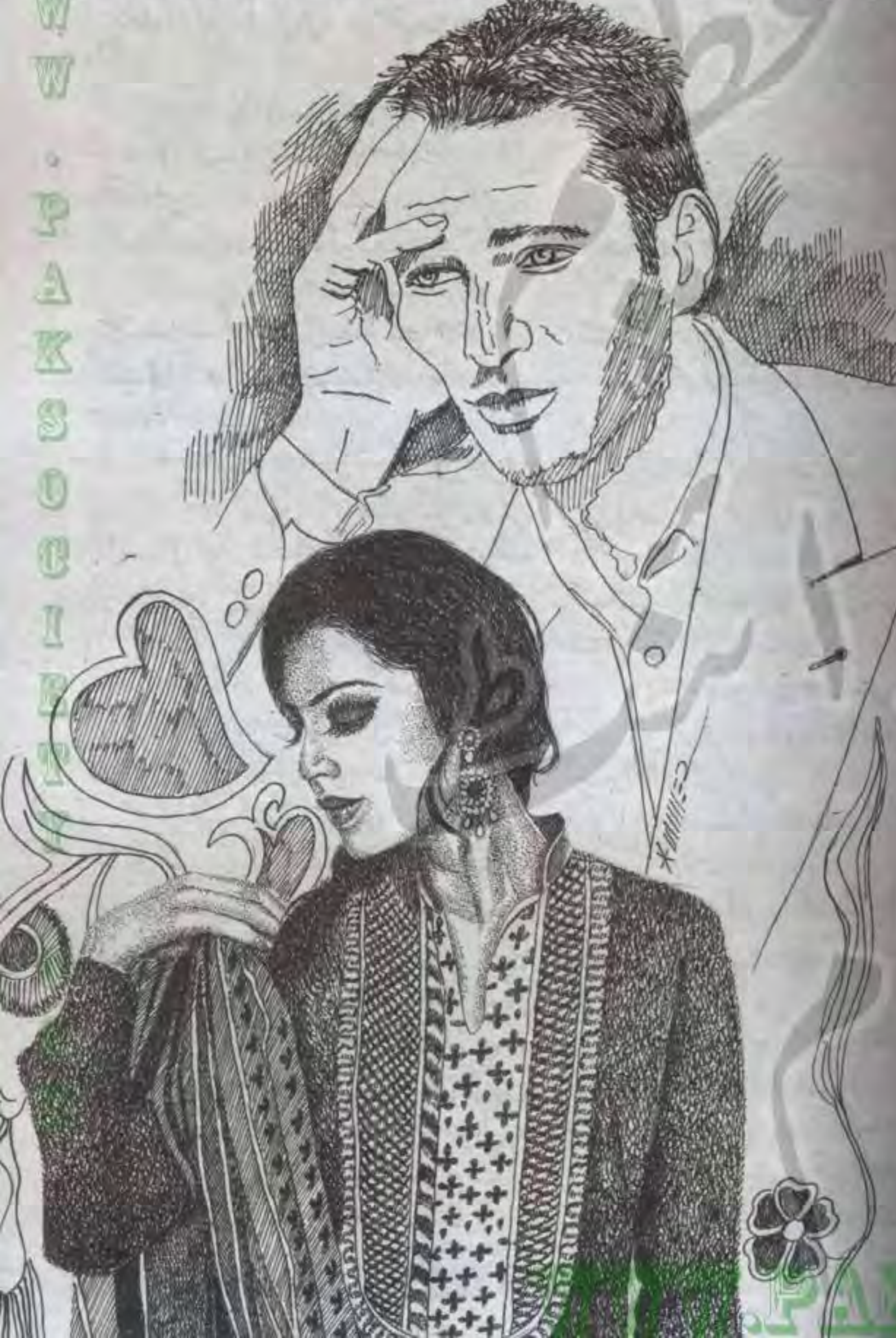
نیارے ہو جان گے۔" اس کی قینچی کسی شوقین مزاج خاتون کے مہنگے ترین جوڑے پر اپنے اصلی رستے کا تعین کرنے لگی۔

درزی نے اس کپڑے کو ایک طرف ناگواری سے پھینکا اور دوسرا شاپر کھول کر ایک اور مہنگا سوٹ نکال کر میز پر بچھانے لگا۔ عنیقہ اس کی ان تمام حرکات و سکنات کو دیکھ کر دہل سی گئی۔ بے اختیار سی ہو کر بول اٹھی۔

"ماسٹر صاحب! ہمارے کپڑوں کو ذرا احتیاط سے۔ بہت قیمتی کپڑے ہیں اور آپ تو اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ڈالرز کمانے والے شوہروں کی نخریلی اور ناک چڑھی بیویوں نے زیب تن کرنے ہیں۔"

"تو اوے کپڑے سمجھو کہ میرے گھر والوں کو کپڑے ہیں۔ فکر نہ کرو جی تے فر تسی مینوں بھیج رہے او نا۔" وہ اس کے چہرے کا بغور معائنہ کرتے ہوئے خوشگوار لہجے میں بولا۔

"ماسٹر صاحب! یہ کام آسان تو ہر گز نہیں لیکن ان سے بات ضرور کروں گی۔" وہ ٹالنے کے انداز میں بولی۔ وہ بھی عورتوں سے ڈیل کرنے والا گھاگ مرد تھا۔ ایک دم سے آنکھیں ماتھے پر آ گئیں۔

"جی... اگر تمہیں بہت جلدی ہے اور پھر کپڑے خراب ہونے کا ڈر بھی ہے۔ تے تسی نال والے درزی نوں پکڑ لوو۔ بہت اچھی سلائی کرتا ہے وہ بھی۔ میں اس کی گارنٹی دیتا ہوں۔" وہ رکھائی سے بولا۔

"ماسٹر صاحب آپ تو خوامخواہ ہی مائنڈ کر گئے ہیں۔ سب کی عیدیں آپ کی محنت و مشقت، توجہ و مہربانی کی مرہون منت ہیں۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ آپ کی وجہ سے ہی بجتی ہیں۔ کیا ٹھیکہ ہوتا ہے ہمارا اور کیا عزت افزائی ہوتی ہے۔ ہمارے ماسٹر صاحب کی کہ ہر عورت آپ کا فون نمبر اپنے موبائل میں فیڈ کر کے پر جوش نظر آنے لگتی ہے۔ میں بھی دل ہی دل میں بہت انجوائے کرتی ہوں کہ ہمارے ماسٹر صاحب ایسے بھی حاجت مند نہیں ہیں کہ ہر ایرے غیرے کو انٹرٹین کرنے لگیں گے۔" عنیقہ کے لہجے میں بلا کی چاشنی تھی۔

"جی مجھے پہلے ہی سر کھجانے دا ٹائم نہیں سارے کلائنٹ پرانے اور میرے اپنے ہیں۔ بس جی اللہ دا کرم اے۔ تے خوش قسمتی اے میری کہ بات ابھی تک بنی ہوئی ہے۔" وہ قدرے انکساری سے بول رہا تھا۔

"اب میں چلتی ہوں۔ پھر کل بقیہ میٹریل لے کر حاضر خدمت ہوں گی۔" وہ پرس سے چابی نکالتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"باجی تسی تشریف تے رکھو۔ کوئی چائے پانی۔ اس کے بغیر تو میری باجی بھلا کیسے جا سکتی ہے؟" وہ مودبانہ انداز میں بولا تو عنیقہ کو ہلکی سی تسلی ہوئی۔

"بیٹھو جی... او چھوٹے ذرا ادھر مر۔ جا کے باجی واسطے کوئی ٹھنڈا گرم لے آ۔"

"باجی حکم کرو۔ کی پسند فرماؤ گے۔" وہ سنبھلتے ہوئے بولا۔

"یہ تو بات نہ ہوئی۔ خدمت گزاری بھی آپ کریں اور ہم خاطرداری کی توقع بھی آپ سے رکھیں۔ یہ تو زیادتی ہے۔ میرے لیے سیون اپ اور آپ اپنے لیے حسب پسند منگوالیں۔ بل میری طرف سے ہو گا۔" وہ ممنونیت سے بولی۔

"باجی کیسی باتیں کرتی ہو۔ تسی تے ساڈے مہمان او۔" درزی نے چھوٹے کو اشارہ کرتے ہوئے ایک ہی سانس میں کہہ دیا۔

"ماسٹر صاحب! کن تکلفات میں پڑ گئے ہیں آپ۔" وہ تھوڑا جز بز ہو کر بولی۔

"چھڈو جی اے گلاں۔ او چھوٹے، جا ذرا جلدی نال باجی واسطے سیون اپ اور آپاں واسطے کنگ سائز دے گلاس وچ آنار دا ٹھنڈا جوس لے آ۔"

"کیوں باجی سارا دن دماغ ہشاش بشاش تے حاضر رہوے گا۔" اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا اور قینچی چلاتے ہوئے نہایت اپنائیت سے بولا۔

"باجی آپس دی گل اے۔ تم پہلے سے دبلی پتلی اور بے حد اسمارٹ نظر آنے لگی ہو۔ کسی جم وغیرہ جا شروع کر دیا ہے؟ بیگمات کے یہی تو شوق ہیں نا، کیوں باجی؟"

"ہائے ماسٹر صاحب میرے پاس اتنا وقت کہاں کہ جم جوائن کر لوں۔ نہ ہی واک کے لیے ٹائم ہے۔ ڈائٹنگ پر گزارا کر رہی ہوں۔ اس کے لیے تو کسی وقت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ویسے آپ نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ آج ہی دے آنگ اسکیل پر کھڑی ہو کر دیکھتی ہوں۔ ہو سکتا ہے اللہ نے رحم کر ہی دیا ہو۔" وہ سامنے قد آور آئینے میں اپنا جائزہ لیتے ہوئے چہک کر بولی۔

"جی باجی کہن دا مطلب اے کہ تواڈا نواں ناپ چاہی دا اے۔ ابھی لے لیتا ہوں۔ ایک بار کپڑے کو قینچی لگ جائے تو پھر اسے صحیح ناپ کا کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے جی؟" وہ سمجھانے کے انداز میں بولا۔ "ماسٹر صاحب ایک آدھ انچ میرے ناپ سے کم کی فٹنگ بالکل ٹھیک رہے گی۔ اندر گنجائش ضرور رکھیے گا۔ ہمارے وجود پل میں دبلے اور پل میں کپا بن جاتے ہیں۔ بعض اوقات پانی کا گھونٹ بھی گھی بن کر لگنے لگتا ہے۔" وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولی۔ درزی کھی کھی کرنے لگا۔ اسی اثنا میں چھوٹا مشروبات لے کر آ گیا۔ ماسٹر صاحب نے جوس کا گلاس سرعت سے پکڑا اور سیون اپ کی بوتل عنیقہ کی طرف بڑھا دی۔ بجلی، گیس کی شکایات، بے روزگاری کی وجوہات اور پھر آئے دن بدلتے فیشن پر طولانی گفتگو کے احساس ہوتے ہی وہ جانے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

"کم بخت کہیں کا۔ باتوں میں جان ڈالنے کا گر کوئی اس سے سیکھے۔ میرا کتنا قیمتی وقت اس کی فضول اور بے ہودہ باتیں سننے میں ضائع ہو گیا۔" گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ تڑپ اٹھی۔

"کیسے بے وقوف بناتا ہے نامراد۔ منہ بولی سلائی وصول کرنے کے باوجود یہ حال ہے کہ بیس چکروں کے بعد بھی بہانے کیا سمجھ رکھا ہے اس نے ہمیں۔ اللہ مارا باتوں سے بات نکالتا ہے۔ سر سے پاؤں تک کھا جانے والی نظروں سے گھورتا ہے۔ اب جناب نئے ناپ کے خواہشمند ہیں۔ جبکہ جانتا ہے کہ میں نے ہمیشہ اسے سلائی شدہ ناپ دیا ہے، میرے لیے شرم سے چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ گھر میں کام کرنے والے ملازمین کی جرات نہیں ہوتی کہ میرے سامنے آنکھ اٹھا کر بات کریں اور یہ لوگ جن کا درجہ میرے تمام ملازمین سے کم ہے۔ کیسے دیدہ دلیری اور بے باکی سے گفتگو کرتے ہیں۔ قصور میرا ہے اس کا نہیں۔ اگر عید پر میں نے بالخصوص بہنوں اور بھابھیوں نے نئے ملبوسات پہن کر شو آف نہ کیا تو کون سی قیامت آجائے گی۔ مجھے گھن چکر بنا کے رکھ دیا ہے۔ لاشعوری طور پر تم لوگوں کی نمائش نے میری خودداری کو تو چکنا چور کر دیا ہے۔ اب قابو نہیں آؤں گی۔ ڈیزائنرز سے مہنگے ترین کپڑے کھڑے پسند کیا کروں گی اور ارسال کر دیا کروں گی۔ یہی طریقہ ہے ہر طرح کی سردردی سے نجات پانے کا جی تو چاہتا ہے ان سب کی طرح یہ ملک بھی چھوڑ جاؤں۔" وہ جھنجلا کر سوچے جا رہی تھی۔ دس دن تک عنیقہ نے اس کی شاپ کا رخ نہ کیا۔ پندرہ جوڑے اور دینے تو کجا۔ پچھلے سل کر آجائیں، وہی غنیمت تھے۔ وہی ہوا جس کا اسے اندیشہ تھا۔ فون پر رابطہ رکھنے سے علم ہوا کہ جوڑا ابھی تک ایک بھی تیار نہیں ہوا۔ اسے اس کے جھوٹے لاروں پر بے پناہ غصہ آیا۔ مگر خاموش رہی۔ ہر بار فون کرتی تو اک نئے بہانے کے ساتھ درزی حاضر ہوتا اور ہنستا ہوا تسلیاں دے کر فون کاٹ دیتا۔ عنیقہ کے لیے بہت بڑا سبق تھا۔ کیونکہ اس نے سیکھنے کا تہیہ جو کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بھابھی! آئی ایم ایکسٹریملی سوری۔ اس بار عید پر آپ کے کپڑے پہنچنے مشکل ہیں۔ بہت کوشش کی مگر کپڑے تیار نہ ہو سکے۔ مجھے خود بہت افسوس ہو رہا ہے۔ لیکن کیا کروں میرے اختیار میں تو ہے نہیں یہ سب کچھ۔" عنیقہ تاسف اور ندامت بھرے لہجے میں بولی۔

"کیوں عنیقہ ایسا کیا ہو گیا؟" بھابھی نے چونک کر کہا۔

"آج تک تو ہر کپڑا ٹائم پر سلا اور بوقت ضرورت ہم تک پہنچ بھی گیا۔ تم نے پہلے ہی بتادیا ہوتا کسی اور کو کہہ دیتی۔ کون سا بڑا مسئلہ تھا۔"

"بس بھابھی درزی بے چارے بھی کیا کریں؟ جس ملک میں بجلی بارہ اٹھارہ گھنٹے غائب رہے۔ بھلا وہاں کام کیسے پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے۔ درزی تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بجلی کے انتظار میں بیٹھے ملتے ہیں۔ وہ بھی خوش ہیں کہ اگر دن میں ایک جوڑا سی پاتے ہیں تو پورے دن کی اجرت وصول کرتے ہیں۔ نہ کہ ایک جوڑے کی۔ اب ان سے بحث و مباحثہ کرنا ہی درست نہیں۔ بہت حقیرانہ حرکت لگتی ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ کپڑے پھر بھی سل نہیں پاتے۔ ٹی لیویوی بھابھی میں نے بے حساب چکر لگائے ہیں۔ اب تو مجھے خود سے بھی گھن آنے لگی ہے کہ کن لوگوں کے منہ لگتی ہوں بار بار۔" وہ اکتاہٹ سے بھرپور لہجے میں بولی۔

"ایسا بھی کون سا ناقابل حل مسئلہ ہے۔ خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ ذرا ٹھنڈی ہو جاؤ اور عنیقہ خدا کے لیے ان تمام درزیوں کو سمجھاؤ کہ بجلی کا انتظار کرنا چھوڑ دیں۔ انہیں سمجھ آجانی چاہیے کہ ہم نہ چاہتے ہوئے الٹے پاؤں چلنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ لوگوں کے ہاتھوں میں پنکھیاں آچکی ہیں، پھر ہاتھ کی سلائی مشین چلانے میں کیا قباحت ہے؟ کم از کم محتاجی بھی ختم ہوگی اور بے روزگاری کا بھی کسی حد تک خاتمہ ہو جائے گا۔ ذرا مشینوں کی تعداد بڑھانے کی ضرورت ہے۔ کاریگر تو بے شمار مل جائیں گے۔ درزی کو میری طرف سے دو مشینیں خرید دو مگر ہوں ہاتھ کی۔" اس نے اپنی منطق جھاڑی۔

"بھابھی! آپ بھی کیسی عجیب باتیں کرتی ہیں۔ ایک بار آسائشات کی عادت پڑ جائے تو پھر اس سے کنارہ کشی موت کو آواز دینے کے مترادف ہے اور پھر یہ طبقہ تو اخلاقیات سے اس حد تک گر چکا ہے کہ ہڈ حرامی، کام چوری اور جھوٹ فریب کو اپنی دانشمندی اور دور اندیشی کا نام دے کر فخر محسوس کرتا ہے۔ مجھے تو محسوس ہوا ہے کہ انہیں تو جیسے بہانہ مل گیا ہو محنت سے جان چھڑانے کا۔ نہ جانے کم بختوں کی گزراوقات کیسے ہوتی ہے؟" وہ سخت بے زاری سے بولی۔

"تم فکر نہ کرو یہ لوگ ڈاکا، چور بازاری اور چھینا جھپٹی سے بہت اچھا گزارا کر لیتے ہیں۔ بھلا وہ کام کیوں کریں گے۔" بھابھی نے ناگواری سے کہا۔

"بھابھی مجھے لگتا ہے اب ڈھیروں کپڑے سلوا کر آپ تک بھجوانا مشکل ہوتا جارہا ہے۔ تمام حالات آپ کے سامنے ہیں۔ خواتین ان دو ٹکے کے درزیوں کا دماغ تو ٹھکانے لا سکتی ہیں۔ مگر اس معاملے میں کچھ کرنا نہیں چاہتیں۔ میں تو اس کمی کمین ذات سے بائیکاٹ کرنے لگی ہوں۔ سلائی سیکھنے لگی ہوں۔ پہلے دور میں ہماری مائیں سلائی کو اولیت دیا کرتی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ ہر لڑکی سلائی کا شعور رکھتی تھی۔ اب ہم سب دیکھا دیکھی ایک ہی رستے پر گامزن ہیں۔ بس تنگ آگئی ہوں بازاروں کے چکروں اور درزی کی منتوں سے۔" وہ سخت ناگواری سے بولی۔ "بی لیویوی۔ آئی ایم سیریس۔"

"عنیقہ پلیز ایسے مت کہو۔ تم نے تو گیو اپ کر دیا ہے۔ یار تم کسی کو سدھار نہیں سکتیں۔ اپنے کام سے مطلب رکھو۔ زہر کو زہر سے مارنے کی کوشش مت کرو۔ ورنہ خود زہریلی ہو جاؤ گی۔ اس دنیا میں ایسے لوگوں کی کامیابی ناممکن ہے عنیقہ۔" بھابھی نے خدشے سے نکل کر سنبھلتے ہوئے کہا۔

"بھابھی۔۔۔ ہماری اس خودغرضانہ سوچ نے ہی تو ہمارے خون میں پوائزن بھر دیا ہے۔ ہم بذات خود اس تمام کیے دھرے کے قصوروار ہیں۔ جس کی سزا ہماری نئی نسل کو عذاب کی صورت میں مل کر رہے گی۔" وہ زہرخند لہجے میں بولی۔

"فی الحال ہم نے بھی انٹری تو دے ہی ڈالی ہے۔ درزی نے ٹائم پر کپڑے سی کر نہیں دیے تو تم اتنی اپ سیٹ ہو گئی ہو کہ ہوپ ہی چھوڑ بیٹھی ہو۔" وہ عالم تذبذب میں بولی۔

"میں آپ کو ایک فیلڈ کا آنکھوں دیکھا حال بتا رہی ہوں۔ حد سے تجاوز ہرگز نہیں کر رہی۔" عنیقہ سنجیدگی سے بولی۔ "یہاں ہر طرف یہی حال ہے۔"

"یار۔۔ دل دکھانے والی باتیں مت کرو۔ میں نے تو ہر صورت عید پر نیا جوڑا ہی پہن کر نماز کے لیے مدرسہ جانا ہے۔ سوچو اس مسئلے کا حل۔" وہ سوچنے لگی۔

"ایسا کرو عنیقہ، کم از کم اپنی پیاری بھابھی کے لیے کسی اچھے ڈیزائنر سے خوب صورت سا ڈریس خرید کر ٹی سی ایس کر دو۔ بعد میں باقی ڈریسز پہنچتے رہیں گے۔ اب تم انکار کر کے ہم سب کو بے شان و بے عزت تو نہ کرو۔" بھابھی نے رازداری کے انداز میں تیزی سے کہا۔

"ہائے بھابھی! ساری دنیا ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ جائے گی۔ ان گنت سالوں کی بے حساب محنت اور کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ سب کو کیا جواب دوں گی۔ بھابھی پلیز مجھے ایسا عمل کرنے پر مجبور مت کریں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ سب کی ناراضی مول لینے والی بات ہے۔" وہ متذبذب ہو کر بولی۔

"پگلی میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی، وعدہ رہا۔ تم میرے ساتھ بھلا کرو اور میں تمہیں ایسا اجر دوں گی کیا۔ فار گاڈ سیک عنیقہ، تم مجھ پر بھروسہ کرو۔ یہ بھید تمہارے اور میرے درمیان ہی رہے گا۔ ایسے کرو عنیقہ اس خوشی میں میری طرف سے اپنے لیے بھی عید کے لیے میرے ہی جیسا ڈریس خرید لو۔ دونوں ایک جیسا پہن کر بہنیں ہی تو لگیں گی۔" بھابھی نے نہایت اپنائیت اور لگاوٹ سے کہا۔

"تھینک یو بھابھی۔ میرے پاس ڈریسز کی کمی نہیں۔ ڈزائنرز کے گھر میں رہتی ہوں۔ وارڈروب میں ایک سے ایک بڑھ کر ڈریسز موجود ہیں۔ انہیں پہننے کی باری نہیں آتی اور سیزن گزر چکا ہوتا ہے۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"ہاؤ لکی یو آر، ایک ہم ہیں بھوکے پیاسے اور ترسے ہوئے بے چارے اور مسکین لوگ۔ تو پھر میں اپنے ڈریس کا انتظار کروں نا۔" وہ ملائمت سے بولی۔

"مجھے باقی بہنوں، بھابھی سے بچا لیجیے گا۔ کیونکہ آپ جانتی ہیں کہ مدرسہ میں نماز کی ادائیگی سے پہلے کرید نے والے سوالات کی بھرمار ہو جائے گی۔ آج تو تھک تھکا کر گھر واپس آچکی ہوں۔ کل آپ کے کام کے لیے پھر سے نکلنا پڑے گا۔ نہ جانے اب ان تک میری بھی رسائی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ ڈیزائنر کے نخرے کون سا کم ہیں۔ وہ بھی ہماری مجبوریوں سے باخبر ہیں۔ فی میل ڈیزائنر تو چھیل اتارنے میں ماہر اور میل نہایت چال بازی سے جوتوں سمیت ہمارے پرس کے اندر، کیا کیا بے وقوف بنایا جاتا ہے۔ جذبہ شوق رکھنے والیوں کو، بی لیویوی۔ میں بالکل صحیح نقشہ کھینچ رہی ہوں۔" وہ دل کا ابال نکال رہی تھی۔

"بس جو بھی ہے۔ مجھے جلد از جلد عید کا جوڑا بھیجو۔ کہنے کو تو بے شمار لوگ ہیں۔ مگر سب کے ٹیسٹ نہایت تھرڈ کلاس ہیں۔ تمہارا مقابلہ کہاں۔" وہ پرستائش لہجے میں بولی۔

"ڈونٹ وری بھابھی۔۔۔ آپ نے حکم کیا اور میں نے سر تسلیم خم کر لیا۔ وعدہ یاد رکھیے گا۔ کسی کو پتا نہ چلے۔" وہ خوشگوار موڈ میں بولی۔

"تھینک یو عنیقہ۔۔۔ بائی گاڈ تم نند نہیں میری اپنی بہنوں سے بڑھ کر ہو۔" بھابھی نے خوش ہو کر کہا۔ تو عنیقہ نے بڑبڑاتے ہوئے فون بند کر دیا۔ "بہنوں کا سا مقام نہ دینا۔ کبھی بڑھاؤ، کبھی گھٹاؤ۔ کیا مجال کہ اس سے کبھی برابری کی غلطی سرزد ہو جائے۔ احمق اور نادان سمجھ رکھا ہے مجھے۔ خوشامدیں کرو۔ میٹھی باتوں سے بہلاؤ۔ جھوٹی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاؤ اور کام نکلواؤ۔ مقصد حیات ہے۔"

☆ ☆ ☆
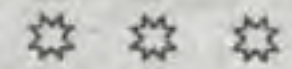
"ماسی! کہاں چلی گئی ہو؟" عنیقہ نے داخلی دروازے میں قدم رکھتے ہی ملازمہ کو پکارا۔

"جی باجی، آتی ہوں، کام کھتم ہو گیا تھا۔ ٹی وی دیکھ رہی ہوں۔ بہت بھلا ڈامہ (ڈرامہ) چل رہا ہے سار پلس (اسٹار پلس) پر۔ یہ شین دیکھ نے آئی۔" وہ

اونچی آواز میں ٹی وی کی طرف دیکھتے بولی اور ناگواری سے بڑبڑائی۔ "خیامت خڑی کڑدی آتے ہی۔"

وہ شاپنگ بیگز قالین پر پھینک کر دھڑام سے صوفے پر گر گئی۔

"اسلم چاچا جلدی سے ٹھنڈا پانی پلاؤ اور ٹرالی پر کھانا یہاں ہی کھلا دو۔ مجھ میں تو اٹھنے کی ہمت نہیں رہی۔ ہائے سب دور بیٹھی حکم صادر کر دیتی ہیں۔ یہ کردو' وہ کردو۔ پیسہ ان کا حساب مجھ سے ایک ایک پائی کا۔ ذلالت و خواری میری۔ بے وقعت اور بے قیمت۔ نہ ہی کسی کو احساس ہے کہ میں بھی اتنی جوان اور باہمت تو رہی نہیں کہ دن رات بازاروں کے چکر لگاتی پھروں۔ پھر طرہ یہ کہ کسی کو کلر کمبینیشن پسند نہیں تو کسی کو میٹریل میں نقص نظر آنے لگتے ہیں۔ احسان مند ہونے کے بجائے میں ہی انہیں سینکڑوں دلائل دے کر مطمئن و خوش کرنے کی کوشش کر رہی ہوتی ہوں۔" عنیقہ اس وقت مکمل طور پر منفی سوچوں میں گھر گئی تھی۔ پرلے درجے کی چڑچڑی اور غصیلی ہو کر ملازموں پر ٹوٹ پڑی اور ماسی کی بے پرواہی دیکھ کر تلملا اٹھی۔

"ماسی اس عمر میں اللہ اللہ کرو۔ کیا ہر وقت ڈرامے اور فلمیں دیکھتی رہتی ہو اور خالہ' چاچا کچن کے تمام کام چھوڑ چھاڑ کر کرکٹ میچ دیکھنے میں مگن ہیں۔ مجھے تو محسوس ہونے لگا ہے کہ اس گھر کی ملازمہ میں اور مالک تم سب لوگ ہو۔ میری شرافت کا ناجائزہ فائدہ اٹھانا بہت گھاٹے میں جائے گا۔ ادھر آؤ' ہاہائے سن ہی نہیں رہی۔ مجھے لگتا ہے کہ سب کے ٹی وی دیکھنے پر پابندی لگانے پڑے گی۔ میرے پاؤں دباؤ۔ بے چارے میلوں کی مسافت طے کر کے آئے ہیں۔ نہ جانے ان کم بختوں کو کیا مرض ہے کہ سب سے پہلے تھکنے کا اعلان ہی یہی کرتے ہیں اور پھر پورا بدن ان کی گرفت میں آجاتا ہے۔ خالہ' چاچا پہلے پانی ہی پلا دو۔ کھانا دینے میں تو تم گھنٹہ لگا دو گے۔" وہ چیخ کر بولی۔

"بی بی جی وجن جیادہ ہو تو گِٹے گوڈے ہی جواب دیویں اور فریاویں پر تو اس جثے کا منوں وجن جو پڑے۔ دکھیں گے تو اور فر پہلے جیسی بہار بھی تو نہ ہوئے۔ بڑے باپ کے برابر لگے۔ قبر آواج دیوے۔ اب یہ تو ہوئے نا۔" ماسی نے پاؤں دباتے ہوئے اپنی علمیت جھاڑی تو وہ بھڑک اٹھی۔

"مجھے تمہاری دانائی نہیں چاہیے ماسی۔ زبان کو لگام اور منہ کو بند رکھ کر پاؤں دبانے کو بولا ہے۔ ہر ایک عقل مند ہے یہاں۔ ایک میں ہی نادان اور احمق ہوں۔" وہ بڑبڑائی۔

"درزی کہہ رہا تھا کہ دبلی اور اسمارٹ ہو گئی ہوں۔ یہ محترمہ فرما رہی ہیں کہ منوں بھاری اور پھر اس دار فانی سے جانے کے دن بھی قریب ہیں۔ دونوں ہی جھوٹے' شاطر اور خوشامدی نامراد کہیں کے۔ کسی کی بات پر بھروسہ کرنا اور خوش فہمی اور خوش خیالی میں مبتلا ہونا نادانی ہی تو ہے۔" عنیقہ نے حقارت سے اپنے اندر ہی سرگوشی کی اور ماسی کو پاؤں سے دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔

"بمعہ میرے ہم سب اخلاقیات سے گرے ہوئے شاہکار ہیں۔" وہ خود کو کوستی کمرے کی طرف چل دی۔

☼ ☼ ☼

"ہر بار عید تمہاری بہنوں اور بھائیوں پر قربان ہو جاتی ہے۔ کپڑے اور بکرے بس ان ہی کے پیچھے بھاگتی نظر آتی ہو۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولے۔ "ہماری کوئی پرواہی نہیں۔"

"بازاروں اور بکرا منڈیوں میں مارے مارے پھرنے کا مجھے قطعاً" شوق نہیں۔ اسے میری مجبوری سمجھیں۔ آپ ہی راہ فرار بتا دیجیے اور ان کے لیے کوئی نیارستہ انہیں گائیڈ کردوں۔" وہ چڑ کر بولی۔

"ہاں' ہاں مجھے ہی ان کی نظر میں برا بناؤ۔ تم ان کی غلام بنو اور میں نوکر بن کر کھڑا ہو جاؤں۔ تمہاری چار عدد بہنیں اور دو عدد بھابھیاں میری جان کو آجائیں گی۔ ویسے اتنے بڑے خاندان سے بیوی لانے سے بہتر ہے کہ کنوارے ہی مر جاؤ۔" وہ اسے چھیڑنے کے انداز میں بولے۔

"آپ مجھے ایک سوال کا جواب دیں کہ خریداری کے اس عمل میں آپ کا کردار کیا رہا ہے کہ بڑے خاندان پر اعتراض ہونے لگا ہے۔ بکرے خریدنا' پھر قربانی اور گوشت بانٹنے تک کا عمل مردوں کی ذمہ داری ہے۔ آج تک آپ نے ایسا کون سا کمال کر ڈالا ہے کہ طعنوں تشنوں پر اتر آئے ہیں۔"

"یار! تمہارے خود ساختہ مسائل کا حل میرے پاس تو ہے نہیں۔ اب خدمت خلق کے جذبہ شوق سے باہر نکل آؤ۔ کسی بھی NGO میں قربانی کی رقم بھیج کر اس تمام تردد سری سے بچ جاؤ گی اگر میری مانو تو اور ڈریسز بھی بوتیک سے خرید کر اپنا نام بناؤ۔ تمہیں مسئلہ کیا ہے؟ یہ دوسروں کی نظروں میں اچھا بننے کی خواہش کو گولی مارو۔ لاحاصل اور لایعنی محنت کا پھل بھی ہمیشہ کڑوا ہی ہوتا ہے اور دوسرا اب تم میں جوانی کی طاقت اور جوش کی ہلکی سی رمق بھی نظر نہیں آتی۔ نہ کہنے کا آرٹ سیکھو۔ ورنہ ماری جاؤ گی۔ بقول تمہارے بی لیو یو می۔" وہ چھیڑنے کے انداز میں بولے۔

آپ کو کتنی بار نازک مسئلہ سمجھا چکی ہوں کہ میرے بھائیوں اور بہنوں کو کسی NGO پر رتی بھر یقین نہیں ورنہ وہ خود بھی تو ایسی قربانیاں باآسانی دے سکتے ہیں۔ بوتیک کے ڈریسز وہاں بھی ملتے ہیں۔ میں ان کے لیے اتنا سا بھی نہ کروں۔ اف کتنے تنگ نظر ہیں آپ۔ بی لیو یو می۔" وہ جل کر بولی۔

"مجھے آپ سے ایسی توقع ہرگز نہیں تھی۔"

"چلو بیگم چھوڑو یہ دل جلانے والی باتیں۔ اچھی سی گپ سناؤ۔" وہ پیار بھرے لہجے میں بولے۔

"ہونہہ دل جلوں کی قربت میں خوشگوار اور من پسند باتیں تو ہونے سے رہیں۔ اللہ نے تو میری عزت کی پاسداری اور پردہ داری رکھ لی کہ سب مجھ سے دور ہیں ورنہ میں تو تماشا ہی بن گئی ہوتی۔ بھلا ایسی باتیں سننے کے بعد یہ گپ شپ کا تعلق کسی سوچ سے تو ہے نہیں کہ آن کر دوں۔" وہ خفگی سے بولی۔

"چلو اس ضمن میں پہل میں کیے دیتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ عید کی ضیافت پر کس کس کو مدعو کر رہی ہو اور اس بار مینو کیا ہے؟" وہ اس کے قریب ہو کر لگاوٹ سے بولے۔

"اوور ایٹنگ سے کس کس کو اسپتال بھیجنے کا پروگرام ہے اس بار۔"

"نہیں بتاؤں گی۔ کام کے نہ کاج کے دشمن اناج کے۔" وہ بھی چھیڑنے کے موڈ میں آگئی۔ یہ رشتہ ہوتا ہے میاں بیوی کا کہ ذرا سی توجہ اور نرمی پر ہر گستاخی معاف ہو جاتی ہے۔

"یار میری بڑی آپا کو بلانا مت بھولنا ورنہ میری عید خراب ہو جائے گی اور بھائی کے لیے بغیر مرچوں مسالوں کے اپنے ہاتھ سے کھانا بنانا۔ وہ بہت خوش ہو جائیں گے اور میری گل گلزار چھوٹی بہن کو دیسی کھانے پسند ہی نہیں۔ چائنیز بنا لینا اور چھوٹے بچوں کے لیے پیزا اور نوڈلز خوب رہیں گے آخر کچھ تو فائدہ ہو تمہارے مہنگے کورسز کرنے کا' جوانوں کی فکر نہ کرو تمام وہ کام جس سے تمہاری گوری رنگت پر سیاہی بکھرنے کا اندیشہ ہے وہ سنبھال لیں گے۔ تم میرے بارے میں تو جانتی ہو۔ تازہ گوشت کا خوش ذائقہ پلاؤ وہ بھی تمہارے ہاتھ کا ہو تو یقین مانو تمہارا سسرال امپریس ہو جائے گا۔" وہ لہک لہک کر بول رہے تھے۔

"ارے مجھے پچیس سال بعد کسی کو امپریس کرنے کی قطعاً" خواہش نہیں۔ ہاں آپ کی خوشی کی خاطر کیے دیتی ہوں۔ مگر میری بھی ایک معمولی اور چھوٹی سی شرط ہے۔" وہ آنکھیں مٹکا کر بولی۔

"بولو بندہ حاضر ہے تمہاری ہر شرط ماننے کو۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو ذرا جھکا کر بولے۔

"تو سنیے! اس بار سات بکروں کو خریدنے ذبح کروانے اور گوشت بانٹنے کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔" انہیں یہ سن کر شدت کا جھٹکا لگا' لیکن کھلکھلاتی ہوئی بیگم کو دیکھ کر خجل سا ہو کر بولے۔

"منظور مگر یاد رکھنا کہ کھانا ایسا مزے دار ہو کہ تمہارا سسرال انگلیاں چاٹتا رہ جائے۔ ویسے بھی تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ بہت تھک گئی ہو۔ تمہارے

چہرے کی فریش نیس ہی ختم ہو گئی ہے۔ ویری سیڈ تم گھر سنبھالو میں باہر۔"

"سچ طارق۔ آئی تھنک اٹ از آ بگ جوک۔ آپ کو میری تھکاوٹ کا احساس کیسے ہو گیا؟ میں جانتی ہوں۔ اپنوں کی خاطر مدارات مین ریزن ہے نا۔ ورنہ آپ نے تو ہر تہوار پر فقط کھانا تناول کرنا تنبیہہ کرنا اور تمسخر اڑانا سیکھا ہے۔ ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔" عنیقہ نے بے یقینی سے جھرجھری لی اور چبھتی ہوئی نظروں سے طارق کو دیکھ کر کہا۔

"چلو اس بار تمہارے تمام گلے شکوے ختم کیے دیتا ہوں۔ نہ کھانا کھاؤں گا۔ نہ ہی نقص نکالوں گا اور نہ ہی تمہارا مذاق اڑانے کی اسٹیج تک پہنچ پاؤں گا۔ لیکن اس بار قربانی کی ارینج منٹ میری ہو گی۔ آخر کو میرے سالے اور سالیوں کی قربانیاں ہیں۔ کوئی چھوٹی بات تو نہیں۔ آج کل بیوی کی جی حضوری کرنا ٹرینڈ بن چکا ہے۔ بھلا میں اس میراتھن کا حصہ کیوں نہ بنوں؟" ان کی ہنسی شدت اختیار کر گئی۔

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ مجھ پر اتنی نوازشات و عنایات۔ جنہوں نے زندگی میں ہر کام بذریعہ آرڈر کروایا ہو۔ آج اپنے جذبات اتنی فراخدلی سے کیسے پیش کر سکتا ہے۔ اٹ از امپاسبل۔"

عنیقہ کے دل نے سرگوشی کی اور ابھرتی ہوئی خلش بے چین سی کرنے لگی۔ جس کے اثرات اس کے چہرے پر نمایاں تھے۔

"بی لیو یو می۔" وہ عنیقہ کے انداز میں ہنستے ہوئے بولے۔

"آئی ول ڈو اٹ۔"

"پرامس۔" عنیقہ حیرت و اشتیاق سے انہیں دیکھنے لگی۔ اور سوچتے ہوئے بولی۔

"بس یاد رکھیے گا کہ کام کسی اور پر نہیں چھوڑیے گا۔ آپ کی سپرویژن ضروری ہے۔"

☼ ☼ ☼

حسب معمول و حسب توقع۔ عیدالاضحیٰ کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ گھر کی صفائی ستھرائی، پردوں کی ڈرائی کلیننگ، ڈیکوریشن پیسز کی دھلائی، لان میں پودوں کی کاٹ چھانٹ۔ گھاس کی کٹائی، گملوں کی رنگائی ایسے کی جا رہی تھی جیسے یونٹ کا CO انسپکشن کے لیے وارد ہونے والا ہو۔ سسرالی خواتین کی عقابی نگاہوں سے بچنے کے لیے اس کا ردعمل درست تھا۔ ہر عید ان کے لیے انجوائے منٹ کا سامان ہوتی اور اس کے لیے درد سر عذاب اور اذیت کا جسے صبر و شکر سے ہنس کر سہنے کا عمل اور بھی کربناک ہوتا تھا۔ ہر عید پر مہینہ پیشتر گھر کی سالانہ من ٹنس پر خاص توجہ دی جاتی۔ قربانی سے فارغ ہو کر ڈنر کا اہتمام کیا جاتا۔ جس میں اپنے ہی خاندان کے قریبی عزیز و اقارب کو مدعو کیا جاتا۔ اور یوں عید کا مزا سب کے لیے دوبالا مگر خاتون خانہ کے لیے درد بن جاتا۔ آج کی عید تو بہت مختلف تھی ماضی میں بیتی ہوئی عیدوں سے۔

عید سے ایک دن پہلے طارق سات عدد بکرے خرید کر لے آئے۔ موسم خوشگوار تھا۔ رات تو ہلکی سی خنکی میں بکروں کی جائے پناہ گھر کی پچھلی سائیڈ کے برآمدے کا انتخاب مناسب لگا۔ صبح ہوتے ہی انہیں گیٹ سے باہر والے وسیع لان میں تناور درختوں کے ساتھ باندھ کر دانے پانی سے خوب خاطر مدارات کی گئی۔ عنیقہ کا بیٹا اور شوہر ادائیگی نماز کے لیے فیصل مسجد روانہ ہو گئے۔ تینوں بیٹیاں تیار ہو کر سہیلیوں کی طرف سدھار گئیں اور عنیقہ نوکروں کے ساتھ مل کر ڈنر کے انتظامات میں مصروف ہو گئی۔ آج عنیقہ ضرورت سے زیادہ خوش و مطمئن نظر آ رہی تھی۔ کیونکہ اس بار یکطرفہ ذمہ داری نبھاتے ہوئے کسی قسم کی بے زاری کا احساس تھا نہ ہی وہ کوفت کا شکار تھی۔ ورنہ ہمیشہ سات بکروں کی قربانی اور خاندان بھر کے ڈنر کی تیاری میں خاصی تھک جایا کرتی تھی۔ بائے دی اینڈ آف دی ڈے وہ مہمانوں کو رخصت کرتے ہی طارق پر برس پڑتی تھی۔ جن کا دن نماز کی ادائیگی کے بعد رشتے داروں کے گھروں میں حاضری دینے، کھانے پینے اور خوب لمبی تان کر سونے میں گزرتا تھا۔ اور رات اپنے رشتے داروں کے ساتھ ٹھٹھے اڑانے اور خوش گپیوں کی نذر ہو جایا کرتا تھا مگر آج کی اس انوکھی اور انہونی تبدیلی پر وہ حیران ہونے کے ساتھ بے پناہ خوش بھی تھی۔ تھکن آج بھی عروج پر تھی۔ نوکروں کے ساتھ صبح سے کچن میں میاں کے فرمائشی پروگرام کے مطابق اپنے وعدے کی وفا میں مگن تھی۔ اپنے، بہت دور تھے۔ اپنی زندگی کو اس نے اپنے شوہر، بچوں اور گھر کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس لیے ملازمین کے باوجود ہر فن مولا تھی۔ اس کا گھر جنت کا گہوارہ اس کے نظم و نسق کی وجہ سے تھا۔ طارق طبعاً "خوش گو، خوش خور" اک اور خوش لباس انسان تھے۔ بیوی کے سلیقے کی داد دینے میں کنجوسی سے کام لیتے۔ لیکن دل اس کی مدح سرائی میں ہر وقت نغمے الاپتا رہتا تھا۔ جسے عنیقہ محسوس کرتے ہوئے اندر ہی اندر نہال ہوتی رہتی تھی۔ میاں بیوی کے رشتے میں نفسا نفسی، خود غرضی اور مطلب پرستی تو کام نہیں کرتی نہ ہی زور آوری اور زبردستی سے کام نکلوائے جاتے ہیں۔ یہ رشتہ تو ہے لحاظ، رکھ رکھاؤ، محبتوں اور چاہتوں کا۔ ہم آہنگی اور انڈر اسٹینڈنگ کا۔ جو اس کپل میں وافر مقدار میں پائی جاتی تھی۔ اس لیے بعض اوقات طنز و مزاح اور مذاق میں دونوں حدود و قیود کو برطرف کر کے ایک دوسرے کی جی بھر کر عزت افزائی کر کے بھی شاداں و فرحاں نظر آتے تھے۔ صنف نازک کو کبھی کبھار زبانی کلامی تعریف سننے کی انوکھی سی طلب ہوتی ہے، چاہے وہ تعریف جھوٹی ہو وقتی ہو۔ بے حقیقت اور بے ثبات ہی کیوں نہ ہو؟ بس جانتے ہوئے بھی یقین کر لینے کو دل چاہتا ہے۔ خود کو بے وقوف بنا کر فرحت و راحت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ عنیقہ سب کچھ جانتے ہوئے آج پوری توجہ کھانے اور اپنے گھر کو سلیقے اور قرینے سے سجانے پر دے رہی تھی۔ تعریف کے ایک بول کی خاطر۔

آج ہر کام وقت پر سرانجام پا گیا۔ وہ تیار ہو کر شوہر اور بیٹے کی واپسی کا انتظار کرتے ہوئے اپنی چھوٹی سی جنت میں گنگناتی ہوئی پھر رہی تھی کہ ڈور بیل ہوئی۔ اس سے پہلے کہ ملازم دروازہ کھولتا۔ عنیقہ نے سرعت سے دروازہ کھولا اور بیٹے کو نظر انداز کرتے ہوئے شوہر کو گلاب کا پھول پیش کر کے ان کے گلے کے گرد بانہوں کا حصار بنا کر کھنکتی ہوئی آواز میں گویا ہوئی۔

"عید مبارک۔ آپ کے نصیب میں ایسی ہزاروں عیدیں آئیں۔" وہ مسرت آگین نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"عمیر! عمیر مجھے سنبھالو۔ تمہاری ماں کو کیا ہو گیا ہے؟ آج سے پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔ بیگم ہمیشہ ملازمہ کے روپ میں ہی گلے ملا کرتی تھیں۔ بھئی اس کا بھی اپنا ہی مزا تھا۔ آج تو تم اپنی اپنی سی لگ رہی ہو یار۔ بائی گاڈ عید کا مزا ہی کرکرا ہو گیا ہے۔" وہ شگفتہ مسکان بکھیرتی ہوئی بیوی کو دیکھ کر بولے "بھئی میری نگاہیں تو اس خاتون خانہ کی متلاشی ہیں۔ جو آج کے دن بکروں کو نہیں بلکہ ہمیں کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی اور ہمیں قربان کر کے فخر سے اکڑ کر پھرا کرتی تھی۔ ببل وہ خاتون کہیں کھو گئی ہے آج۔"

طارق کو جب بھی بیگم پر بے تحاشا پیار آتا تو اسے ببل کہا کرتے تھے۔ اور عنیقہ اس فسوں میں آج بھی کھو گئی۔

"سمجھا کریں۔ آج کام کا پریشر قدرے کم ہے نا۔" وہ جھومتی ہوئی بولی۔

"اگلی عید کی قربانی ایدھی سینٹر میں کی جائے گی۔ یہ میرا حکم ہے کیونکہ جو کام موڈ خراب کرتا ہو، گھر کے ماحول کو داغدار کرتا ہو، میاں بیوی میں رخنہ ڈالتا ہو۔ چاہے نیک ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے گلو خلاصی فرض کے زمرے میں آتی ہے۔" وہ ان کی اس بامعنی بات کو رغبت سے سن کر ہنس دی۔

"قربانی پرانی طرز اور مذہبی عقائد کے عین مطابق دی جائے گی۔ یہ میرا حتمی اور آخری فیصلہ ہے بی لیو یو می۔" وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولی۔ میاں بیوی کے جاندار اور شگفتہ قہقہوں نے گھر کی سجاوٹ میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ وہ پیار سے بولے۔

"بیگم ذرا تیاری پکڑو۔ دو عدد قصائی باہر تشریف فرما

ہیں۔ ان کے لیے چائے بہترین لوازمات کے ساتھ باہر بھجوا دو۔ بہت جلدی میں ہیں۔ کیونکہ پہلے وقت کی قربانی کے چارجز جو ڈبل ٹرپل ہیں۔ ان کی کمائی کے یہی تو تین دن ہوتے ہیں۔" وہ ہمدردانہ لہجے میں بولے۔

"ایسی بھی بات نہیں طارق۔ سال بھر تول میں بے ایمانی اور گوشت کا اچھا پیس دکھا کر باسی اور بدبودار کا قیمہ اور بوٹی بنا کر خوب پیسہ بناتے ہیں۔ ان کی چالیں اور گر آپ کیا جانیں؟ ابھی بھی گوشت آپ کی سپر ویژن میں تیار ہونا چاہیے۔ کم بخت آج کے دن بھی چوری چالاکی سے باز نہیں آتے۔" وہ ایک دم سے بھڑک کر بولی۔

"تمہیں ایسے ہی غلط فہمی اور بدگمانی ہے۔ بھلا گوشت کی چوری کیونکر کریں گے۔"

وہ اس کی باتیں سن کر محظوظ ہوتے ہوئے بولے۔

"دراصل خواتین کا ان تمام لوگوں سے روز کا واسطہ پڑتا ہے۔ بدقسمتی سے اب ان کی نظر میں کوئی بھی کھرا اور سچا نہیں رہا۔ ہر ایک سے اعتماد اور بھروسا اٹھ گیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بدکاروں کے ساتھ نیکو کار بھی تو ہوتے ہیں نا بیگم۔ سب کو ایک ہی قطار میں ہانکے چلے جاؤ۔ دس از ناٹ فیئر۔"

"آپ کو کیا بتاؤں؟ جو درزی نے مجھ سے کر ڈالا۔ کم بخت کے لیے ران تو کیا ایک بوٹی بھی نہیں رکھوں گی۔ آج میری بہنیں بھابھیاں اس کی نالائقی، لاپروائی اور مکاری کی وجہ سے نئے کپڑوں سے محروم رہ گئیں۔"

"چھوڑو یار کیسی باتیں کرتی ہو۔ میں پچھلے پانچ سالوں سے یہی شلوار قمیص پہن کر عید کی نماز پڑھنے جاتا ہوں۔ آپ ۔۔۔ لوگوں کے مسائل الامان۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے ناگواری سے بولے۔ تو عنیقہ نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔

"تو بیگم اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" وہ توقف کے بعد بولے۔

"اپنے بکرے سے قربانی کی شروعات کریں۔ گاڈ بلیس یو۔" وہ کھلکھلاتے ہوئے بولی۔

"واہ واہ بیگم کاش وقت کی سوئیاں گاڈ بلیس یو پر ٹھہر جائیں۔ ہمیشہ کے لیے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"بس سمجھیے کہ آپ کی دعا پوری ہو گئی۔" وہ قہقہہ لگا اٹھی۔ بیٹے نے اسی لمحے ان کی تصویر کھینچی۔

"پاپا وقت کو میں نے قید کر لیا ہے۔ ڈونٹ وری۔" عمیر نے تصویر انہیں دکھاتے ہوئے کہا تو وہ ہنسنے لگے۔

"ویری گڈ۔ عنیقہ گوشت کے لیے برتن وغیرہ تیار رکھو۔ فی الحال قربانی کے بعد بکرے دو گھنٹے تک ہوا میں معلق رہیں گے۔ پھر ان کا گوشت صاف کیا جائے گا۔ بوٹی بنے گی۔ رانیں کٹیں گی۔ مسالے لگیں گے۔ سرِشام کوئلے جلیں گے اور سیخوں پر تکہ بوٹی چڑھے گی اور تناول کرنے والوں کے منہ میں خوشبو سے ہی پانی بھر بھر جائے گا۔ بھوک ایسے چمکے گی کہ اوور ایٹنگ ہو جائے گی ڈاکٹروں کی عیاشی ہی عیاشی۔" وہ اتنے مزے لے کر بول رہے تھے کہ دونوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔

"آج کی عید یادگار عید بیگم۔ یہ راز پایا بڑی دیر کے بعد ہماری بیل خوش تو سمجھو زمانہ ہے خوش۔"

وہ لہکتے ہوئے بیگم کو بوسہ دے کر باہر نکل گئے۔

عنیقہ، کچن میں خانساماں کو ہدایات دے کر پھر گھر کی طرف متوجہ ہو گئی۔

طارق نے زندگی میں پہلی بار سات بکروں کو یکے بعد دیگرے اتنی بے دردی، جلد بازی اور لاپروائی سے ذبح ہوتے دیکھا تھا۔ رہ رہ کر بکروں پر ترس آئے جارہا تھا۔ دل متلانے لگا اور سر چکرانے لگا تھا۔ خانساماں بکروں کی کلیجی لے کر کچن کی طرف چل دیا۔ اور پکانے کی تیاری ہونے لگی۔ یہی ناشتا تھا اور یہی ان سب کا لنچ تھا۔ عنیقہ خوشی خوشی ملازم کے ساتھ مل کر سب کے لیے کھانے کے انتظامات کرنے لگی۔ ایک گھنٹے میں کلیجی تیار تھی۔ باقی سب نے پراٹھوں کے ساتھ مزے لے لے کر کھائی۔ مگر طارق ایک نوالہ بھی نہ لے سکے۔ چائے لے کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور بوجھل طبیعت کے ساتھ بستر پر نیم دراز ہو کر کتاب کا مطالعہ کرنے لگے۔ اور وہیں غنودگی سی چھانے لگی۔ کتاب سائیڈ پر رکھ کر وہ تکیے پر سر رکھ کر لیٹے اور پل بھر میں کمرے میں ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز خاموشی کو توڑنے لگی۔

عنیقہ نے مصروفیت میں گھڑی کی طرف دیکھا تو چونک کر سٹپٹا گئی۔

"او مائی گاڈ بہت دیر ہو گئی۔ ابھی تک قصائی واپس نہیں پلٹے۔ اف اتنی بڑی بارات کا کھانا کیسے پکے گا۔" وہ فکرمندی سے کمرے کی طرف بھاگی۔

"طارق آپ نے حد ہی کر دی ہے میں سمجھی کہ آپ بکروں کے پاس جا چکے ہوں گے۔ بھلا آج کے دن کون سوتا ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔ ذمہ داری اٹھائی ہی تھی۔ تو خوش اسلوبی سے نباہ دیتے تو کتنا ہی اچھا ہوتا۔" وہ طارق کو جھنجوڑ کر سانس روکے بولے چلی گئی۔

"یار جاتا ہوں۔" وہ آنکھیں ملتے ہوئے بیٹھ گئے۔

"مگر میری آنکھ لگ ہی گئی تھی تو بیٹے کو کہتیں کہ قصائی کو فون کر کے معلوم کر لیتا۔ تم خود بھی کر سکتی تھیں۔ سارا ہی مجھ پر چھوڑ دیا ہے انگلی پکڑائی تو بازو نگل لیا یہ خوب رہی۔ اچھا فکر نہ کرو۔ میں ہی معلوم کیے دیتا ہوں کہ نواب صاحب کب تشریف لا رہے ہیں۔ آدھے اسلام آباد کے بکرے لٹکا کر سب کو انتظار کی وہ مار دیتے ہیں کہ بی پی ہائی ہونے لگتا ہے۔"

وہ غصے سے بولتے ہوئے بیڈ سے نیچے اترے۔

"آپ تو آرام فرما رہے تھے۔ بی پی تو میرا ہائی ہو چکا ہے تم سمجھو کر۔" وہ بھی خفگی سے بولی۔

"بیگم تم ایسے موڈ میں بہت بری بلکہ بہت بدصورت سمجھو کہ بھیانک چڑیل کی طرح لگتی ہو۔ صبح سے خوش ہو۔ گھر میں رعنائیاں بکھر گئی ہیں۔ جلدی سے اپنا مزاج درست کرو۔ سب کام ہو جائیں گے۔ گھر بھی اپنا اور یہاں آنے والے اور کھانے والے بھی اپنے۔ خوامخواہ ٹینس ہو گئی ہو۔ ایک تو عورتوں کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ دوسری عورتوں کو امپریس کرنے سے باز نہیں آتیں۔" لہجے میں بے پناہ ہمدردی تھی۔

"آپ نے آج تک کبھی تعریف بھی کی ہے میری۔" وہ جل بھن کر بولی۔

"بیوی میں کیڑے نکالنا کوئی آپ سے سیکھے۔ سلیقے اور قرینے کو شو بازی کا نام دینا سراسر جہالت ہے یا پھر اسے جیلسی کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ جوانی چلی گئی مگر عورتوں والی خو نہ گئی آپ کی۔" وہ برا سا منہ بنا کر بیٹھ گئی۔

"مجھ سے اتنا کام لے کر بھی تم راضی اور خوش نہ ہوئیں۔ تم سے ہمدردی اور پیار ہے تو فکرمند ہوتا ہوں نا۔ چلو میری جان خفا نہیں ہوتے۔ تم مسالے تیار کراؤ میں جلد از جلد گوشت اندر پہنچاتا ہوں۔ خوامخواہ رنگ میں بھنگ ڈالنے لگی ہو۔ چلو مجھے مسکرا کر دکھاؤ۔ سب کچھ عین وقت پر ہو جائے گا۔ بی ہیپی۔" وہ ہنستے ہوئے بولے۔

"قصائی حضرات کی تشریف آوری ہو گی تو گوشت ہم تک پہنچے گا نا۔" وہ روٹھے ہوئے انداز میں بولی "اس وقت تک منوں گوشت میرے کچن میں پہنچ چکا ہوتا تھا۔ مان جائیں کہ میری انتظامیہ کا جواب نہیں۔"

"تمہاری یہ خوبی تو ہمیشہ سے مابدولت مانتے ہیں اس لیے تو تمام ذمہ داری جناب پر چھوڑ کر بے فکری سے پلٹ کر نہیں دیکھتے۔ میں شوہر تو تمہارا ہی ہوں نا۔ ذمہ داری لی ہے تو نبھاؤں گا بھی خوب۔" وہ چاشنی سے بھرپور لہجے میں بولے اور باتھ روم کی طرف چل دیے۔

"بیگم صاحبہ لان سے بکرے غائب ہیں۔" ملازم کے انکشاف پر وہ بے اختیار ہو کر بولی۔

"تمہارا مطلب ہے بھاگ گئے ہیں۔۔۔ بے وقوف کہیں کے۔ ذبح ہو کر درختوں سے لٹکتے ہوئے میں نے خود دیکھے ہیں۔ ان آنکھوں نے غلط تو نہیں دیکھا۔ میرا دل پہلے ہی بیٹھا جا رہا ہے۔ مت ایسی فضول باتیں

کرو۔ بکروں کے پاس پہنچو۔ صاحب آتے ہیں۔ وہ بھاگنے سے تو رہے۔"

"میں بھاگنے کی پیش گوئی نہیں کر رہا جی۔ غائب ہونے کی سچی خبر سنا رہا ہوں۔" اب اس کے چہرے سے فکر مندی کے آثار غائب ہو چکے تھے۔ دبی دبی مضحکہ خیز مسکراہٹ ہویدا تھی۔ اپنا کام کم ہو جانے کی مسرت بھی نمایاں تھی۔ عنیقہ بھاگنے کے انداز میں گیٹ سے باہر نکل گئی۔

وہاں بکروں کے خون کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ خالی رسیاں درختوں کے ساتھ جھول رہی تھیں۔ وہ حیرت سے گرد و پیش کا جائزہ لینے لگی۔

"کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہوں یا حقیقت ہے یہ کہ بکرے چھری کے نیچے سے ہی غائب ہو گئے۔ کہاں چلے گئے؟؟"

وہ بے ہنگم سانسوں کو قابو کرتے ہوئے گھر کے اندر آ گئی۔

"آپ خواب خرگوش کے مزے لوٹیں۔ بکرے غائب ہو گئے ہیں۔" وہ غصے سے لال بھبھوکا ہوتے ہوئے بولی۔

"کہاں چلے گئے؟" وہ بالوں کو درست کرتے ہوئے دھیمے اور ٹھنڈے لہجے میں بولے۔

"میں کیا جانوں؟ مجھے آپ سے اس سوال کا جواب چاہیے۔"

"پتا کرتے ہیں۔ صبر کرو خوامخواہ اپنا بی پی ہائی کر لو گی۔ ہو سکتا ہے سیدھے اللہ تعالیٰ کے حضور سدھار گئے ہوں۔ قبولیت کی نشانی ہے بیگم۔ اس معجزے کا کسی کے سامنے ذکر نہ کرنا۔" وہ تحمل سے مزاحیہ لہجے میں بولے۔

"آپ کو مذاق سوجھا ہوا ہے۔ میری جان نکلے جا رہی ہے۔ اب مجھ پر ایک احسان اور کر دیجیے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"فرمائیے جناب۔" وہ ملائمت سے بولے۔

"میرا قیمہ بوٹی بنوا لیں تاکہ رات کا ڈنر کینسل نہ کرنا پڑے۔ ویسے آگے پیچھے کے رشتہ دار آپ کے ہی تو ہیں۔ میرا گوشت انہیں بہت مزا دے گا۔" اس کی آنکھوں میں پانی سا بھر آیا تھا۔ پریشانی کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ ذبح بکرے غائب کیسے ہو سکتے ہیں؟ کہاں چلے گئے کون لے گیا۔ ایسے سوال تھے جن کا جواب نہ ملا۔

اب وہ بھی کچھ حیران اور پریشان سے نظر آنے لگے تھے۔ سرعت سے باہر نکل گئے۔ تھوڑی دیر بعد منہ لٹکائے اندر آ گئے۔

"کچھ پتا چلا۔" وہ بے قراری سے بولی۔ "بکرے کہاں چلے گئے۔ آج کے دن بھی خوف خدا نہ آیا۔"

"ٹھیک کہتی ہو۔" وہ شرمندگی کو مٹانے کے لیے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں بی لیو یومی۔"

"تو بتائیے نا۔" وہ بے چینی سے بولی۔

"وہ۔۔۔وہ ہوا یہ ہے کہ ساتھ والوں کا نوکر بتا رہا ہے کہ اس نے NGO کی گاڑی کو کھالیں جمع کرتے دیکھا تھا۔ آگے وہ کچھ نہیں جانتا کہ بکروں کے ساتھ کیا ہوا؟"

"یعنی شناخت کرنے میں اپنے لیے لاکھوں کا فائدہ اور ہمارے لیے لاکھوں کا نقصان کر گئے ایک ہزار ڈالرز کا ایک بکرا او مائی گاڈ۔ کھالیں ہمارے لیے اور بکرے ان نامراد چوروں کے لیے۔" عنیقہ نے دکھی لہجے میں بات ادھوری چھوڑ دی۔ طارق کی پیشانی عرق ندامت سے بھیگی۔ لیکن اظہار افسوس مردانگی کو گوارا نہ تھا۔ اپنی آشفتہ حالت کو فوراً یکجا کیا اور لاپروائی سے بولے "بیگم جانیں سلامت ہیں تو بکرے ہی بکرے۔

مجھے امید ہے بل! اگلی عید بے حد آسان اور سہل ہو گی۔ بی لیو یومی۔"

☆ ☆

اس کے جہیز کے نام پر جو بھی کباڑ جمع کیا جا رہا تھا وہ اس کے معیار کے مطابق تھا نہ پسند کا' سستا سائی سیٹ معمولی سا ہلکا والا ڈنر سیٹ' سیل میں خریدے گئے کپڑے اور گلی میں پھرنے والے پٹھانوں سے خریدے ہوئے دو نمبر ہوم اپلائنسز' اماں جب بھی کچھ خریدتیں خوش ہو کر اسے دکھاتیں اور داد طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھتیں اور وہ ان کا دل رکھنے کے لیے ان ٹکے ٹکے کی چیزوں کی جھوٹی تعریف کر کے دکھاوے کے لیے خوشی کا اظہار بھی کرتی تھی' مگر اندر سے اس کا جی چاہتا ان سب چیزوں کو اٹھا کر باہر پھینک دے یا صحن کے ایک کونے میں جمع کر کے آگ لگا دے۔

اسے ان ___ سستی اور گھٹیا چیزوں سے کوئی دلچسپی تھی اور نہ اپنے لیے کبھی کبھار آنے والے ان رشتوں سے جو اماں کی کوششوں سے رشتے کروانے والی حمیدہ بانو لے کر آتی تھی کبھی کسی کلرک کا تو کبھی کسی دکاندار یا اسی ٹائپ کے لوگوں کا۔ کبھی کبھی تو اس کا یہ بھی دل چاہتا کہ اس موٹی حمیدہ کو بھی چوٹی سے پکڑ کر گھر سے باہر نکال دے منحوس عورت ہر پندرہ بیس دن کے بعد تماشا لگانے آجاتی۔

مگر اس نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں جب بھی ایسا سلسلہ ہوتا وہ کوئی نہ کوئی ایسا چکر چلاتی کہ آنے والے دوبارہ پلٹ کر نہ آتے کبھی بیماری کا بہانہ تو کبھی آنے والوں کے سامنے سستی' کاہلی اور بے زاری کا کھلا مظاہرہ' اماں بے چاری ادھر ادھر ہوتیں اور وہ اپنا کام کر جاتی بعد میں جب حمیدہ بانو اماں سے اس کی حرکتوں کا ذکر کرتی تو وہ ایسی معصوم بن جاتی کہ اماں کو حمیدہ بانو کی باتوں پر ذرا یقین نہ آتا الٹا وہ حمیدہ بانو کے ہی لتے لیتیں کہ وہ خوامخواہ ان سے پیسے اینٹھ رہی ہے اور الزام ان کی معصوم بیٹی پر لگا رہی ہے حمیدہ بے چاری اپنی صفایاں دیتی تھک جاتی۔

"خالہ یقین کرو میں جھوٹ نہیں بول رہی' تمہاری یہ معصوم بیٹی اتنی بھی معصوم نہیں ہے کہ کچھ نہ کچھ تو ایسا ضرور کرتی ہے کہ آنے والے کانوں کو ہاتھ لگاتے واپس جاتے ہیں ابھی پچھلے ہفتے جو لوگ آئے تھے ان کی شادی شدہ بیٹی بھی آئی تھی ہمیں نے بتایا تھا کہ تھوڑا عرصہ پہلے ہی اس کی شادی ہوئی ہے' یہ تمہاری بیٹی اسے شوہر کو الو بنانے کے ایسے ایسے گر بتا رہی تھی کہ وہ ڈر گئی مجھے کہہ رہی تھی کہ حمیدہ باجی... جو لڑکی شادی سے پہلے ہی اتنی تیز ہے وہ شادی کے بعد تو سسرال والوں کو چٹکیوں میں اڑائے گی... میں سچ کہہ رہی ہوں... تمہاری مرضی مانو یا نہ مانو۔"

"اماں یہ جھوٹ بول رہی ہے اس بات سے ہی اندازہ لگالو اس لڑکی نے اسے حمیدہ باجی نہیں حمیدہ خالہ کہا ہوگا... یہ صرف تمہیں بے وقوف بنا رہی ہے تاکہ 'زیادہ' سے زیادہ تمہیں لوٹ سکے... میں تو پانچ منٹ سے زیادہ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھی بھی نہیں تھی تو اسے شوہر کو الو بنانے کے گر کیسے بتاتی؟ یا تو وہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہے یا یہ عورت۔" کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں۔ حمیدہ نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"توبہ... کتنی ڈرامے باز اور مکار لڑکی ہے۔" اور اماں تو اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تڑپ ہی گئی تھیں۔

"بس کر حمیدہ... آئندہ ایسے جھوٹے لوگوں کو یہاں لانے کی ضرورت نہیں ہے... کوئی ڈھنگ کے لوگ ہوں تو ٹھیک ورنہ تیری بڑی مہربانی۔" حمیدہ ناک بھوں چڑھا کر چلی گئی تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔

"چلو... شکر ہے کچھ عرصے کے لیے تو اس موٹی بھینس سے جان چھوٹی۔"

☼ ☼ ☼

وہ پہلوٹھی کی اولاد تھی اور بڑی منتوں کے بعد شادی کے چوتھے سال پیدا ہوئی تھی اماں ابا دونوں کی اس میں جان تھی پانچ سال کی عمر تک اکلوتی رہی اور ان پانچ سالوں میں ماں باپ کی ساری توجہ اور محبت کا مرکز وہی رہی تھی۔ پانچ سال بعد پھر اماں نے دو جڑواں بیٹوں کو جنم دیا تھا جن میں سے ایک چند دن زندہ رہنے

کے بعد گزر گیا تھا جو بچ گیا وہ بھی انتہائی کمزور اور مسلسل بیماری کا شکار رہا مگر زندگی تھی اور پھر ماں باپ کی دعا میں وہ بچ تو گیا مگر بیماری اور کمزوری شاید اپنی قسمت میں لکھوا کر لایا تھا نازک ایسا کہ ذرا سی تیز ہوا بھی چلتی تو لڑکھڑا جاتا۔

اماں اسے موسم کی شدتوں سے بچا بچا کر پال رہی تھیں پھر بھی کچھ نہ کچھ لگا ہی رہتا ابا کی کمائی کا زیادہ حصہ تو اس کے علاج اور دوا دارو پر ہی لگ جاتا جو باقی بچتا اس سے بڑی مشکل سے کھینچ تان کر گزارا ہوتا تو وہ شروع سے ہی اس مدقوق اور مریل سے بچے سے چڑ گئی تھی ایک تو اس کی وجہ سے ماں باپ کی توجہ بٹ گئی تھی دوسرا اس کی چھوٹی چھوٹی معصوم خواہشیں بھی اب اس طرح سے پوری نہ ہو پاتیں جیسے اس کی آمد سے پہلے ہوا کرتی تھیں۔ بچپن سے ہی اس نے اپنے ننھے بیمار بھائی کے لیے دل میں پرخاش پال لی تھی جس کا اظہار وہ وقتاً "فوقتاً" کرتی رہتی تھی کبھی اماں سے نظر بچا کر اسے چٹکیاں بھر کے کبھی زبردستی اسے اماں کی گود سے اتار کے وہ چیخ چیخ کر روتا رہتا مگر وہ ڈھیٹ بنی اماں کی گود میں گھسی رہتی اماں اسے لالچ دے کر بہلا پھسلا کر بڑے جتن سے آمادہ کرتیں تب کہیں جا کر وہ ان کی جان چھوڑتی تھی۔

جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی اس کے اندر خواہشوں کا ایک جنگل سا اگتا رہا اور اب تو وہ جنگل اس قدر گھنا اور گنجان ہو چکا تھا کہ وہ چاہتی بھی تو اس جنگل میں سے راستہ تلاش کر کے باہر نہیں آسکتی تھی' سچی بات تو یہ تھی کہ وہ آنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اسے اس جنگل میں بھٹکنا بہت اچھا لگتا تھا جہاں ہر طرف خواہشوں کے جگنو' ارمانوں کی کلیاں بکھری پڑی تھیں وہ جب چاہتی آنکھیں بند کر کے ان پھولوں اور کلیوں سے اپنا دامن بھر لیتی مگر جب آنکھ کھلتی تو حقیقت کانٹے بن کر اسے زخمی کر دیتی اسے اس حقیقت سے شدید نفرت تھی۔

دو کمروں اور بڑے سارے آنگن والے اپنے اس گھر میں اس کا دم گھٹتا تھا جہاں کے در و دیوار پر غربت بال کھولے سو رہی تھی وہ کئی بار اماں سے کہہ چکی تھی کہ پلستر اتری ان دیواروں کی مرمت کروالیں گھر میں رنگ و روغن ہو جائے آنگن کا فرش جو جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا اسے ٹھیک کروالیا جائے گھر کے کھڑکی دروازوں پر پڑے پردے اس قدر بوسیدہ ہو چکے تھے کہ اب انہیں دھوتے ہوئے بھی بڑی احتیاط کرنا پڑتی تھی اماں اس کی فرمائشیں سن کر اداسی سے مسکرا دیا کرتیں۔

"کیا ہے اماں! میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتیں فضول میں مسکرا رہی ہیں۔" وہ پاؤں پٹخ کر بولتی تو اماں اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے قریب بٹھاتیں اور بڑے رسان سے سمجھاتیں۔

"دیکھ میری چندا... مجھے بھی پتا ہے کہ یہ سب چیزیں بدلنے والی ہیں' مگر تو تو جانتی ہے نا تیرے ابا کی تنخواہ میں یہ سب کرنا کتنا مشکل ہے پھر تیرا بھائی فیضان اسے بھی تو آئے دن دواؤں کی ضرورت رہتی ہے اور سب سے بڑھ کر مجھے تیری شادی بھی تو کرنی ہے نا چار پیسے جوڑوں گی تبھی تو تجھے عزت سے رخصت کروں گی اگر ان کاموں پر پیسے برباد کرتی رہی تو تو تیرا جہیز کیسے تیار ہوگا... تو ایک ہی ایک تو ہماری بیٹی ہے تیری شادی پر تو میں اپنے سارے ارمان نکالوں گی دیکھنا ایسے دھوم دھام سے تیری شادی کروں گی کہ لوگ دیکھتے رہ جائیں۔"

"ہونہہ دھوم دھام سے... بس کرو اماں... نہیں کرنی مجھے کوئی شادی وادی بس میں نے کہہ دیا ہے گھر کی حالت سدھارو شرم آتی ہے مجھے' میں اپنے کالج کی کسی دوست کو اپنے گھر نہیں لا سکتی... پلیز اماں تھوڑے سے پیسے اس گھر پر بھی خرچ کردو... میری اچھی اماں۔" وہ اماں کے گلے میں بازو ڈال کر بولی۔

"فضول باتیں مت کرنا زو... نہیں ہیں میرے پاس فالتو پیسے اور میں تجھے کالج پڑھنے کے لیے بھیجتی ہوں تاکہ دوستیاں کرنے۔"

"ہاں... بس میری بات کبھی نہ ماننا اپنے اس مریل بیٹے پر خرچ کرنے کے لیے تو ہر وقت تیار رہتی ہو۔" اماں کے جھڑکنے پر وہ بڑی بدتمیزی سے بولی۔

"بکواس مت کرنازو شرم نہیں آتی بھائی کے بارے میں اس طرح بولتے ہوئے کون سا خرچ کرتی ہوں میں اس بے چارے پر نہ وقت پر دوا ملتی ہے نہ اچھی غذا اگر ایسا ہوتا تو وہ اب تک چنگا بھلا نہ ہوجاتا۔" اماں اداسی سے بولیں۔

"ہاں... ہاں سب جانتی ہوں میں صرف بہانے ہیں اور کچھ نہیں۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی اماں سنتیں تو ایک لمبا لیکچر سننے کو ملتا اور اس وقت اس کا بالکل موڈ نہیں تھا ٹی وی پر اس کا پسندیدہ ڈرامہ شروع ہونے والا تھا وہ اماں کو بڑبڑاتا چھوڑ کر اندر آگئی۔

"اف کتنا خوب صورت گھر ہے' اتنا بڑا لان رنگ برنگے پھولوں سے لدا ہوا اور کتنے قیمتی سامان سے سجا ہوا ہے یہ گھر۔" وہ آنکھوں میں حسرت لیے ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے سوچ رہی تھی۔ ٹی وی پر دکھائے جانے والے بڑے بڑے بنگلوں اور کوٹھیوں کو دیکھ دیکھ کر اس کی محرومیاں بڑھ جاتیں۔ کالج آتے جاتے بھی جب اس کی نظر ایسے گھروں پر پڑتی تو اپنا دل مسوس کر رہ جاتی تھی اس کا بڑا جی چاہتا کہ ایک بار سچ مچ میں وہ ان گھروں کے اندر جا کر قریب سے دیکھے ان لوگوں کو بھی جو ان گھروں میں رہتے بستے ہیں۔

"کیا مزے ہیں یار ان لوگوں کے بھی زندگی تو اصل میں یہی لوگ گزارتے ہیں ہم جیسے تو صرف زندگی کو گھسیٹ رہے ہیں... پتا نہیں یہ گھسٹتی ہوئی زندگی کب پیچھا چھوڑے گی؟" اس نے آہ بھر کے سوچا۔

اس دن وہ کالج سے آکر ابھی کھانا وغیرہ کھا کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ اماں نے اسے آواز دی وہ تھوڑی دیر آرام کرنا چاہ رہی تھی۔

"پتا نہیں اس وقت انہیں کیا کام پڑ گیا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اماں کے پاس چلی آئی۔

"کیا ہے اماں؟ تھوڑی دیر آرام تو کرنے دیتیں ابھی تو تھکی ہاری آئی ہوں میں۔"

"ارے ہاں ہاں... آرام بھی کرلینا' میں نے تجھے کچھ دکھانے کے لیے بلایا ہے ادھر آکر بیٹھ میرے پاس۔" وہ سمجھ گئی کہ پھر کچھ نہ کچھ خریدا ہوگا تبھی اتنی پرجوش ہو رہی ہیں اس کی بے زاری میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ اماں کمرے میں پڑے ٹرنک کو کھول کر کھڑی تھیں۔

"ارے یہاں آکر دیکھ لے نا ابھی سب کچھ رکھا ہے اس میں پھر نکالنا پڑے گا۔"

"کیا مصیبت ہے۔" مرے مرے قدموں سے چل کر وہ ٹرنک کے پاس آگئی۔

"یہ دیکھ... یہ دونوں پتیلیاں۔ یہ پلاسٹک کے ڈھکن والے پیالوں کا سیٹ اور ہاں یہ اسٹیل کا تسلہ بھی... اچھا ہے نا؟"

"یہ... یہ سب کہاں سے لیا تم نے اماں؟ کل جب میں نے کہا کہ بازار لگا ہوا ہے چل کر لنڈے سے اس کمرے کے پردے لے آتے ہیں تب تو تمہارے پاس پیسے نہیں تھے پھر..." اس کا خون کھول گیا سب دیکھ کر۔

"ارے سن تو سہی یہ سب پیسوں سے تھوڑی لیا ہے۔"

"تو... مفت میں ہی یہ سامان کوئی تھما گیا تمہیں؟"

"پوری بات تو سن لیا کر بیچ میں ہی بولنے لگتی ہے۔ آج گلی میں پرانے کپڑے لینے والا آیا تھا نا تیرے ابا اور فیضان کے پرانے جوتے اور کپڑے اور اپنی دو ساڑھیاں دے کر یہ برتن خریدے ہیں روپیہ تو ایک بھی نہیں دینا پڑا۔" اماں نے خوش ہو کر بتایا۔

"کون سی ساڑھیاں دی ہیں؟"

"ارے وہی دونوں جو ذرا اچھی حالت میں تھیں کالی اور فیروزی جس پر موتی ستارے لگے ہوئے تھے۔"

"وہ ساڑھیاں کیوں دے دیں اماں ان پر تو میری نظر تھی۔" وہ ماتھے پر ہاتھ مار کر بولی۔

"میں نے سوچا تھا ان کے سوٹ بنوالوں گی۔ تم بھی نا اماں... ایک بار مجھ سے پوچھ تو لیتیں۔"

"چھوڑ نا فضول میں ہی سوٹ بنوا لیتیں اتنے اچھے برتن مل گئے سوٹ تو دو چار دفعہ پہن کر بے کار ہو جاتے۔"

"خدا کے لیے اماں... نکل آؤ ان چکروں سے۔ مجھے تمہاری اس کباڑیے کی دکان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے زہر لگتی ہیں مجھے یہ سب چیزیں جو تم میرے لیے اتنے سالوں سے اکٹھا کر رہی ہو... یہ... یہ معمولی اور گھٹیا چیزیں ان میں سے ایک بھی چیز نہ مجھے پسند ہے نہ میرے معیار پر پوری اترتی ہے مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے مجھے' یہ سب کچھ تمہیں ہی مبارک ہو۔" آج تو پھٹ ہی پڑی تھی ہر لحاظ بالائے طاق رکھ کر چیخ اٹھی تھی۔ اماں چند لمحوں تک ہونقوں کی طرح اسے دیکھتی رہیں پھر اس کی کمر پر ایک زوردار دھموکا جڑ کر بولیں۔

"ہوش میں تو ہے تو؟ کم بخت... اتنے سالوں کی محنت سے جمع کی ہوئی چیزوں کو معمولی اور گھٹیا کہہ رہی ہے' ناشکری کہیں کی۔ بڑی آئی پسند اور معیار کی باتیں کرنے والی ایک معمولی سے کلرک کی بیٹی ہے تو کسی سیٹھ کی اولاد نہیں جو اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہی ہے اپنی اوقات میں رہ سمجھی...؟"

"ہاں تو کیا ہوا؟ نہیں ہوں کسی سیٹھ کی اولاد... مگر یہ یاد رکھنا اماں۔ شادی میں کسی سیٹھ سے ہی کروں گی۔ یہ جو رشتے تمہاری وہ حمیدہ بانو لے کر آتی ہے نا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میں ان میں سے کسی کے ساتھ شادی کروں گی... اچھی طرح ذہن میں بٹھا لو اماں ایک عذاب سے نکل کر دوسرے عذاب میں جانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہ تمہارا جمع کیا ہوا کاٹھ کباڑ یہیں دھرا کا دھرا رہ جائے گا دیکھ لینا۔" اپنے دل کی بھڑاس نکال کر وہ کسی بگولے کی طرح کمرے سے نکل گئی تھی۔

اماں نے تو جیسے کلیجہ ہی تھام لیا تھا جو کچھ وہ کہہ کر گئی تھی اس نے انہیں بری طرح خوف زدہ کر دیا تھا اس کی آنکھوں میں اس کی باتوں میں بغاوت ہی بغاوت تھی۔

"یا اللہ رحم... یہ... یہ... کیا ہو رہا ہے؟ کیسی بکواس کر کے گئی ہے یہ لڑکی... یہ وہ نازو تو نہیں لگتی یہ تو کوئی دوسری ہی تھی... یا مولا کریم تو سب کی عزتوں کا رکھوالا ہے... ہماری عزت کی حفاظت بھی تو ہی کر میرے رب... اس لڑکی نے تو میری جان ہی نکال دی ہے۔" وہ کتنی ہی دیر سینے پر ہاتھ رکھے اللہ سے مدد مانگتی رہیں۔

اس کے انٹر کے امتحانات ختم ہو چکے تھے' آج کل اس کا ایک ہی مشغلہ تھا وہ ہر روز اخبار میں ضرورت ہے کے اشتہار دیکھا کرتی یہ ارادہ تو اس نے بہت پہلے ہی کرلیا تھا کہ امتحان سے فارغ ہو کر نوکری کرے گی اپنی چھوٹی چھوٹی ضروریات کے لیے بھی اسے اماں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا تھا اور زیادہ تر اس کے ہاتھ خالی ہی رہ جاتے تھے۔ اس لیے اس نے سوچ لیا تھا کہ کچھ بھی ہو وہ نوکری ضرور کرے گی وہ تو شکر ہے کہ گھر میں اخبار کی سہولت موجود تھی ابا کو اخبار کا چسکا تھا وہ رات کو جب ڈیوٹی سے واپس آتے تو ان کے ہاتھ میں صبح کا باسی اخبار ضرور ہوتا تھا وہ سب سے پہلے ابا کے ہاتھ سے اخبار اچکتی تھی اس دن آخر ابا نے پوچھ ہی لیا۔

"کیا بات ہے نازو بیٹی آج کل تمہیں بھی اخبار پڑھنے کا شوق ہوگیا ہے؟"

"ابا یہ اخبار میں صرف فلمی صفحہ پڑھتی ہیں ورنہ آپا اور... اخبار پڑھیں گی۔" اس سے پہلے ہی فیضان بول پڑا تھا۔

"تم چپ رہو... تم سے پوچھا ہے ابا نے؟ ہر معاملے میں کودنے کا بڑا شوق ہے تمہیں۔" اس نے فیضان کو گھور کا پھر ابا کی طرف دیکھ کر ذرا ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"وہ... ابا... میں اصل میں... اخبار میں نوکری والے اشتہار دیکھتی ہوں۔"

"ہیں... نوکری والے؟ مگر کیوں بیٹی؟" ابا نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا۔

"بات یہ ہے ابا... کہ میرے امتحان ختم ہو چکے ہیں سارا دن گھر میں فارغ پھرتی ہوں اس لیے میں نے سوچا کہ..."

"مگر بیٹی فارغ کیوں پھرتی ہو؟ اپنی اماں سے گھرداری' کچھ سلائی کڑھائی سیکھ لو تمہارے کام تو یہی کچھ

آئے گا نا۔"

"وہ سب تو مجھے تھوڑا بہت آتا ہے نا ابا باقی بھی سیکھ ہی لوں گی۔۔۔ پلیز ابا۔۔۔ بس مجھے نوکری کی اجازت دے دیں کچھ پیسے ہی گھر میں آئیں گے میں کب سے اماں سے کہہ رہی ہوں کہ گھر کی مرمت کروالیں، مگر وہ ہمیشہ یہی کہتی ہیں کہ میرے پاس فالتو پیسے نہیں ہیں آپ خود دیکھیں نا ابا کیا حالت ہو رہی ہے گھر کی۔" وہ ابا کو راضی کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی اسے یقین تھا کہ ابا مان جائیں گے وہ بہت نرم خو اور بات کو سمجھنے والے انسان تھے اس لیے اس نے اماں کے بجائے ان سے بات کی تھی۔

اماں تو اس کے تیور دیکھ کر پہلے ہی ڈری ہوئی تھیں اس لیے انہوں نے اس کی نوکری کی بہت مخالفت کی تھی مگر چونکہ وہ ابا سے اجازت کا پروانہ حاصل کر چکی تھی لہٰذا اس نے اماں کی مخالفت کی زیادہ پروانہ کی اور اپنی کوششوں میں لگی رہی۔ اس سلسلے میں وہ شہلا سے بھی ملی تھی۔

شہلا دو گھر چھوڑ کر اسی محلے میں رہتی تھی وہ اس کی دوست تو نہیں تھی، مگر اس سے اچھی دعا سلام تھی۔ شہلا کسی فیکٹری میں ملازمت کرتی تھی اور بڑے ٹھاٹ سے رہتی تھی حالانکہ اس کے اور شہلا کے مالی حالات تقریباً" ایک جیسے تھے، مگر پھر بھی جب کبھی اس کی اس سے ملاقات ہوتی تھی وہ اسے خود سے بہت بہتر نظر آتی تھی شاید اسی لیے کہ وہ نوکری کرتی تھی اور اپنی تنخواہ اپنی ذات پر خرچ کرتی تھی نوکری کے سلسلے میں اس کی شہلا سے ملاقاتیں بڑھیں تو دوستی میں بھی اضافہ ہوا تب اسے اندازا ہوا کہ شہلا تو واقعی بڑے ٹھاٹ باٹ سے رہتی ہے وہ جب بھی اس سے ملتی اس کے جسم پر نیا لباس ہوتا اور تو اور اس کے پاس ایک عدد موبائل فون بھی تھا۔ نئے نئے کپڑے، جوتے انواع و اقسام کے پرس اور میچنگ جیولری۔۔۔ یہی سب کچھ تو وہ بھی چاہتی تھی۔

"یار پلیز۔۔۔ میرے لیے اپنی فیکٹری میں بات کرو نا میں بڑی تنگ ہوں اپنے گھر کے حالات سے اپنی مرضی سے ایک ڈھنگ کا سوٹ بھی نہیں سلوا سکتی نوکری کر کے اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشات تو پوری کر ہی سکتی ہوں۔ بس تم بات کروا دو اپنے باس سے۔"

"اچھا۔۔۔ اتنی اتاولی کیوں ہو رہی ہو کہہ تو رہی ہوں بات کروں گی۔ ویسے آپس کی بات ہے نوکری کے علاوہ بھی کئی طریقے ہیں پیسے کمانے کے میرے ساتھ رہو گی تو ایسے ایسے گر بتاؤں گی تمہیں نوٹ بنانے کے کہ تم بھی کیا یاد کرو گی۔ بس تھوڑا سا صبر اور ڈھیر ساری ہمت اور مزے ہی مزے۔" شہلا کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔

"کیا مطلب؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ارے یار۔۔۔ ہر بات کا مطلب تھوڑی ہوتا ہے بس ایک بات کی ہے، جب تم نوکری کے لیے گھر سے نکلو گی تو آہستہ آہستہ ہر بات کا مطلب سمجھ جاؤ گی تم پیسے کی اہمیت کو سمجھتی ہو نا؟ اور جو لوگ پیسے کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اس کی قدر کرتے ہیں پیسہ بھی ان پر مہربان ہو جاتا ہے بس عقل اور ہمت ہونی چاہیے اور مجھے لگتا ہے تمہارے اندر یہ دونوں چیزیں ہیں۔ ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟" شہلا بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اس نے کچھ سمجھتے کچھ نا سمجھتے ہوئے گردن ہلا دی تھی۔

کچھ دن گزرے تھے جب شہلا اس کے پاس چلی آئی اسے دیکھ کر اماں کے چہرے پر ناگواری سی پھیل گئی تھی۔ انہیں شہلا کے اطوار کچھ ٹھیک نہیں لگتے تھے اور اس بات کا اظہار وہ نازو کے سامنے کئی بار کر چکی تھیں انہیں ان دونوں کے بڑھتے ہوئے تعلقات پر بھی اعتراض تھا، مگر نازو آج کل پوری طرح ہٹ دھرمی پر اتری ہوئی تھی اماں کی بات سن کر وہ تھے سے اکھڑ گئی تھی۔

"کیا ہے اماں؟ تمہیں تو میرے ہر کام میں ہر بات میں ہی کیڑے نظر آنے لگے ہیں۔ کالج کی دوستیوں پر بھی تمہیں اعتراض تھا اور اب شہلا سے ذرا ہنس بول لیتی ہوں تو وہ بھی تمہیں برداشت نہیں ہے۔ آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے اماں؟"

"دیکھ نازو۔۔۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کر اس لڑکی کے رنگ ڈھنگ کچھ ٹھیک نہیں ہیں جب سے نوکری پر لگی ہے دیکھا نہیں کیسے سر سے پاؤں تک بدل گئی ہے پتا نہیں اتنا پیسہ کہاں سے آتا ہے اس کے پاس کوئی اتنی بڑی افسر تو نہیں لگی ہے جو اتنا خرچہ کرتی ہے تیرے جتنی ہی تعلیم ہے نا اس کی۔۔۔ اور انٹر پاس کو آج کل اتنی اچھی نوکریاں نہیں ملتیں جو وہ دونوں ہاتھوں سے خرچ کرتے پھریں مجھے تو دال میں کالا ہی نظر آتا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ تمہیں تو اپنے سوا سب کالے نظر آتے ہیں صبح سے شام تک محنت کرتی ہے وہ۔۔۔ اوور ٹائم الگ سے لگاتی ہے۔ کماتی ہے تو ہی اپنے اوپر اور اپنے گھر پر خرچ کرتی ہے نا۔۔۔ میں بھی جب نوکری کروں گی تو ایسے ہی کماؤں گی اور خرچ کروں گی دیکھ لینا۔"

اماں نے کچھ دہل کر اس کی طرف دیکھا تھا معلوم نہیں کیا ٹھانے بیٹھی تھی یہ لڑکی عجیب عجیب وا ہمے دل میں گھر کرنے لگے تھے زیادہ سختی کرنا بھی مناسب نہیں تھا ورنہ وہ اور زیادہ ضد پر اتر سکتی تھی۔

کیا المیہ تھا اپنی ہی اولاد سے ڈر لگنے لگا تھا ایسا نفسا نفسی کا عالم تھا کہ والدین بے چارے خاموش تماشائی بننے پر مجبور ہو گئے تھے ایسی ایسی خبریں سننے کو ملتی تھیں کہ روح کانپ اٹھتی تھی، کہیں چھوٹے چھوٹے بچے خودکشیاں کر رہے تھے تو کہیں آئے دن لڑکیاں ماں باپ کے منہ پر کالک مل کر گھروں سے فرار ہو رہی تھیں۔ پتا نہیں کیسی ہوا چل پڑی تھی جو اقدار، روایات محبت اور خلوص کو تنکے کی طرح اڑا کر لیے جا رہی تھی۔

شہلا نے کسی دوسری فیکٹری میں اس کے لیے نوکری کا بندوبست کر دیا تھا اور یہی خوش خبری دینے وہ آئی تھی۔

"چلو بھئی اب فٹافٹ اچھی سی چائے پلا دو اسی خوشی میں۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں کیوں نہیں آجاؤ ادھر باورچی خانے میں ہی چلتے ہیں۔"

"فی الحال آٹھ ہزار روپے تنخواہ پر رکھ رہے ہیں وہ تمہیں، بعد میں بڑھا بھی سکتے اگر تم ان کے مطابق کام کرو گی تو۔" چائے پیتے ہوئے شہلا نے بتایا۔

"آٹھ ہزار۔" وہ خوش ہو کر بولی۔

"آٹھ ہزار پر ہی خوش ہو رہی ہو اتنے تھوڑے سے پیسوں کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟ ادھر آتے ہیں ادھر ختم ہو جاتے ہیں۔"

"اتنے کم بھی نہیں ہوتے یار۔۔۔ میرے لیے تو یہی بہت ہیں۔" وہ کھنکتی آواز میں بولی۔

"ابھی بچی ہو میری جان۔۔۔ آہستہ آہستہ سب سمجھ جاؤ گی روپے کے ہاتھ پاؤں ہوتے ہیں کب آتا ہے اور کب چلا جاتا ہے پتا بھی نہیں چلتا۔" شہلا کے ہونٹوں پر بڑی گہری مسکراہٹ تھی۔

☼ ☼ ☼

فیکٹری اس کے گھر سے دور تھی، مگر یہ اچھی بات تھی کہ اسے پک اینڈ ڈراپ کی سہولت میسر تھی۔ پہلے دن تو وہ فیکٹری جاتے ہوئے بہت گھبرائی ہوئی تھی، مگر وہاں پہنچ کر اس کی گھبراہٹ قدرے کم ہو گئی تھی۔ لڑکیوں کی اچھی خاصی تعداد تھی اور کام بھی زیادہ مشکل نہیں تھا یہ ایک گارمنٹ کی فیکٹری تھی جہاں اسے تیار شدہ مال کا حساب کتاب رکھنا تھا اور اسے یہ کام آسان ہی لگا تھا وہ خوش تھی اور بڑی جاں فشانی سے اپنا کام انجام دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

مہینے کے اختتام پر جب پہلی تنخواہ اس کے ہاتھ میں آئی تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا یہ اس کی محنت کی کمائی تھی جسے وہ اپنی مرضی سے جیسے چاہتی خرچ کر سکتی تھی کچھ رقم اپنے پاس رکھ کر اس نے باقی ماندہ روپے اماں کے ہاتھ میں تھمائے اور ساتھ یہ بھی کہا۔

"اب پلیز اماں ان روپوں سے میرے جہیز کے لیے الم غلم نہ خریدنے لگ جانا کسی مستری سے بات کر کے صحن کا فرش ٹھیک کروالو جگہ جگہ سے ٹوٹ گیا ہے۔"

"اتنے سے پیسوں میں یہ کام کہاں ہو گا بھلا۔"

"تو ٹھیک ہے ان پیسوں کو سنبھال کر رکھ لو اگلی

تنخواہ ملے گی تو یہ کام کروالیں گے۔"

"جیسی تیری مرضی۔۔۔ تیرے پیسے ہیں بھئی جو تو کہے گی ایسا ہی کریں گے۔" اسے لگا اماں کو ذرا خوشی نہیں تھی کہ وہ کمانے لگی ہے البتہ ابا ضرور خوش ہوئے تھے۔

انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ اسے دعا بھی دی تھی وہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے، مگر عورت کو گھر میں قید کر کے رکھنے کے قائل نہیں تھے اس لیے انہوں نے اسے نوکری کی اجازت بھی دی تھی اور نازو کے لیے یہی بہت تھا۔ اماں جیسی عورت کو خوش کرنا ویسے بھی دنیا کا مشکل ترین کام تھا وہ ایک روایتی عورت تھیں جو عورت کو گھر اور گھر کی چار دیواری میں ہی دیکھنا پسند کرتی تھیں اور فی زمانہ جس قسم کا ماحول تھا زمانے کا جو چلن تھا وہ ویسے ہی اس سے ڈری ہوئی تھیں۔

ان کا بس چلتا تو وہ پہلی فرصت میں نازو کے ہاتھ پیلے کردیتیں، مگر یہ ان کے اختیار میں نہیں تھا آج کل حمیدہ بانو کے چکر بھی ذرا کم ہی لگ رہے تھے نازو کے رویے سے خائف ہو کر اس نے ادھر آنا بہت کم کردیا تھا۔ اماں کے بار بار بلوانے پر آخر وہ ایک دن آہی گئی تھی۔

"کتنے دن بعد آئی ہے تو حمیدہ۔۔۔ کہاں غائب تھی؟ اتنی دفعہ بلوایا ہے تو آئی ہے، بڑے نخرے کرنے لگی ہے۔"

"نخرے کی بات نہیں ہے خالہ۔۔۔ ایک تو مصروف تھی دوسرا تمہاری بیٹی کے رویے سے بڑا ڈر لگتا ہے ایسی نظروں سے دیکھتی ہے جیسے کچا ہی چبا ڈالے گی۔ ویسے ہے کہاں؟ نظر نہیں آرہی۔"

"ارے اس کی تو فکر نہ کر وہ گھر پر نہیں ہے نوکری کرنے لگی ہے نا اب صبح کی گئی شام میں ہی آتی ہے۔ تو آرام سے بیٹھ جا۔"

"چلو شکر ہے کہ گھر پر نہیں ہے۔ پھر تو میں سکون سے بیٹھ سکتی ہوں۔" حمیدہ اطمینان سے پھیل کر بیٹھ گئی۔

"اچھا تو نوکری کرنے لگی ہے؟ اچھی بات ہے چار پیسے کمائے گی تو اس کی شادی پر ہی کام آئیں گے۔"

"میں نے تجھے اسی لیے بلایا تھا حمیدہ۔۔۔ کوئی اچھا رشتہ ہو تو بتا۔۔۔ میں کب چاہتی ہوں کہ وہ نوکری کرے۔ ارے جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو اچھا ہے وہ تو اس کے ابا نے اجازت دے دی ورنہ مجھے تو ذرا پسند نہیں ہے کہ وہ لڑکوں کی طرح کمانے گھر سے باہر نکلے اللہ سلامت رکھے میرے فیضان کو ہمارے بڑھاپے کا تو وہی سہارا ہے اب تو اللہ کے کرم سے طبیعت بھی اچھی رہتی ہے اس کی بس چند سالوں کی بات ہے پھر ان شاءاللہ ہمارے دلدر بھی دور ہو جائیں گے۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کیوں نہیں خالہ ان شاءاللہ۔"

"تو رشتے کے بارے میں بتا اگر کوئی ہے تو؟"

"رشتے تو کئی ہیں خالہ پر تمہاری بیٹی کے مزاج پر بھی پورے اتریں۔"

"ارے تو بتا تو سہی اس کی فکر نہ کر فیصلہ تو آخر میں نے اور اس کے ابا نے ہی کرنا ہے نا۔"

"ٹھیک ہے خالہ۔۔۔ اب تو تمہاری بیٹی چھٹی والے دن ہی گھر پر ملے گی، میں ایک دو دن میں ساری معلومات اکٹھی کر کے تمہارے پاس آتی ہوں پھر بات کریں گے۔"

حمیدہ نے جو دو رشتے بتائے تھے ان میں سے ایک کسی دفتر میں ملازم تھا اور دوسرا کسی کمپنی میں ڈرائیور۔۔۔

نازو جیسی کم حیثیت لڑکی کے لیے اسی قسم کے رشتے آسکتے تھے، اماں کو ان رشتوں پر کوئی اعتراض نہیں تھا کیونکہ وہ اپنی اوقات پہچانتی تھیں، مگر نازو۔۔۔ وہ اونچے خواب دیکھتی تھی بنگلوں، کوٹھیوں اور کاروں کے، اس کی تو جان ہی جل کر رہ گئی جب اماں نے اسے ان رشتوں کے بارے میں بتایا۔

"پھر شروع ہوگئے حمیدہ بانو کے چکر۔۔۔ میں تمہیں کتنی دفعہ کہہ چکی ہوں اماں کہ اپنی یہ بے کار کی کوششیں ترک کردو ہرگز ہرگز میں ایسے کسی ٹٹ پونجیے سے شادی نہیں کروں گی۔"

"ارے تو کم بخت کیا ساری عمر ماں باپ کے در پر بیٹھی رہے گی۔"

"ہاں بیٹھی رہوں گی یہ مجھے منظور ہے آدھی زندگی ترس ترس کر گزار دی تم چاہتی ہو کہ باقی کی زندگی بھی ایسے ہی گزرے پر اماں۔۔۔ ایسا نہیں ہوگا میں بتا رہی ہوں تمہیں۔"

"دیکھ نازو۔۔۔ باز آجا اپنی ہٹ دھرمیوں سے ورنہ بہت پچھتائے گی، میں پھر بتا رہی ہوں تجھے۔۔۔ محل کے رشتے محل والوں کے گھر آتے ہیں کسی محل والے کو کیا پڑی ہے کہ وہ جھونپڑی والوں سے رشتہ جوڑے۔ اپنی حیثیت پہچان اور اللہ کا شکر ادا کیا کر پھر بھی بہت سوں سے اس نے ہمیں اچھا رکھا ہوا ہے سر چھپانے کے لیے ٹوٹا پھوٹا ہی سہی اپنا ٹھکانہ تو ہے، ورنہ کچھ لوگ تو ساری زندگی فٹ پاتھوں پر در در کی ٹھوکریں کھاتے زندگی گزار دیتے ہیں نہ اتنی ناشکری کیا کر اللہ کو برا لگ گیا تو سوچ کیا حشر ہوگا۔"

"تم کیا کرو شکر۔۔۔ یہ بہت ہے اماں۔" اس نے لاپروائی سے سر جھٹکا۔ اماں بے چاری تاسف سے اسے دیکھتی رہیں۔

☼ ☼ ☼

اسے نوکری کرتے ہوئے چار مہینے ہوگئے تھے۔ اپنی تنخواہ سے اس نے گھر کے چھوٹے چھوٹے کئی کام کروالیے تھے اب اسے اپنا گھر کچھ ڈھنگ کا لگتا تھا، مگر پھر بھی یہ گھر اور یہ زندگی جو وہ گزار رہی تھی اس کی منزل نہیں تھی اس کی نظر آسمان پر تھی، مگر آسمان تک جانے کے لیے کوئی ایسی سیڑھی نہیں تھی جس پر قدم قدم چل کر وہ وہاں تک پہنچ سکتی کبھی کبھی شہلا سے ملاقات ہوتی تو وہ اس سے اپنے خوابوں کا ذکر ضرور کرتی تھی۔ شہلا اس کی باتیں سن کر بس مسکرایا کرتی۔

"تمہیں یاد ہے شہلا۔۔۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تم مجھے پیسے کمانے کے گر بتاؤ گی۔۔۔ بتاؤ نا یار۔۔۔ ان آٹھ ہزار میں تو واقعی کچھ نہیں ہوتا۔" ایک روز شہلا سے ملاقات ہوئی تو اس نے پوچھا۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا تم ہی بڑی خوش ہو رہی تھیں۔"

"ہاں یار واقعی پتا چل گیا۔ کوئی ترکیب مجھے بھی بتاؤ میں کیسے اپنی آمدنی میں اضافہ کرسکتی ہوں؟ اوور ٹائم لگانے کی اماں اجازت نہیں دیتیں ورنہ تین، چار ہزار تو ایسے بھی مل سکتے ہیں۔"

"ترکیبیں تو بہت ہیں پر تم ان پر عمل کرنے والی بھی بنو۔ تمہیں یاد ہوگا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ڈھیر ساری ہمت بھی چاہیے ہوتی ہے پیسہ بنانے کے لیے، مگر اب مجھے لگتا ہے تمہارے اندر ہمت کی ذرا کمی ہے اماں کے دامن سے لپٹی رہو گی تو یہ ہمت کبھی آئے گی بھی نہیں۔"

"کیا مطلب؟" اور جو مطلب شہلا نے سمجھایا تھا اسے سن کر نازو کے سارے بدن میں چیونٹیاں سی رینگ گئی تھیں۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہو شہلا۔ میرے اندر واقعی اتنی ہمت نہیں ہے۔ تم جانتی ہو میں اس لائن کی لڑکی نہیں ہوں، مردوں کو بے وقوف بنا کر ان کے ساتھ تعلقات بڑھا کر یا انہیں سیڑھی بنا کر اوپر تک پہنچنا میرے بس کا کام نہیں ہے اور تم میرے باس کے بارے میں جو کہہ رہی ہو یہ تو بالکل بھی ممکن نہیں ہے وہ تو میرے ابا سے بھی بڑے ہیں۔"

"تو کیا ہوا اگر ابا سے بڑے ہیں تو؟ یہ جو دولت والے بڈھے ہوتے ہیں نا یہ جوانوں سے زیادہ دل پھینک ہوتے ہیں میرے اپنے باس کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہوگی، مگر بڑا دل والا بڈھا ہے یار۔۔۔ دونوں ہاتھوں سے لٹاتا ہے مجھ پر۔۔۔ تم کیا سمجھتی ہو، میں اپنی تنخواہ سے یہ ساری عیاشیاں کرتی ہوں؟ تنخواہ تو میری ساری کی ساری بچ جاتی ہے۔"

"تو کیا تم اس سے شادی کرو گی؟"

"شادی وادی کون کرتا ہے یار۔۔۔ یہ تو صرف وقتی سودے بازی ہے، میں صرف اس سے اپنے وقت کی قیمت وصول کرتی ہوں اور یہ قیمت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ مجھے اس بڈھے کے ساتھ دو چار گھنٹے گزارنا برا

نہیں لگتا۔۔۔ جانتی ہو میرا ذاتی اکاؤنٹ بھی ہے اور اس میں چار لاکھ سے زیادہ کی رقم موجود ہے۔"

"چار لاکھ روپے؟" اتنی بڑی رقم کے بارے میں سن کر تو وہ جیسے ششدر رہی رہ گئی تھی۔

اس نے کبھی خواب میں بھی اتنی رقم نہیں دیکھی تھی۔

"جی ہاں چار لاکھ روپے سونے کے زیورات اس کے علاوہ ہیں اور اب تو میرے بڈھے نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے شہر کے ایک اچھے سے علاقے میں فلیٹ بھی خرید کر دے گا۔" جیسے جیسے شہلا بتاتی جا رہی تھی اس کے دل کی دھڑکنیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

"یہ۔۔۔ یہ سب کچھ تمہارے گھر والے جانتے ہیں؟" وہ خود پر قابو پا کر بولی۔

"دماغ خراب ہے کیا؟ گھر والوں کو پتا چلے گا تو وہ میری جان نہیں نکال لیں گے؟ بس کوئی نہ کوئی چکر چلا کر میں انہیں مطمئن کرتی رہتی ہوں۔" شہلا لاپروائی سے بولی۔

"پھر بھی شہلا۔۔۔ آخر تو انہیں تمہارے اثاثوں کے بارے میں پتا چل ہی جائے گا کب تک چھپا سکو گی؟ پھر۔۔۔ پھر کیا کرو گی؟"

"تب کی تب دیکھی جائے گی آخر میں یہ سب کچھ اپنے گھر والوں کے لیے ہی تو کر رہی ہوں نا۔۔۔ میرے گھر کے حالات تمہارے گھر سے مختلف تو نہیں تھے جب سے میں نوکری کرنے لگی ہوں بہت فرق پڑا ہے ویسے بھی نازو ڈارلنگ۔۔۔ جب پیسہ آ رہا ہوتا ہے نا تو سب کی آنکھوں پر چربی چڑھ جاتی ہے کوئی نہیں دیکھتا کہ یہ پیسہ کہاں سے اور کیوں آ رہا ہے یہ جو پیٹ کی بھوک ہے نا یہ بڑی ظالم چیز ہے اور اس سے بھی ظالم خواہشوں اور آسائشوں کی بھوک ہوتی ہے پیٹ کی بھوک تو پھر بھی ایک حد کے بعد ختم ہو جاتی ہے مگر اس بھوک کی کوئی حد نہیں ہوتی یہ صرف بڑھتی ہے اور بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔۔۔ سو تم اس بات کی فکر چھوڑو کہ میرے گھر والوں کا کیا ری ایکشن ہوگا اپنے بارے میں سوچو اتنی پیاری شکل ہے تمہاری۔۔۔ ایمانداری کی بات ہے میں تو تمہارے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔۔۔ اپنی اس خوب صورتی کو کیش کراؤ یار، مر مٹنے والوں کی کمی تھوڑی ہے تم اشارہ تو کرو پھر دیکھنا یہ بڑے بڑے سیٹھ کیسے تمہارے تلوے چاٹتے ہیں۔۔۔ نہیں تو پھر وہ۔۔۔ کیا نام ہے اس رشتے کروانے والی کا۔۔۔ ہاں حمیدہ بانو۔۔۔ اس کے لائے ہوئے کسی کنڈکٹر ڈرائیور کی بیوی بن کر ہر سال کالے پیلے بچے پیدا کرو اللہ اللہ خیر صلا" شہلا کے ہونٹوں پر بڑی کاٹ دار مسکراہٹ تھی۔

"بس یہ۔۔۔ یہی تو مجھے منظور نہیں ہے۔" وہ آہ بھر کر بولی۔

"ہونا بھی نہیں چاہیے۔ یہ تمہاری زندگی ہے اسے اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق گزارنا تمہارا حق ہے اور یار۔۔۔ یہ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اسے سوچ بچار میں ڈر ڈر کر ضائع کر دینا سراسر بے وقوفی ہے میں نے تو یہی سبق سیکھا ہے اور آج دیکھو مزے کر رہی ہوں آخر اس دنیا کی رنگینیوں پر ہمارا بھی تو حق ہے ہم کیوں ساری زندگی ترس ترس کر گزاریں؟ ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں؟" شہلا کی گہری نگاہیں گویا اس کے آر پار دیکھ رہی تھیں اس نے جیسے کسی ٹرانس میں اپنی گردن اثبات میں ہلائی تھی۔

شہلا سے مل کر اس کی باتیں سن کر اور یہ جان کر کہ وہ کیسے دنوں میں پیسے بنا رہی ہے وہ حیران بھی تھی اور خوف زدہ بھی۔ "کیا وہ واقعی اس ڈگر پر چل سکے گی؟" وہ کئی بار یہ سوال اپنے آپ سے کر چکی تھی عجیب ڈانوا ڈول سی کیفیت تھی اس کی اگر شہلا کے کہنے پر عمل کرتی تو اس کی طرح اپنی زندگی بدل سکتی تھی ورنہ مستقبل کا آئینہ تو شہلا اسے دکھا ہی گئی تھی اور اس آئینے میں زندگی اتنی بدصورت نظر آتی تھی کہ وہ ڈر کر آنکھیں بند کر لیتی تھی اپنی ماں کی طرح ساری عمر دو اور دو چار کرتے یا آٹے دال کا حساب رکھتے گزارنے کے خیال سے ہی اسے ابکائی آتی تھی آج کل تو اسے خواب میں بھی ایسی ہی زندگی کے مناظر نظر آتے تھے اور وہ خوف زدہ ہو کر اٹھ جاتی پھر کتنی کتنی دیر آنکھیں

کھولے بستر پر پڑی رہتی اس خیال سے کہ آنکھ بند کرے گی تو دوبارہ سے ایسے بھیانک خواب نظر آئیں گے۔

شہلا سے دو چار ملاقاتیں مزید ہوئیں تو اس کی ہچکچاہٹ دور ہونے لگی۔

"کیا حرج ہے اگر میں بھی دنیا جہان کی مسرتوں میں سے اپنا حصہ وصول کر لوں شہلا صحیح کہتی ہے آخر میرا بھی تو حق ہے نا کہ میں زندگی کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق گزاروں نا کہ حسرت و یاس کی تصویر بن کر ایک دن کسمپرسی کے عالم میں دنیا سے گزر جاؤں۔۔۔ ٹرائی کرنے میں کیا قباحت ہے اگر شہلا جیسی عام سی لڑکی پر کوئی فدا ہو سکتا ہے تو میں تو اس سے کہیں زیادہ خوب صورت ہوں۔۔۔ کیا کمی ہے مجھ میں؟" اس نے خود سے سوال کیا اور آئینے میں اپنا آپ دیکھا آئینے جھوٹ نہیں بولتے اور آئینہ اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ جوان ہے حسین ہے دنیا کو فتح کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اپنی اس صلاحیت کو آزمانے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔

اگلی صبح اس کی تیاری روز سے ذرا مختلف تھی آج اس نے اپنا سب سے بہترین لباس پہنا تھا ہلکا سا میک اپ، لمبے بالوں کو اونچی سی پونی ٹیل کی شکل دے کر اس نے اچھی طرح آئینے میں اپنا جائزہ لیا اسے اپنا آپ ہر طرح سے مکمل لگا تھا اس نے مطمئن ہو کر اپنا پرس اور چادر اٹھائی وہ چاہ رہی تھی کہ اماں کی نظر پڑنے سے پہلے ہی خود کو چادر میں چھپا لے، مگر ایسا نہ ہوا اماں اچانک ہی کمرے میں داخل ہوئی تھیں وہ تھوڑی سی گھبرا گئی تھی۔

"ارے نازو۔۔۔ یہ تو دفتر جا رہی ہے یا کسی پارٹی میں؟ اتنی تیاری کس لیے؟" وہ اسے کڑی نظروں سے دیکھ رہی تھیں اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پایا اور بولی۔

"ہاں۔۔۔ وہ۔۔۔ اماں میں بتانا بھول گئی آج ہمارے آفس میں واقعی پارٹی ہے۔۔۔ وہ ایک لڑکی ہے نا۔۔۔ ابھی دو دن پہلے اس کی منگنی ہوئی ہے اسی خوشی میں اس نے سب کو پارٹی دی ہے بس اسی لیے۔۔۔"

"اچھا۔۔۔ چلو خیر۔۔۔ پھر ٹھیک ہے۔ لیکن چادر اچھی طرح اوڑھ کر جانا ورنہ خواہ مخواہ ہی لوگوں کی نظریں اٹھتی رہیں گی بلکہ دو منٹ ٹھہر جا میں تیری نظر اتار دوں۔۔۔ بہت پیاری لگ رہی ہے اللہ نظر بد سے بچائے۔"

"چھوڑو نا اماں۔۔۔ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے میری وین بس آتی ہی ہو گی۔۔۔ نکل گئی تو مجھے بس میں جانا پڑے گا۔" اس نے جلدی جلدی چادر لپیٹی اور تقریباً دوڑتے ہوئے گھر سے نکل گئی۔

"ہر وقت جلدی میں رہتی ہے یہ لڑکی، پیروں میں تو جیسے چکر ہیں۔" پیچھے سے اماں بڑبڑاتی ہی رہ گئیں۔

فیکٹری پہنچ کر اس نے چادر اور پرس ایک طرف رکھا۔ چادر وغیرہ رکھ کر وہ پلٹی تو بہت سی نظریں ایک ساتھ اس پر جم گئیں۔

"کیا ہوا بھئی؟ ایسے کیا دیکھ رہے ہیں آپ لوگ؟" وہ اپنی جھینپ چھپاتے ہوئے بولی۔

"ہائے نازمین۔۔۔ کتنی پیاری لگ رہی ہو تم۔ اتنا تیار ہو کر پہلی مرتبہ آئی ہو نا۔ اس لیے سب تمہیں ایسے دیکھ رہے ہیں۔" فوزیہ بولی۔

"ویسے آج کوئی خاص بات ہے؟"

"نہیں بھئی۔۔۔ خاص بات کیا ہونی ہے۔ بس یوں ہی میرا دل چاہ رہا تھا۔۔۔ تم لوگ بھی اسی طرح آتے ہو۔۔۔ میں تو کبھی نہیں پوچھتی۔"

"اسی لیے تو پوچھ رہی ہوں۔۔۔ تم تو ہمیشہ بڑی سادگی سے آتی ہو۔۔۔ ویسے یار۔۔۔ تمہارے بال بڑے خوب صورت ہیں۔ اتنے لمبے اور چمک دار۔۔۔ پہلی بار کھلے ہوئے دیکھے ہیں۔ ورنہ تم تو ہمیشہ انہیں لپیٹے رہتی ہو۔" فوزیہ اس کے سلکی بالوں کو چھو کر بولی۔

"وہ اصل میں اس طرح لپیٹ کر کیچر میں جکڑنے سے میرے بال خراب ہونے لگے ہیں۔ جلدی جلدی میں چوٹی گوندھنے کا ٹائم نہیں ملا۔ اب باندھ لوں گی۔" اس نے گویا صفائی پیش کی تھی۔

"رہنے دو نا۔ ایسے ہی اچھے لگ رہے ہیں۔"

"اچھا چھوڑو۔ یہ بتاؤ سر آ تو نہیں گئے۔ آج میں لیٹ ہو گئی ہوں نا۔"

"نہیں۔۔۔ سر تو نہیں آئے اور شاید اگلے ایک مہینے تک آئیں گے بھی نہیں۔"

"کیا؟ مم۔۔۔ مگر۔۔۔ کیوں؟ میرا مطلب ہے سب خیر تو ہے۔" وہ گڑبڑا سی گئی تھی۔

"ہاں' ہاں خیر ہی ہے۔ انچارج صاحب بتا رہے تھے کہ وہ جاپان گئے ہیں۔ وہاں سے سنگاپور' ملائیشیا اور پھر بنکاک سے ہوتے ہوئے آئیں گے۔"

"اچانک ہی چلے گئے؟ کل تک تو ایسی کوئی بات نہیں سنی تھی۔"

"ارے یار یہ بڑے لوگ ہیں۔ ان کے پروگرام ایسے ہی بنتے ہیں۔ ان کے لیے کیا مشکل ہے؟ صبح ایک ملک میں ہوتے ہیں تو شام میں دوسرے گئے ہوں گے۔ اپنا بزنس بڑھانے کے لیے۔ دولت کے کھیل ہیں سارے۔ ہماری' تمہاری طرح تھوڑی کہ ایک شہر سے دوسرے شہر جانے کی بھی اوقات نہیں ہے۔" فوزیہ کے لہجے میں بھی وہی حسرت تھی۔ جس سے اس کی بہت پرانی شناسائی تھی۔

"چلو جی چھٹی ہوئی۔ خوامخواہ ہی اتنا وقت ضائع کیا۔ بڑے میاں تو نکل لیے۔" اس نے بے زاری سے سوچا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

کبھی کبھی وہ سوچتی کہ اچھا ہی ہوا۔ شاید کوئی غیبی طاقت تھی جو اسے اس راہ پر چلنے سے روک رہی تھی۔ جس کی کوئی منزل جانے تھی یا نہیں۔ وہ نیک ماں' باپ کی اولاد تھی۔ شاید ان ہی کی نیکی اسے اس راستے پر چلنے سے روک رہی تھی۔ جس کی مسافر شہلا یا اس جیسی لڑکیاں ہوتی تھیں۔ اچھی اور آسائشوں سے بھری زندگی گزارنے کی چاہ اسے حد پھلانگنے کی ترغیب تو دیتی تھی۔ مگر یا تو اس میں واقعی ہمت کی کمی تھی یا پھر اس کے اندر کہیں نہ کہیں اخلاقیات کی رمق موجود تھی جو اس کا ہاتھ تھام لیتی تھی تب ہی تو باس کے واپس آجانے کے باوجود اس نے دوبارہ ایسی کوئی کوشش نہیں کی کئی بار ان سے آمنا سامنا بھی ہوا اور جب بھی ہوا وہ اندر ہی اندر شرم سے گڑ گئی۔ ان پر نظر پڑتے ہی اسے ابا کا خیال آتا تھا۔ وہ ان ہی کی عمر کے تھے اور شاید وہ بھی ان دولت مند بوڑھوں میں سے نہیں تھے۔ جن کا ذکر شہلا کرتی تھی۔ فیکٹری میں کام کرنے والی سب لڑکیوں سے ان کا رویہ بہت ہی مشفقانہ ہوتا تھا۔ تب وہ سوچتی اگر وہ شہلا کے کہے پر عمل کرتی تو کس قدر ذلیل ہوتی۔ شاید اسے اس نوکری سے بھی ہاتھ دھونا پڑتے جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی جو کچھ ہوا تھا اس کے پیچھے بھی یقیناً" کہیں نہ کہیں کوئی اچھائی چھپی ہوئی تھی۔ جس کا اسے ذرا بھی ادراک نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼
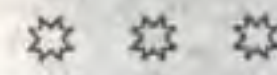
زندگی کے وہی پرانے روز و شب تھے۔ تبدیلی کے کہیں کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ وہی دو اور دو' چار کے چکر وہی آس و نراش کی کیفیت اس نے بھی شاید اپنی اس زندگی سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ جب ہی تو اب اس کے اندر جوار بھاٹے نہیں ابلتے تھے۔ شاید یہی اس کی قسمت تھی اور قسمت کے آگے کس کا زور چلا ہے۔ بڑے بڑوں کو تقدیر اپنے اشاروں پر نچاتی ہے۔ اس کی حیثیت ہی کیا تھی؟

وہ دن بھی عام دنوں جیسا ایک دن تھا۔ دو' تین دن سے شدید قسم کا حبس اور گرمی تھی۔ سورج جیسے سوا نیزے پر تھا۔ وہ فیکٹری جانے کے لیے گھر سے نکل کر اسٹاپ پر آگئی۔ اس کی وین ابھی تک نہیں آئی تھی۔ شدید دھوپ سے بچنے کے لیے وہ ایک شیڈ کی آڑ میں کھڑی تھی۔

"اف اللہ۔۔۔ آج تو غضب کی گرمی ہے۔ لگتا ہے آج یہ گرمی اپنے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے گی۔" اس نے ماتھے پر آیا پسینہ پونچھتے ہوئے بے زاری سے سوچا۔ سامنے سے گزرتی ہوئی ایئر کنڈیشنڈ گاڑیاں اور ان میں بیٹھے خوش باش چمکتے چہروں والے لوگ ان چہروں کو دیکھ کر اپنی کم مائیگی کا احساس شدید تر ہو جاتا تھا۔

اب بھی کبھی کبھی اس کا دل ان چمکتی دمکتی خنک گاڑیوں میں بیٹھنے کے لیے ہمکتا تھا مگر بات پھر وہی تقدیر کی آجاتی تھی۔ یہ مقدروں کے کھیل تھے۔ یہ اللہ کی تقسیم تھی اور اللہ کی تقسیم پر شاکر ہونا تو بڑے دل گردے کا کام تھا۔ وہ اس تقسیم پر خوش بھی نہیں تھی اور شاکر بھی نہیں تھی۔ مگر وہ خود کو ذلت کے اس گڑھے میں بھی نہیں گرا سکتی تھی جس کے دہانے پر وہ ایک بار پہنچ کر پلٹ آئی تھی۔

اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا سوا آٹھ ہو گئے تھے۔ پتا نہیں وین ابھی تک کیوں نہیں آئی تھی۔ اس نے سامنے سڑک کی جانب دیکھا۔ اس کے قریب ہی کسی گاڑی کا ہارن زور سے چیخا تھا۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ شہلا تھی۔ سیاہ رنگ کی کرولا میں بیٹھی وہ اسے اشارے سے بلا رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شخص شاید اس کا وہی بڈھا عاشق تھا۔ نازو گاڑی کے قریب چلی آئی۔

"کیا ہوا؟ ابھی تک یہیں کھڑی ہو؟ گاڑی آئی نہیں تمہاری؟"

"ہاں آج تو بڑی دیر ہو گئی آٹھ بجے تک آجاتی ہے شاید راستے میں کہیں خراب ہو گئی ہے۔ تب ہی اب تک نہیں آئی۔"

"آجاؤ۔ میں تمہیں ڈراپ کر دیتی ہوں۔ کہاں دھوپ میں کھڑی خوار ہوتی رہو گی۔" وہ بڑے استحقاق سے کہہ رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر ٹائم دیکھا۔ دیر واقعی بہت ہو گئی تھی اور شہلا کے ساتھ جانے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ٹھنڈک اور خوش گواریت کا ایک انوکھا سا احساس اس کے سارے بدن میں پھیل گیا تھا۔ جلتے بلتے جسم کو جیسے قرار سا آگیا تھا۔

"یہ ملک سرفراز ہیں میرے باس۔۔۔ اور تمہارے فیکٹری کے جو مالک ہیں یہ ان کے دوست بھی ہیں۔" شہلا نے تعارف کروایا تو اس نے سلام کیا۔ ملک سرفراز نے اپنے سامنے لگے آئینے میں اسے بڑی گہری اور معنی خیز نظروں سے دیکھا تھا۔ دھوپ میں تمتماتے چہرے پر اب بھی کہیں کہیں پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ سیاہ بھنورا سی آنکھیں اور ہونٹوں کا دلفریب کٹاؤ ملک سرفراز نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ کیا سادگی اور کیا پرکاری تھی۔ وہ اسے کسی غریب کی کٹیا کا انمول ہیرا لگی تھی۔ وہ شہلا سے باتیں کر رہی تھی اور ملک سرفراز مسلسل اسے گھور رہا تھا۔ نازو کو شاید اس کے گھورنے کا احساس ہو گیا۔ تب ہی وہ بے چین سی ہو کر کسمسانے لگی تھی۔ اپنی منزل پر اتر کر اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔ توبہ کتنی گندی نظریں تھیں اس شخص کی۔ شہلا پتا نہیں کیسے اسے برداشت کرتی ہے؟ اسے رہ' رہ کر ملک سرفراز پر غصہ آرہا تھا۔

دوسری طرف ملک سرفراز کی آنکھوں میں اس کا سادہ سا حسن جیسے کھب کر رہ گیا تھا۔ وہ شہلا کے سر ہو گیا تھا کہ وہ کسی بھی طرح ایک بار اس لڑکی کو اس کے پاس لے آئے۔

"ملک صاحب۔۔۔ یہ ممکن نہیں ہے وہ اس قسم کی لڑکی نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو بہت پہلے میرے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑتی۔" پھر شہلا نے اسے ساری بات بتائی تھی۔

"تم ایک بار کوشش تو کرو دولت میں بڑی طاقت ہے۔ بڑے بڑوں کو جھکا دیتی ہے یہ تو ایک معمولی سی لڑکی ہے۔ میں تمہیں اور اسے دونوں کو خوش کر دوں گا۔ اتنا مال دوں گا کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ بس تم کسی بھی طرح صرف ایک بار اسے میرے پاس لے آؤ۔ اگر مجھے پہلے پتا ہوتا کہ تم اس لڑکی کی نوکری کے لیے مجھ سے کہہ رہی ہو تو میں اسے کبھی بھی ہاشمی کی فیکٹری میں نہ بھیجتا اسے یہاں اپنی فیکٹری میں ملازمت دیتا۔ ہاشمی تو انتہائی بدذوق آدمی ہے حالانکہ میرا پرانا یار ہے۔ مگر مجھ سے بہت مختلف۔۔۔ خیر۔۔۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ وہاں اسے کتنی تنخواہ مل رہی ہے؟ خیر جتنی بھی ہو۔ میں اس سے ڈبل بلکہ اس سے بھی زیادہ پے کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ زیادہ تنخواہ کے لالچ میں وہ یہاں ضرور آئے گی اور ایک بار آگئی تو اسے اپنی راہ پہ لانا میرا کام ہے۔ تم اپنا کام کرو اور اسے یہاں

لے کر آؤ۔ سمجھو یہ بھی تمہاری ڈیوٹی کا حصہ ہے۔" وہ اتنا بے چین تھا کہ صاف نظر آرہا تھا۔

"ٹھیک ہے ملک صاحب۔۔۔ میں کوشش کرتی ہوں۔ مگر مجھے زیادہ امید نہیں ہے۔"

اگلے اتوار کو شہلا اس کے پاس چلی آئی۔ آج وہ گھر پر اکیلی تھی۔ اماں' ابا کسی رشتہ دار کے گھر گئے تھے۔ فیضان بھی ان کے ساتھ گیا تھا۔ شہلا کے لیے یہ صورت حال سازگار تھی۔ وہ نازو سے کھل کر بات کرسکتی تھی۔ اصل میں اس سارے معاملے میں اس کا اپنا بھی بہت فائدہ تھا۔ ملک سرفراز کے پاس بے تحاشا دولت تھی اور شہلا کا مقصد کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنا تھا۔ اگر وہ ملک کا یہ کام کردیتی تو ملک سرفراز واقعی اسے خوش کردیتا۔ چائے کے دوران وہ اِدھر اُدھر کی عام سی باتوں کے بعد اصل بات کی طرف آئی تھی۔ نازو خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی تھی۔ اس کی خاموشی شہلا کو اس کی رضامندی لگی تھی۔

"پھر کیا کہتی ہو نازو رانی۔۔۔ تمہارے دن پھرنے والے ہیں۔ ملک سرفراز کی دولت تمہاری تقدیر بدل سکتی ہے۔ یقین کرو۔۔۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"سچ جھوٹ کا تو مجھے پتا نہیں۔ مگر میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ تقدیریں بدلنے کی قدرت صرف ایک ہستی کے پاس ہے اور میرا ایمان ہے کہ وہ اگر چاہے تو واقعی میری قسمت بدل سکتی ہے۔ مگر شہلا۔۔۔ جو راستہ تم مجھے دکھا رہی ہو نا اس پر چلنا میرے بس کی بات نہیں ہے اور وہ اب بھی نہیں چاہتا کہ میں اس راستے پر چلوں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں بہت پہلے تمہاری باتوں میں آجاتی۔ ایک بار میں نے کوشش کی تھی۔ مگر اللہ نے میرا پردہ رکھ لیا اور مجھے ذلت کے گڑھے میں گرنے سے بچالیا۔ شاید میرے ماں' باپ کی ہی کوئی نیکی ہوگی۔ ورنہ میں تو بہت گناہ گار ہوں۔ نہیں شہلا۔۔۔ تمہاری یہ آفر بہت پرکشش سہی' مگر میرے مطلب کی نہیں ہے۔" وہ بڑے اٹل لہجے میں بات کررہی تھی۔

"ایک بار پھر سوچ لو نازو۔۔۔ ایسے موقع بار بار نہیں ملتے۔ ملک سرفراز تمہارے پیچھے پاگل ہورہا ہے۔ تمہارے ذرا سے التفات پر وہ تمہارے قدموں میں دولت اور آسائشوں کے ڈھیر لگادے گا۔ کیا تم نہیں چاہتی ہو کہ تم بہتر زندگی گزارو؟" شہلا ہر ممکن طریقے سے اسے لائن پر لانا چاہ رہی تھی۔

"چاہتی ہوں۔۔۔ ضرور چاہتی ہوں اور کون نہیں چاہتا کہ وہ ایک اچھی زندگی گزارے۔۔۔ مگر۔۔۔ اس طرح نہیں شہلا۔۔۔ تم اپنا وقت ضائع کررہی ہو۔۔۔ جب اللہ ہی نہیں چاہتا کہ میں غلط راہ پہ چلوں تو تم کیا دنیا کی کوئی طاقت مجھے قائل یا مجبور نہیں کرسکتی۔ ایک بات بتاؤں تمہیں میں اپنے ماں' باپ کی کوئی بہت فرماں بردار بیٹی نہیں ہوں۔ بلکہ میری ماں کو تو مجھ سے بہت سے گلے ہیں۔ مگر شہلا۔۔۔ میں اتنی بھی نافرمان نہیں ہوں کہ ان کی عزت کو اپنی خواہشات کی بھینٹ چڑھادوں۔۔۔ میرے باپ نے دولت بے شک نہ کمائی ہو۔ مگر عزت بہت کمائی ہے اور ان کی ساری عمر کی اس کمائی کو میں ایسے مٹی میں نہیں رول سکتی۔ میں نے بہت سوچا ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ وقت سے پہلے اور نصیب سے زیادہ کسی کو بھی نہیں ملتا۔ آنے والے وقت میں اور میرے نصیب میں اگر ہوا تو مجھے وہ سب کچھ ملے گا جس کی مجھے چاہ ہے۔ بس میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہوں گی۔ بہتر ہے کہ تم بھی آئندہ مجھ سے اس موضوع پر کوئی بات نہ کرو۔ میں یہ نہیں کہوں گی کہ آئندہ مجھ سے نہ ملنا۔ مگر پلیز۔۔۔ اس ارادے سے ملنا چاہو گی تو براہ مہربانی یہاں مت آنا۔" وہ چائے کے برتن سمیٹ کر کچن کی طرف چلی گئی۔ شہلا کو یہاں مزید بیٹھنا فضول لگا۔ اسے اچھی طرح اندازا ہوگیا تھا کہ یہاں اس کی دال گلنے والی نہیں ہے۔

"ٹھیک ہے نازو۔۔۔ میں اب چلتی ہوں۔ ملک سرفراز بے چینی سے میرا انتظار کررہا ہوگا۔ جا کر اسے بتاؤں کہ تمہارا خیال دل سے نکال دے۔ بے چارہ ملک۔۔۔ بڑا مایوس ہوگا۔" وہ اپنا بیگ کندھے پر ڈال کر کھڑی ہوگئی۔

"اس سے یہ بھی کہنا کہ ہر شے بکاؤ نہیں ہوتی۔ دولت کے زعم میں شاید وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ جب جسے چاہے خرید سکتا ہے۔ مگر کچھ چیزیں بہت قیمتی' بلکہ انمول ہوتی ہیں جنہیں خزانوں کے ڈھیر بھی نہیں خرید سکتے۔ تم اس سے یہ سب نہ بھی کہو تو وہ سمجھ جائے گا۔ اور سمجھ لے تو اچھا ہے۔ زعم ٹوٹے گا تو شاید اسے بھی اپنی گمراہی کا احساس ہوجائے۔ خیر میرا مقصد کسی کو راہ راست پر لانا ہرگز نہیں ہے۔ اللہ مجھے راہ راست پر رکھے بس میرے لیے یہ اہم ہے۔"

شہلا چلی گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد نازو نے محسوس کیا تھا کہ وہ بہت ہلکی پھلکی ہوگئی ہے۔ دل و دماغ پر چھائے سارے غبار جیسے چھٹ گئے تھے۔ اندر کی فضا بڑی نکھری سی دھلی دھلائی سی تھی۔ شفافیت اور پاکیزگی کا بڑا انوکھا سا احساس تھا۔ جس میں وہ خود کو اس وقت گھرا ہوا محسوس کررہی تھی۔ اسی احساس میں گھری وہ دوپہر کا کھانا بنانے کی تیاری کرنے لگی۔ اماں' ابا کے آنے سے پہلے وہ کھانا تیار کرلینا چاہتی تھی۔

"بڑے دن ہوگئے اماں۔۔۔ حمیدہ بانو نے چکر نہیں لگایا۔" ایک دن وہ اماں کے ساتھ باتیں کرتے کرتے کہہ بیٹھی تھی۔ اماں نے کچھ چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ حمیدہ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ حیرت کی بات تھی۔ اسے تو حمیدہ اور اس کے لائے ہوئے رشتوں سے بڑی چڑ تھی۔ پھر اب۔۔۔

"کیا کرے گی وہ بے چاری یہاں آکر۔۔۔ اسے دیکھ کر تیرا موڈ جو بگڑ جاتا ہے۔ اس نے بھی محسوس کیا ہوگا تب ہی نہیں آئی۔ ویسے آج اس کا خیال کیسے آگیا؟"

"یوں ہی۔۔۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں تو بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔" وہ نظریں چرا کر بولی۔

"اچھا۔۔۔ میں تو سمجھی کہ شاید تجھے عقل آگئی ہے اور دماغ سے سیٹھانی بننے کا خناس نکل گیا ہے۔" اماں ٹھنڈی آہ بھر کر بولیں۔

"سیٹھانی بننا شاید میرے نصیب میں نہیں ہے اماں۔۔۔ اور آپ شاید ٹھیک کہتی ہیں۔ مجھ جیسی کم حیثیت لڑکی کو ایسے اونچے خواب نہیں دیکھنے چاہئیں جن کی کوئی تعبیر نہ ہو۔" اس کے انداز میں ایسی محرومی تھی کہ اماں کا دل کٹ کر رہ گیا۔ انہوں نے کھینچ کر اسے اپنے سینے سے چمٹا لیا تھا۔ کیا کمی تھی اس میں؟ دل موہ لینے والی صورت تھی اس کی' مگر غربت نے اس کے حسن کو گہنا دیا تھا۔ ان کے دل نے بڑی شدت سے اس کی خوشیوں اور خواہشوں کے پورا ہونے کی دعا مانگی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج کل فیکٹری میں کام بہت زیادہ تھا۔ شپمنٹ کی تیاری ہورہی تھی۔ جسے جانا جانا تھا۔ فیکٹری کا ہر ورکر بہت مصروف تھا۔ اسے بھی سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی۔ ایسے میں اسے اپنے اردگرد کا بھی ہوش نہیں تھا۔ وہ بہت محنت کررہی تھی تاکہ باس اس کے کام سے خوش ہوکر اس کی تنخواہ میں اضافے کا سوچیں۔ اسے یہاں کام کرتے ہوئے سال ہونے والا تھا اور اس نے سنا تھا کہ ہر سال ان ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جاتا ہے جن کی کارکردگی اچھی ہو اسی لیے وہ بہت محنت سے کام سرانجام دینے کی کوشش کررہی تھی۔ اس دن وہ صبح جلدی گھر سے نکلی تھی۔ کیونکہ آج شپمنٹ کی روانگی تھی۔ باس نے کل ہی سب کو کہہ دیا تھا کہ صبح جلدی آئیں۔ وہ فیکٹری پہنچی تو ہر طرف ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ وہ بھی اپنے حصے کے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔

"نازو۔۔۔ پتا ہے آج تو ہاشمی صاحب کا بیٹا بھی آیا ہوا ہے۔" تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے فوزیہ نے اسے اطلاع دی۔

"اچھا۔۔۔ ہاشمی صاحب کا کوئی بیٹا بھی ہے؟ پہلے تو کبھی نہیں آیا۔" رجسٹر پر اندراج کرتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر پوچھا۔

"پہلے بھی ایک' دو دفعہ آیا ہے تم نے شاید غور نہیں کیا ہوگا۔"

"ہاں شاید۔۔۔ سر کے پاس تو بہت سے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ اب مجھے کیا پتا کہ ان میں سے ان کا بیٹا کون سا ہے۔" وہ لاپروائی سے بولی اور سر جھکا کر رجسٹر پر جلدی جلدی قلم چلانے لگی۔ پانچ بجے کے قریب جب چمنٹ روانہ ہوئی تب کہیں جا کر کچھ سکون ہوا تھا۔ صبح سے قلم چلا چلا کر اس کی انگلیاں چٹخنے لگی تھیں، سر الگ درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ ایک کپ چائے کی بڑی شدید طلب ہو رہی تھی۔ چائے مل جاتی تو دکھتے ہوئے سر کو آرام مل جاتا۔ مگر اب گھر جانے کا ٹائم تھا۔ وہ اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ وہ ابھی چادر اوڑھ رہی تھی کہ کوئی بلند آواز میں بولا۔

"ہیلو لیڈیز۔" اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ ایک خوش باش سا نوجوان تھا۔ جوان سب سے مخاطب تھا۔

"یہ کون ہے؟" اس نے آہستہ سے آواز میں فوزیہ سے پوچھا۔

"یہی تو ہیں ہاشمی صاحب کے بیٹے۔" فوزیہ نے بتایا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"پچھلے پورے ہفتے سے آپ لوگ بہت بزی رہے ہیں۔ مجھے احساس ہے کہ تھک بھی بہت گئے ہوں گے۔ کیا خیال ہے چائے کے ساتھ ہلکی پھلکی ریفرشمنٹ ہو جائے؟"

"ضرور سر۔۔۔ کیوں نہیں۔" بہت سی آوازیں بلند ہوئی تھیں۔ نازو نے گھڑی میں وقت دیکھا چھ بجنے والے تھے۔ چائے کی طلب ہونے کے باوجود اسے گھر جانے کی جلدی تھی۔

"کیا ہوا مس نازمین۔۔۔ آپ کا موڈ نہیں ہے چائے پینے کا۔" وہ اچانک ہی اس سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ اس کا نام لے رہا تھا۔ اس کی حیرانی اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب چلا آیا۔

"کیا بات ہے؟ آپ کچھ حیران اور پریشان نظر آ رہی ہیں؟" وہ ہلکے سے مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔

"ج۔۔۔ جی وہ۔۔۔ میں۔۔۔ گھر۔۔۔ جانا تھا۔ وین والا انتظار کر رہا ہو گا۔" وہ اٹک اٹک کر کہہ رہی تھی۔

"بس۔۔۔ اتنی سی بات۔۔۔ وین بھی فیکٹری کی ہے اور ڈرائیور بھی۔ وہ کہیں نہیں جائے گا آپ کو چھوڑ کر۔ سو ڈونٹ وری۔۔۔ آپ سب لنچ روم میں آ جائیے۔ گرما گرم چائے آپ کی منتظر ہے۔" اس نے ایک نظر اسے، پھر باقی لوگوں کو دیکھا اور پلٹ گیا۔ وہ اب تک حیران تھی کہ وہ شخص اس کا نام کیسے جانتا ہے؟

"ہو سکتا ہے وہ یہاں سب کے ہی نام سے واقف ہو۔ آخر مالک ہے اپنے ملازمین کے بارے میں معلومات ہونی بھی چاہئیں۔" وہ سوچتی ہوئی لنچ روم میں آ گئی۔ بھاپ اڑاتی چائے کے ساتھ بہت سے لوازمات تھے۔ اس وقت اسے چائے کے علاوہ اور کسی چیز کی طلب نہیں تھی۔ وہ چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھر رہی تھی۔ جب وہ پھر اس کے پاس آ گیا۔

"آپ صرف چائے پی رہی ہیں اور بھی تو کچھ لیں نا۔"

"نہیں بس۔۔۔ ٹھیک ہے۔" وہ تھوڑی سی گھبرا گئی تھی۔

"آپ ہمیشہ ہی اس طرح پریشان رہتی ہیں یا آج کوئی خاص بات ہے؟" وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"جی۔۔۔؟"

"کچھ نہیں۔۔۔ آپ آرام سے چائے پی لیں اگر کچھ چاہیے تو میں لا دوں؟"

"نہیں سر۔۔۔ مجھے ضرورت ہو گی تو میں خود لے لوں گی۔" وہ اس بار ذرا اعتماد سے بولی تھی۔

"او کے۔۔۔ ایز یو وش۔" وہ کندھے اچکا کر بولا اور مڑ کر چلا گیا۔ نازو نے سکون کا سانس لیا اور جلدی جلدی چائے ختم کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

روز و شب کا چکر چلتا رہا۔ اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا گیا تھا۔ ہاشمی صاحب نے اس کی کارکردگی کو بہت سراہا تھا۔ ساتھ ساتھ اسے مزید ذمہ داریاں بھی سونپ دی تھیں۔ اب وہ اپنے پورے ڈیپارٹمنٹ کی انچارج تھی۔ وہ خوش تھی۔ دفتری ذمہ داری کے ساتھ ساتھ وہ پرائیویٹ امتحان کی تیاری بھی کر رہی تھی۔ اس کا بی اے مکمل ہو جاتا تو اس کی تنخواہ مزید بڑھ سکتی تھی۔ زندگی میں کچھ آسانیاں پیدا ہونے لگی تھیں۔ گھر کی حالت کافی حد تک بہتر ہو گئی تھی۔ اب اسے اپنا گھر اتنا برا نہیں لگتا تھا۔ گو کہ خواہشوں کی دبی دبی چنگاریاں اب بھی کبھی کبھی ہوا دینے لگتی تھیں۔ سڑک پر بھاگتی دوڑتی بڑی بڑی گاڑیوں کو دیکھ کر سینے میں ایک ہوک سی اب بھی اٹھتی تھی۔ مگر وہ اپنے دل کو سمجھانے کا فن سیکھ چکی تھی۔ دماغ اب اس کی باتیں ماننے لگا تھا۔ اس لیے اب وہ سکون میں تھی۔ پہلے جیسا اضطراب بہرحال نہیں تھا۔

موسم بدلنے لگا تھا۔ مشرق سے آنے والی ہوائیں ساون کا سندیس لے کر آنے لگی تھیں۔ اس دن بھی آسمان پر کہیں کہیں بادل تھے۔ بارش کے آثار تو نہیں تھے۔ مگر کچھ پتا نہیں تھا۔ بادل پوری طرح آسمان پر قبضہ کر کے کب برس پڑتے اور یہی ہوا بھی۔ دوپہر تک سارا آسمان بادلوں سے ڈھک گیا۔ ایسے گہرے سیاہ بادل تھے کہ دن میں رات کا سماں ہو گیا تھا۔

سہ پہر کے چار بجے تھے جب تیز بارش شروع ہو گئی۔ موسم کی وجہ سے آج فیکٹری میں جلدی چھٹی کر دی گئی تھی۔ سب کو اپنے اپنے گھر جانے کی جلدی پڑ گئی تھی۔ نازو بھی اپنا بیگ اٹھا کر باہر آ گئی۔ بارش کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ہر طرف جل تھل تھا۔ وہ فیکٹری کے کمپاؤنڈ میں کھڑی اپنی وین کا انتظار کرنے لگی اور بھی لڑکیاں تھیں جو اس وین میں اس کے ساتھ جاتی تھیں۔ وہ سب شدت سے وین کی منتظر تھیں۔

"یار۔۔۔ یہ وین اب تک آئی کیوں نہیں؟ اتنی تیز بارش ہے۔ کہیں راستے میں نہ پھنس گئی ہو؟" سمیرا فکرمندی سے بولی۔

"ہاں۔۔۔ شاید ایسا ہی ہو۔۔۔ باقی ساری گاڑیاں نکل چکی ہیں۔ صرف ہمارے ہی روٹ کی وین ابھی تک نہیں آئی۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" وہ جواباً بولی تھی۔

"ٹھہرو... میں ڈرائیور کو فون کرتی ہوں کہ جلدی آئے۔" اس نے کال لگائی۔ مگر شاید بارش کی وجہ سے نیٹ ورک میں پرابلم تھی۔ کئی مرتبہ کوشش کے باوجود کال نہیں ملی۔

"یا اللہ... اب کیا کریں۔" وہ پانچوں بے حد پریشان اور خوف زدہ تھیں۔

"ایسا کرتے ہیں ہم لوگ ٹیکسی ہائر کر لیتے ہیں۔ میں، سمیرا، عالیہ اور حنا تو ایک ہی علاقے میں رہتے ہیں۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو نازو۔ وین کا انتظار تو فضول ہے۔ کب تک یہاں کھڑے رہیں گے۔" آصفہ کی تجویز سے سب نے اتفاق کیا۔

"نہیں بھئی... تم لوگ تو بہت پہلے ٹیکسی سے اتر جاؤ گی۔ میرا گھر بہت دور ہے۔ میں ٹیکسی میں اکیلی رہ جاؤں گی۔ میرا تو دم ہی نکل جائے گا۔" وہ تو جیسے بدک ہی گئی تھی۔

"تو پھر کیا کریں؟" آصفہ زچ ہو کر بولی۔

"ایک کام ہو سکتا ہے... ہاشمی سر کو فون کر کے کہتے ہیں کہ ہم لوگ یہاں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہمیں گھر پہنچانے کا انتظام کریں۔ آخر یہ ان ہی کی ذمہ داری ہے۔" یہ تجویز عالیہ کی طرف سے آئی تھی اور ان حالات میں شاید اس سے اچھی کوئی تجویز ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ نازو نے ہی ہاشمی صاحب کو کال کی تھی۔ وہ اس کی آواز سن کر تھوڑے سے حیران ہوئے تھے۔

"آپ اس وقت کہاں سے بات کر رہی ہیں نازمین؟ سب ٹھیک تو ہے؟"

"نہیں سر... سب ٹھیک نہیں ہے۔ ہم لوگ یہاں فیکٹری کمپاؤنڈ میں کھڑے ہیں۔ ہماری وین اب تک نہیں آئی اور وین ڈرائیور کا فون بھی بند جا رہا ہے۔ پلیز سر کچھ کیجیے اتنی شدید بارش میں ہم لوگ کیسے گھر جائیں گے؟" وہ جیسے رو دینے کو تھی۔

"او کے... او کے بیٹے آپ پریشان مت ہوں۔ میں... میں ابھی عذیر کو بھیجتا ہوں۔ وہ آپ لوگوں کو بحفاظت آپ کے گھروں تک پہنچائے گا۔ میں چوکیدار کو بھی فون کرتا ہوں۔ اتنی دیر وہ آپ کا خیال رکھے گا۔ ڈونٹ وری بیٹے... عذیر ابھی پہنچتا ہے۔"

وہ جب فیکٹری پہنچا تو وہ پانچوں سہمی ہوئی ہرنیوں کی طرح ہراساں کھڑی تھیں۔ عذیر کی گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تو جیسے ان کی جان میں جان آئی تھی۔

"اتنی دیر تک پریشان ہوتی رہیں پہلے فون کر دیتیں۔" وہ اسی سے مخاطب ہوا تھا۔

"بس سر... پریشانی میں کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ شکر ہے سر آپ آگئے ورنہ پتا نہیں کیا ہوتا۔ ہم سب کے گھر والے بھی پریشان ہیں کئی مرتبہ فون کر چکے ہیں۔" وہ چہرے پر آئے پانی کے قطروں کو چادر کے کونے سے صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ عذیر نے اس کے بھیگے بھیگے گلابی چہرے کو بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا۔

آصفہ، حنا، عالیہ اور سمیرا کو ان کے گھروں تک ڈراپ کرنے کے بعد وہ اس کے ساتھ گاڑی میں اکیلی رہ گئی تھی۔

"مس نازمین اب آپ آگے آ کر بیٹھ جائیں۔" وہ ذرا سی گردن موڑ کر بولا۔

"نن... نہیں... میں ٹھیک ہوں۔" اسے ویسے ہی اس کے ساتھ اکیلے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

"کیوں بھئی؟ میں آپ کا ڈرائیور تو نہیں ہوں چلیے آگے آئیے۔" وہ قطعیت سے بولا تو اسے مجبوراً آگے آنا پڑا۔

"آپ کا گھر یہاں سے کتنی دور ہے؟" وہ گاڑی کو مین روڈ تک لا کر بولا۔

"ابھی تو کافی دور ہے۔ آئم سوری سر! آپ کو زحمت اٹھانی پڑ رہی ہے۔ یہ لوگ تو کہہ رہی تھیں کہ ٹیکسی ہائر کر لیں۔ مگر میں اسی لیے ٹیکسی میں نہیں آئی کہ مجھے پھر یہاں سے اکیلے سفر کرنا پڑتا۔" وہ ہلکی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"اچھا... لیکن آپ تو اب بھی اکیلی ہیں۔ اب آپ کو ڈر نہیں لگ رہا؟ اگر میں آپ کو گھر لے جانے کے بجائے کہیں اور لے گیا تو؟" وہ اسے یوں ہی چھیڑ رہا تھا۔

"جی۔" اس نے تو مذاق کیا تھا۔ مگر نازو کی حالت غیر ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں خوف بہت واضح تھا۔ گلابی رنگت ایک دم سے زرد پڑ گئی تھی۔

"ارے ارے... پلیز... میں مذاق کر رہا ہوں بھئی۔ پلیز ریلیکس ہو جائیے... آپ تو بڑی جلدی گھبرا جاتی ہیں۔ جبکہ میں تو آپ کو بہت بہادر سمجھتا ہوں۔" اسے لگا جیسے وہ ابھی رو پڑے گی۔ اس لیے وہ جلدی سے بولا تھا۔

"ہم... میں اتنی بہادر نہیں ہوں سر۔"

"نہیں... آپ واقعی بہت بہادر ہیں، میں جانتا ہوں۔" وہ بڑے یقین سے کہہ رہا تھا۔ نازو نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

"بتاؤں میں کیسے جانتا ہوں؟" وہ اس کی حیران آنکھوں میں جھانک کر پوچھ رہا تھا۔

"ملک سرفراز کو جانتی ہیں؟" اس نے اچانک پوچھا تو نازو کو جیسے کرنٹ سا لگا۔

"وہی ملک سرفراز جس نے ڈیڈ سے آپ کی نوکری کے لیے سفارش کی تھی۔ جب میں نے آپ کو پہلی مرتبہ فیکٹری میں دیکھا تھا تو مجھے بڑی حیرانی ہوئی تھی کہ اس نے آپ جیسی لڑکی کو... میرا مطلب ہے اتنی خوب صورت لڑکی کو ڈیڈ کے پاس کیوں بھیجا۔ ایسے چہرے تو اس کی کمزوری ہیں۔ پھر مجھے لگا کہ شاید اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد اس نے آپ کو یہاں بھیجا ہو گا اور مجھے یقین تھا کہ ایسا ہی ہوا ہو گا۔ تب مجھے آپ سے بڑی نفرت اور گھن سی محسوس ہوئی تھی۔ ملک سرفراز کے کرتوت میں اچھی طرح سے جانتا تھا۔" وہ بولتا جا رہا تھا اور نازو خاموشی سے سر جھکائے سن رہی تھی۔

"پھر مجھے پتا چلا کہ آپ نے تو ملک سرفراز کی انا کو بڑی کاری ضرب لگائی ہے۔ ایسی کہ وہ باؤلا ہو گیا ہے۔ جب دیتا ہے؟ وہ کئی مرتبہ ڈیڈ سے کہہ چکا ہے کہ وہ آپ کو نوکری سے نکال دیں۔ مگر ڈیڈ آپ کے کردار اور کام سے آپ کی جو لگن ہے اس سے بہت متاثر ہیں۔ اسی لیے انہوں نے آپ کی پروموشن کی ہے۔ ایک بات پوچھوں آپ سے؟"

"جی... کیا بات؟"

"آپ نے ملک سرفراز کی پیش کش سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟ وہ بہت دولت مند ہے۔ شاید میرے ڈیڈ سے بھی زیادہ... آپ کو دولت کی تمنا نہیں ہے؟" عذیر نے اس کی دکھتی رگ کو چھیڑا تھا۔

"عذیر صاحب... دولت کی تمنا کسے نہیں ہوتی؟ مگر خود کو گرا کر دولت حاصل کرنا مجھے گوارا نہ تھا۔ میرے ماں، باپ بہت غریب ہیں۔ مگر اس سے کہیں زیادہ نیک اور شریف بھی ہیں۔ میری ایسی کوئی بھی حرکت انہیں موت دے دیتی اور کوئی بھی اولاد چاہے وہ کتنی ہی نافرمان ہو اپنے ماں، باپ کو مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔ میں بھی نہیں دیکھ سکتی ویسے بھی مجھے سمجھ آیا ہے کہ یہ اللہ کی تقسیم ہے اور میں اس تقسیم کو چیلنج نہیں کر سکتی۔" وہ بہت مضبوط لہجے میں بول رہی تھی۔ عذیر کی آنکھوں میں اس کے لیے احترام بھی تھا اور ستائش بھی۔

"آپ بہت اچھی ہیں۔ آپ کے والدین کو آپ پر فخر ہو گا۔" "یہ تو مجھے پتا نہیں مگر میری اماں مجھ سے بہت نالاں رہتی ہیں۔" بڑی دیر بعد اس کے ہونٹ ہلکے سے مسکرائے تھے۔ عذیر نے بہت غور سے اس

مسکراہٹ کو دیکھا اور بولا۔

"ارے کیوں بھئی؟"

"نہیں میرا نوکری کرنا پسند نہیں ہے۔ وہ چاہتی ہیں میری شادی ہو جائے اور میرے لیے جس قسم کے رشتے آتے ہیں۔ ان میں سے کسی سے شادی کرنا مجھے منظور نہیں ہے۔"

"کس قسم کے رشتے؟" وہ بڑی دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

"یہی... کسی دکان دار، کلرک یا مکینک ٹائپ کے لوگوں کے... اماں ٹھیک کہتی ہیں کہ ہم جس سوسائٹی میں رہتے ہیں وہاں ایسے ہی پروپوزلز آسکتے ہیں۔ مگر میں کیا کروں؟ بقول اماں میرا دماغ خراب ہے۔ خناس بھر گیا ہے اس میں... بس اسی وجہ سے اماں مجھ سے ناراض رہتی ہیں۔"

"یہ تو اچھی بات نہیں۔ اتنی اچھی بیٹی ہو کر بھی آپ اپنی اماں کو ناراض کیوں کرتی ہیں؟"

"میں تو کوشش کرتی ہوں کہ نہ کروں مگر ہو جاتا ہے۔ بعد میں کئی دنوں تک خود کو کوستی بھی رہتی ہوں۔" وہ بڑی نادم سی نظر آرہی تھی۔ عذیر کا دل مسلسل اس کی طرف کھنچ رہا تھا۔ اس کی معصومیت، اس کا حسن اور سب سے بڑھ کر اس کا مضبوط کردار کسی کو بھی چت کر دیتے۔ وہ بھی خود کو روک نہیں پا رہا تھا۔

"ذرا تیز گاڑی چلائیں نا... بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"کیسے تیز چلاؤں؟ روڈ پر اتنا پانی ہے۔ ساری گاڑیاں رینگ رہی ہیں۔ وہ تو شکر ہے بارش رک گئی ہے۔ ورنہ آج کی رات اسی گاڑی میں گزارنی پڑتی۔ ویسے اگر ایسا ہوتا تو آپ کیا کرتیں؟" وہ پھر اسے چھیڑ بیٹھا تھا اور حسب توقع وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"اللہ نہ کرے... آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ میں تو پتا نہیں کیا کرتی۔ مگر میرے ماں، باپ کے لیے یہ رات پہاڑ بن جاتی۔ میری اور آپ کی کلاس میں بہت فرق ہے سر۔ ہمارے یہاں یہ عام سی باتیں بھی سانحہ بن جاتی ہیں۔"

"او مائی گاڈ... بڑی جلدی سیریس ہو جاتی ہیں آپ۔ لگتا ہے سینس آف ہیومر کی بہت کمی ہے آپ میں۔" وہ جاندار سا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

اسے گھر تک پہنچاتے پہنچاتے عذیر پوری طرح اپنا دل ہار چکا تھا۔ زندگی میں بہت لڑکیاں دیکھی تھیں۔ خوب صورت بھی، ذہین بھی اور اس کی اپنی سرکل میں تو ایک سے ایک موجود تھیں۔ مگر ایسی انوکھی سی مختلف سی لڑکی سے پہلی دفعہ واسطہ پڑا تھا۔ دل کی حالت عجیب ہو گئی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ ساری عمر ایسے ہی گزر جائے۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھی رہے۔ کبھی اعتماد کے ساتھ مضبوط لہجے میں گفتگو کرے اور کبھی ہلکے سے مذاق پر بھی گھبرا جائے۔ پل پل بدلتی اس کی کیفیات میں ایک دل موہ لینے والی کشش تھی اور وہ اس کشش سے خود کو بچا نہیں پایا تھا۔

جب عذیر کا پرپوزل اس کے لیے آیا تو وہ حیران اور ششدر رہ گئی تھی۔ شاید یہ ماں کی اس دعا کا اثر تھا جو اس نے اپنی بیٹی کو اس کی محرومیوں پر بہت دکھی ہو کر دی تھی یا گناہ کے راستے سے دامن بچا کر چلنے کا جو بھی تھا اس کی قسمت بدلنے جا رہی تھی اور وہ اس دنیا میں داخل ہونے والی تھی جس کی تمنا اس کے دل نے برسوں کی تھی۔ سیدھے اور جائز طریقے سے اسے وہ سب کچھ مل رہا تھا جو وہ چاہتی تھی۔ اماں نے گلے لگا کر اس کا ماتھا چوما اور بولیں۔

"میری بیٹی سچ مچ کی سیٹھانی بن کر اپنے غریب ماں باپ کو بھول تو نہیں جائے گی؟" اور وہ اماں کے سینے میں منہ چھپا کر رو پڑی تھی۔

"یا اللہ میں ہمیشہ تیری شکر گزار ہوں گی کہ بڑی ترغیبات کے باوجود تو نے مجھے بچائے رکھا۔ ورنہ میری زندگی آج سے کتنی مختلف ہوتی۔ سب کچھ پا کر بھی میں بے سکون ہی رہتی، اپنی ہی نظروں سے گر کر جینا کتنا مشکل ہو جاتا... تو بڑا مہربان ہے۔ میرے رب ان رستوں سے تو بندوں تک پہنچتا ہے۔ بندہ جس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ شکریہ میرے رب... تیرا بے حد شکریہ۔"

فوزیہ یاسمین

دستِ کوزہ گر

زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی... مگر زوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے... رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے... اور روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے... اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لنچ کی دعوت دیتی ہے... اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، ذکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کرلیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں لنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے... رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے... وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے... اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کردیتا ہے... اب آگے پڑھیں۔

بیالیسویں قسط

"یہ مسز بلال تم سے ملنے کیوں آئی ہیں؟" فرقان حسن نے خاصے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا ملازم خرم کا حکم سنتے ہی ڈرائنگ روم کی طرف پلٹ گیا تھا' فرقان حسن جیسے اس کے ہٹنے کے منتظر تھے اس کے جاتے ہی ان کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگی تھیں۔

"میں ان سے جا کر ملوں گا تو پتا چلے گا نا یہاں کھڑے کھڑے میں کیسے بتا سکتا ہوں کہ وہ مجھ سے ملنے کیوں آئی ہیں۔" خرم ان کے سوال کا پس منظر سمجھتے ہوئے اچھا خاصا چڑ کر بولا۔

"چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" فرقان حسن تنے ہوئے چہرے کے ساتھ بولے تو خرم جھنجلا گیا۔

"یہ آپ کس طرح بی ہیو کر رہے ہیں؟"

"کیوں؟ میں اگر تمہارے ساتھ چلوں گا تو تمہیں کوئی مسئلہ ہے کیا۔ کوئی بہت اہم سیکریٹ ڈسکس کرنا ہے کیا جو میرے سامنے نہیں ہو سکتا۔" وہ بڑے طنزیہ انداز میں کہتے اس کے پاس آکھڑے ہوئے۔

خرم کچھ دیر تو لب بھینچے انہیں دیکھتا رہا پھر بڑے تپے ہوئے انداز میں بولا۔

"آیئے سن لیں اپنے کانوں سے جو بھی بات ہوتی ہے ہمارے درمیان۔" خرم کہہ کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

فرقان حسن نے اس کی پیروی کرنے میں ذرا دیر نہیں کی' انہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ خرم کو ان کا آنا کتنا برا لگ رہا ہے جب خرم نے منگنی توڑتے وقت اس بات کی پروا نہیں کی کہ انہیں کتنا برا لگا ہے تو وہ بھی اپنے بیٹے کے متعلق سب کچھ جاننے کا حق رکھتے تھے بھلا وہ کیوں پروا کرتے۔

خرم کچھ برہم سے انداز میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوا' مگر عائشہ اختر پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک کر رک گیا فرقان حسن کا ردعمل بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

عائشہ اختر کہیں سے وہ عورت نہیں لگ رہی تھیں جنہیں وہ دونوں جانتے تھے ہر وقت نک سک سے تیار رہنے والی عائشہ اختر اس وقت گھر کے لان کے مسلے ہوئے کپڑوں میں بغیر میک اپ اور بغیر کسی زیور کے بالکل پہچانے میں نہیں آرہی تھیں۔ اس کے علاوہ ان کے چہرے پر آنسوؤں کی جھڑی اور سرخ ہوتی آنکھیں ان کے شدید غم میں ہونے کی مکمل عکاسی کر رہی تھیں۔

وہ ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر بیٹھی بڑی حسرت بھری نظروں سے ڈرائنگ روم کے در و دیوار کو دیکھ رہی تھیں۔

خرم کو بے اختیار وہ منظر یاد آگیا جب وہ پہلی بار اس گھر کو دیکھنے آیا تھا اور زوبیہ کے کمرے میں کھڑے ہو کر اس نے فرقان حسن سے کہا تھا کہ یہ کمرہ اس کا ہو گا تب زوبیہ نے بھی اسے ایسی ہی زخمی نظروں سے دیکھا تھا کہ اس کی تیز تیز چلتی زبان کو ایک دم بریک لگ گئے تھے۔

اس وقت اسے صرف یہ اندازہ ہوا تھا کہ اس لڑکی کو اپنا گھر اور کمرہ چھوڑنے کا دکھ ہو رہا ہے' مگر آج عائشہ اختر کے لیے وہ اس گھر کی اہمیت کو بہت اچھی طرح جانتا تھا ان کی نظروں میں صرف دکھ نہیں تھا بلکہ کئی احساسات کی آمیزش تھی جیسے تشنگی' پچھتاوا' محرومی اور ساری کوششیں رائیگاں جانے پر شکست کا احساس سب سے نمایاں تھا۔

ظاہری بات ہے' جس عورت کی اکلوتی بیٹی پاگل خانے میں بند ہو اس کے دکھ کا تو کوئی حساب ہی نہیں لگا سکتا کوئی فائدہ ہی نہیں ہوا اس گھر کو بیچ کر دوسرے گھر میں شفٹ ہونے کا۔ زوبیہ کے پاگل پن میں کوئی بہتری نہیں آئی بلکہ اس کی حالت اور بری ہو گئی کہ وہ پاگل خانے تک پہنچ گئی۔

خرم سوچوں میں گھرا اپنی جگہ کھڑا رہا کہ فرقان حسن نے گلا کھنکھارتے ہوئے عائشہ اختر کو سلام کر دیا خرم کے ساتھ ساتھ عائشہ اختر بھی چونک کر جیسے ہوش میں آگئیں۔ انہوں نے دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے اتنی مشکل سے سلام کا جواب دیا جیسے ان سے بولا ہی نہ جا رہا ہو۔

"سب خیریت تو ہے نا آپ یہاں اچانک۔" عائشہ اختر سلام کا جواب دے کر ایسے زمین کو گھورنے لگیں جیسے ان کے علاوہ کمرے میں کوئی موجود ہی نہ ہو اور دوسری طرف خرم بھی ایک صوفے کے پاس آکر اس کی بیک پر ہاتھ رکھے ایسے کھڑا ہو گیا جیسے اسے کوئی زبردستی یہاں پکڑ کر لے آیا ہو۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے فرقان حسن نے عائشہ اختر کے سامنے بیٹھتے ہوئے بات شروع کی تو وہ ایک نظر انہیں دیکھ کر خرم کو دیکھنے لگیں۔

"وہ... میں ذرا خرم سے بات کرنا... چاہ رہی تھی۔"

"ہاں ہاں بالکل' آپ کہیں تو میں چلا جاتا ہوں۔" فرقان حسن نے اٹھتے ہوئے کہا۔ عائشہ اختر کی حالت ایسی تھی کہ ان کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

ان دونوں کے اکیلے میں گفتگو کرنے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا' مگر عائشہ اختر نے ان کے اٹھنے سے پہلے ہی انہیں روک دیا۔

"نہ... نہیں نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ کہہ کر ایک بار پھر خاموش ہو گئیں بڑی بے چینی سے وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں مسل رہی تھیں جیسے بات شروع کرنے کے لیے انہیں کوئی سرا نہ مل رہا ہو۔

آخر خرم ہی آگے بڑھ کر ان کے نزدیک چلا آیا اور کہنے لگا۔

"آنٹی میں جانتا ہوں آپ کیا بات کرنے آئی ہیں۔ یقیناً" زوبیہ کی طرح آپ کو بھی یہی لگتا ہے کہ بس میں ہی ہوں جو زوبیہ کی مدد کر سکتا ہوں۔ حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہے' میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا اگر میرے اختیار میں کچھ ہوتا تو میں اب تک کر چکا ہوتا۔ حمید میرا دوست ضرور ہے' مگر ہم کوئی فلمی ٹائپ جگری یار نہیں ہیں جو ایک دوسرے کی ہر بات مان لیں۔ حمید خود زوبیہ کے پاگل خانے سے باہر آنے کے متعلق ایک لفظ سننے کو تیار نہیں تو اس کے والد جو کہ خاصے خود غرض اور بے حس مشہور ہیں وہ کیا تیار ہوں گے اس کے باوجود میں نے ان سے بات کی تھی' مگر انہوں نے میری بات مکمل سنی بھی نہیں اب دوبارہ ان سے بات کرنا..."

"نہیں... میں جانتی ہوں انہیں۔ میں اور بلال ان کے گھر جا چکے ہیں وہ ہمارے ساتھ بڑی بدتمیزی سے پیش آئے تھے۔" عائشہ اختر نے خرم کو شرمندہ انداز میں بولتے دیکھ کر اس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا پھر کسی غیر مرئی نقطہ کو دیکھتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہنے لگیں۔

"وہ کبھی بھی زوبیہ کو پاگل خانے سے نکلنے نہیں دیں گے۔ انہوں نے مجھے بہت پہلے ہی مایوس کر دیا تھا' لیکن مجھے نہیں پتا تھا زوبیہ مجھ سے بھی زیادہ مایوس ہو گئی ہے۔"

"جی۔" خرم سمجھ نہ سکا تو وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"مجھے اسپتال کے عملے سے پتا چلا ہے کہ تم دو بار زوبیہ سے ملنے گئے تھے۔" فرقان حسن کی نظریں خرم کے چہرے پر ٹک گئیں خرم کو اچھی طرح علم تھا وہ کیا سوچ رہے ہیں' پھر بھی اس نے بغیر ہچکچائے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"کیا تم مجھے بتا سکتے ہو تم دونوں کے درمیان کیا بات ہوتی تھی۔" عائشہ اختر کے لہجے میں عجیب سی بے بسی تھی۔ خرم جیسے کشمکش و پنج میں پڑ گیا کہ ان سے کیا کہے اور کیا نہ کہے جبکہ فرقان حسن بدستور اسے ہی دیکھ رہے تھے جیسے وہ خود اس کا جواب سننے کے لیے نہایت بے چین ہوں۔

"آ... آنٹی... میری گواہی پر اس کے خلاف کیس بنا ہے' پہلی دفعہ میں اس سے معذرت کرنے گیا تھا کہ میں پولیس کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکا اور جو دیکھا سب سچ سچ بتا دیا۔" خرم کچھ جھجکتے ہوئے بول رہا تھا وہ انہیں

یہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ دوسری بار وہ الیان سے ملنے کے بعد اس سے ملنے گیا تھا اور آپ کے سارے راز فاش کر کے آ گیا تھا۔"

مگر عائشہ اختر اس کی پوری بات سنے بغیر اس کے رکتے ہی بے چینی سے کہنے لگیں۔

"نہیں میں وہ نہیں پوچھ رہی۔ میرا مطلب ہے کیا اس نے تمہارے سامنے پاگل خانے سے بھاگنے کے متعلق کوئی بات کی تھی۔"

"بھاگنے کے متعلق؟" خرم نے اچنبھے سے پوچھا۔ اس کے ردعمل پر عائشہ اختر خجالت بھرے انداز میں ہونٹ کاٹنے لگیں۔

"آنٹی بات کیا ہے؟" خرم کو احساس ہو گیا تھا کہ معاملہ ضرور مزید بگڑ گیا ہے اس کے مشکوک سے انداز پر عائشہ اختر کی ایک بار پھر آنکھیں برس پڑیں۔

"زوبیہ پاگل خانے سے بھاگ گئی ہے۔" عائشہ اختر گھٹے گھٹے انداز میں بولیں۔

"واٹ!" خرم تو صرف انہیں حیرانی سے دیکھتا رہ گیا جبکہ فرقان حسن تو اپنی جگہ سے اچھل پڑے۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ وہاں تو سیکورٹی بڑی ٹائٹ ہوتی ہے اور زوبیہ پر تو پولیس کیس بنا ہوا تھا اس کی نگرانی تو بڑی سخت ہو گی۔" فرقان حسن کو کسی طور پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"زوبیہ نے وہاں کی سیکورٹی کو ہی خرید لیا تھا پرسوں رات وہ وہاں سے بھاگی ہے کل اور آج کا پورا دن ہم سب پاگلوں کی طرح زوبیہ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔" عائشہ اختر کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔

"لیکن اس کے پاس پیسے کہاں سے آئے اور کیا وہاں کی سیکورٹی نے یہ بات قبول کی ہے کہ انہوں نے زوبیہ کو اس کی مرضی سے وہاں سے نکالا ہے۔ کہیں وہ اغوا..." فرقان حسن نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"بلال سب پتا کر چکے ہیں۔ زوبیہ کے پاس پیسے کہاں سے آئے اس معاملے میں ہم صرف اندازے لگا سکتے ہیں۔ میں ایک دن اس سے ملنے گئی تھی اور واپسی پر میرے پرس میں سے پیسے غائب تھے میں سمجھی شاید میں گھر میں ہی کہیں رکھ کر بھول گئی۔ اب مجھے لگتا ہے کہ وہ پیسے زوبیہ نے نکال لیے تھے۔ اس نے اپنے ساتھ ایک نرس کو ملا لیا تھا جو اسے گیٹ تک لے جانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اسٹاف نے اس نرس کے خلاف گواہی دی ہے اور اس نے بھی گھبرا کر سب اگل دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے اس نے گیٹ تک زوبیہ کو چھوڑ دیا تھا کوئی رات کے بارہ ساڑھے بارہ بجے کے قریب، اب گیٹ سے نکلنے کے بعد زوبیہ کہاں گئی اور کس کے ساتھ گئی اسے کچھ نہیں معلوم۔" عائشہ اختر کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

فرقان حسن اور خرم دم بخود بیٹھے انہیں سن رہے تھے۔ زوبیہ چاہے اغوا ہوئی تھی یا فرار، اس وقت اہم سوال یہ تھا کہ وہ پچھلے دو دن سے کہاں ہے۔

پاگل خانے کے آس پاس کا علاقہ بالکل سنسان تھا وہاں دفاتر وغیرہ کی بڑی بڑی عمارتیں تو تھیں، مگر رات کے وقت وہاں ایک چوہا بھی نظر نہیں آتا تھا اگر واقعی زوبیہ بارہ بجے کے قریب وہاں سے باہر نکلی تھی تو اس سنسان علاقے میں تن تنہا وہ کہاں گئی ہو گی۔

کتنی ہی دیر گزر گئی، مگر خرم اور فرقان حسن میں سے کوئی بھی کچھ بولنے کے قابل نہ ہوا تو عائشہ اختر خود ہی اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہنے لگیں۔

"زوبیہ کی کوئی دوست کوئی سہیلی نہیں تھی اگر اس کی کسی سے تھوڑی بہت بات چیت تھی تو وہ تم ہی ہو۔ کیا اس نے تمہیں اپنے ارادوں سے آگاہ کیا تھا یا وہاں سے بھاگنے کے بعد اس نے تم سے رابطہ کیا۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آنٹی آپ" خرم بے ساختہ بولا۔

"اگر مجھے ذرا بھی علم ہوتا کہ وہ وہاں سے بھاگنے کا پلان بنا رہی ہے تو میں اسے ہرگز ایسا کرنے نہ دیتا یا اگر وہ وہاں سے نکل کر مجھ سے رابطہ کرتی تب بھی میں آپ کو تو ضرور مطلع کر دیتا۔ زوبیہ کو روپوش کر دینے سے وہ پولیس سے تھوڑی بچ جائے گی بلکہ اب تو اس نے اپنے لیے زیادہ مسائل کھڑے کر لیے ہیں۔" خرم فکرمندی سے بولا۔

"بھی تو میں کہہ رہی ہوں اگر زوبیہ تم سے رابطہ کرے تو اسے سمجھانا کہ اس طرح بھاگ کر وہ کہیں نہیں جا سکتی یا اگر وہ کورٹ کچہری کا سامنا کرنے سے ڈر رہی ہے تب بھی اپنے ماں باپ سے چھپنے کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ ایک بار باہر نکل ہی آئی ہے تو ہم سے مل لے ہم اسے ملک سے باہر نکال دیں گے، لیکن خدارا ہم لوگوں کے ساتھ کوئی آنکھ مچولی نہ کھیلے۔" عائشہ اختر کے لہجے میں زمانے بھر کی لجاجت تھی۔

فرقان حسن درزیدہ نظروں سے خرم کو دیکھنے لگے۔ خرم کو بھی عائشہ اختر کی بات بہت عجیب لگی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے انہیں یقین ہو کہ خرم نے ہی اسے کہیں چھپایا ہوا ہے تب ہی وہ زوبیہ کا پیغام اسے دے رہی ہیں کہ وہ لفظ بلفظ اسے پہنچا دے۔

لیکن عائشہ اختر کی حالت اس وقت اتنی بری تھی کہ خرم صرف سر ہلا کر رہ گیا جس عورت کی جوان بیٹی دو دن اور دو راتوں سے گھر سے باہر ہو اسے بھلا انسان کیسے اور کیا سمجھائے۔

کچھ دیر ان سب کے درمیان خاموشی رہی پھر عائشہ اختر جانے کے لیے اٹھتے ہوئے بولیں۔

"زوبیہ کی کوئی بھی اطلاع ملے تو مجھے فوراً خبر کرنا۔"

"شیور آنٹی یہ بھی بھلا کوئی کہنے کی بات ہے۔" خرم بھی ان کے ساتھ باہر کی طرف بڑھتے ہوئے فوراً بولا تو عائشہ اختر جیسے کچھ یاد آنے پر ٹھٹک کر رک گئیں۔

"تم اس گھر کے بارے میں کچھ جانتے ہو کیا؟"

"کیا مطلب؟" خرم سمجھ نہ سکا۔

"مطلب یہ کہ کیا تم نے زوبیہ کو اس گھر کے متعلق کچھ بتایا تھا کہ یہ دو گھر تھے اور یہ کہ میری والدہ نے یہ گھر بلال کے والد کو بیچ دیا تھا۔" عائشہ اختر خرم کے تاثرات بغور دیکھتے ہوئے بولیں۔

ان کی توقع کے عین مطابق خرم کے چہرے پر ان کی بات کو سن کر حیرت کے کوئی آثار نہیں ابھرے، اس کے برعکس فرقان حسن تعجب سے عائشہ اختر کو دیکھنے لگے تھے۔

یہ عائشہ اختر کا بھی آبائی گھر تھا یہ بات وہ بھی نہیں جانتے تھے۔ مگر عائشہ اختر کی بات سے زیادہ شاک انہیں اس وقت لگا جب انہوں نے خرم کو کہتے ہوئے سنا۔

"ہاں میں میں نے ہی اسے بتایا تھا۔" خرم نے صاف گوئی سے کہا تو وہ الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"تت... تمہیں یہ بات کیسے معلوم؟" خرم جانتا تھا۔ وہ کیا پوچھنا چاہ رہی ہیں۔

جو کچھ اس نے زوبیہ کو بتایا تھا۔ زوبیہ نے اس کی تصدیق عائشہ اختر سے کی ہو گی۔ ہو سکتا ہے اس نے یہ بھی بتا دیا ہو کہ یہ سب اسے خرم نے بتایا ہے اور اگر نہیں بھی بتایا تھا۔ تب بھی اسے بھلا ڈرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر وہ سچ جاننا چاہتی تھیں تو اسے سچ بتانے میں کوئی عار نہیں تھی۔ تب ہی دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے سکون سے بولا۔

"میرا دوست ہے الیان... اسی نے بتایا تھا۔" عائشہ اختر کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ الیان کے ذریعے وہ سب کچھ جان گیا ہو گا۔ یہ سوچ کر ہی ان کے پسینے چھوٹ گئے۔

اسی لیے زوبیہ بھی الیان کے بارے میں جان گئی تھی اور عائشہ اختر کا سارا کچا چٹھا بھی اسے پتا چل گیا ہو گا

کیسا لگا ہوگا اسے اپنے ماں' باپ کے بارے میں یہ سب سن کر؟ اس کے بعد ہی اس نے وہاں سے بھاگنے کا انتہائی قدم اٹھایا تھا عائشہ اختر کے چہرے پر بیک وقت کئی تاثرات ابھر آئے۔

پہلے وہ چونکیں' پھر پریشان ہوئیں اور پھر جیسے ایک دم خجل ہو کر تیزی سے ڈرائنگ روم سے نکل گئیں۔ ایسے شخص کے سامنے کھڑے ہونے کے لیے بڑی ہمت چاہیے جس کے بارے میں آپ کو پتا ہو کہ وہ آپ کے سارے جھوٹ اور بے ایمانیوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ لہٰذا عائشہ اختر بھی خرم کے سامنے سے فوراً" ہٹ گئیں۔ ان کے کمرے سے نکل جانے کے بعد بھی خرم کتنی دیر اپنی جگہ کھڑا رہا۔ آخر فرقان حسن نے ہی ڈائننگ روم کی طرف پلٹتے ہوئے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

"دو دن سے جو لڑکی غائب ہو وہ بھلا اب کیا ملے گی' اللہ رحم کرے۔"

☆ ☆ ☆
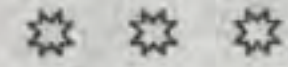
شگفتہ غفار کی آنکھ کھلی تو انہوں نے خود کو اپنے کمرے کے بستر پر پایا۔ پہلے تو ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اگر وہ سو رہی تھیں تو ان کے کمرے کی ساری بتیاں کیوں جل رہی ہیں اور انہوں نے اپنا رات والا لباس کیوں نہیں پہن رکھا۔ لیکن پھر بالکل اچانک ان کے ذہن میں ایک کوندا لپکا اور وہ گھبرا کر بستر پر اٹھ بیٹھیں۔

وہ سونے نہیں لیٹی تھیں' بلکہ وہ تو اپنے کمرے میں آئی بھی نہیں تھیں۔ وہ تو نیچے لاؤنج میں تھیں۔ جب رومیلہ نے وہ کاغذ لا کر ریاض غفار کو دیا تھا اور ان کے پیروں سے زمین نکل گئی تھی۔

وہ گھڑی کی طرف دیکھتی بستر سے اتر آئیں۔ صبح ہونے میں بس کچھ ہی گھنٹے رہ گئے تھے۔ شگفتہ غفار ہڑبڑائے ہوئے انداز میں کمرے سے باہر نکلیں تو باہر کمرے کے آگے جو ریلنگ لگی تھی۔ اس سے نیچے لاؤنج کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔

ریاض غفار نیچے لاؤنج میں بچھے ایک صوفے پر بالکل بے دم سے پڑے کسی غیر مرئی نقطہ کو دیکھ رہے تھے۔ چہرے پر شدید قسم کے تاسف اور غم کی دبیز تہیں اتنے فاصلے سے بھی صاف دیکھی جا سکتی تھیں۔

شگفتہ غفار تیزی سے زینہ اترتی ان کے پاس چلی آئیں۔ قدموں کی چاپ پر ریاض غفار کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ بس صرف نظروں کا زاویہ بدل کر انہوں نے شگفتہ غفار کو دیکھا اور بڑے روکھے پھیکے سے انداز میں بولے۔

"تم اٹھ گئیں' اب کیسی طبیعت ہے؟"

"آپ کو کیا ہوا؟ آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" شگفتہ غفار ان کے نزدیک آکر فکر مندی سے کہنے لگیں۔

"مجھے کیا ہونا ہے۔" ریاض غفار تلخی سے بولے۔ پھر صوفے پر سیدھا ہوتے ہوئے غالباً" خود کو نارمل ظاہر کرنے کے لیے خوامخواہ کی تفصیل بتانے لگے۔

"تمہارا بی پی لو ہو گیا تھا۔ اس لیے تمہیں چکر آ گئے۔ ڈاکٹر نے آکر تمہیں انجکشن لگا دیا تھا اور کہا تھا کہ سکون سے سونے دیا جائے۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہوگا۔ تم کتنی دیر سوئی رہی ہو۔" ریاض غفار خود کو چاہے جتنا بھی کمپوز کر لیتے۔ شگفتہ غفار نے ایک پوری زندگی ان کے ساتھ گزاری تھی۔ لہٰذا ان کے رویے سے چھلکتی شکستگی وہ بخوبی محسوس کر گئی تھیں۔

"رومیلہ کہاں ہے؟" انہوں نے اس کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا جیسے انہیں اس ساری تفصیل سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

"اپنے گھر چلی گئی ہے۔" ریاض غفار نے ان کی جانب دیکھے بغیر کہا تو وہ چونک اٹھیں۔

"آ... آپ نے اسے جانے دیا۔" ریاض غفار نے ایک سلگتی ہوئی نظر ان پر ڈالی تو وہ فوراً" بولیں۔

"ٹھیک ہے الیان نے اسے طلاق دے دی ہے۔ لیکن آپ کچھ دیر تو اسے روکتے۔ اس طرح ڈرائیور کے ساتھ اچانک وہ اپنے گھر پہنچے گی تو اس کا بھائی تو ایک دم بھڑک اٹھے گا وہ تو..."

"بے کار کی باتیں مت کرو۔" ریاض غفار بھناتے ہوئے کھڑے ہوئے۔

"چار دن بعد بھی اگر تم اسے بھیجتیں یا خود بھی چھوڑنے جاتیں۔ تب بھی اس کے گھر والوں کا رد عمل یہی ہونا تھا جو ابھی ہوگا۔"

"مگر... ابھی تو رومیلہ بھی صدمے میں تھی۔ کچھ دنوں میں اس کا شاک تھوڑا کم ہو جاتا تو پھر..." شگفتہ غفار جو کہنا چاہ رہی تھیں۔ وہ کہہ نہیں پا رہی تھیں۔ تب ہی انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ ریاض غفار ان کی ادھوری بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ وہ کچھ دیر قہر برساتی نظروں سے انہیں دیکھتے رہے۔ پھر ایک ایک لفظ چبا کر بولے۔

"رک کیوں گئیں بولو۔ تم یہی کہنا چاہتی ہو نا کہ رومیلہ کا شاک تھوڑا کم ہو جاتا تو وہ گھر والوں کو طیش میں آنے سے روک لیتی۔ اب تو وہ خود اتنا بین کر رہی ہوگی کہ گھر والے بالکل ہی آپے سے باہر ہو جائیں گے۔" شگفتہ غفار صرف ہونٹ کاٹ کر رہ گئیں۔ انہیں خاموش دیکھ کر ریاض غفار تپے ہوئے لہجے میں بولے۔

"عام حالات میں جو شادیاں ہوتی ہیں۔ جب وہ ٹوٹتی ہیں تب بھی لڑکی اپنے ماں' باپ کے پاس جا کر سسرال والوں پر سارا الزام رکھ دیتی ہے۔

جبکہ یہ شادی تو بالکل غیر معمولی انداز میں ہوئی تھی۔ رومیلہ کو علم تھا۔ اس گھر میں ذرا بھی اسے تکلیف دی گئی تو اس کا بھائی آرام سے انہیں سبق سکھا سکتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود تم نے ذرا کوشش نہیں کی۔ اپنے رویے میں بہتری لانے کی' پھر بھی ابرار کی خاموشی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس نے کبھی اپنے گھر میں تذکرہ تک نہیں کیا۔

اب تم مانو یا نہ مانو' لیکن اس حقیقت کو تمہارا ضمیر بھی نہیں جھٹلا سکتا کہ اس لڑکی میں بہت ظرف تھا۔ اس کے بھائی نے بھلے جو بھی کیا ہو لیکن خود اس نے کبھی بریرہ کا نام لے کر ہمیں بلیک میل نہیں کیا۔

تم نے اسے گھر کے داماد کے سامنے تک ذلیل کیا۔ تب بھی اس نے ہلکا سا بھی طنز نہیں کیا کہ وہ اگر چاہے تو تمہاری بیٹی کا کتنا بڑا راز فاش کر سکتی ہے۔ لیکن تم کبھی اپنی زبان کا زہر اگلنے سے باز نہیں آئیں۔

اتنا سب کچھ برداشت کرنے کے بعد بھی اگر اس گھر سے اسے طلاق کے کاغذات پکڑائے جاتے ہیں تو اس کا حق بنتا ہے کہ وہ جا کر اپنے گھر والوں کو بتائے کہ اس نے کیا کچھ سہا ہے؟" ریاض غفار بری طرح طیش میں آ چکے تھے۔ وہ اتنی زور زور سے چیخ رہے تھے کہ الیان سوتے میں سے اٹھ کر باہر آ گیا۔

شگفتہ غفار پر نظر پڑتے ہی الیان کو سکون کا احساس ہوا۔ ورنہ ان کی بے ہوشی کے باعث آنکھ کھلتے ہی وہ تیزی سے کمرے سے نکلا تھا اتنا برا وسوسہ آیا تھا اس کے دل میں' انہیں صحیح سلامت کھڑا دیکھ کر الیان ان کے نزدیک چلا گیا اور سعادت سے پوچھنے لگا۔

"آپ کچھ کھائیں گی؟ آپ نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔" شگفتہ غفار اس کی آواز پر چونک کر اس کی جانب پلٹیں۔ ان کے دل کی حالت تو پہلے ہی بڑی عجیب ہو رہی تھی اس پر ریاض غفار کی باتیں سن کر وہ بالکل ہی روہانسی ہو گئی تھیں۔ اب الیان پر نظر پڑتے ہی جیسے ایک گلیشیر پگھل گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

"یہ تم نے کیا کیا الیان؟" الیان نے ان کے قریب آکر انہیں کندھوں سے تھام لیا اور زبردستی انہیں صوفے پر بٹھا کر خود بھی ان کے برابر میں بیٹھ گیا۔

وہ اس ساری صورت حال کے لیے پہلے سے تیار تھا۔ اسے یقین تھا یہ سب ہوگا۔ بلکہ شگفتہ غفار' الیان کو سامنے دیکھ کر روتے روتے جس طرح بریرہ کے مستقبل کی طرف سے فکر مندی کا اظہار کررہی تھیں۔ ان کے الفاظ تک الیان کی توقع کے عین مطابق تھے۔ لہٰذا الیان خاموشی سے انہیں سنتا رہا۔ ان کے سارے شکوک و شبہات کے جواب وہ پہلے ہی دے چکا تھا۔ جب اس نے انہیں اپنے ارادوں سے آگاہ کیا تھا۔ اس لیے اس وقت کچھ بھی کہنا بے کار تھا۔ اب تو جو ہونے والا تھا اس کا سامنا کرنا تھا۔ تب ہی الیان رسانیت سے بولا۔

"جو ہونا تھا وہ ہوچکا' اب ابرار جو بھی کرتا ہے اسے کرنے دیں۔ اس طرح خوف کے سائے میں تو زندگیاں نہیں گزر سکتیں۔ آپ ایسا کریں کچھ دنوں کے لیے نانی اماں کے پاس گاؤں چلی جائیں۔ اگر ابرار وہاں پہنچتا ہے اور کچھ کہتا ہے تو آپ اسے صاف جھٹلا دیجیے گا کہ اس کی بہن کا گھر نہیں بس سکا تو وہ الیان کی بہن پر تہمت لگا رہا ہے۔ آپ وہاں موجود ہوں گی تو بات کو سنبھال لیں گی۔"

"تمہاری ماں میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ بات کو سنبھال سکے۔ یہ اگر وہاں چلی گئی تو صورت حال اور بگڑ جائے گی۔" ریاض غفار تلخی سے بولے۔ وہ اس وقت سب سے ناراض تھے۔ شگفتہ غفار نے کچھ خائف ہو کر ان کی جانب دیکھا۔ مگر اس وقت وہ ایسی کسی بحث کی متحمل نہیں تھیں۔ لہٰذا خاموش رہیں' البتہ الیان کہنے لگا۔

"یہاں بیٹھ کر یہ زیادہ پریشان رہیں گی۔ وہاں بریرہ کے پاس جا کر ان کا دل بھی بہل جائے گا اور سارے خدشات بھی ختم ہوجائیں گے۔" شگفتہ غفار' الیان کی بات سے کچھ کچھ متفق تھیں۔ چنانچہ الجھن بھری نظروں سے ریاض غفار کو دیکھنے لگیں جیسے ان سے فیصلہ نہ ہورہا ہو۔ ریاض غفار ان کا مطلب سمجھتے ہوئے بے زاری سے بولے۔

"جس کا جو جی میں آتا ہے کرے۔ میری اجازت اور رائے کی بھلا کیا اہمیت ہے۔" ریاض غفار یہ کہہ کر رکے نہیں' بلکہ اٹھ کر چلے گئے۔ الیان ان کی بات پر صرف انہیں دیکھ کر رہ گیا۔ پھر وہ بھی اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

"صبح ہونے میں کچھ ہی دیر رہ گئی ہے۔ آپ اپنی تیاری کرلیں میں آپ کو خود چھوڑ آؤں گا۔"

☼ ☼ ☼
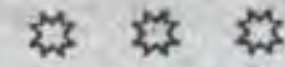
"بی بی جی آپ کا گھر آگیا ہے۔" ڈرائیور کی آواز پر رومیلہ کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ صرف ذرا سی نظریں اٹھا کر وہ اپنے اس گھر کو دیکھنے لگی جہاں اس نے اپنی پوری زندگی گزاری تھی۔ لیکن جو پچھلے کچھ ماہ میں اتنا اجنبی ہوگیا تھا کہ لگتا تھا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

ڈرائیور نے گاڑی سے اتر کر اس کی جانب کا دروازہ کھولا اور ڈگی میں رکھا اس کا سامان نکالنے لگا۔ جب اس نے سامان گیٹ کے سامنے رکھ کر بیل بجادی۔ تب جیسے رومیلہ کے پاس گاڑی سے اترنے کے سوا کوئی راستہ نہیں بچا۔ وہ اتنے مرے ہوئے قدموں سے چل کر گیٹ تک آئی تھی جیسے کوئی اسے گھسیٹ کر لا رہا ہو۔

بیل کے جواب میں گیٹ کھولنے ابرار بھائی خود آئے تھے۔ ویسے بھی رات کے کھانے کا وقت بھی گزر چکا تھا۔ اس وقت تو گھر میں سب سونے کی تیاری کررہے ہوتے تھے۔ حسب توقع ابرار بھائی اسے اتنے بڑے سے بیگ کے ساتھ اس وقت گھر کی دہلیز پر کھڑا دیکھ کر بری طرح چونک اٹھے۔

"السلام علیکم صاحب سامان اندر رکھ دوں۔" ڈرائیور نے مودب انداز میں پوچھا۔

"آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ ہاں۔" ابرار بھائی کچھ حواس باختہ سے انداز میں ایک جانب ہٹ گئے تو ڈرائیور سامان اٹھا کر اندر لے گیا رومیلہ نے بھی اس کے پیچھے قدم بڑھا دیے۔

ابرار بھائی نے جانے کیسے اس کے اندر داخل ہونے تک خود پر ضبط کیا۔ پھر ڈرائیور کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر

دھیمے سے بولے۔

"تم۔ اس وقت؟ اچانک؟ سب خیریت تو ہے۔" اس سے پہلے کہ رومیلہ کچھ بولتی ڈرائیور اجازت لیتا باہر کی جانب بڑھ گیا تو ابرار بھائی نے خاصی سختی سے اپنے سوال کو دہرایا۔ رومیلہ نے کامن روم میں موجود ایک آرام دہ صوفے پر اپنے وجود کو ایسے گرالیا جیسے مزید کھڑے ہونے کی سکت نہ ہو۔ اس کے چہرے کی رنگت بالکل پیلی ہورہی تھی۔ ہونٹ سوکھ کر ایسے پپڑی زدہ ہورہے تھے۔ جیسے جانے کتنے برسوں سے پیاسی ہو۔

"تم کچھ بول کیوں نہیں رہیں' آخر ہوا کیا ہے؟" وہ چیخ کر بولے تو رومیلہ نے ان کی جانب دیکھے بغیر سست لہجے میں کہا۔

"وہی۔۔۔ جو ہونا چاہیے تھا۔"

"کیا بک رہی ہو۔۔۔ جلدی سے بتاؤ۔۔۔ تم اس طرح اتنی رات گئے کیوں آئی ہو۔ الیان کہاں ہے۔ اتنی رات گئے تمہیں ڈرائیور کے ساتھ بھیجتے ہوئے اسے شرم نہیں آئی۔" ابرار بھائی دھاڑ کر بولے۔ مگر رومیلہ کے انداز میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ البتہ اس نے ایسے آنکھیں موند لیں۔ جیسے بڑی گہری نیند آرہی ہو۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں رومیلہ۔" وہ غرائے تو رومیلہ بند آنکھوں کے ساتھ بولی۔

"مجھے ایک گلاس پانی تک کے لیے آپ نہیں پوچھ سکتے۔ کبھی آپ کو اپنے اوپر شرم آئی ہے جو آپ دوسروں سے نالاں ہیں۔"

"تم۔۔۔ تم۔۔۔ یہ تم کس طرح بات کررہی ہو۔" ابرار بھائی چیخ کر بولے تو رومیلہ آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے پر مجبور ہوگئی۔

واقعی اس نے اس لہجے میں ان سے کبھی بات نہیں کی تھی۔ بلکہ اگلا جملہ جو اس نے خود کو کہتے سنا تھا وہ خود کبھی تصور نہیں کرسکتی تھی کہ وہ ایسی بات کبھی ان سے کہہ سکے گی۔

"کسی کی بیٹی کو اغوا کرتے وقت جب آپ کو شرم نہیں آئی تو آپ دوسروں سے۔۔۔"

"زبان کو لگام دو رومیلہ۔" ابرار بھائی دانت پیستے ہوئے بہت دھیمی آواز میں بولے۔ ساتھ ہی پلٹ کر ایک نظر اپنے کمرے کے دروازے پر ڈالی۔ انہیں یقیناً ڈر تھا کہ کہیں بھابھی رومیلہ کی بات نہ سن لیں۔ تب ہی ضبط کر گئے تھے۔ ورنہ انداز بتا رہے تھے جیسے ان کا دل چاہ رہا ہو رومیلہ کو کچا کھا جائیں۔

رومیلہ خود نہیں چاہتی تھی کہ اس راز کے مزید شراکت دار وجود میں آئیں۔ وہ بھی بھابھی جیسے ہلکے کردار اور زبان کی حفاظت کرنے سے قاصر لوگ اس حقیقت کو جان کر اس کا ڈھنڈورا پیٹ دیں۔ لہٰذا وہ اس موضوع پر مزید کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کرتی بڑے نپے تلے انداز میں بولی۔

"ان لوگوں نے مجھے نہیں بھیجا ہے۔ میں وہ گھر چھوڑ کر آگئی ہوں۔ میری ہی ضد تھی کہ مجھے ابھی اور اسی وقت ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیا جائے۔" رومیلہ کے دوسرے جملے میں ایک فیصد جھوٹ نہیں تھا۔

شگفتہ غفار کے بے ہوش ہوجانے کے باعث گھر میں ایک دم کہرام مچ گیا۔ الیان بھی اپنے کمرے سے نکل کر باہر آگیا۔ ڈاکٹر کے آنے اور چیک کرنے تک اچھا خاصا وقت صرف ہوگیا تھا۔ شگفتہ غفار کی حالت کی جانب سے اطمینان ہونے کے بعد جب اس نے ڈرائیور کے ساتھ جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو الیان نے صاف منع کردیا۔

"اتنی رات گئے جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' صبح جانا۔"

"صبح تک ان شاء اللہ آپ کی والدہ کو ہوش آجائے گا اور میں ان کے جاگنے سے پہلے پہلے یہاں سے چلی جانا چاہتی ہوں۔"

"لیکن ڈرائیور کے ساتھ۔۔۔" الیان نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ اس نے نہایت دوٹوک انداز میں بات کاٹ دی۔

"ہاں ڈرائیور کے ساتھ' ابھی اور اسی وقت' اگر میں لوگوں کے اتنے بڑے فیصلے مان سکتی ہوں تو کم از کم میری اتنی سی بات تو مانی جائے۔" رومیلہ کے خود سر لہجے پر الیان یک دم خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے مزید کچھ نہیں کہا اور ڈرائیور کے ساتھ اسے بھیج دیا۔

رومیلہ کا اب اس گھر میں دم گھٹ رہا تھا۔ وہ لوگ واقعی بہت شریف لوگ تھے۔ طلاق کا لفظ سنتے ہی شگفتہ غفار ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئیں۔ جب ان کی بیٹی اغوا ہوئی ہو گی تب تو جانے ان پر کیا قیامت ٹوٹی ہو گی۔ اس میں اب مزید ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

سارے راستے وہ ابرار بھائی کے جذباتی اور غصے میں کیے گئے فیصلے پر سوچتی رہی تھی۔ لہٰذا وہ اب جو بھی بول رہی تھی اس میں غصہ تھا' نہ جذبات' بلکہ ہر پہلو پر غور کرنے اور سارے نتائج کی طرف سے اطمینان کر لینے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچی تھی کہ اسے سارا الزام اپنے سر رکھنا ہے۔ تاکہ ابرار بھائی غصے میں مزید کوئی جذباتی قدم نہ اٹھالیں۔

وہ اس کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ بس تھوڑا سا غصہ کرنے کے بعد زیادہ سے زیادہ بات چیت بند کر سکتے تھے تو طلاق کا داغ لے کر گھر آجانے کی صورت میں ابرار بھائی کو اس کے ساتھ ویسے بھی یہی رویہ روا رکھنا تھا۔

کون سا وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہو کر اپنے آپ کو اس کی بربادی کا ذمہ دار مان لیتے انہیں تو الزام اس کے سر ہی رکھنا تھا کہ وہ ان لوگوں کے دلوں میں جگہ کیوں نہیں بنا سکی تو کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ وہ خود ہی سارا قصور اپنے سر لے لے۔ کم از کم بریرہ کی زندگی برباد ہونے سے تو بچ سکتی تھی۔ کم از کم ابرار بھائی کا غصہ ان لوگوں کو تکلیف پہنچانے کے لیے تو نہ نکلتا کم از کم وہ اس گھر کے مکینوں کے لیے اتنا تو کر سکتی تھی۔

ابرار بھائی اس کے جملے پر بری طرح تپ گئے اور اچھا خاصا چیخ کر بولے کہ بھابھی اور بابا جانی اپنے کمروں سے بھاگے چلے آئے۔

"بے غیرت' بے شرم۔ کس قدر ڈھٹائی سے اپنے بڑے بھائی کے سامنے اپنی خود سری کا اعتراف کر رہی ہو۔ کیا یہی تربیت دی تھی بابا جانی نے تمہیں۔"

"جو تربیت آپ کو دی تھی بابا جانی نے وہی مجھے بھی دی تھی۔ میں پھر بھی آپ سے تو بہتر ہوں۔" قریب تھا کہ ابرار بھائی آگے بڑھ کر اس کو ایک تھپڑ رسید کر دیتے کہ بابا جانی گھبرائے ہوئے ان کے قریب چلے آئے۔

"کیا ہو گیا ابرار.... رومیلہ تم اس وقت؟"

"بابا جانی.... میں وہ.... گھر چھوڑ کر آگئی ہوں۔" رومیلہ نے پوری کوشش کی اپنے جملے میں لاپروائی کا عنصر شامل کرنے کی پھر بھی اپنی زبان کو لڑکھڑانے سے نہ روک سکی۔

"کیا...." بھابھی اور بابا جانی کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ بابا جانی تو پھٹی پھٹی آنکھوں اسے اسے دیکھتے رہے جبکہ بھابھی جلے پیر کی بلی کی طرح تیز تیز چلتی اس کے سر پر آکھڑی ہوئیں۔

"توبہ.... توبہ.... کیا زمانہ آگیا ہے۔ شادی کو چند مہینے نہیں ہوئے اور محترمہ فخریہ بتا رہی ہیں کہ وہ گھر چھوڑ کر آگئی ہیں۔ کیوں بھئی ایسی کیا تکلیف لاحق ہو گئی تھی تمہیں وہاں۔ جس لڑکی کی بارات چوکھٹ سے لوٹ گئی ہو اسے تو اور انکساری کے ساتھ رہنا چاہیے۔ وہ بھی ایسی سسرال میں جس نے بروقت اپنا کر تماشا بننے سے روک لیا اور یہاں یہ محترمہ جن کا شوہر ہر لحاظ سے اس سے دس گنا بہتر ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ رومیلہ کہیں سے اس کے قابل ہی نہیں ہے۔ پھر بھی یہ اسے چھوڑ کر آگئی۔ میں تو کہتی ہوں فون کر کے پتا کریں ان لوگوں نے خود ہی نکال دیا ہو گا۔" بھابھی تو سانس لیے بغیر شروع ہو چکی تھیں۔ آخر ابرار بھائی کو زچ ہو کر ٹوکنا پڑا۔

"تم ذرا چپ تو ہو جاؤ' مجھے بات کرنے دو۔ کیا واقعی تم خود آئی ہو یا ان لوگوں نے نکال دیا۔"

"مجھے کیسے نکال سکتے ہیں۔ الیان کی والدہ تو بے ہوش ہو گئی تھیں میرے فیصلے کا سن کر اور والد میرے آگے ہاتھ جوڑ رہے تھے کہ کسی طرح میں اپنا فیصلہ بدل دوں لیکن...."

"لیکن کیا؟ جب سب ٹھیک ہے تو تم نے گھر کیوں چھوڑ دیا۔" ابرار بھائی ابھی بھی اسے مشکوک نظروں سے گھور رہے تھے۔

"کیونکہ وہ گھر نہیں تھا۔ وہاں سب ڈر کر میرا خیال کرتے تھے۔"

"خیال کرتے تو تھے نا اور کس چیز کی کمی تھی تمہیں وہاں۔" ابرار بھائی ترخ کر بولے۔ رومیلہ نے ایک بار پھر صوفے کی بیک پر سر ٹکاتے ہوئے آنکھیں موند لیں جو وہ کہنے کا سوچ رہی تھی۔ اس کے لیے بڑی ہمت کی ضرورت تھی اور وہ اپنی ہمتیں مجتمع کر رہی تھی۔ اسے سننے کے بعد ابرار بھائی' الیان اور اس کے گھر والوں سے بدلہ لینے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ہاں البتہ وہ رومیلہ کے ساتھ بہت بری طرح پیش آتے۔ مگر اس کی رومیلہ کو قطعی پروا نہیں تھی۔ اسی لیے جب وہ بولی تو اس کا لہجہ بڑا ٹھوس تھا۔

"جب انسان کو اپنا شریک حیات ہی پسند نہ ہو تو گھر میں چاہے کسی چیز کی کمی نہ ہو' وہاں سکون کبھی میسر نہیں آسکتا۔"

"تم.... تم کیا کہہ رہی ہو۔" بابا جانی کے تو ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ جبکہ بھابھی تنک کر بولیں۔

"ماشاء اللہ.... ساری زندگی گزر گئی' قبر میں پاؤں لٹک رہے ہیں۔ لیکن بیٹی کیا کہہ رہی ہے۔ وہ سمجھ میں نہیں آرہا۔ اسے الیان پسند نہیں' اتنا ہینڈسم' پڑھا لکھا اور رئیس بندہ اگر اسے پسند نہیں تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ان کے نین کہیں اور لڑ گئے ہیں۔"

"شٹ اپ!" ابرار بھائی اتنی بری طرح دھاڑے کہ بھابھی سچ مچ سہم گئیں۔ پھر وہ اسی ٹون میں رومیلہ سے مخاطب ہوئے۔

"تم کیا کہنا چاہتی ہو' کھل کر کہو۔"

"بھابھی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے رومیلہ کی آنکھوں کے سامنے صرف بریرہ کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ جس کے دل میں اپنے اجڑنے کا خوف اس قدر تھا کہ اس کے چہرے پر پڑھا جا سکتا تھا۔

"رو.... می.... لہ۔" بابا جانی سکتے میں چلے گئے۔

رومیلہ ان کی جانب نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ اس وقت کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی اور صرف ایک بابا جانی کا وجود تھا جو اسے کمزور بنا سکتا تھا۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔ الیان نے تمہیں گھر سے نکال دیا ہے اور تم اسے بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔" ابرار بھائی چبا کر بولے تو رومیلہ نے ایک دم آنکھیں کھول دیں۔

"میں بھلا اسے بچانے کی کوشش کیوں کروں گی۔ میں نے تو زبردستی اس سے طلاق لی ہے۔ وہی دھمکی دے کر جس دھمکی پر آپ نے اسے مجھ سے شادی پر مجبور کیا تھا۔" رومیلہ کی بات پر ابرار بھائی نے سٹپٹا کر بھابھی کی جانب دیکھا جو لفظ طلاق پر اچھل پڑی تھیں۔ وہ دھمکی والے جملے پر غور ہی نہ کر سکیں۔ جبکہ بابا جانی کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔

رومیلہ کو لگا شگفتہ غفار کی طرح وہ بھی چکرا کر گر پڑیں گے۔ مگر وہ دم بخود کھڑے رہے تو رومیلہ ان سب کو حیران پریشان چھوڑ کر صوفے سے اٹھ گئی اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ آنکھوں میں اتنا پانی اتر آیا تھا کہ اگر وہ مزید وہاں رکتی تو اپنی ساری پلاننگ پر خود ہی پانی پھیر دیتی۔ لہٰذا اس کا ان سب کے سامنے سے فوراً ہٹ جانا سخت ضروری تھا۔

☆ ☆ ☆

نمل یونیورسٹی سے گھر آئی تو اس کے کانوں میں خرم کی گفتگو کی بازگشت ہو رہی تھی۔ خرم کے سامنے تو اس نے بڑے سکون سے کہہ دیا تھا۔ Who cares جب خرم نے کہا تھا' کہیں عظمت خلیل' نمل کی شادی کسی اور سے طے نہ کردیں۔

لیکن خرم کے جاتے ہی یہ خوف کسی اژدھے کی طرح اس کی سوچ سے لپٹ گیا تھا۔ کھانے کی میز پر اس کی خاموشی رشیدہ نے بھی محسوس کرلی۔ مگر ان کے پوچھنے پر وہ انہیں ٹال گئی۔

وہ اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتی تھیں۔ ان سے اس موضوع پر پہلے بات ہو چکی تھی۔ وہ تو سنتے ہی پریشان ہو گئی تھیں۔ اب بار بار ان کے سامنے یہ ذکر چھیڑنا انہیں بلاوجہ فکر مند کرنے کے برابر تھا۔

شام تک وہ اسی ادھیڑبن میں لگی رہی کہ سنبل کے فون نے اس کی ساری سوچیں منجمد کردیں۔ نمل کے فون اٹھاتے ہی اس نے فوراً "نیوز چینل لگانے کو کہا تھا۔ جس پر نمل نے فوراً" عمل کیا اور جو خبر چینل والے کور کررہے تھے۔ نمل سن ہوتے دماغ کے ساتھ اسے سن رہی تھی۔

کافی عرصہ پہلے کی بات تھی جب اس کی چوکھٹ پر ایک شمائلہ نامی لڑکی دست فریاد لے کر آئی تھی۔ اس کے بھائی حشام کو پولیس انسپکٹر قادر نے بغیر کسی قصور کے گرفتار کرلیا تھا اور اس پر تھرڈ ڈگری ٹارچر کر کے اس سے اقبال جرم کرانے کی کوشش کررہا تھا۔

عظمت خلیل نے ایسے مظالم برداشت کرنے والے بہت سارے دکھی لوگوں کی مدد کی تھی اور وہ بھی اسی لیے نمل کے پاس آئی تھی کہ اس کے والد ضرور کچھ کرسکتے تھے اور انہوں نے واقعی کیا۔ عظمت خلیل نے نا صرف حشام کو پولیس کی حراست سے باہر نکالا' بلکہ اس انسپکٹر قادر کے خلاف ایکشن لینے پر ڈیپارٹمنٹ کو مجبور کردیا۔

یہ اور بات تھی کہ اس کے پس پردہ بھی ایک حقیقت تھی۔ جس سے نمل اور دو تین عظمت خلیل کے قریب کے لوگوں کے علاوہ کوئی واقف نہیں تھا۔

عظمت خلیل نے پریس اور میڈیا کی توجہ حاصل کرنے کے لیے جان بوجھ کر اس معاملے کو اتنا طول دیا کہ جس بے جا میں قید وہ بے گناہ کم عمر لڑکا حشام ' انسپکٹر قادر کے ظلم سہتے سہتے معذور ہو گیا۔

عظمت خلیل کے ٹرسٹ نے اس کے گھرانے کو کافی سارے پیسے وغیرہ دلوادیے تھے۔ اس کے بعد اس کی زندگی میں کیا ہوا یہ جاننے کی کوشش میڈیا اور عظمت خلیل نے تو کیا نمل نے بھی کبھی نہیں کی۔

پیسہ جسم کے اعضاء کی جگہ کبھی نہیں لے سکتا۔ بستر پر پڑے ایک بے کس وجود کو بینک میں روپوں کے ڈھیر سے اپنا علاج کرانے میں آسانی ہوسکتی ہے۔ لیکن جب علاج ہی ممکن نہ ہو تو وہ روپیہ بھی اسے اپنا منہ چڑاتا ہوا لگتا ہے۔ ایسے ہی کسی ذہنی کرب سے گزرتے گزرتے حشام نے آج صبح خودکشی کر کے خود کو ختم کرلیا۔

حشام کے بستر کے قریب ایک ٹیبل لیمپ تھا۔ تاکہ وہ رات کے وقت آرام سے پڑھ سکے۔ حشام نے اپنے منہ اور ایک ہاتھ کی چند انگلیوں کے ذریعے (جو تھوڑی بہت حرکت کرسکتی تھیں) ان سے کسی طرح لیمپ میں سے بلب نکال کر خود کو کرنٹ لگا کر بھسم کردیا۔

یہ کام اس نے تب کیا جب والدہ اور شمائلہ گھر پر نہیں تھیں۔ محلے والوں کا بیان تھا کہ چیخوں اور جلنے کی بدبو نے انہیں دروازہ توڑ کر گھر میں گھسنے پر مجبور کردیا۔ مگر تب تک بہت دیر ہو گئی تھی۔

وہ لڑکا جو شمائلہ اور اس کی بیوہ ماں کے لیے کبھی امیدوں اور کامرانیوں کا مرکز تھا۔ وہ صرف بوجھ اور آنسوؤں کا سبب بن کر رہ گیا تھا۔ لہٰذا اس کے مایوسیوں میں گھرے وجود نے اس تکلیف کا ایک ہی حل سوچا کہ انہیں ایک بار رلا کر ہمیشہ کے لیے ہر درد سے آزاد کردوں۔

مگر اسے نہیں پتا تھا کہ اس کی ماں کے لیے بھی یہ صدمہ برداشت کرنا مشکل تھا۔ صدمے کے باعث ان کی

حالت نازک تھی اور وہ آئی سی یو میں تھیں۔ جبکہ شمائلہ نے پریس سے بات کرنے سے صاف انکار کردیا تھا۔

نمل سانس روکے اس المناک خبر کو سنتی چلی گئی۔ اس نے اپنے گھر میں معذوری دیکھی تھی۔ لہٰذا اسے حشام کی ذہنی اور جذباتی حالت کا بخوبی اندازہ تھا۔ وہ کئی مہینوں سے شدید قسم کے ڈپریشن کا شکار ہو گا۔ مرنے کا خیال اچانک دل میں نہیں آتا۔ یہ خواہش کئی بار ابھر کر سرد پڑ جاتی ہے اور پھر کسی وقت انسان پر حاوی ہو جاتی ہے تو وہ اپنے گھر والوں کی یہاں تک کہ اپنی آخرت کی بھی پروا کیے بغیر کسی بھی طریقے سے خود کو ختم کرلیتا ہے۔

اس طرح ایک نوجوان کا معذور ہو کر خودکشی کرلینا کوئی کم تکلیف دہ بات نہیں تھی۔ مگر نمل کی آنکھیں تو اس احساس کے تحت بہہ رہی تھیں کہ حشام کی اس موت کے ذمہ دار انسپکٹر قادر سے زیادہ عظمت خلیل تھے۔

کسی کو مرنے پر مجبور کردینا بھی ایک طرح کا قتل ہے اور وہ ایک قاتل کی بیٹی ہے۔ یہ احساس اسے پھوٹ پھوٹ کر رونے پر مجبور کر گیا۔ مگر پھر رشیدہ کی وہیل چیئر کی آواز سن کر جلدی سے ٹی وی آف کر کے باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ دل خراش حقیقت رشیدہ کے علم میں آئے' انہیں پتا تو چل ہی جانا تھا' مگر جتنی دیر وہ چھپا سکتی تھی وہ چھپانا چاہتی تھی۔ البتہ آنکھوں پر ٹھنڈا پانی ڈالتے وقت اس کا دماغ بھٹی کی طرح تپ رہا تھا۔

عظمت خلیل بہت ساری زندگیوں سے کھیلے تھے۔ اپنی شہرت اور نام کے لیے انہوں نے لوگوں کے دکھوں کا اشتہار لگایا تھا۔ بلکہ لوگوں کی زندگی میں مسائل بڑھائے تھے۔ تاکہ جب وہ انہیں حل کریں تو چاروں طرف ان کی واہ واہ ہو۔ ایسے انسان سے حساب لینا سخت ضروری تھا۔ ورنہ وہ آگے بھی اپنی واہ واہ کے لیے دکھی لوگوں کو سیڑھی بناتا رہے گا۔

☆ ☆ ☆

الیان اور شگفتہ غفار کو اچانک سامنے دیکھ کر بریرہ چند لمحوں کے لیے حیران رہ گئی۔ شگفتہ غفار کے چہرے پر ایسی تھکن اور افسردگی تھی کہ بریرہ ایک پل میں ساری ناراضی بھول کر دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔ شگفتہ غفار کا دل تو ویسے ہی بھرا ہوا تھا۔ بریرہ کو روتا دیکھ کر وہ باقاعدہ ہچکیوں سے رونے لگیں۔ اس منظر کو کچھ دیر تو شاہ جہاں ماموں نے خاموشی سے دیکھا۔ لیکن جب دورانیہ طویل ہونے لگا تب انہیں آگے بڑھ کر دونوں کو ہلکا سا جھڑکتے ہوئے ایک دوسرے سے الگ کرنا پڑا۔

تب شگفتہ غفار آنکھیں پونچھتی نانی اماں کی جانب بڑھ گئیں۔ وہ بھی آب دیدہ ہو گئی تھیں۔ بغیر کچھ کہے انہوں نے شگفتہ غفار کو سینے سے لگا لیا تو واقعی شگفتہ غفار کی حالت میں ایک دم بہتری آگئی۔ تب ہی کچھ دیر بعد سارے گلے شکوے بھول کر وہ تینوں ممانیوں اور ان کی بیٹیوں سکینہ' حاجرہ اور فریدہ کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہو گئیں۔

ایک چیز جو شگفتہ غفار نے شدت سے محسوس کی کہ نانی اماں کا رویہ بالکل پہلے جیسا ہو گیا تھا۔ اگر بریرہ انہیں اپنے اغوا ہونے کی بات بتا چکی تھی تو سب کچھ جاننے کے بعد بیٹی کے اندھیرے میں رکھنے والا کوئی شکایتی انداز ان کی کسی بات سے ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔

الیان تو کچھ دیر بیٹھ کر واپس شہر لوٹ گیا' جبکہ شگفتہ غفار کا ارادہ کچھ دن قیام کرنے کا تھا۔ اسی لیے تنہائی ملنے پر انہوں نے جب بریرہ سے اپنے تجزیے کا ذکر کیا تو بریرہ انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو' اماں کو شک ہو گیا تھا۔ انہوں نے واپس آکر تمہیں کرید ا تو ہو گا۔" شگفتہ غفار یقین سے بولیں۔

"یہ ڈر مجھے بھی تھا لیکن انہوں نے مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یہاں تک کہ مجھے الجھن ہونے لگی کہ وہ خاموش کیوں ہیں تو میں خود ان سے بات کرنے گئی اور جب میں نے ان سے پوچھا کہ وہ مجھ سے کچھ کہتی کیوں نہیں تو آپ جانتی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کیا کہا؟" بریرہ بڑے سپاٹ لہجے میں بول رہی تھی۔ شگفتہ غفار بے چینی سے اسے دیکھتی رہیں تو وہ خود ہی کہنے لگی۔

"جب ہم آپ کے گھر سے جانے کا ارادہ کرکے سامان باندھ رہے تھے۔ انہوں نے تب بھی رومیلہ کی بہت تعریفیں کی تھیں اور اس کی قدر کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن یہ بات انہوں نے میرے پوچھنے پر اب بتائی کہ رومیلہ نے ہاتھ جوڑ کر انہیں خدا، رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا واسطہ دیا تھا کہ آپ اس بارے میں کبھی کسی سے کچھ نہیں پوچھیں گی اور نانی اماں کو رومیلہ کا مان رکھنے کے لیے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنی۔" شگفتہ غفار بے یقینی سے بریرہ کو دیکھتی رہیں۔

"میں جانتی ہوں، یہ کہنا جتنا آسان ہے اس پر عمل کرنا اتنا مشکل۔ لیکن کوشش کریں کہ اب آپ بھی سب کچھ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ کر اس ڈر سے باہر آجائیں کہ یہ راز کبھی کھلے گا۔

ویسے بھی اگر ابرار نے یہ راز کبھی کھول دیا تو پھر وہ ہمیں بلیک میل کیسے کرسکے گا۔ جب تک یہ حقیقت چھپی ہوئی ہے۔ تب ہی تک وہ ہمارے گھر میں ہے۔ جس دن سچ سامنے آگیا وہ دن اس کی بہن کا ہمارے گھر میں آخری دن ہوگا۔" شگفتہ غفار اتنی کمزور اور نڈھال لگ رہی تھیں کہ بریرہ تک انہیں تسلی دینے پر مجبور ہوگئی تھی۔ حالانکہ یہ ڈر تو خود اس کے اندر چھپا ہوا تھا۔

لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کی تسلی نے شگفتہ غفار کو اور پریشان کردیا تھا۔ ان کا چہرہ بالکل زرد پڑنے لگا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ اپنی اتنی بہادری کی باتیں کرتی بیٹی کو یہ کیسے بتائیں کہ اس کے بھائی نے تو رومیلہ کو طلاق دے کر گھر سے نکال دیا ہے۔

"میں جانتی ہوں یہ مشکل ہے۔ لیکن میرا یقین کریں، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں اور اگر ہوسکے تو رومیلہ کے ساتھ اپنا رویہ تھوڑا بہتر کرلیں۔ رومیلہ اتنی بری نہیں ہے۔ کافی سلجھی ہوئی لڑکی ہے بلکہ اگر غیر جانبدار ہو کر دیکھا جائے تو بھائی کے لیے ہر لحاظ سے بالکل موزوں ہے۔ آپ اپنی نفرت کے پیش نظر زبردستی اس میں چاہے جتنے کیڑے نکال لیں۔ مگر سچ یہی ہے کہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔

شکل وصورت، عادت واخلاق، تعلیم وتربیت اور یہاں تک کہ معاشی اعتبار سے وہ کسی بھی چیز میں بھائی سے کم نہیں ہے۔ اسے اس کے فیملی بیک گراؤنڈ سے الگ کرکے یا اس کے بھائی کی گھٹیا حرکت کو چھوڑ کر اگر صرف رومیلہ کا تجزیہ کیا جائے تو ہمیں حقیقتاً "بھائی کے لیے بہت اچھی لڑکی مل گئی ہے۔

اور پھر ایک یہ بات بھی دھیان میں رکھیں کہ ابرار نے صرف مجھے اغوا کیا، میں مانتی ہوں کہ یہ بھی بہت غلط تھا۔ لیکن ہمیں بھی تو یہ ماننا چاہیے کہ اس نے میرے ساتھ کچھ کیا نہیں۔ اگر وہ کچھ کرلیتا تو بھی ہم اس کا کیا بگاڑ لیتے۔

ورنہ مرد کی ہوس کے آئے دن جو واقعے سننے اور پڑھنے کو ملتے ہیں اس کے بعد تو سگے محرم رشتوں پر سے اعتبار ختم ہونے لگتا ہے۔ پھر میں تو اس کی قید میں ایک بے بس لڑکی تھی۔ لیکن اس کے تو آدمی تک نے مجھے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا اور صرف میرے کمرے میں کھانا رکھ کر چلا جاتا تھا۔" بریرہ اپنے طور پر انہیں تسلی دے رہی تھی۔ مگر ان کا تو خون خشک ہو رہا تھا۔

اس کی ایک ایک بات انہیں بالکل ٹھیک لگ رہی تھی۔ ظاہری بات ہے اب ان کا غصہ جو اتر گیا تھا۔ آج تک وہ بھلے ہی غیر جانبدار ہو کر نہیں سوچ سکی تھیں۔ لیکن آج خود ان کا دل اس کی ایک ایک بات کی گواہی دے

رہا تھا کہ آج وہ بریرہ کو ڈانٹ سکیں نہ اسے جھٹلا سکیں۔ بلکہ مزید فکر مند ہوگئیں کہ ابرار کے پاس بھی بس ایک ہی ڈر تھا کہ اس کی بہن برباد نہ ہوجائے۔ اب جبکہ وہ واقعی ایک بدنما داغ ماتھے پر لے کر اس کی دہلیز پر آگئی ہے تو کیوں نہ یہی حال وہ الیان کی بہن کا بھی کردے۔

شگفتہ غفار کو اتنی گھبراہٹ ہوئی کہ وہ بریرہ سے یہ بھی نہ کہہ سکیں کہ اس کی ساری تسلیاں اب بے کار ہوگئی ہیں۔ مگر بریرہ انہیں پہلے سے بہت مطمئن اور بہادر لگ رہی تھی۔ وہ اس کا یہ سکون چھیننے کی ہمت نہ کرسکیں۔ البتہ ان کا رہا سہا اطمینان بھی ختم ہوگیا۔

انہوں نے رات کا کھانا بھی کھانے سے انکار کردیا اور نانی اماں کے پاس ان کے کمرے میں ہی چلی آئیں۔ وہ عشاء سے فارغ ہو کر سونے کے لیے بستر پر لیٹ چکی تھیں۔ البتہ سوئی نہیں تھیں۔ سونے سے پہلے کی دعائیں وغیرہ پڑھنے میں مشغول تھیں۔

شگفتہ غفار کو دیکھ کر ان کے چہرے پر ممتا بھری مسکراہٹ دوڑ گئی تو وہ نانی اماں کے برابر میں ہی آکر لیٹ گئیں۔ نانی اماں دعاؤں سے فارغ ہو کر اٹھ کر بیٹھ گئیں اور اچھی طرح شگفتہ غفار پر دم کرنے لگیں تو شگفتہ غفار بھی مسکرا دیں۔ ایسا لگا جیسے اچانک وہ اپنے بچپن میں لوٹ آئی ہوں۔

"کتنی کمزور ہوگئی ہو شگفتہ کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ چہرہ بالکل مرجھا کر رہ گیا ہے۔" نانی اماں ٹوکتے ہوئے بولیں۔ شگفتہ غفار نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تو وہ ان کے کندھے پر ٹھوکا لگاتے ہوئے بڑبڑانے والے انداز میں بولیں۔

"ساری دنیا کی فضول فکریں پال رکھی ہیں تو چہرے پر رونق کہاں سے آئے گی۔ صبر شکر سے رہنا سیکھو، خود بھی سکون سے رہو گی اور دوسرے بھی خوش رہیں گے۔" شگفتہ غفار ان کا مطلب بخوبی سمجھ رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہیں، پھر بہت ٹھہر ٹھہر کر بولیں۔

"اماں آپ کی رومیلہ سے کیا بات ہوئی ہے؟" اماں کچھ چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔ پھر ایسے نظریں چرا گئیں جیسے اس موضوع پر بات نہ کرنا چاہ رہی ہوں۔

"کس بارے میں۔" وہ ٹالتے ہوئے بولیں۔

"اماں آپ جانتی ہیں، میں کیا پوچھ رہی ہوں۔" شگفتہ غفار اٹھ کر بیٹھ گئیں تو نانی اماں کچھ دیر انہیں دیکھتے رہنے کے بعد ناصحانہ انداز میں بولیں۔

"شگفتہ تم رومیلہ کے ساتھ بالکل ٹھیک نہیں کررہیں۔ اتنا تو مجھے یقین ہے کہ یہ شادی تم نے سخت مجبوری کے عالم میں کی ہے۔ یہ کوئی دوستی والا معاملہ نہیں ہے۔ رومیلہ نے مجھے بتایا ہے کہ الیان پر کوئی قرض تھا اس کے بھائی کا۔ بس وہی چکانے کے لیے الیان نے یہ شادی کرلی۔

چلو وجہ جو بھی ہو، مگر یہ تو سچ ہے کہ اب وہ تمہاری بہو ہے اور بہت اچھی لڑکی ہے۔ اس کی قدر کرو۔ آج کل تو ملازم بھی کسی کی اتنی کڑوی کسیلی نہیں سنتے اور آگے سے پلٹ کر دوبدو جواب دیتے ہیں۔ تمہیں بہو اتنی بے زبان مل گئی ہے کہ تم کچھ بھی کہتی رہتی ہو، وہ کبھی بدتمیزی کرنا تو در کنار پلٹ کر بولتی بھی نہیں۔

حالانکہ تمہاری بھابھیاں بھی کوئی بری بہوئیں نہیں ہیں۔ بہت اچھی اور عزت کرنے والی ہیں۔ لیکن وہ ایسی اس لیے ہیں کہ میرا مزاج بہت ٹھنڈا ہے، ایک انسان خود نظر انداز کررہا ہو تو دوسرے کے لیے بھی لحاظ کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

لیکن تمہارا مزاج بہت سخت ہے۔ تمہارے ساتھ ہر لڑکی ایڈجسٹ نہیں ہوسکتی۔ اس کے باوجود رومیلہ خود کو بہت طریقے سے لے کر تمہارے ساتھ چل رہی ہے۔ اس میں بہت ضبط ہے اور تمہارے ساتھ ایسی ہی لڑکی رہ سکتی ہے۔ ورنہ اگر الیان کی شادی خدانخواستہ آج کی لڑکیوں جیسی کسی لڑکی سے ہوگئی ہوتی خاص طور پر جیسی

تمہارے سرکل میں ہیں تو کب کا تمہارا جینا حرام کر دیتی۔

پھر تم الیان کے بارے میں کیوں نہیں سوچتیں، تمہیں تو اسے سمجھانا چاہیے کہ شادی چاہے جس مجبوری کے تحت بھی کی ہو اب اسے قبول کرنے کی کوشش کرے۔ اسے دوسرے کمرے میں رکھ کر تو وہ اپنی اور اس کی ٹینشن بڑھا رہا ہے۔

بیٹے پر چاہے جتنا بھی مان ہو، لیکن اس حقیقت سے کبھی منکر مت ہونا کہ جتنا ان دونوں کے درمیان تناؤ بڑھے گا' اتنا وہ تم سے بھی دور ہوتا جائے گا۔ جب اس کا گھر آنے کا دل ہی نہیں چاہے گا تو وہ تمہارا خیال کرنا بھی چھوڑ دے گا۔ ہو سکتا ہے تب بے زار ہو کر یا تو وہ رومیلہ کو فارغ کر دے گا یا کسی اوٹ پٹانگ لڑکی کو اٹھا لائے گا۔ دونوں صورتوں میں تم الیان کو بھی کھو دو گی۔" شگفتہ غفار ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں تو نانی اماں کو خاموش ہونا پڑا' ورنہ وہ ابھی اور بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں۔

خود شگفتہ غفار کا دل چاہ رہا تھا کہ نانی اماں کو بتا دیں۔ ان کے اندازے بالکل درست ہیں۔ الیان نے طلاق جیسا فیصلہ اکیلے اپنے آپ کر لیا اور شگفتہ غفار منع کرتی رہ گئیں۔ مگر وہ اس پر عمل کرنے سے باز نہیں آیا۔

حالانکہ الیان پر انہیں بہت مان تھا کہ وہ ان کی مرضی کے خلاف کبھی نہیں جائے گا اور پھر جب وہ بہن کی پروا کیے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھا سکتا ہے تو پھر کل کو واقعی ایسی لڑکی بھی گھر لا سکتا ہے جیسی نانی اماں کہہ رہی تھیں اور اگر وہ ایسا کچھ نہیں بھی کرتا تب بھی اس حقیقت کو تو وہ نہیں جھٹلا سکتی تھیں کہ ان کے مزاج کے ساتھ چلنا واقعی ایک مشکل کام ہے اور ہر لڑکی رومیلہ نہیں ہو سکتی جو ان کی کمزوری سے۔ واقف ہونے کے باوجود انہیں بلیک میل کرنے کی بجائے ہمیشہ خاموش رہی یہاں تک کہ نانی اماں تک کو خاموش رہنے پر تیار کر لیا۔

نانی اماں کی باتیں انہیں احساس جرم میں مبتلا کرنے لگیں' تو وہ جیسے ضمیر کو چپ کرانے کے لیے گلا کھنکھارتے ہوئے کہنے لگیں۔

"اب وہ اتنی بھی اچھی نہیں ہے' جتنا آپ سمجھ رہی ہیں' اس کی شادی عین مہندی والے دن ٹوٹی ہے' کوئی تو عیب دیکھا ہو گا کہ لڑکے نے۔"

"یہ ساری بات رومیلہ مجھے خود بتا چکی ہے۔ ہو جاتا ہے بعض اوقات دھوکا۔ انسان غلط فیصلہ کر لیتا ہے اگر میں رومیلہ سے ملی نہ ہوتی تو میں بھی یہی سوچتی کہ ضرور لڑکی میں کوئی عیب ہے' لیکن رومیلہ کو جاننے کے بعد۔"

"ٹھیک ہے' میں بھی مان لیتی ہوں۔ رومیلہ اچھی لڑکی ہے لیکن اس کے بھائی نے جو کیا ہے اس کے بعد میں اسے کیسے' سو مان لوں۔" آخر شگفتہ کی برداشت جواب دے گئی۔

اتنی دیر سے وہ رومیلہ کی تعریف سن رہی تھیں اور انہیں جھٹلا نہیں پا رہی تھیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ وہ اپنی برائی مان لیتیں۔ خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے آخر انہیں یہ بتانا ہی تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اس وقت ان کے ذہن کا کوئی کونا مستقل چلا رہا تھا کہ بریرہ اور الیان ہمیشہ کہتے تھے ابرار کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں اگر یہ راز فاش ہوا تو آپ خود کریں گی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

ضوباریہ ساحر

اے کہنا
جدائی روگ بنتی جا رہی ہے
اور ایسے روگ اکثر جان لیتے ہیں
گلوں کے کھلنے کا موسم
سنو اب آنے والا ہے
سنو اب تم بھی آ جاؤ
جدائی روگ بنتی جا رہی ہے

در و دیوار اجنبی اجنبی سے لگ رہے تھے۔ آنسو بہہ بہہ کر اب تو جیسے بالکل ہی ختم ہو گئے تھے۔ آنکھیں ویران تھیں یوں گویا ان میں کبھی کسی خواب کا بسیرا ہی نہیں تھا۔

اس کی نظریں اپنے ہاتھوں کی لکیروں سے الجھ گئیں۔ بے قرار سی ایک ہوک کہیں دل کی گہرائی سے بلند ہوئی تھی اور لبوں پر آہ بن کر پھوٹی تھی۔ اس نے تو اپنے لیے گلابوں کی آرزو کی تھی۔ زندگی خارزار کیوں بن گئی تھی؟ ایک خواب۔ صرف ایک خواب ہی تو دیکھا تھا محبت کا خواب' سکھ بھری زندگی کا خواب۔ اتنی قیمت چکا کر بھی وہ خواب محض کانچ کا برتن ثابت ہوا تھا۔ جو بے دردی سے توڑ دیا گیا تھا اور اب اسی خواب کی کرچیوں نے اس کے وجود و روح کو زخمی کر دیا تھا۔ اسے اپنی ان ویران آنکھوں سے شکایت تھی۔ اپنے دل کی آرزوؤں سے شکوہ تھا کیوں وہ دنیا کے لوگوں جیسی نہیں۔ کیوں ایسی خواہشات اس کے من میں بسی تھیں جو کبھی پوری نہیں ہونی تھیں۔ کیوں دیکھا تھا اس نے ایک مکمل گھر کا خواب۔ بچپن سے ٹوٹے ہوئے گھر میں رہنے والی وہ لڑکی ایک مکمل گھر کا خواب کیسے نہ دیکھتی بھلا۔

اس نے کہیں پڑھا تھا دو ٹوٹے ہوئے انسان مل کر ایک مکمل گھر کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ وہ توڑ پھوڑ کے درد سے آشنا ہوتے ہیں اور یہی درد آشنائی انہیں ایک دوسرے کے قریب لاتی ہے۔ ان کے رشتے کو مضبوطی اور استحکام بخشتی ہے اور اسے ایسے درد آشنا کی ہوک سی لگ گئی آنکھوں میں انتظار لیے وہ جیسے اپنے بالوں اور متلاشی ہو گئی تھی کہ اسے اس کا درد آشنا مل جائے۔ پھر۔ پھر وہ دونوں مل کر ایک گھر کی بنیاد رکھیں گے۔ اپنا گھر ایک ایسا گھر جس کی ایک ایک اینٹ محبت سے رکھی گئی ہو گی۔ جس کے دالان میں عشق پیچاں کی بیلیں رقص کریں گی۔ جس پر مہربان ابر اپنا سایہ کرے گا اور کبھی ان کے محبت بھرے آنگن میں خوشی سے کھل کے برسے گا اور جس کے صحن میں ننھی منی چکاریں ہوں گی۔

کتنا گدگداتا تھا ایسے گھر کا تصور۔ کہ وہ کچھ پل کو اپنے باپ کی خود غرضیاں اور بے گانگی' اپنی ماں کے آنسو اور اداسیاں تک بھول جایا کرتی تھی۔ جلدی جلدی سارا کام ختم کر کے اپنے گھر کے کسی کونے میں بیٹھ کر آنکھیں موند کر اس خواب نگر میں کھو جانا اس کا پسندیدہ ترین مشغلہ تھا۔ شاید دنیا کی تلخیوں نے اسے حقیقت سے دور رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے اپنے آپ کو بہت محفوظ سمجھتی تھی۔ اپنے خیالی محبوب کی بانہوں کا حصار اسے دنیا کی ہر کلفت بھلا دیتا۔

اور پھر اسے اس کا درد آشنا مل ہی گیا۔ ان کے اس رابطے کی کہانی بھی بہت عجیب تھی میلوں دور رہنے والے اس شخص کے الفاظ میں جانے کیا جادو تھا کہ وہ ان الفاظ کی کچی ڈور سے اپنی سانسیں باندھ بیٹھی۔ وہ ایک دوسرے کو خط لکھا کرتے تھے۔ بے انتہا خوب صورت' جذبوں سے مہکتے ہوئے الفاظ جیسے ایک خزانہ تھا جو ان دونوں کے پاس تھا اور وہ بے دریغ یہ خزانہ ایک دوسرے پر لٹاتے تھے۔

ساری کلفتیں سب محرومیاں کہیں جاسوئی تھیں وہ

ہر درد بھلا بیٹھی۔ اپنے اس غمگسار کو اس نے اپنے بچپن سے لے کر اب تک کی ہر محرومی کہہ سنائی۔ اپنے سب خواب اس کے سامنے خطوں کی صورت دھر دیئے۔

”دیکھنا۔۔۔ آپ کبھی میرے باپ کی طرح نہ بن جانا۔ مجھے مرد ذات سے بہت ڈر لگتا ہے' مگر مجھے آپ پر بہت یقین ہے۔۔۔ میرے اس یقین کو ٹوٹنے مت دینا۔“

وہ اکثر اپنے خطوط میں اپنے غمگسار کو باور کراتی رہتی تھی کہ اس نے اب تک کی زندگی میں محرومیاں دیکھی ہیں۔ بہت دکھ اٹھائے ہیں اب اگر وہ بھی اس کا خیال نہیں رکھے گا تو وہ کہاں جائے گی۔

”تم ایک بار میری زندگی میں آجاؤ۔۔۔ تمہارے قدموں میں ستارے بچھا دوں گا۔ جہاں تم پاؤں رکھو گی وہاں میں ہاتھ رکھوں گا' کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی اپنے آپ کو اذیت دے۔۔۔ تم مجھ سے الگ تو نہیں میری ہی ذات کا تو حصہ ہو تمہارے بغیر تو میں ادھورا ہوں نامکمل۔۔۔“

اس کے الفاظ اسے سرشار کردیتے اور وہ یقین کی ڈور تھامے اس کے پیچھے پیچھے چلتی جاتی۔ وہ بہت کم ہمت تھی بے حد بزدل۔۔۔ مگر محبت پانے کی خواہش اس کے اندر اس قدر طاقتور تھی جس نے اس بزدل لڑکی کو بھی اس حد تک بہادر بنا دیا تھا کہ وہ اس محبت کے حصول کے لیے پوری دنیا کے سامنے کھڑی ہوگئی اسے محبت کے بدلے اپنے سب رشتوں کو کھو دینے کا بھی ملال نہیں ہوا۔ اس ایک شخص میں اس نے ہر رشتے ہر تعلق کی صورت پالی تھی۔ اسے کوئی احساس زیاں نہیں تھا۔ شاید اس لیے کہ محبت کے ابتدائی دن بہت رنگین اور پر یقین ہوا کرتے ہیں اور محبوب کی قربت ہر غم ہر درد مٹا دیا کرتی ہے۔

لیکن محبت کرنے والوں کو کوئی یہ نہیں سمجھاتا کہ خواب کی عمریں کم ہوتی ہیں جب آنکھیں کھلتی ہیں تو سوائے پچھتاوؤں کے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

وہ اپنی جھولی کے سب ببول جھاڑ کر اس نئے سفر پر چلی تھی' مگر یہ کیا کہ اس سفر کی ابتدا ہوئی کچھ راستے طے ہوا تو راستے گرد آلود ہونے لگے۔ ایسی آندھیاں چلیں کہ چہرے بے شناخت سے ہوتے گئے۔ دلوں کے آئینوں پر گرد گرنے لگی تھی۔۔۔ اس کی آنکھ خراش زدہ ہونے لگیں۔ بے حسی کی ریت اس کے پورے وجود پر چبھنے لگی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا سارے گلاب خار زدہ تھے اور ان خاروں نے اس کے ہاتھوں کو لہولہان کردیا تھا۔

”ایک ایک کر کے میرے سب مان ٹوٹ گئے ہیں' مگر میں آپ سے کبھی کوئی گلہ نہیں کروں گی۔ جو کچھ بھی ہوا۔ اس سب کی ذمہ داری میں قبول کرتی ہوں اپنے سب پیاروں کے دل دکھانے کی کچھ تو سزا ملنی ہی چاہیے نا مجھے۔ میں ہر سزا بھگت لوں گی۔ ہاں مجھ پر کبھی ہاتھ مت اٹھائیے گا۔ اگر زندگی میں کبھی ایسا ہوگیا تو پھر شاید میں آپ کے گھر میں نہ رہ پاؤں۔“

اس نے اپنے غمگسار سے استدعا کی تھی۔ وہی غمگسار جو اس کے قدموں تلے ستارے بچھانے کی بات کیا کرتا تھا۔ اس کے وجود کو پھولوں سے تولنے کے دعوے کیا کرتا تھا۔ اور اب جو کالے کوسوں کی مسافت اس کے ذمے ڈال کر خود بری الذمہ ہو بیٹھا تھا۔ وہی غمگسار جواب اسے یہ احساس دلاتا تھا کہ اس کے لیے محبت سوائے پاگل پن اور حماقت کے کچھ بھی تو نہیں۔ پتا نہیں کیوں وہ اس قدر دیوانہ ہوگیا تھا ایک عام سی لڑکی کو پانے کی چاہ میں جانے کیا کیا کر گزرنے کی سوچ بیٹھا تھا یہ روکھے بالوں' بے رنگ چہرے اور بے کشش وجود والی عورت جو ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبی بجھی ہوئی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے جینے کی سعی میں مصروف ہے یہ وہ رنگین تتلی تو نہیں تھی جسے پکڑنے کی چاہ میں وہ میلوں کا سفر طے کیا کرتا تھا۔ جس کے آنچل کے لہرانے پر جانے کون کون سی تشبیہات اس کے ذہن میں در آیا کرتی تھیں بدرنگے ملبوسات میں لپٹا یہ وجود تو کبھی بھی اس کی چاہ نہیں تھا۔ وہ اکتانے لگا تھا تھکنے لگا تھا اس کے ساتھ سے' اس کی قربت سے۔۔۔ درخت کتنا ہی سایہ دار ہو۔۔۔ سفر کی چاہ انسان کی دریافت کی آرزو کہاں نچلا بیٹھنے دیتی ہے۔۔۔

بہت دھیرے دھیرے ہی سہی اس کی سمجھ میں آگیا کہ اس کا غمگسار اب غم بانٹنے نہیں بس غم دینے کی تفسیر بن گیا ہے۔ اس کے سائے میں بیٹھ کر اب وہ حالات کی تمازت سے نہیں بچ سکتی کیونکہ سورج نکلتے ہی یہ شجر اپنا سایہ سمیٹ لیتا ہے۔ حالات کی ساری حدت اسے اپنے وجود پر تن تنہا سہنی پڑتی ہے۔ یہ باور ہوتے ہی اس نے اس شجر کے سائے میں سمٹنا چھوڑ دیا۔ ہاں اس شجر کی آبیاری وہ اسی محبت اور توجہ سے کرتی تھی بس شکوہ کرنا چھوڑ دیا۔ اپنی محرومیوں کو اپنی زبان پر لانے سے گریز کرنے لگی تھی وہ۔

اور پھر اس کا آخری مان بھی ٹوٹ گیا۔ ہر خواب کا دم گھٹ گیا تھا ہر آرزو چھلنی ہوگئی تھی' مگر وہ نہیں بولی تھی۔۔۔ اور بولی تو وہ آج بھی نہیں تھی بس اندر ہی اندر چپ چاپ مرگئی۔۔۔ کسی کو احساس تک نہ ہوا کہ سب کے سامنے ہنستی بولتی یہ عورت اندر سے ایک لاش کے سوا کچھ بھی نہیں تھی۔

”تمہارا دھیان کہاں ہوتا ہے۔۔۔ جو کہتا ہوں تم ایسے غائب دماغ ہوتی ہو کہ میرا خون کھول جاتا ہے۔۔۔ تم یہاں ہوتے ہوئے بھی نہیں ہو۔۔۔ بس یہ وجود میرے سامنے ہوتا ہے تمہاری سوچ تمہارا ذہن کہاں ہوتا ہے۔“ وہ اکثر غصے سے کھول کر بولنے لگتا تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ جاتی کہہ نہ پاتی۔

”یاد کرو نا میرے محبوب' میرے غمگسار میرے ہمراہی۔۔۔ تمہارے سنگ چلنے سے پہلے کہا تھا نا۔۔۔ کبھی میرے باپ جیسے نہ بن جانا۔۔۔ میرا بھرم میرا یقین تم ہو بھی اس یقین کو ٹوٹنے مت دینا۔۔۔ ایسا مت کرنا ورنہ میں تمہارے گھر میں نہ رہ پاؤں گی۔۔۔ اب کیوں چلاتے ہو۔۔۔ میں تمہیں دکھائی ضرور دے رہی ہوں' مگر یقین کرلو کہ میں کہیں بھی نہیں ہوں۔۔۔ میرا اپنا آپ میرا اصل میری ذات کھو گئی۔۔۔ مرگئی تمہاری بے حسی کی منوں مٹی تلے دب کر کب کا میں اپنی شناخت کھو چکی۔۔۔ اب تم جتنا بھی چلاؤ۔۔۔ میری اس لاش کے سرہانے بیٹھ کر بھی کتنا رو بکا کرو۔۔۔ جتنا آنسو بہاؤ۔۔۔ گڑگڑاؤ یا پھر الزامات کی بوچھاڑ کردو۔۔۔ چاہے اس بے جان' احساس سے عاری وجود کو ٹھوکریں مارو۔۔۔ کچھ بھی تو حاصل نہیں وہ محبت کے احساس سے لبریز' تمہاری چھوٹی چھوٹی آرزوؤں کے لیے اپنے آپ کو وقف کردینے والی' تمہارے اشارے کی منتظر' تمہاری سانس کے ساتھ سانس لینے والی جانے کب تمہارے اپنے ہاتھوں جان گنوا بیٹھی۔ دم گھٹ گیا اس کا بے حسی اور نفرت کے اظہار سے۔۔۔ یاد ہے نا میرے غمگسار۔۔۔ میرے ہمدم۔۔۔ بکھرے ہوئے گھر کی باسی تھی نا میں۔۔۔ جس کی دیواروں نے کبھی محبت کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ جہاں کبھی جذبوں نے سانسیں نہیں لی تھیں میں اسی گھر کے بے مہر آنگن میں پل کر بڑی ہوئی تھی۔ جب بچے کھلونوں سے بہلتے ہیں' میں نے اس دور کو سہم کر گزارا تھا۔ بہت ڈرتے ڈرتے تم پر بھروسا کیا تھا میں نے۔۔۔ تمہاری ہمراہی میں ایسا خواب دیکھنے کی جسارت کی تھی۔ جس کی تعبیر کی تلاش میں میری ماں بہنیں مٹی تلے دب گئیں اور شاید ہر عورت بس اس خواب کی تعبیر پانے میں سرگرداں اپنی زیست گنوا دیتی ہے اور اب میں بھی بس اس خواب کی بدصورت بھیانک پرچھائیں بن گئی۔

آج وہ سب الفاظ میری آنکھوں کے سامنے راکھ کا ڈھیر بنے ہوئے ہیں جو کبھی ہمارے جذبوں سے مہکا کرتے تھے۔ ان کا مقدر یہی تھا جب وجود راکھ ہوگئے تو ان کو کیا سنبھال کر رکھتی۔“

اس نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔ تھکن سے ٹوٹتے وجود کے ساتھ جانے کیا سمجھوتا ہے کہ ہر صبح پھر سے خود کو جوڑ کر اٹھ جانا جیسے فرض ٹھہرا۔ بھلا کیوں محبت کی صورت ایسی ہوجاتی ہے۔۔۔ یہ کیسے جذبے ہیں کیا محبت یہ ہے؟ مگر محبت یہی ہے تو پھر ساری دنیا اس جذبے کے لیے اس قدر پاگل کیوں ہے کیوں لوگ محبت پانے کی آرزو میں اپنا آپ تک گنوا دیتے ہیں۔

ہر شام یہ سوال' محبت سے کیا ملا
ہر شام یہ جواب کہ ہر شام رو پڑے

☼ ☼

سدرۃ المنتہیٰ

مکمل ناول
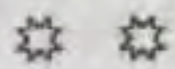
زندگی میں تقدیر نامی چیز سے زور آور اور اثر انداز کوئی اور شے نہیں۔

اسی تقدیر نامی چیز نے اسے پچھلے چار گھنٹے سے اس سنسان پلیٹ فارم پر بٹھا رکھا تھا اور اسے ہمیشہ کی طرح احساس ہوا کہ انسان سے زیادہ بے بس چیز دنیا میں کوئی نہیں ہزار ہا چیزوں پر قدرت رکھنے والے انسان کو یہ تقدیر کیسے کیسے تگنی کا ناچ نچاتی ہے۔

پتا نہیں زندگی ہمیشہ ایک عجیب رستے پر کیوں لا کھڑا کرتی ہے؟

پلیٹ فارم تو نہیں مانگا تھا مانا کہ پلیٹ فارم کا ماحول مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ مگر یا اللہ رات کے اس وقت یوں تنہائی میں یہاں ہونا خواب میں بھی ڈرا دیتا ہے پھر یہ تو حقیقت ہے۔

اگر ایسا ہی ہونا تھا تو کوئی تو ساتھ ہوتا پورا اسٹیشن سویا ہوا ہے۔ ایک میں جاگ رہی ہوں اس ویٹنگ روم میں کتنی بھیانک خاموشی ہے گھٹن سی ہو رہی ہے۔ باہر نکل کر دیکھنا چاہیے۔ اتنی خاموشی اور اندھیرے میں۔

ایک تو انسان پتا نہیں کیوں مختلف رائے رکھتا ہے ایسے جیسے ایک انسان کے اندر دو نظریے' دو خیال' دو خواہشیں' دو لوگ رہتے ہوں۔ شاید دو روحیں ہوتی ہیں وہ لاشعوری طور پر سوچتی چلی گئی۔ روح کے خیال پر ہی ڈر لگنے لگا تھا۔

ایک تو انسان کتنا پاگل ہے۔ خود سے بھی ڈرتا ہے' حد ہے یعنی کہ..... وہ خود کو ملامت کرتی ہوئی اپنا چھوٹا سا سفری بیگ گھسیٹتی ہوئی ویٹنگ روم سے باہر آ گئی۔

دور بینچ پر ایک قلی سو رہا تھا اسے جیسے کسی کے ہونے کے احساس نے مضبوط کیا۔ ایک تو انسان تنہا نہیں رہ سکتا کسی نہ کسی کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟ انسانوں کو ایک دوسرے کا محتاج بنا دیا گیا ہے۔

"ہاں' شاید یہی چیز انسان کا خود ساختہ غرور توڑنے کے لیے بہت ہے۔ دعوے تو بڑے بڑے..... بہت ہی بڑے۔"

اس نے بڑبڑاتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"اکیلا رہ سکتا ہوں۔ کسی کی کوئی ضرورت نہیں مجھے..... نکل جاؤ میرے گھر سے چھوڑ دو مجھے تنہا بہت بڑا مذاق ہے یہ انسان بھی۔" وہ خود سے باتیں کرتے ہوئے ہنسنے لگی تھی۔

"باجی آپ کس سے باتیں کر رہی ہیں؟" قلی جاگ رہا تھا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اوہ..... ہاں سیل فون پر۔" یہ کہنا عجیب تھا کہ خود سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ غیر یقین نظروں سے دیکھنے لگا۔ کیوں کہ سیل فون اس کے کان پر نہیں ہاتھ میں تھا۔

"اس وائر کو دیکھ رہے ہو نا..... ہینڈ فری کہتے ہیں اسے۔" اس نے ایک ہینڈ فری کانوں میں لگا لیا۔ جیسے کہنا چاہ رہی ہو وہ اسی سے سن رہی تھی۔ قلی سر ہلا کر دوبارہ لیٹ گیا۔

اس نے دوسرا ہینڈ فری لگایا۔

"ہوا تو اچھی ہے۔" بیگ گھسیٹتی ہوئی وہ پٹڑی کے کنارے کنارے چلنے لگی۔

"اچھا طریقہ ہے خود کو اور دوسروں کو بے وقوف بنانے کا۔" اس کی آواز قدرے دھیمی تھی۔

"باجی زیادہ آگے نہ جائیے گا۔" قلی نے وہیں سے

آواز لگائی۔ وہ رک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ بینچ سے نیچے اترا اور تقریباً بھاگتا ہوا اس تک آیا تھا۔

"باجی آگے بہت بڑا قبرستان ہے۔" اس نے اپنے تئیں بہت بھیانک خبر سنائی تھی۔

"تو؟" اس کے پلے نہیں پڑی تھی بات۔

"تو یہ کہ نہیں جایئے گا اس وقت قبرستانوں میں جن بھوت ہوتے ہیں۔"

"بے فکر رہو جن بھوت اور روحیں ہمارا کچھ نہیں بگاڑتیں۔ وہ خود ہم سے ڈرتے ہیں انسان ہی انسان کا سب کچھ بگاڑتا ہے۔" اس نے بڑے رازدارانہ انداز میں کہا تھا۔

"اچھا' باجی ٹھیک ہے پر ذرا احتیاط سے یہیں چلتی رہیں۔" اسے اس کی بات کا یقین نہیں آیا تھا یہ اس کے چہرے سے واضح تھا۔

"ویسے تم لوگوں نے اتنے ویرانے میں اسٹیشن کیوں بنوایا ہے؟"

"باجی ہم تو مزدور ہیں حکومت بنواتی ہے۔" وہ جیسے اس کی بے وقوفی پر ہنسا تھا۔

"ہاں' وہ تو ہے۔" وہ خود بھی ہنس دی۔

"مگر جس نے بھی بنایا ہے۔ ویرانے میں بنایا ہے۔"

"باجی۔۔۔ ویرانوں میں بھی رستے تو ہوتے ہیں نا۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے بینچ کی طرف چلا گیا اور دوبارہ لیٹ گیا آنکھوں پر بازو رکھ کے۔

"ویرانوں میں بھی رستے ہوتے ہیں۔۔۔ ویرانے بھی زندگی میں شمار ہوتے ہیں۔" اسے سوچنے کے لیے اور نکتہ مل گیا۔

"ہاں۔۔۔ زندگی میں کچھ بلاوجہ' بے سبب' غیر ضروری نہیں ہوتا۔۔۔ جیسے اس ویرانے میں جتنا سکون ہے اسرار کھولتی خامشی' ذات سے ملانے والی تنہائی کسی بڑے شہر کے ہنگامے میں یہ باتیں محال ہیں۔" وہ جیسے مطمئن ہوئی تھی کبھی یہ کم پڑھے لکھے لوگ کیسی گہری باتیں کر جاتے ہیں۔ علم اور احساس انسان کی میراث ہے۔ انسان بے چارا اتنا بھی بے بس نہیں ہے۔ وہ پٹڑی کے کنارے بیٹھ گئی۔ عین سامنے گھنا جنگل تھا۔ اس وقت وہ ان ساری چیزوں میں ایک عجیب فسوں محسوس کر رہی تھی۔ کتنا رومان پرور ماحول ہے' ہوا کیسے آ آ کر پتوں سے ٹکراتی ہے اور پتے کیسے جھوم جھوم جاتے ہیں ہوا اس کے بالوں کو بھی اڑا رہی تھی۔ "ہوا۔۔۔ بھی۔۔۔ بڑی شریر ہے۔" کسی کا کہا ہوا جملہ سماعتوں میں گونجا۔۔۔ "کیوں۔۔۔ ماضی یاد آتا ہے۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔۔۔

انسان کبھی اپنے کل سے جان نہیں چھڑا سکتا۔۔۔ گزرا ہوا کل۔۔۔ آنے والا کل۔۔۔ اور آج جس میں صرف کل کی گونج ہوتی ہے۔۔۔ نہیں سوچنا کچھ بھی۔۔۔ کوئی کل نہیں۔۔۔ صبح تو ہو گی کل کی کل دیکھی جائے گی۔۔۔ تیسرا رستہ؟ بہت عجیب سوال تھا۔ نہیں کسی عجیب سوال میں نہیں پڑنا۔ نہ ہی زیادہ سوچنا ہے۔ ہوا بہت اچھی ہے۔۔۔ کتنا پرسکون ماحول ہے۔۔۔ خود کو بہلانا اچھا ہوتا ہے۔ وہ جی بھر کر خود پر مسکرائی تھی۔

مینا کو جنگلات سے کتنا خوف آتا ہے۔ ہوتی تو ڈراتی اسے۔۔۔ ویٹنگ روم سے باہر ہی نہ نکلتی۔۔۔ مجھے بھی باہر نہ آنے دیتی۔۔۔ ابھی سو رہی ہو گی۔ ظاہر ہے رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ عزیز بھائی اور بھابھی ٹی وی دیکھ رہے ہوں گے۔ وہ تو بہت بدذوق ہیں اچھا ہے یہاں نہیں ہیں۔۔۔ نبیلہ آپا۔۔۔ بچوں کو سلا رہی ہوں گی انہیں پتا ہو تا کہ ریل سے آ رہی ہوں تو خوب ڈانٹتیں پھر یہ کہ اتنے اندھیرے اور خاموشی میں' میں اس پٹڑی پر اکیلی بیٹھی ہوں تو جان سے مار دیں اور یوسف اسے پتا چلے کہ میرے کچھ فاصلے پر ایک اجنبی قلی سو رہا ہے۔۔۔ فتویٰ لگا دے' بے راہ روی۔۔۔ بے پردگی۔۔۔ آوارگی کا۔۔۔ وہ سمجھتا ہے میں آپا کے پاس ہوں۔۔۔ سمجھنے دو۔۔۔ شکر ہے کسی اچھے سفر پر وہ میرے ساتھ نہیں رہا۔ اس کے ساتھ بلاوجہ ہی دم گھٹتا ہے۔ میرے استھما کی ترقی میں اس کا بہت بڑا ہاتھ ہے اور

ہمیشہ مت یاد آیا کرو ماما کہ تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت بھی گزرا ہے۔ پتا نہیں کیوں انسان کسی کی تھوڑی سی بھی اچھائی زندگی بھر یاد رکھتا ہے۔۔۔ انسان بے چارے میں کس قدر مروت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے نا۔۔۔

اس کی بڑبڑاہٹ خاموشی میں بدل گئی۔

ختم کر دو یہ ڈرامے۔۔۔ کچھ اور کرو۔۔۔ خود کو بہلانا اچھا ہے۔ اس اندھیرے میں تلخ یادیں ساتھ ہوئیں تو رات ہزار راتوں جتنی بھاری ہو جائے گی۔ اچھا وقت گزارو کیوں کہ اچھا وقت بہت جلدی گزر جاتا ہے' پتا بھی نہیں چلتا۔ اس نے خود کو زبردستی مسکراتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ انسان بھی بڑا ڈرامے باز ہے خود کو دھوکا دینے سے بھی باز نہیں آتا۔ وہ بے وجہ ہنس دی۔

سیل فون پر ایک گانا لگایا' ہینڈ فری کانوں میں ٹھونسے' پونی ٹائٹ کی' تھیلا پٹڑی پر رکھا اور پاؤں میں سلیپر ڈال کر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی پٹڑی سے آگے درختوں کے ساتھ چلنے لگی۔

کبھی خود میں کھو جانا بہت اچھا ہوتا ہے' تنہائی اتنی بھی بری نہیں۔ موقع دیتی ہے خود سے ملنے کا' خود کو جاننے کا۔

☼ ☼ ☼

"زندگی میں پہلی بار بد روح دیکھی ہے قبرستان میں ہمیشہ سنتا آیا تھا۔۔۔ آج دیکھ بھی لی۔" وہ آہستہ آہستہ اس کے پیچھے قدم بڑھا رہا تھا۔

بدروح بے خبر بڑی روانی سے چلی جا رہی تھی' ہر قسم کی آواز سے بے خبر اچانک بدروح نے پیچھے مڑ کر دیکھا اس کی چھٹی حس نے اسے مجبور کیا تھا۔ اس نے ایک چالاکی کی ایمرجنسی لائٹ کی ساری روشنی اس کے چہرے پر ڈال دی نتیجہ یہ نکلا کہ بدروح ڈر کر چیخنے لگی اور وہ ساکت۔ قلی بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ "باجی کیا ہوا کیا ہوا؟" اس نے ٹارچ کی روشنی بے ساختہ خود پر ڈالی۔

"میں۔۔۔ ہوں۔"

"اوہ باجی۔۔۔ یہ تو رؤف بھائی ہیں اپنے' ان سے ڈر رہی ہیں۔" قلی۔۔۔ ہانپتے ہوئے لمبے سانس لیتے ہنسا اور سر جھٹک کر مڑا۔

"میں سمجھا واقعی کوئی بدروح دیکھ لی۔" وہ خود ہی اپنے اندازے پر ہنستا ہوا چلا گیا۔

"آج سونا نصیب میں ہی نہیں۔" دور سے اس کی آواز سنائی دی تھی۔

"میں رؤف۔۔۔ روفی۔" اس نے روشنی آنکھوں میں چبھنے کی وجہ سے آنکھیں بھینچ لی تھیں۔

"رؤف روفی۔۔۔ ویسے کے ویسے ہو۔۔۔ بالکل بھی نہیں بدلے۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر ٹارچ اس سے لے لی۔

"میں ام حبیبہ' کالونی کے اسکول والی۔۔۔ تمہارے کان کھینچنے والی۔" ٹارچ اس نے اپنے چہرے پر کی اور بات مکمل کر کے روشنی زمین پر گرا لی زیادہ دیر روشنی

سہنے کی سکت نہ تھی آنکھوں میں، جبھی کہتے ہیں سورج کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے زیادہ روشنی بھی دیکھنے کی صلاحیت چھین لیتی ہے۔

"ام حبیبہ..... تم تو کتنی بدل گئی ہو..... کیسی ہو تم؟"
وہ ایک دم پرجوش ہوا تھا بچوں کی طرح۔

"ہاں..... کہہ دو بد روح لگنے لگی ہوں۔"

"نہیں..... بوڑھی روح زیادہ بہتر ہے۔" وہ ہنسا۔

"بد روح سے قریب تر ہی ہے۔" وہ بھی ہنسی۔

"یہ بتاؤ تم یہاں..... کیسے؟" اب حیرانی کی باری تھی۔

"یہ سوال میرا تم سے ہے۔ تم قبرستانوں میں لوگوں کو ڈراتے پھر رہے ہو۔"

"ہاں یہ تو ایک الگ کہانی ہے..... چلو پلیٹ فارم پر چلتے ہیں۔"

"ہاں آج رات یہیں گزارنی ہے۔ تمہاری کہانیاں تو ہمیشہ سے بہت لمبی ہوتی تھیں..... اور ڈراؤنی بھی۔"
وہ اس کے ساتھ چلنے لگی آگے۔

"مگر تمہیں ڈرانے میں ہمیشہ ناکام رہا ہوں۔ زندگی میں پہلی مرتبہ تم نے مجھے دیکھ کر چیخیں ماری ہیں۔"

"معاف کرنا بغیر دیکھے اگر دیکھ لیتی تو چیخیں مارنے کی نوبت نہ آتی۔"

"ہاں شاید..... چلو اس بینچ پر بیٹھتے ہیں۔"

"نہیں..... وہاں سے نزدیک وہ قلی سو رہا ہے بلکہ کوشش کر رہا ہے سونے کی اس کی نیند خراب ہوگی۔ یہاں پٹڑی پر بیٹھ جاتے ہیں میرا تھیلا بھی یہیں پڑا ہے پانی پینا ہے مجھے۔" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھی۔

"ضرور..... یہ تو اچھا ہے۔" وہ دونوں پٹڑی کے کنارے بیٹھ گئے۔

"یہ بتاؤ تم قبرستان میں کیا کر رہے تھے؟"

"اماں کے پاس گیا تھا۔ وہ یہاں ہیں۔"

"یہاں رہتی ہیں..... ڈر نہیں لگتا۔"

"ڈر تو صرف زندوں کے لیے رہ جاتا ہے مرے ہوؤں کا ڈر کچھ نہیں بگاڑتا۔ وہ نہیں رہیں؟ کون زندہ انسان قبرستان میں رہنا پسند کرے گا۔ انہیں گئے بہت سال بیت گئے..... تقریباً چھ سات سال۔"

"اوہ..... میرے خیال سے اماں ہی تھیں تمہارے گھر میں اور تمہاری بہن حسینہ وہ کیسی ہے؟" اسے اچانک یاد آیا تھا۔

"حسینہ کی شادی ہوئی تھی ایک بچہ بھی ہے ٹھیک ہے بس..... گزارہ ہو رہا ہے۔ وہ سکھی نہیں اپنے گھر میں؟" حسینہ کے ذکر پر اس کے چہرے کی اداسی دیکھ کر اس نے اندازہ لگایا تھا۔

"ہاں پر پھر بھی وہ اسی شوہر کے ساتھ رہ رہی ہے۔" افسردگی افسوس میں ملی۔

"پسند کی شادی تھی؟"

"نہیں..... میری غلطی تھی۔"

"تمہاری شادی؟" اچانک دھیان آیا۔

"ہوئی تھی....." ایک لمبی سانس بھری۔

"نہیں رہی.....؟ وجہ....."

"بہت لمبی کہانی ہے۔"

"رات بھی باقی ہے..... وقت ہے کہانی سناؤ۔"

"تمہیں تو ویسے ہی میری کہانی لمبی لگتی ہے خیر۔ پہلے یہ تو بتاؤ گھر میں سب کیسے ہیں؟"

"بڑی اماں..... لالو عزیز بھائی بھابھی، مینو نبیلہ آپا۔"

"تمہیں تو سب یاد ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"تمہارا وہ منگیتر بھی جو تمہیں بہت پسند تھا۔" لہجہ عجیب تھا۔

"ہم صرف اچھے دوست تھے۔ پسند وہ مجھے کرتا تھا۔"

"ابھی تک کرتا ہے؟"

"تم دس، بارہ سال پہلے میں اور اب میں کوئی فرق نہیں سمجھتے..... اتنے سالوں میں بہت کچھ بدل جاتا ہے۔"

"مثلاً؟"

"بڑی بی نہیں رہیں..... لالو اپنے گاؤں چلا گیا۔ اپنی بیوی کے پاس۔"

"صلح ہو گئی تھی اس کی؟"

"ہاں..... بہت اچھے سے..... اب اس کی بیوی اس کا خیال رکھتی ہو گی..... لالو کو یاد تو بہت کیا ہم سب نے گھر میں ملازموں کی طرح نہیں گھر کا فرد بن گیا تھا۔"

"بہت اچھا آدمی تھا خیر عزیز بھائی کو کوئی اولاد ہوئی؟"

"ہاں ایک بیٹی ہے۔"

"ماشاء اللہ۔"

"مگر ان کو بیٹا چاہیے تھا۔ جب اولاد نہیں ہوئی تو بیٹی غنیمت تھی اب بیٹا چاہیے..... خیر انسان شاید ہی اللہ کا کبھی شکر کر سکے۔"

"اور مینو..... اس کی شادی ہوئی؟"

"ہاں..... کچھ ماہ پہلے ہی۔ بہت خوش ہے وہ جبکہ شادی کرنا نہیں چاہتی پر اب سیٹ ہے۔"

"اچھی بات ہے..... نبیلہ آپا کا کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہیں لاہور میں ہوتی ہیں آج کل ان ہی کے پاس جا رہی تھی؟"

"تو صبح کی ٹرین لینی تھی نا۔"

"کیا بتاؤں دیر سے نکلی تھی گھر سے۔ بیچ میں ایک یتیم خانہ آتا ہے وہاں بچوں کو ٹافیاں اور بسکٹ دینے رکی اس چکر میں شام کی ٹرین ملی۔"

"تو تمہیں ابھی لاہور میں ہونا چاہیے تھا۔"

"ہاں مگر میں یہاں ہوں تمہارے سامنے۔"

"یہ تو بہت اچھا ہے۔ پر اس کی وجہ کیا ہے؟"

"وجہ یہ ہے کہ آج رات مجھے یہیں گزارنی تھی شاید۔ یا پھر آج ٹرین کے سفر کا میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں کل تک اسی طرح سفر میں رہوں پتا نہیں کبھی کبھار سفر اچھا لگتا ہے..... پلیٹ فارم کا ماحول مجھے بے حد اچھا لگتا ہے مگر رات کے اس وقت کا نہیں..... صبح کا ماحول عجیب ہوتا ہے۔ تمہیں نہیں لگتا کہ یہ سفر بہت فطری ہوتا ہے۔ مجھے کبھی جہاز کے سفر نے متاثر نہیں کیا اور بسوں میں بیٹھے بیزار چہرے کوفت میں مبتلا کرتے ہیں۔

ریل کے سفر میں ہر انسان سادہ سادہ سا لگتا ہے۔ یہ نزہت گہرا ہوتا ہے۔ عموماً" ریل کے سفر میں لوگوں

کی دوستیاں ہو جاتی ہیں پھر قلی۔۔۔ سامان اٹھاتے تھکے چہرے اور گٹھڑیاں سر پر اٹھائے مزدور طبقے کے لوگ، آفیسر طبقہ، بڑی بوڑھیاں۔۔۔ ویٹنگ روم میں بیٹھی بہت ساری عورتیں۔۔۔ ان کی باتیں پلیٹ فارم پر دوڑتے ریل سے ریس لگاتے بچے۔۔۔ کیبن میں بیٹھا مسافر اسٹیشن ماسٹر ٹکٹ بیچنے والے بابو اور قبرستان میں پھرنے والا عبدالرؤف۔" آخری فقرے پر وہ ہنسی تھی۔

"سوچ رہا ہوں تم کتنا اچھا بولتی ہو۔۔۔ کبھی کہانی لکھنے کے بارے میں سوچا؟"

"نہیں بھئی۔۔۔ آج کل ہر دوسرا اسی کام میں لگا ہوا ہے کہانی گھڑنا بڑی عجیب چیز ہے ورنہ باتیں بنانی تو ہر کسی کو آجائیں۔"

"کہتی تو ٹھیک ہو بندہ خود کو نہیں سمجھ پاتا اور دوسروں پر ورق کالے کر لیتا ہے۔"

"لوگوں کا پسندیدہ کام ہے اک دوسرے کے بارے میں جاننا، سوچنا۔"

"خیر یہ بری بات نہیں فرق اتنا ہے کہ ہم دوسروں کی خامیوں پر زیادہ نظر رکھتے ہیں۔"

"وہ تو ہے۔ پر یہ تو بتاؤ قبرستان میں کیوں جاتے ہو اس وقت مانا کہ اماں جی کی قبر ہے پر۔۔۔ اس قلی کی تم سے واقفیت سے لگ رہا ہے۔ تم آج سے پہلے بھی آتے رہے ہو۔"

"معافی مانگنے آیا ہوں، جب مل جائے گی چلا جاؤں گا آج آٹھویں رات ہے تھک گیا ہوں کل اگر یہاں سے جا سکا تو سمجھوں گا معافی مل گئی ہے۔ روز ٹرین نکل جاتی ہے مجھ سے۔"

"جیسے آج میری ٹرین نکل گئی۔۔۔ میں پانی لینے کے لیے نیچے اتری تھی پھر چائے کی طلب ہونے لگی ویٹنگ روم سے ذرا آگے دور سے کھیت نظر آرہے تھے سوچا تصویریں لے لوں۔۔۔ اور ٹرین چل پڑی۔۔۔ بھاگنے کی صلاحیت مجھ میں نہیں ہے ٹرین بہت تیز بھاگتی ہے۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"ٹرین اچھے وقت کی طرح بھاگتی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"میرے منہ کی بات چھین لی تم نے۔" مسکراہٹ مدھم ہوئی۔

"یہ آٹھ راتیں ٹرین کی طرح بھاگی ہیں؟"

"نہیں، بہت لمبی ہزار راتوں جیسی۔ دکھ بہت طاقت رکھتا ہے اور ڈر بھی۔"

"تم نے کہا تھا ڈر نہیں لگتا تمہیں۔"

"ہر پوشیدہ چیز میں ڈر چھپا ہوتا ہے جب ہم گزر جاتے ہیں تو ڈر مر جاتا ہے۔ پہلی رات کے بعد ڈر نہیں لگا۔"

"میں سمجھی تھی صرف انسان ہی مرتے ہیں تم نے بتایا کہ ڈر بھی مر جاتا ہے۔" مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

"ہر وہ چیز جس کے اندر زندگی ہے۔۔۔ اسے مرنا لازمی ہے۔ کھیت فصل جانور درخت انسان۔۔۔ احساس سب کچھ۔"

"کیسی عجیب زندگی ہے یہ۔۔۔ ویسے بڑھاپے میں یہ باتیں زیادہ ڈراتی ہیں۔ کیوں کہ بڑھاپے میں انسان کمزور ہو جاتا ہے۔" وہ متفق تھا۔

"نہیں بڑھاپے میں انسان کو کمزور ہونا نہیں چاہیے بلکہ زیادہ مضبوط ہونا چاہیے کیوں کہ بہت سے ڈر اس کے اندر مر چکے ہوتے ہیں۔"

"یہ تو ہے تم بڑھاپے میں مضبوط بن جانا۔"

"عورت بڑھاپے میں مضبوط بن جاتی ہے پھر کوئی خواہش نہیں رہتی۔۔۔ بلکہ عورت ہر دور میں بھی کمزور رہتی ہے۔"

"عورت کمزور بن کر رہنا چاہتی ہے۔ شاید اس میں اس کا فائدہ ہے۔"

"چھوڑو روفی کچھ باتیں نقصان فائدے سے ہٹ کر ہوتی ہیں۔"

"جیسے ہمارا یوں ملنا۔۔۔ کچھ باتیں تقدیر میں لکھی ہوتی ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ اور تقدیر اتنی بری بھی نہیں ہوتی۔" وہ پھر مسکرانے کی کوشش کرنے لگی۔

"تقدیر واقعی عجیب ہے پر دلچسپ بھی۔۔۔" وہ مسکرایا تھا۔

"باتیں ختم ہو گئیں؟" دس منٹ کی خاموشی کو اس نے توڑا تھا۔

"نہیں ایک لمبا وقفہ ہے ہم دونوں سوچ رہے ہیں کہ اپنی اپنی کہانیاں کہاں سے شروع کریں۔"

"تو یہ طے ہوا کہ ہم دونوں کو اپنی اپنی کہانیاں سنانی ہیں۔" وہ سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"کہاں؟"

"اس بینچ پر۔۔۔ اب وہ قلی گہری نیند سو رہا ہے۔ ہم آہستہ آہستہ بات کریں گے تو اس کی نیند خراب نہیں ہوگی۔"

"میں تمہارا تھیلا اٹھا لیتا ہوں۔" اس کے ہاتھ بڑھانے سے پہلے اس نے بیگ اٹھا لیا کندھے پر ہاتھ اس کی طرف بڑھایا وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھی تھی پھر دونوں بینچ پر آبیٹھے۔

"حرا شروع شروع میں اتنی بھی بری نہیں تھی۔" وہ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔

"حرا تمہاری بیوی؟"

"ہاں۔۔۔ مجھے تمہارے بعد ملی تھی۔"

"پھر کیا ہوا۔۔۔ شادی ہو گئی۔۔۔ آسانی سے؟"

"سب کچھ آسانی سے کہاں ہو جاتا ہے۔ سب کچھ کے پیچھے بہت کچھ ہوتا ہے۔"

"کس کا فون ہے؟" حبیبہ کا فون بجنے لگا تھا۔

"میری بہن نبیلہ آپا کا ان کو لگ رہا ہوگا میں بہت پریشان ہوں۔ اچانک انہیں میرا خیال آجاتا ہے۔" اس نے فون سائلنٹ پر کر دیا۔

"اچھا لو۔۔۔ بات کر لو۔"

"نہیں۔۔۔ وہ مزید پریشان ہوں گی جب انہیں پتا چلے گا میں گھر پر نہیں ہوں۔"

"تم ان کو بتا دو تم میرے ساتھ ہو۔"

"ہم بارہ سال پہلے نہیں کھڑے ہیں۔ وضاحت کرنا پڑے گی۔"

"پھر رہنے دو۔۔۔ تم اپنی کہانی سناؤ۔" سیل مسلسل بجنے لگا تھا پھر میسج آنے لگے۔

"کیا لکھا ہے؟"

"ان کو پتا چل گیا ہے کہ میں گھر سے باہر ہوں۔۔۔ پر یہ نہیں کہ میں اس وقت کس جگہ اور کس کے ساتھ ہوں۔"

"تو بتا دو۔۔۔ ان کو تسلی ہو جائے گی۔"

"نہیں انہیں سمجھنے دو۔۔۔ وہ سمجھتی ہوں گی میں فری کے پاس ہوں۔"

"اوہ۔۔۔ فری تمہاری کالونی والی چھیل چھبیلی دوست۔"

"ہاں وہی۔۔۔ ابھی تک ویسی ہے۔"

"ابھی تک میں اسے برا لگتا ہوں۔۔۔ تمہیں کتنا خلاف کرتی تھی میرے۔"

"اب وہ بھول چکی ہے تمہیں۔"

"ہوں۔۔۔ دس بارہ سالوں میں بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ ویسے بھی ہماری دشمنی کوئی اتنی خاص بھی نہ تھی کہ وہ مجھے یا میں اسے یاد رکھتا۔"

"خیر تم مجھے بتاؤ تمہاری شادی ہوئی تھی نا۔۔۔ تمہارے منگیتر کے ساتھ۔"

"شکیب منیر میری سوچ سے زیادہ چاہتا تھا مجھے۔۔۔ بڑی بات کہ وہ اظہار کرنے سے نہیں ڈرتا تھا۔" اس کے لہجے میں فخر تھا۔ روفی کی گردن خود بخود جھک گئی تھی۔

"پہلے تم بتاؤ اپنے بارے میں پھر میں اپنی کہانی سناؤں گی۔"

"شاید یہ سب سننے کے بعد تم مجھ سے نفرت کرنے لگو۔" وہ ڈر گیا اچانک ہی۔۔۔

"نہیں کیوں کہ تم نے میرا کچھ نہیں بگاڑا۔ جنہوں نے بگاڑا ان سے ہی میں نفرت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔"

"اور محبت۔۔۔"

"بعد کی بات ہے اپنی کہانی شروع کرو۔" ہوا بہت تیز چلی تھی وہ اسے کچھ منٹ تک بغور دیکھتا رہا۔ پھر سامنے دیکھتے ہوئے کہانی شروع کی۔

"میں کہہ رہا تھا کہ حرا شروع شروع میں اتنی بھی بری نہ تھی۔"

"اس کی اچھائی کیا تھی؟" وہ سننا چاہتی تھی۔

"وہ بغیر کہے سمجھ جاتی تھی اسے اپنی بات منوانا بھی آتی تھی۔ وہ لوگوں کو متاثر کرنا جانتی تھی۔ اسے یہ فن بہت اچھا آتا تھا۔"

"بے وقوف بنانا جانتی تھی؟"

"ہاں یہ بھی پر اب تم بیچ میں نہیں بولو گی۔ میری پوری کہانی سنو گی۔"

"تمہیں برا لگا؟"

"نہیں، پر اچھا بھی نہیں۔ تمہارے منہ سے ہمیشہ اچھی باتیں سنی ہیں اس لیے برا لگتا ہے۔"

"تب میں بے وقوف تھی۔"

"اب بھی کچھ کم نہیں۔۔۔"

"مذاق اڑا رہے ہو میرا۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔ مذاق کر رہا ہوں۔۔۔ اڑا نہیں رہا۔"

"ایک ہی بات ہے!" مصنوعی خفگی۔

"چلو کہانی سنو نا۔۔۔ پھر تم اپنی سنانا اور تب تک صبح ہو جائے گی پھر ہم مل کر ناشتا کریں گے۔۔۔ اور پھر تم اپنے رستے میں اپنے رستے۔۔۔ ویسے کہاں جاؤ گی تم؟"

"شاید اپنے شوہر کے پاس لوٹ کر۔۔۔" اس کا چہرہ بجھ گیا۔

"اور تم؟"

"مجھے کوئی رستہ نظر نہیں آ رہا۔"

"ویرانوں میں بھی رستے ہوتے ہیں رؤف۔۔۔"

"شاید ہم تب ہی ویرانوں سے نکل کر چوراہوں پہ آتے ہیں۔"

"میں کہنا چاہ رہی ہوں ویرانوں میں ہم سدا نہیں ٹھہرتے بس گزرتے ہیں مگر ویرانوں میں رستے تو ہوتے ہیں۔ یہ بات ایک کم پڑھے لکھے آدمی نے مجھ سے کی تھی کچھ دیر قبل۔" اس کا اشارہ قلی کی طرف تھا۔

"کبھی کبھار اللہ ہمیں کہاں کہاں سے سبق دیتا ہے اور انسان کو نہیں معلوم کہ کیا کیا۔ کہاں کہاں مل جانا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ جیسے ہم ابھی ایک حادثہ ایک اتفاق کے سبب مل گئے۔ بہت دنوں سے دل کر رہا تھا اپنے دکھ کو کسی کو سناؤں اور تم مل گئیں، سب سے اچھی سننے والی دوست۔"

"بہت دنوں سے سوچ رہی تھی کسی عجیب جگہ پر نکل جاؤں۔۔۔ اور اس عجیب جگہ پر تم مل گئے۔ پرانے دوست۔ چلو کہانی سناؤ۔"

"کچھ منٹ خاموش رہتے ہیں جب تک میں سوچ لوں کہ مجھے کہاں سے شروع کرنا ہے۔"

"تم شروع کر چکے ہو۔ یہ بتاؤ وہ تمہیں پہلی بار کب ملی تھی۔۔۔ اب تم کہو گے شاہ لطیف ڈیری پر آئس کریم کھاتے ہوئے۔۔۔ ٹھیلے پر کھڑے گول بلڈنگ کے پاس نان نہاری لیتے ہوئے۔ سدا کے پیٹو۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ وہ مجھے ملی تھی نیوٹن کوٹ پر۔" وہ ہنسا تھا اس کی بات پہ۔

"بڑی باذوق تھی۔"

"بس دکھنے میں۔۔۔" اس نے آنکھ ماری رازداری سے۔

"ابھی آگے آگے سنو۔"

"تمہارا اپیر سلپ تو نہیں ہوا؟" وہ ہنسی کوئی بات یاد آئی تھی۔ وہ اسے گھورنے لگا پھر بولا۔

"تو بات یہ ہے کہ وہ ملی تھی مجھے نیوٹن کوٹ پر۔" وہ مسکراہٹ چھپائے بول رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ایک سنہرا دن تھا میں سمجھی سارے ٹینشن آہستہ آہستہ ختم ہو رہے ہیں۔ اس دن پہلی دفعہ یوسف نے مجھے آئینے میں بہت دیر دیکھا تھا اور وہ خلاف معمول خاموش بھی بہت تھا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ میں آج نبیلہ آپا سے ملنے جا رہی ہوں ہاں یہ نہیں بتایا کہ دیر ہو سکتی ہے کیونکہ اس کا خود مجھے بھی اندازہ نہ تھا اور اندازہ تو ہمیں بہت سی چیزوں کا نہیں ہوتا پر وہ ساری چیزیں ہو کر ہی رہتی ہیں کیوں کہ تقدیر میں ایسا لکھا ہوتا ہے اور تقدیر کا لکھا مٹانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔

ہاں تو میں ذکر کر رہی تھی اس سنہرے دن کا جس دن میں گھر سے بہت خوشی خوشی نکلی تھی۔ دو گھنٹے تک فری کے انتظار میں، میں بازار میں ہلکی پھلکی خریداری کرتی رہی، وہ فری ہی کیا جو وقت پر پہنچ جائے، میں اپنا سامان پیک کروا کر باہر آئی اور ٹیکسی لینے ہی والی تھی کہ دور سے وہ مجھے ہاتھ ہلاتی ہوئی تیز تیز چلتی نظر آئی۔ میں نے درخت کے سائے میں پڑے بینچ پر اپنے شاپرز رکھے اور اسے ہاتھ کے اشارے سے ادھر آنے کا کہہ کر بیٹھ گئی۔

"ام حبیبہ۔۔۔ میں آ گئی۔" وہ دو قدم فاصلے پر آ کر رکی۔

"السلام علیکم۔۔۔" سلام میں ہمیشہ پہل میں ہی کرتی تھی۔

"اوہ۔۔۔ وعلیکم السلام۔۔۔ کٹر مسلمان سے واسطہ پڑا ہے میں تو بھول ہی گئی تھی۔" اس نے چند بھاری شاپرز میرے سامان کے ساتھ رکھے اور میرے برابر میں بیٹھ گئی۔

"کیسی ہو تم اب یہ بتاؤ مگر پہلے سانس لے لوں۔" اسے ہر چیز کی بہت جلدی تھی۔

"ہاں سانس لے لو۔۔۔ میں ویسی ہی ہوں جیسی تھی اور ویسی ہی رہوں گی تم بتاؤ بابر بھائی اور بچے کیسے ہیں؟"

"کبھی مجھے مت پوچھنا نہ میرے بارے میں فکر مند ہونا۔"

"تمہاری فکر کرنے کے لیے بابر بھائی کافی ہیں۔"

"وہ میری فکریں بڑھانے کے لیے ہیں۔ ان کی ماں نے انہیں شاید اسی مقصد کے لیے پیدا کیا تھا جس میں وہ بہت کامیاب ہو رہے ہیں، دوسروں کو بری طرح پریشان کرنے میں۔" وہ بولتی تھی تو رکتی نہ تھی۔

"اوہ فری۔۔۔ آہا۔۔۔ ہاہاہا۔"

"بس ہنس لو ہنس لو۔۔۔ اچھی طرح سے ہنس لو۔"

"نہیں ہنس رہی تم بات جاری رکھو۔۔۔ یہ بتاؤ ہیں کہاں؟"

"آج کل خود موصوف تو ڈیوٹی پر ہیں، دس بارہ دن بعد لوٹیں گے مگر جب تک میرا کباڑہ ہو جائے گا۔"

"بچے کہاں چھوڑے ہیں تم نے یہ تو بتاؤ؟" مجھے ایک دم سے فکر ہوئی تھی۔ کیوں کہ پچھلی مرتبہ وہ بچے اکیلے گھر پر چھوڑ آئی تھی تو چھوٹا ذیشان سیڑھیوں سے گر کر بری طرح زخمی ہوا تھا۔ عمر نے کمپیوٹر جلا لیا۔ حفصہ کا آملیٹ بناتے ہوئے ہاتھ جل گیا، اس کے بعد کے آٹھ ماہ میں جب بھی ملنا ہوتا میں خود اس کے گھر چلی جاتی تھی۔۔۔ مگر ابھی یوسف سے اجازت لیے بغیر جانا قطعی مناسب نہ تھا۔ میں اسے اپنے ہر عمل سے جتانا چاہتی تھی کہ میں اس کے لیے ایک فرماں بردار بیوی ہوں مگر ہر بار یہ جتانے میں، میں ناکام ہی رہی تھی پتا نہیں کیوں۔۔۔؟

"نہیں بہن ایک تجربہ بہت ہے۔" غالباً اسے بھی یہ واقعہ اچھی طرح یاد تھا۔

"میری نند آئی ہوئی ہے پورے ٹبر کے ساتھ۔ بچے شوہر سمیت۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے تم لوگ نہیں جا سکے تھے کراچی تو وہ لوگ آ گئے بچے تو بہت خوش ہوں گے آپس میں مل کر۔"

"بچے تو آف کورس خوش ہوں گے۔ میرا گھر اور دماغ جو خالی ہو رہا ہے۔" ایک تو وہ بات کرنے میں نرالی تھی۔

"کیا مطلب؟" مجھے آسانی سے کبھی اس کی بات کا مطلب سمجھ نہیں آتا تھا۔

"مت پوچھو حبیبہ۔۔۔"

"چلو نہیں پوچھتی تم اپنے اور بابر بھائی کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"ہم دونوں جائیں بھاڑ میں۔"

"اللہ نہ کرے۔۔۔"

"فی الحال تو یہی ہو رہا ہے۔ پر تم کبھی میری پوری بات مت سننا۔"

"تم آسان بات کرو میں چپ ہو کر سنتی ہوں۔"

"بات یہ ہے کہ نرگس کے بچے بہت کھاتے ہیں۔"

"مسئلہ یہ ہے؟"
"پوری بات کبھی مت سننا۔۔۔ بات یہ ہے کہ پورے مہینے کا راشن پندرہ دنوں میں ختم ہوا ہے رات کو سونے کے بعد بھی بچوں کو کچھ نہ کچھ کھانے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ صبح اٹھ کر دیکھو تو فریج خالی' بسکٹ کا خالی پیکٹ ڈسٹ بن کے باہر پڑا ہوا ملتا ہے۔ جیم کی شیشی فٹ بال کی طرح ٹھوکروں میں آم امرود کی پیٹیاں دو دن میں خالی' ناشتا الگ ہوی کرتے ہیں سامی' پوریاں کھائیں گے۔ دوسرا فریج ٹوسٹ کی فرمائش کرتا ہے۔ تیسری صبح صبح فنگر چپس کھاتی ہے۔ پسند بھی الگ الگ' حمید بھائی ناشتے میں لسی اور مکھن وہ چاول کی روٹی اور نرگس سالن کھاتی ہے جیبہ' میں تو گھس گئی ہوں۔ ایک کام نہیں بڑھا' سو مسائل بڑھ گئے ہیں اور تو اور میرے بچوں کے دماغ آسمان سے باتیں کرنے لگے ہیں۔

حفصہ نے اپنی ساری فراکیں ملازمہ کی بیٹی کو دے دی ہیں کہ بہت دفعہ پہن لی ہیں۔ عمر نیا کمپیوٹر اور مہنگا موبائل فون مانگ رہا ہے ذیشان نے اپنے سارے کھلونے کھڑکی سے نیچے پھینک دیے ہیں۔۔۔ اور تو اور اتنی بے ترتیبی' بد نظمی افراتفری' تولیہ واش روم کی جگہ میز کے نیچے سے ملے گا۔ صوفوں کے کشن مختلف جگہوں پر ملیں گے ایک کپڑا ادھر دوسرا ادھر گھر نہیں تماش بینوں کا اڈہ بن گیا ہے۔"

"تو اس سب کا یہ حل ہے کہ وہ لوگ واپس چلے جائیں۔" مجھے تو اس کا بھی حل نظر آ رہا تھا۔
"مگر جو اثرات وہ اپنے پیچھے چھوڑ جائیں گے ان کا کیا حل ہو گا۔"
"مجھے تو حیرت ہے حمید بھائی کتنا کما لیتے ہیں۔ کتنے مہنگے مہنگے کپڑے دو دفعہ پہن کر پھینک دیتے ہیں۔ اتنی فراوانی چیزوں کی۔"
"حرام کا پیسہ حرام کی نذر ہو جاتا ہے۔ حلال کمانے والا بے چارہ سو دفعہ سوچتا ہے پھر خرچ کرتا ہے۔ مگر ہمارے پاس تو حرام کا پیسہ نہیں ہے نا۔۔۔ میرے بچے کیسی جتاتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں مجھے۔ اب دیکھنا بابر آئیں تو کتنے کھاتے کھلیں گے۔ بچوں کی طرف سے میں تو ہوئی نا پریشان۔"
"بے فکر رہو حلال کا پیسہ ضائع نہیں ہوتا بابر بھائی محنت سے کماتے ہیں۔"
"چلو میری چھوڑو اب تم اپنی بتاؤ۔" اپنی پوری رام کہانی سنانے کے بعد اسے کسی اور کا دھیان آیا تھا۔
"میں ویسی ہی ہوں جیسی نظر آ رہی ہوں تمہیں۔"
"اور بہت بری نظر آ رہی ہو۔۔۔ شکل دیکھی ہے اپنی آنکھوں کے نیچے حلقے پڑے ہیں۔"
"تمہیں صرف حلقے نظر آ رہے ہیں۔۔۔"
"نہیں تمہارے چہرے کی اداسی بھی نظر آ رہی ہے۔"
"اداسی نہیں الجھن کہو۔۔۔ خیر اس کے علاوہ کوئی بات کرو۔"
"ایک بات بتاؤ وہ کیسا ہے؟"
"وہ کون؟" میں جانتی تو تھی کہ وہ کس کا ذکر کر رہی ہے۔
"وہ تمہارا شوہر۔۔۔ کیا نام ہے اس کا یوسف نا۔"
"ہاں یہی۔۔۔"
"خوب صورت ہے؟" مجھے پتا تھا وہ یہی بات پوچھے گی۔
"خوب سیرت ہے۔"
"کیا کرتا ہے؟"
"اپنا جنرل اسٹور ہے۔"
"واہ کیا بات ہے۔۔۔؟" مجھے پتا تھا وہ طنز کرے گی۔
"گھر کے حالات کا تو پتا لگ رہا ہے۔۔۔ رہتے کہاں ہو؟"
"کچی آبادی۔۔۔ شہر سے نزدیک ہے جلدی پہنچ جاتا ہے بندہ شہر تک۔"
"کس کو بہلا رہی ہو ام جیبہ۔"
"بہلا نہیں چشمہ پہنانا کہو۔"
"فری پلیز۔"
"یہ چاہتی ہو کہ میں کچھ نہ بولوں۔"

نہیں چاہتی میں۔" میں واقعی کچھ نہیں چاہ

۔۔۔ جیبہ وہ شکل صورت میں بد صورت ہے۔"
صورت مت کہو۔" مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔
خوب صورت بھی نہیں کہہ سکتے۔"
شہر کے ڈیفنس ایریا سے نکل کر کچی آبادی گئی ہو۔"

کوئی فرق نہیں پڑتا۔" مجھے پتا تھا اسے سمجھانا مشکل ہو گا۔
"جنرل اسٹور چلاتا ہے اور کیا کرتا ہے؟"
"مسجد میں بچوں کو قرآن پاک پڑھاتا ہے۔ عالم ہے اور قرآن پاک حفظ کر رکھا ہے اس نے۔"
"بہت بڑی بات ہے جیبہ۔۔۔ پر وہ۔۔۔ عام شکل صورت کا جنرل اسٹور چلانے والا اور کچی آبادی میں رہنے والا۔۔۔ کیا تم خوش ہو؟"
"ہمارے درمیان یہ سارے ایشوز نہیں ہیں۔۔۔ وہ کچی آبادی میں رہتا ہے۔ عام شکل صورت کا ہے اور کم کماتا ہے میں مطمئن ہوں کہ وہ حلال کماتا ہے۔ خوب سیرت ہے اس کا کردار اچھا ہے۔"
"کردار کی بات تم ٹیک اپ کے حساب سے کر رہی ہو۔ کردار اور نیت ایک الگ چیز ہے۔۔۔ پر میں کہوں گی تم نے یہ بہت برا کیا اپنے ساتھ' اپنے لیے ایسا شخص چن لیا۔۔۔ مجھے یہ تو امید نہ تھی تم سے۔"
"بھابھی اور بھائی نے چنا ہے۔۔۔ پر شرط میری تھی کہ نیک بندہ ہونا چاہیے۔"
"تم جیبہ وہ کبھی تمہارے بارے میں سنجیدہ نہیں تھے۔ کن لوگوں پر بھروسہ کرتی ہو۔"
"کیا کروں پھر فری۔۔۔ میں ان سب پر بوجھ تھی۔"
"تمہارا پہلا فیصلہ ٹھیک تھا اس کے بعد سارے غلط تھے۔"
"پہلا ہی غلط تھا۔۔۔ ابتدا وہیں سے ہوئی تھی۔"
"ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔ وہ تم سے بہت محبت کرتا
"صرف محبت کی بنیاد پر گھر نہیں بنائے جاتے۔"
"محبت کی بنیاد پر ہی سب کچھ ہوتا ہے۔" مجھے پتا تھا وہ صحیح کہتی تھی۔
"شیکی کو چھوڑنے کی کیا وجہ تھی؟"
"تم نہیں سمجھو گی۔"
"تمہیں مارتا پیٹتا تھا؟"
"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔۔ اس نے کبھی مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔"
"تمہیں کھانے کے لیے نہیں دیتا تھا؟ ضروریات پوری نہیں کرتا تھا؟"
"ایسا کچھ نہیں تھا اس نے ضرورت سے زیادہ مجھے دیا۔"
"شک کرتا تھا۔۔۔؟"
"فری تمہیں پتا ہے ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ مجھے ایسا کیوں سمجھے گا اس نے میرے کردار کو دیکھ کر مجھ سے شادی کی تھی۔ اندھا اعتماد کرتا تھا وہ مجھ پر۔"
"تو تمہیں اس سے کیا شکایت تھی؟" اسے پتا بھی تھا پھر بھی میرے منہ سے سننا چاہ رہی تھی۔
"ہمارے اختلافات بڑھتے جا رہے تھے۔"
"اختلافات کی کوئی ٹھوس وجہ بھی ہوتی ہے۔"
"ایک نہیں بہت ساری تھیں۔"
"اب تم کہو گی شراب پیتا تھا' سود لیتا تھا' پرائی لڑکیوں کو گھورتا تھا' رشوت لیتا تھا' وغیرہ وغیرہ۔" وہ استہزائیہ کہہ رہی تھی۔
"اور تمہارے نزدیک ان باتوں میں کوئی برائی نہیں میں جانتی ہوں۔"
"بابر بھائی اگر یہ سب کر رہے ہوتے تو؟"
"تو میں اسے معاف کر دیتی۔۔۔ کیوں کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔"
"شیکی میں اس کے علاوہ بھی کئی باتیں تھیں جو مجھ سے برداشت نہ ہوتی تھیں۔" میں اسے سمجھانا چاہتی تھی کہ میرا فیصلہ اتنا بھی برا نہیں ہے۔
"بہت برا کیا تم نے۔"
"ہو چکا۔۔۔ پلیز چھوڑ دو۔۔۔ میں نے بہت سمجھایا

تھا شیکی کو جان بوجھ کر نہیں چھوڑا میں نے اسے یقین جانو۔"

"پر تمہیں یوسف سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

"اب تم کیا احساس دلانا چاہتی ہو مجھے بتاؤ۔ میں اس سے شادی کر چکی ہوں اور یہ میرا لاسٹ آپشن ہے سو میں اسے نبھاؤں گی۔"

"کمپرومائز کرنے کے لیے تیار ہو، یہ کمپرومائز تم شیکی کے ساتھ بھی تو کر سکتی تھیں۔"

"تب میرے مسائل اور تھے..... بات کو سمجھنے کی کوشش کرو تم۔"

"طلاق کس بات پر ہوئی؟"

"تم یقین نہیں کرو گی اس لیے رہنے دو۔"

"تمہیں جانتی ہوں اچھی طرح سے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" مجھے پتا تھا وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔

"کیا میں تمہارے لیے کچھ کر سکتی ہوں؟"

"دعا کر سکتی ہو۔"

"کروں گی....."

ہم دونوں کے درمیان ایک لمبا خاموشی کا وقفہ آگیا تھا....

"چلنا چاہیے۔"

"میرے پاس آؤ گی ملنے؟"

"کوشش کروں گی۔"

"اتنی مجبور ہو؟" وہ مجھے مسلسل آزما رہی تھی۔

"تم بھی آنا کبھی۔"

"نہیں آؤں گی، تمہارے شوہر سے مل کر مجھے بہت دکھ ہو گا۔" وہ صاف گو تھی۔

"اچھی بات ہے۔"

"اور اپنے مولوی کو بھی میرے گھر مت لانا۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مجھے پتا ہے تم کس حد تک بد لحاظ ہو۔"

"وہ تو میں ہوں منافق جو نہیں۔"

"مروت بھی کسی چڑیا کا نام ہے۔"

"نہیں مروت صرف کمزوری کا نام ہے۔"

"تمہیں ایک محاورہ یاد ہو گا کہ اندھے کو اندھا منہ پر نہیں کہتے۔"

"بے فکر رہو میں اسے منہ پر نہیں کہوں گی۔"

"میرا لحاظ کر لینا۔" میں نے بیگ اور شاپرز اٹھائے۔

"بہت جلدی جا رہی ہو گھر جاؤ گی؟"

"نہیں..... نبیلہ آپا لاہور سے آئی ہوئی ہیں مینو بھی ان سے ملنا ہے۔ تم بھی میرے ساتھ چلتیں تو اچھا تھا۔ نبیلہ آپا تمہیں بہت یاد کرتی ہیں۔" "کبھی پھر ابھی وہ جو ٹیم چھوڑ آئی ہوں وہ میرا پورا گھر نہ اڑا لے میرے بچوں کے ساتھ مل کر گھر کی اینٹیں بھی نہ کھا جائیں۔" اس کی باتوں میں جتنی تلخی ہوتی تھی اتنا ہلکا پن بھی میری ہنسی چھوٹ گئی۔

"گھر جا کر سب سے پہلا کام یہ کرنا کہ آئینہ دیکھ لینا سو سال کی بوڑھی لگ رہی ہو۔"

"اتنی عمر کی بد دعا تو مت دو۔"

"تمہارا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔"

"وہ تو ہے پر میرا یہ خیال تمہارے لیے بھی ہے۔"

"حبیبہ میری باتیں دل پر مت لینا۔"

"عجیب ہو تم بھی۔" مجھے کبھی اس کی سمجھ نہ آئی۔

"اپنا خیال رکھنا حبیبہ، بہت ویک لگ رہی ہو۔"

"یہ تو خوش خبری ہے وزن گھٹانے کے لیے لوگ جتن کر رہے ہیں۔"

"تم نہیں سدھرنا۔"

"ارادہ بھی نہیں ہے۔"

"تمہیں دیر ہو جائے گی گھر جاتے جاتے۔" وہ میرے لیے فکر مند ہوئی تھی۔

"تم البتہ جلدی پہنچو خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ واقعی گھر کی اینٹیں کھا جائیں۔"

"وہ تو ہے پر آج تم نے مجھے بہت دکھی کر دیا۔ تمہاری حالت مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی حبیبہ۔"

"مگر تم نے مجھے زیادہ دکھی کیا ہے۔ یہ افسوس ناک خبریں سنا کر خطرناک گروہ کی۔" میں بات بدلنا چاہ رہی

"دعا کروں گی کہ میری دعائیں تمہارے حق میں قبول ہوں۔"

"یہ اچھی بات ہے۔" ہمیں ٹیکسی مل گئی تھی۔ اسے گھر کے قریب چھوڑ کر مجھے عزیز بھائی کے گھر جانا تھا۔ فری سے مل کر نجانے کیوں میں بہت اچھا محسوس کرنے لگی تھی۔ مگر رات تک یہ محسوسات بدل گئے۔ پتا نہیں سکون ہماری زندگی میں دائمی کیوں نہیں ہوتا۔

☆ ☆ ☆

اس نے بینچ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں

"فری ابھی تک ویسی کی ویسی ہی ہے نا۔" وہ اس کا بوجھل پن محسوس کر رہا تھا۔

"تم کچھ کہنے والے تھے روفی....." اس نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم یاد دلاؤ گی مجھے؟"

"ہاں..... تم کہہ رہے تھے کہ تم نے اسے پہلی بار نیون کوٹ پر دیکھا۔"

"میرا دل کر رہا ہے ہم صرف اپنے بارے میں بات کریں۔"

"آؤ کھیتوں میں چلیں۔" وہ اٹھ کر اس کا ہاتھ تھامے بولا۔ اس نے احتیاط" ہاتھ چھڑا لیا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

"تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں نے اسے پہلی بار نیون کوٹ پر دیکھا۔ اس کے بعد برتھ ڈے پارٹی میں پھر کسی کی شادی پر۔"

"اور پھر تمہیں محبت ہو گئی۔" وہ زور سے ہنسا تھا۔

"یہی تو ہوتا ہے ہمیشہ....." اسے اس کا ہنسنا عجیب لگا۔

☆ ☆ ☆

"میری اور اس کی ملاقاتیں محض اتفاق نہ تھیں اس نے نیون کوٹ والی ملاقات کے بعد میں اس کا پیچھا کرتا رہا اور وہ میرا پیچھا کرتی رہی۔ میں اس کے بااعتماد انداز سے متاثر تھا اور وہ شاید میرے بھولپن پر ہی فدا ہوئی ہوگی۔ میں اس میں تمہیں ڈھونڈنے لگا تھا یہ میری سب سے بڑی غلطی تھی۔ بات پسندیدگی سے کچھ آگے بڑھی ہم جب بھی ملتے تھے۔ میں اسے سنتا تھا وہ بولتی رہتی تھی۔ شاید اسے اپنی سنانے کے لیے ایک بندہ چاہیے تھا۔ اسے اس کا آئیڈیل مل گیا تھا مگر میں اس میں ہمیشہ اپنا آئیڈیل ڈھونڈتا رہا یا پھر یہ کہیے کہ محبت کی پریکٹس کرتا رہا۔ ہماری منگنی سے شادی تک کا وقفہ بہت کم تھا۔ کافی عرصہ چلنے والی منگنیاں ہمیشہ ٹوٹ جاتی ہیں ہم دونوں کا یہی خیال تھا۔

کہہ سکتے ہیں کہ میں تمہیں بھولنے لگا تھا ام حبیبہ ..... مگر حقیقت یہ تھی کہ پھر بھی میں تمہیں ہی ہر جگہ ڈھونڈتا رہا۔ میری محبت میں کمی ہے یہ سوچ کر میں نے اس پر محبت، گنجائش، رعایت اور سہولت کے سارے دروازے کھول دیے..... کہہ سکتے ہیں کہ وہ مجھ سے بہت خوش تھی اور اسے بہت خوش رہنا چاہیے تھا۔ میں اسے خوش جو رکھ رہا تھا..... ہماری شادی کا پہلا دن بہت اچھا تھا جیسا عموماً" ہوتا ہے۔ مگر اس کے بعد بھی ہمارے کئی دن اچھے گزرے..... برا وقت کس نے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ارے حبیبہ کیسی ہو آؤ آؤ تمہارا ہی انتظار ہو رہا تھا۔" عزیز بھائی نے بڑے پرجوش انداز میں دروازہ کھولا تھا۔ ناقابل یقین.....

"آپ کی دعا ہے ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟"

"بھائی جان کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ آپ کے لیے دعائیں کرتے پھریں۔ اندر آجائیں۔" مینا نے کچن کی کھڑکی سے جھانکا تھا۔ عزیز بھائی سر جھٹک کر مسکرا کر کھسک گئے تھے۔ آج ان کا موڈ واقعی اچھا تھا۔

"سب کو السلام علیکم۔" سارے لوگ لاؤنج میں ہی مل گئے تھے۔

"نبیلہ آپا کیسی ہیں؟" کتنی اسمارٹ تھیں وہ شادی کے اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی۔
"مینو، کیسی ہو تم؟" میں نے اسے ساتھ لگا کر خوب پیار کیا۔
"میں تو ٹھیک ہوں..... آپ ٹھیک نہیں لگ رہیں۔"

"صبح صبح اتنی بری باتیں نہیں کرتے۔" نبیلہ آپا کی گود سے احمد نکل کر مجھ سے چمٹ گیا تھا وہ بہت چھوٹا تھا جب میرے پاس بہت رہا تھا۔ اسی دوران وہ مجھ سے بہت قریب ہو گیا تھا۔
"میرا ببلا بہت بڑا ہو گیا ہے۔ اپنی خالہ کا ببلا۔"
"ببلے کی خالہ بھی خاصی بڑی ہو گئی ہیں۔" یہ مینو تھی کوئی بولے نہ بولے اس کا بولنا لازمی تھا۔
"ارے حبیبہ کیسی ہو؟" بھابھی کچن سے نکل آئی تھیں۔
"ٹھیک ہوں بھابھی آپ سنایئے۔ منی کیسی ہے کہاں ہے؟؟"
"ٹھیک ہے..... وہ اپنے ماموں کے پاس گئی ہے فضہ لینے آئی تھی اسے۔"
"اوہ اچھی بات ہے اور آپا بھائی نہیں آئے؟؟"
"نہیں..... میں بھی تمہارے بارے میں سن کر دوڑی دوڑی آئی۔ کیا ضرورت تھی اتنی جلدی شادی کرنے کی پھر وہی سردرد۔" ہر کسی کو مطمئن کرنا میرا کام ہے۔
"میرے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں۔"
"آپ نے اپنی حالت دیکھی ہے آپی؟"
"مینو فری کی طرح ایک بات کے پیچھے نہ پڑ جایا کرو۔ سانس تو لینے دو۔" اسے ٹوکنا لازمی تھا۔
"فری ملی تھیں آپ کو کب؟ اسے یہاں لے آنا تھا نا۔"
"ہاں کہا تھا پر اس کی نند آئی ہوئی ہے اس کے گھر ہم بس مارکیٹ سے باہر کچھ دیر ملے تھے۔ پھر اسے گھر جانا تھا اور مجھے یہاں آنا تھا سو آ گئی۔"
"آپ اگر نہ آتیں تو ہم آ جاتے آپ کے گھر۔"

"یہ تو اور بھی اچھا تھا۔"
"نہیں ہم پہلے یہاں مل لیے یہ زیادہ اچھا ہے۔ خیر چلو کمرے میں چل کر ذرا آرام سے بیٹھتے ہیں۔ مینو تم حبیبہ کے لیے جوس لے آؤ بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہے۔ باہر کتنی گرمی ہے چلو اندر۔"
نبیلہ آپا اور میں اندر آ گئے تھے۔ مینو جوس لینے چلی گئی تھی۔ اندر آ کر چیزیں رکھ کر میں منہ دھونے چلی گئی فریش ہو کر آئی تو کچھ فریش نیس کا احساس ہوا۔
"حبیبہ یہ سب کیا ہوا ہے؟"
"یہ سب ہو چکا ہے آپا اور اب اس پر بات کر کے آپ کو دکھی کروں گی اور خود بھی ہوں گی کوئی فائدہ نہیں آپا۔"
"میں تمہیں اتنا کم ہمت نہیں سمجھتی تھی۔"
"وقت اور حالات کم ہمت کر دیتے ہیں انسان کو میں اس کنڈیشن میں نہیں تھی آپا کہ احتجاج کرتی یا پھر....."
"حبیبہ مجھے بہت دکھ ہے۔ میں کیا کہوں تمہیں....."
"آپ میرے علاوہ کسی کو کچھ نہیں کہہ سکتیں۔ اس لیے مجھے بھی نہ کہیں آپا میں جل کڑھ کر تھک گئی ہوں۔ بہت تھک گئی ہوں اور آپ کو پتا ہے مجھے حوصلے کی ضرورت ہے۔ آپا کچھ بھی ہو..... وہ ایک نیک بندہ ہے۔ وہ خوب صورت نہیں ہے پر خوب سیرت ہے اس کے پاس زیادہ پیسہ نہیں ہے پر وہ حلال کماتا ہے۔ وہ جیسا بھی ہے پر اس کے بہروپ نہیں ہیں۔"
"تو تم اس کے ساتھ خوش رہ سکتی ہو؟" انہیں صرف یہی فکر تھی۔
"کم از کم مطمئن تو رہ سکتی ہوں۔"
"اللہ کرے ایسا ہی ہو..... یہ سچ ہو۔"
"اللہ نے چاہا تو ضرور....." امید سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ جس کے سہارے انسان ہر جنگ جیت لیتا ہے میں نے بھی یہ ہتھیار اپنے پاس رکھ لیا تھا ورنہ خوف اور عدم تحفظ کا احساس بڑھ جاتا۔ خود کو

اچھا ہے..... بہت اچھا.....
شام تک ہم باتیں کرتے رہے تھے..... رات کو ڈنر کے بعد ہم باہر گئے آئس کریم کھانے۔ آج دن بھی مزے کا تھا اور رات کا ابتدائیہ بھی..... احمد کی شرارتیں..... آج بھی میرے پرس سے چیزیں چھپا کر کھاتا تھا۔ اس کی عادتیں ویسی ہی ہیں۔ مینو کی باتیں اس کے لیے اس کی پھلجھڑیاں..... کیسے لوگ ہوتے ہیں خوش رہنے والے خوش رکھنے والے۔
"آپا آج بہت مزا آیا۔" مینا مجھ سے زیادہ خوش تھی۔
"ہاں یہ تو ہے۔ اب اچھی سی چائے پلا دو تو اس کے بعد ہم سب مل کر حبیبہ کو چھوڑنے جائیں گھر۔ (آپا اور چائے کبھی الگ نہ ہوں ہر لمحے کا ساتھ)
"آپا بہت دیر ہو گئی ہے یقین کریں گھر چلنا چاہیے آپ لوگ چائے پئیں میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔"
"آپی ڈر رہی ہیں کہ ہم سب گئے تو انہیں اندر آنے کے لیے کہنا پڑے گا۔"
"تم کبھی کسی کو شرمندہ کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا۔" میں نے مینا کو گھورا تو وہ ہنس دی۔
"چلتی ہوں کیوں کہ بہت دیر ہو گئی ہے بارہ بجنے والے ہیں۔" میں ڈرائیور کو لے کر نکل آئی تھی۔
گھر پر بجلی نہ تھی، خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ یوسف برآمدے میں لیٹا ہوا تھا۔ میں نے سلام کیا اور کمرے میں چلی گئی۔
میں نے سامان کمرے میں رکھا کپڑے تبدیل کیے فریش ہو کر باہر آئی وہ اسی طرح لیٹا ہوا تھا آنکھوں پر بازو رکھے۔
"یوسف..... بجلی کب آئے گی؟" میں صرف اس سے بات کرنا چاہ رہی تھی مجھے اندازہ تھا وہ ناراض ہو گا

"کھانا کھا لیا آپ نے؟" جواب پھر بھی نہ ملا۔
"صبح میں آپ کے لیے لنچ بنا گئی تھی کیوں کہ آپ بہت جلدی میں نکل گئے تھے۔" میں اسے احساس دلانا چاہ رہی تھی کہ مجھے اس کا خیال ہے۔
"وقت دیکھا ہے آپ نے؟" لہجے میں تلخی تھی۔ اس نے بازو ہٹا کر میری طرف دیکھا تھا۔
"سوری....."
"میں انگریزوں کی زبان میں بات کرنا پسند نہیں کرتا۔"
"میں نے معافی مانگی ہے۔"
"اپنے جرم کا احساس ہے؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔
"کس جرم کا میں نے کوئی جرم تو نہیں کیا۔ میں اپنی فیملی سے ملنے گئی تھی۔ دیر ہو گئی دیری سمپل یہ کوئی اتنا بڑا ایشو نہیں ہے۔"
"شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلنا..... رات دیر سے لوٹنا کسی اجنبی مرد کے ساتھ..... یہ کوئی غلط بات نہیں۔"
"وہ ہمارا پرانا ڈرائیور ہے۔ میں اس کی گود میں کھیلی ہوں۔"
"بہت خوب..... پرانا ڈرائیور محرم نہیں ہے آپ کا۔"
"پلیز یوسف یہ پرانے خیالات اپنے پاس رکھیں۔"
"پرانے خیالات نہیں یہ قانون ہے شرعی قانون۔ رات کے اس وقت ایک عورت نامحرم کے ساتھ گھر آئی ہے۔ اس کی اجازت کون دیتا ہے۔"
"یوسف آپ کو مجھ پر اعتبار ہونا چاہیے۔" میرا لہجہ ٹوٹ چکا تھا۔
"اعتبار کروں..... بہت خوب اس حالت میں اعتبار نہیں کیا جاتا اور کیا پتا کہ ابھی کہاں سے آئی ہو۔"
"یوسف بات کرنے سے پہلے سوچ لیا کریں۔ میں کوئی گری ہوئی عورت نہیں جس کے بارے میں آپ جو چاہیں کہہ دیں۔"
"اسی لیے رات کے اندھیرے میں گھر لوٹی ہیں۔"
"میں آپ کی گری ہوئی سوچ پر جتنا بھی افسوس کروں کم ہے۔" اس وقت میرا نہیں خیال کہ کچھ اور کہنا فائدہ مند ہو گا تم جیسی عورتیں کبھی اپنا گھر نہیں بسا

سکتیں۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا یوسف؟" میرے پاؤں سے تو جیسے زمین ہی نکل گئی تھی۔

"جو شوہروں کو بغیر بتائے گھر سے نکل جاتی ہیں اور رات گئے اجنبیوں کے ساتھ لوٹتی ہیں۔ ان پر مجھ جیسے شوہر بھروسہ کریں بھی تو کیسے کریں۔" وہ بات کو گھما گیا تھا۔

دل تو چاہ رہا تھا کہ انہیں قدموں واپس لوٹ جاؤں ...... مگر کہاں جاتی ...... کس کے گھر ...... اسی گھر جہاں میرا وجود بوجھ لگتا ہے۔ کاش میرا اپنا کوئی گھر ہوتا۔ جس سے مجھے کوئی نہ نکال سکتا۔ نہ مجھے کوئی غلط سنا سکتا۔ کتنا گلٹی فیل کیا تھا میں نے زندگی میں پہلی بار میں نے خود کو اکیلا اور بہت کمزور محسوس کیا تھا۔ اور کمزور انسان ہمیشہ صبر سے کام لیتا ہے۔ جو میری مجبوری تھی۔ یوسف کا رویہ پل پل بدلتا تھا۔ یوسف میرے لیے کسی معمے سے کم نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کی زندگی میں پہلی فرمائش تھی۔ اسے گولڈ کا نیا سیٹ چاہیے تھا۔

اسے اپنے گھر سے کچھ خاص نہ ملا تھا۔ اس کے گھر کے مالی حالات کچھ اچھے نہ تھے۔ مجھے پتا تھا وہ میرے ساتھ رہ کر اپنی ساری خواہشیں پوری کرنا چاہتی ہے۔

"تم مجھے اس کے بعد کنگن بھی بنوا کر دو گے نا۔" اس کے چہرے پر مجھے عجیب معصومیت نظر آئی جیسے ایک بچہ بار بار چاکلیٹ کی فرمائش کرتا ہے۔

"بس ...... اور کیا چاہیے تمہیں۔"

"فی الحال تو یہی بہت ہیں۔" وہ چہرے سے خوش لگ رہی تھی۔

"میں نے سوچا تم کہو گی کہ تمہارے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے۔"

"تم تو میرے پاس ہو نا......"

"تمہیں یقین ہے ہمیشہ رہوں گا؟"

"ہاں، ظاہر ہے تمہیں اور کہاں جانا ہے۔" یہ یقین تھا یا لاپرواہی میں سمجھ نہ سکا۔

"تم مجھ سے محبت کرتی ہو نا؟"

"تمہیں لڑکیوں کی طرح اظہار سننے کی کیوں ضرورت ہوتی ہے۔"

"اظہار سننے کی تو ہر کسی کو ضرورت ہوتی ہے ہر انسان کو۔"

"ہاں مگر دل تو لڑکیوں کا زیادہ چاہتا ہے تعریف سننے کو۔"

"تمہارا دل چاہتا ہے تعریف سننے کو؟"

"ہاں ...... چاہتا ہے۔" وہ بات مجھ سے کر رہی تھی مگر اس کی نظر ہاتھ میں تھامے جیولری سیٹ پر تھی۔ کتنی ستائش تھی اس کی آنکھوں میں۔

"تمہیں زیور بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"ہر عورت کو اچھے لگتے ہیں۔"

"تمہیں اپنا شوہر کیسا لگتا ہے؟ اب تم کہو گی ہر عورت کو اچھا لگتا ہے۔"

"اور میں تم سے پوچھوں گی کہ تمہیں تمہاری بیوی کیسی لگتی ہے تو تم بھی یہی کہو گے کہ ہر مرد کو اچھی لگتی ہے۔"

پہلی مرتبہ اس نے جیولری سیٹ سے نظر اٹھا کر میری جانب دیکھ کر بات کی تھی۔

"ہاں میں یہی کہوں گا اور تمہیں یقین بھی کرنا ہو گا۔"

"مگر میں یقین نہیں کروں گی۔"

"مگر وہ کیوں؟"

"وہ اس لیے کہ مرد بہت لڑکیوں کو چاہتے ہیں ایک ہی وقت میں، پتا ہے یہ مرد کی فطرت میں ہے وہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ عورتوں کو چاہتا اور رکھ سکتا ہے۔ جبھی اسے چار شادیوں کی اجازت دی گئی ہے۔"

"اگر میں بھی ایک سے زیادہ لڑکیوں میں انوالو ہوا تو تمہارا کیا خیال ہو گا۔"

"مجھے کوئی حیرت نہیں ہو گی۔"

"تمہیں فرق پڑے گا؟"

"پتا نہیں ......" اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

"تم میری بیوی ہو تمہیں فرق پڑنا چاہیے۔"

"میں فضول باتوں پر زیادہ نہیں سوچتی۔"

"تم بہت کھلے دل کی مالک ہو گیا میں یہ سمجھوں؟"

"تمہاری مرضی تم جو سمجھو۔" عجیب عورت تھی وہ میری بیوی تھی۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس کی بات پر خوش ہوں یا افسوس کروں۔

"تم میرے ساتھ خوش رہ سکو گی نا۔" ایک عجیب ڈر نے گھیر لیا۔

"اگر تم خوش رکھو گے تو ہمیشہ رہوں گی۔"

"میں کوشش کروں گا کہ تمہیں خوش رکھوں۔"

شادی کے دوسرے مہینے میں مجھے احساس ہونے لگا کہ یہ شادی غلط ہوئی ہے۔ پر وہ جیسی بھی تھی میری بیوی تھی۔ میں بس یہ چاہتا تھا کہ میری طرف سے اسے کوئی شکایت نہ ہو ...... سو میں ہر طرح سے اس کا خیال رکھ رہا تھا۔

اور وہ مجھ سے خوش بھی بہت تھی۔ دوسرے دن میں اسے گھمانے پھرانے لے گیا۔

اس کے بعد ہم روز باہر جاتے کھانا کھانے کبھی آئس کریم کھانے مجھے پتا تھا میں اپنے بجٹ سے زیادہ کر رہا ہوں۔ مگر میں نے سوچا یہی شروع کے دن ہوتے ہیں پھر بہت مصروفیت ہو جاتی ہے۔ بچے ہوں تو پھر ان کے بارے میں ہی سوچا جاتا ہے۔

وہ بچوں کو لے کر بہت سخت دل تھی نجانے کیوں۔ اسے خواہش نہ تھی ماں بننے کی ...... بظاہر تو اسے اپنی آزادی پیاری تھی۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی وجہ سمجھ نہ آتی تھی۔ میں نے بھی اسے ٹائم دیا تھا پورے دو سال ہم نے بڑے مزے سے گزارے تھے اس کے بعد دو سال اور مجھے باپ بننے کی سعادت مل رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ لڑکی ہی تھی جیسی کچی آبادی کے مکینوں کی ہوتی ہے۔ کھڑکی سے تازہ ہوا آرہی تھی میں نے پردے ہٹا دیے تھے۔ روشنی لپک کر اندر آئی تو کمرے کی ہر چیز واضح ہونے لگی تھی۔

وہ بہت دیر سے آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ اس کی عادت تھی۔ اس نے گردن موڑ کر ایک لمحے کے لیے مجھے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔ مجھے پتا تھا اسے میرا کھڑکی میں کھڑے ہو کر باہر جھانکنا سخت ناپسند تھا۔ بہت دنوں سے دل کر رہا تھا کہ وہ سب کروں جو اسے ناپسند ہو۔

"صبح صبح یہاں سے کئی غیر مرد گزرتے ہیں۔" آخر کار اسے کہنا پڑا تھا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔

"مجھے عورتوں کا یوں باہر تاکا جھانکی کرنا سخت ناپسند ہے۔" "آپ کو عورتوں کی کون سی عادت پسند ہے،" کہنا چاہتی تھی پر کہا نہیں میرا دل نہیں کر رہا تھا کہ میں اس سے بات کروں۔

"میری گھڑی نہیں مل رہی۔" اس کا لہجہ سخت تھا۔ مجھے پتا تھا وہ مجھے کھڑکی کے آگے سے ہٹانا چاہتا ہے۔

"تین دن سے زیادہ مسلمانوں کو آپس میں بات چیت بند کرنا نہیں چاہیے۔ اس سے دلوں کا زنگ بڑھتا ہے۔" وہ شاید صلح چاہتا تھا۔

"میز کے خانے میں ہو گی گھڑی......" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر بات کی تھی۔

"نہیں مل رہی۔" لہجہ کچھ نرم تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر دراز چیک کی گھڑی سامنے ہی تھی۔ (تو صرف بات کرنے کا بہانہ) میں نے خاموشی سے گھڑی پکڑائی اسے ...... لمحے بھر کے لیے، آئینے میں ہماری نظریں ٹکرائیں ...... پتا نہیں کیوں اس نے نظریں چرا لیں۔ مجھے اندازہ تھا وہ کامپلیکس کا شکار ہے، بے ساختہ ہی میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھری جبھی اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نے جگہ بنائی۔

"نیک لوگوں کے چہروں پر ایک نور ہوتا ہے۔ اسی نور میں ان کی خوب صورتی ہوتی ہے۔" اس نے بے ساختہ کہا تھا۔

"مگر وہ نور ہر کسی کو نظر نہیں آتا۔" اگلی چوٹ مجھ پر تھی۔ میں بہت کچھ کہہ سکتی تھی پر کہنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اپنے چہرے پر وہی نور دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں آگے سے ہٹ کر باہر چلی گئی ناشتا تیار کرنا تھا ورنہ نکمی عورت کا طعنہ سننا پڑتا۔ وہ کچن میں آگیا تھا۔ چھوٹی سی میز سامنے رکھ کر بیٹھ گیا۔

"تمہارے ساتھ مسئلہ ہے کہ تمہیں جہاں بولنا چاہیے وہاں تم چپ رہتی ہو، جس جگہ صبر کرنا چاہیے وہاں خوب بولتی ہو۔۔۔ دیکھو تم پڑھی لکھی ہو معاملات کو سمجھتی ہو۔۔۔ میں نے اسی لیے ایک پڑھی لکھی عورت سے شادی کی کہ وہ سمجھ دار ہوتی ہے انسانیت اور اخلاقیات سے واقف اسے سمجھانا ذرا آسان ہوتا ہے۔ میں ایک جاہل عورت بھگتا چکا ہوں۔ کہتے ہیں جاہل عورت نیک مرد کا امتحان ہوتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم بھی میرا امتحان بنو۔" میں نے خاموشی سے اس کے آگے ناشتا رکھ دیا۔

"تم ناشتا کرو گی؟"

"بعد میں کرلوں گی اگر دل چاہا تو۔" میں نے پانی کا جگ میز پر رکھا۔ اب چائے بنانا باقی تھی۔

"دیکھو میں نہیں چاہتا کہ تم وہ غلطیاں دہراؤ جو تم پہلے کر چکی ہو۔" میں نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔ کیا کہنا چاہ رہا تھا وہ۔

"عورت اگر چاہے تو سمجھوتہ کرکے اپنا گھر بچا سکتی ہے۔"

"جو کہنا ہے آپ کو وہ کہہ دیں صاف صاف۔" مجھے اس کا لہجہ بہت چبھ رہا تھا۔

"میرا باپ، میری ماں کو مارتا تھا، گالیاں دیتا تھا، سختی کرتا تھا۔"

"وہ تو آپ بھی یہی کچھ کرنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں، میں صرف اپنی ماں کے صبر کی مثالیں دے رہا ہوں تمہیں۔ پھر بھی وہ ابا کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم نہیں نکالتی تھی۔ ابا کا حکم حرف آخر ہوتا تھا۔ اس نے کبھی نافرمانی نہیں کی۔ ابا جب بگڑتے تو وہ خاموش رہتی۔ اف تک نہ کرتی۔"

"مگر میں بحیثیت بیوی اپنے حقوق جانتی ہوں اور یہ بھی کہ ظلم سہنے والا خود بھی ظالم ہوتا ہے۔ شادی کرنے سے پہلے آپ کو کسی ان پڑھ عورت کا انتخاب کرنا چاہیے تھا جو اپنے حقوق نہ جانتی ہو۔"

"تمہاری خامی یہی ہے کہ تم شوہر کی پوری بات نہیں سنتی ہو۔"

"میری خامی یہ ہے کہ میں شوہر پرست نہیں ہوں۔۔۔ مگر پھر بھی میں سب کچھ سن رہی ہوں۔"

"دیکھو میں تمہیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ جب میں بگڑوں تو تم خاموشی سے سن لو، کبھی تم غصہ کرو گی تو میں سن لوں گا۔ جہاں بھی جاؤ مجھے بتا کر میرے ساتھ جایا کرو، باہر نکلو تو بڑی سی چادر لے لو اور کھڑکی میں نا کھڑی ہوا کرو، ہر ایرے غیرے سے بات چیت مت کرو۔ ہمیں یہ شادی رکھنی ہے۔ اسی لیے تمہیں کہہ رہا ہوں۔"

"کیا میں یہ حق رکھتی ہوں کہ میں آپ کو کچھ کہہ سکوں۔۔۔ مجھے بھی بہت باتیں چبھتی ہیں۔"

"جو ناجائز ہے وہ کہہ سکتی ہو۔"

"بلاوجہ جھڑکنا، بے عزتی کرنا، کسی کے کردار کو نشانہ بنانا۔ کیا بیوی کی عزتِ نفس نہیں ہوتی؟"

"دیکھو میں نے کبھی ناجائز بات پر نہیں جھڑکا نہ ہی کردار کشی کی ہے۔"

"آپ نے اس رات میرے کردار کو ہی مشکوک بنایا تھا یوسف۔"

"دیکھو میں غصے میں تھا تم کس وقت لوٹی تھیں گھر اور کس کے ساتھ تم خود سوچو کیا تمہیں یہ سب کرنا چاہیے تھا؟"

"یوسف میں نے آپ سے معافی مانگی تھی سب بتایا تھا۔ مجھے گھر چھوڑنے کے لیے پوری فیملی آرہی تھی۔ پر میں نہیں جانتی تھی کہ آپ کا موڈ کیسا ہوگا میری بھتیجیں گھر کے دروازے سے آکر لوٹ جاتیں تو مجھے کتنا برا لگتا میں خود چلی گئی ملنے کے لیے کہ وہ نہ کہیں آجائیں۔ میں بہت عرصے بعد ملی تھی سب سے دیر تو ہو جانی تھی۔ آپ کے پاس سیل فون نہیں ہے کہ

میں آپ کو بتا دیتی۔ بہتر ہے کہ آپ سیل فون ہی خرید لیں ایک عدد۔"

"ٹھیک ہے میں لے لوں گا۔ آج سے پہلے مجھے ضرورت نہ تھی۔"

"رہی بات آپ کے ساتھ جانے کی تو آپ میرے ساتھ نہیں جانا چاہتے نہ میرے بھائی کے گھر نہ میری دوستوں کے گھر تو مجھے اکیلے ہی جانا پڑے گا۔"

"دیکھو میں گھبراتا ہوں عورتوں اور مردوں کی مخلوط محفلوں سے مجھے برا لگتا ہے۔"

"یوسف تو پھر آپ کو سوچ سمجھ کر شادی کرنی چاہیے تھی۔ میں ایک روشن خیال فیملی سے تعلق رکھتی ہوں پڑھی لکھی ہوں۔۔۔ میں نے لڑکوں کے ساتھ پڑھا ہے، نوکری کی ہے، بہت سال۔۔۔ میں بند ہو کر ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتی پر بیٹھی ہوئی ہوں میں نے جاب چھوڑ دی آپ کے کہنے پر حالانکہ میں اچھا کما سکتی تھی اور کما رہی تھی۔ آپ کا آدھا خرچہ گھٹ جاتا تھا۔ ہمارے گھر کو ضرورت تھی۔ پر میں نے آپ کا کہا مانا۔

میں دن رات اس بند کوٹھڑی میں رہتی ہوں۔ کبھی کبھار کام کے لیے گھر سے باہر نکلتی ہوں۔ تازہ ہوا کے لیے کھڑکی کھولتی ہوں ضرورت کے وقت یا کسی کا بہت ضروری فون آیا تو دو منٹ بات کرلی۔ وہ بھی آپ کو ناپسند تھا۔ میں نے نمبر تبدیل کرلیا۔ اب میرا رابطہ صرف اپنے بہن بھائیوں اور ایک بچپن کی سہیلی سے ہے۔ کیا میں وہ بھی ختم کردوں۔۔۔ تو سوری یوسف کسی کو جینے کے لیے کچھ تو چاہیے ہوتا ہے۔ کچھ تو میرے پاس رہنے دیں۔"

"ٹھیک ہے مگر میری شرطیں بھی مان لو۔۔۔ میں خود تمہیں تمہارے بھائی کے گھر چھوڑوں گا دروازے پر اور خود لینے آؤں گا۔ تمہیں مارکیٹ جانا ہے، پردے میں میرے ساتھ چلنا۔ جتنی میری پہنچ ہے میں تمہیں تمہاری ضروریات کی ہر چیز دلا سکتا ہوں۔ سیل فون رات کے وقت بند رہے گا۔ کھڑکی کھلے گی پر تم کھڑکی میں کھڑی ہو کر باہر نہیں جھانکو گی۔ میں جب کچھ کہوں گا تم مجھے اس وقت کچھ نہیں کہو گی باقی ٹھیک ہے تم میری ہر چیز کا خیال رکھتی ہو۔۔۔ گھر صاف ستھرا ہوتا ہے اچھی بات ہے۔۔۔ کھانا بس پکا لیتی ہو گزارا ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ مجھے بھی کچھ نہیں چاہیے۔" وہ اپنے تئیں مجھ پر زندگی آسان کرکے کام پر چلا گیا۔

مگر درحقیقت میرا امتحان اب شروع ہوا تھا۔ کتنا مشکل تھا کسی بند ذہنیت کے شخص کے ساتھ گھٹی ہوئی زندگی گزارنا وہ بھی خاموشی سے۔۔۔ بہت مشکل تھا۔۔۔ کتنا۔۔۔ یہ کوئی مجھ جیسی عورت سے پوچھتا جو عقل شعور اور سیلف ریسپکٹ رکھنے کے باوجود بھی بے بس رہے۔ کیوں کہ خاموشی اس کی مجبوری ہوتی ہے زندگی اور کتنی مشکل ہوتی ہے یہ یوسف کے ساتھ رہ کر مجھے پتا چلا تھا۔

☼ ☼ ☼

پورے دو سال میں نے اس کو خوش رکھنے میں گزارے تھے۔ دو سال بعد میں اپنی خوشی میں خوش تھا۔ اس کی خواہش پر گھر کا فرنیچر بدلا قرضہ لے کر۔ بچے کی شاپنگ خوش خبری ملتے ہی شروع ہوگئی تھی۔ ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا تھا اسے پھر بھی اسے ہر کسی سے کوئی نہ کوئی شکایت رہتی تھی۔ میں نے اماں کو بہت سمجھایا کہ ابھی آپ اس کا خیال رکھیں وہ ہم سب کو بہت بڑی خوشی دے رہی ہے۔

انہیں دنوں میری چھوٹی بہن کا رشتہ آیا تھا۔ اس کے جاننے والے تھے لڑکا عمر میں بہت بڑا تھا پر اچھا کھاتا پیتا گھرانہ تھا۔ اس رشتے میں اس کی خوشی سب سے زیادہ شامل تھی۔ وہ لوگ جہیز نہ لینے پر خوشی خوشی راضی تھے۔ بہت جلدی شادی ہوگئی دوسرے ماہ ہی۔۔۔ اب اماں کی خواہش تھی کہ میں ان کو حج کرواؤں۔۔۔ مگر سارے اخراجات حساب کتاب کرکے میں نے اس کے لیے بچا رکھے تھے۔

اماں انتظار میں تھیں کہ بچے کی ولادت کے بعد وہ حج پر جائیں، اماں کا زیور بھی میں نے بیچ دیا تھا۔ ہمارے ہاں ایک پیارا سا بیٹا پیدا ہوا تھا۔ زندگی میں پہلی بار مجھے

ایک عجیب سی خوشی ملی تھی۔ میرا دل چاہ رہا تھا زندگی کی ساری خوشیاں لا کر اپنے شہزادے کے قدموں میں رکھ دوں۔ وہ دن میری زندگی کے سب سے خوب صورت دن تھے۔۔۔۔ جتنا میں خوش تھا۔۔۔۔ وہ اتنی ہی بے زار سی تھی پتا نہیں کیوں ایسا تھا۔

زین روتا تو وہ اٹھتی نہ تھی پھر میں زین کے لیے رات بھر جاگنے لگا۔ وہ سارا دن بڑبڑاتی شور کرتی بگڑتی رہتی تھی۔ اماں اور اس کے درمیان آئے دن ایک فساد کھڑا ہو جاتا تھا۔ اماں بڑی تھیں عقلمند تھیں۔ میں چاہتا تھا وہ اس کی لاپروائی کو برداشت کرلیں۔۔۔۔ اماں سے اتنا لاپروا ہو گیا تھا میں۔۔۔۔ وہ حرا کی شکایت لگاتیں تو میں ان ہی کو سناتا۔ بس میں چاہتا تھا وہ کسی طرح سے خوش رہے وہ میرے بیٹے کی ماں تھی میں اسے خوش رکھنا چاہتا تھا۔

میرا زین چلنے لگا تھا چیزوں کو پکڑ پکڑ کر۔۔۔۔ وہ دن میری زندگی کا اہم ترین دن تھا جس دن زین نے مجھے بابا کہا تھا۔ وہ ماں سے زیادہ میرے قریب تھا اماں بھی زین کو بہت چاہتی تھیں۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ میری غیر موجودگی میں حرا اماں کے پاس زین کو نہیں جانے دیتی۔ اماں کی شکایت لگا لگا کر حرا نے اچھا خاصا ذہن خراب کر دیا میرا۔ ایک دن زین کو بہت گہری چوٹ آئی تھی۔ حرا بتا رہی تھی اماں کی لاپروائی کی وجہ سے زین سیڑھیوں سے گرا ہے۔ اس دن نجانے مجھے کیا ہوا میں نے اماں کے ساتھ بہت برے لہجے میں بات کی' اماں کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ کمرے میں جا کر بہت روئی ہوں گی میں نے سوچا تھا میں ان سے معافی مانگ لوں گا۔ مگر مجھے آج تک یہ موقع نہ ملا۔ اماں دوسرے دن حسینہ کے پاس چلی گئیں۔ حرا یہی کہہ رہی تھی کہ وہ اب ہمارے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں۔

☼ ☼ ☼

مجھے حرا کی ہر بات کا آنکھیں بند کر کے یقین تھا۔۔۔۔ دوسرے معنوں میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ میں اس کی سوچ سے سوچنے اور اس کی زبان سے بولنے لگا تھا۔ اماں سے بات کرنے کے لیے ایک دفعہ فون کیا تھا میں نے حرا کے علم میں لائے بغیر۔۔۔۔ کسی اتفاق کی وجہ سے میری اماں سے بات نہ ہو سکی۔ وہ شاید رنجیدہ تھیں اور ناخوش مگر میرے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اماں مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتیں۔ اس دن کے بعد بھول کر بھی اماں کی خبر لینے کے لیے میں نے کوئی فون نہیں کیا نہ ہی مجھے کرنا تھا۔ اماں میری زندگی کی لسٹ سے سب سے پہلے خارج ہونے والا نام تھا۔ زندگی معمول پر آگئی تھی زندگی میں کچھ ایسا خاص نہ تھا۔

زین بڑا ہو رہا تھا۔۔۔۔ دوسری سالگرہ اس کی ہم نے بہت اچھے سے منائی پتا نہیں کیوں اتنے دنوں میں پہلی مرتبہ مجھے اماں کی بہت یاد آئی تھی زین کی پہلی سالگرہ پر وہ کتنا خوش تھیں۔ میرا دل کر رہا تھا میں ان کو فون کر لوں ان سے بات کرلوں۔ ان کا حال پوچھ لوں' بہت دنوں سے ان کی آواز نہیں سنی وہ واقعی مجھ سے خفا ہوں گی ہونا بھی چاہیے ہو سکتا ہے وہ بھی مجھے یاد کرتی ہوں۔ یاد کرتیں تو بات کرتیں۔ وہ کتنا پیار کرتی تھیں مجھ سے ابا جب مجھے مارتے تھے وہ بچاتی تھیں۔ چھپ چھپا کر مجھے میٹھی روٹی پکا کر کھلاتی تھیں۔۔۔۔ دن رات کام کر کے میرے لیے مختلف چیزیں بناتی رہتیں۔

کالج لائف تک بچوں کی طرح رکھا انہوں نے جبھی۔۔۔۔ میں خود کو بچہ سمجھتا تھا حسینہ مجھ سے چھوٹی تھی پر مجھ سے زیادہ میچور تھی۔ میں کالج سے آنے کے بعد بھی ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹتا تھا۔ پتا نہیں کیوں سب کچھ اس رات یاد آتا رہا۔ ایک دو دفعہ نمبر ملایا حسینہ کے گھر کا فون کوئی نہیں اٹھا رہا تھا۔

صبح سویرے میرا فون بجنے لگا۔۔ بہت بری خبر تھی۔۔۔۔ اماں اس دنیا میں نہیں رہی تھیں رات سے ان کی طبیعت بہت خراب رہی حسینہ بتاتی رہی کہ وہ ساری رات مجھے یاد کرتی رہیں۔ نیم بے ہوشی میں انہوں نے کئی دفعہ میرا نام لیا تھا۔

میں جب روتا ہوا وہاں پہنچا تب تک دیر ہو چکی تھی۔ گرمی عروج پر تھی۔ ڈاکٹر نے کہا تھا جلدی دفنانا ہے ان لوگوں نے میرا انتظار کیا پر مجھے ہی پہنچتے پہنچتے دیر ہو گئی تھی رات وہاں رک کر اماں کی باتیں ہوئیں۔ حسینہ بہت رو رہی تھی۔ سب لوگ کہہ رہے تھے حسینہ نے اماں کا بہت خیال رکھا تھا بڑی خدمت کی تھی ان کی۔ وہ کتنی خوش قسمت ہے نا۔

میں خالی ہاتھ گیا تھا ایسے ہی لوٹ آیا اماں کو کبھی کچھ نہ دیا بیٹے شاید ماؤں سے ہمیشہ لیتے رہتے ہیں۔ پیار بھی زیادہ توجہ بھی زیادہ محبت بھی زیادہ اور دعائیں بھی زیادہ اور بیٹے کیا دیتے ہیں دکھ پریشانیاں سب کچھ زیادہ بہت زیادہ۔

☼ ☼ ☼

"سودا لیتے وقت جب میں بات کر رہا تھا تو خود بڑھ چڑھ کر بات کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" گھر آتے ہی اسے مجھ پر برسنے کا اک اور بہانہ مل گیا تھا۔

"یوسف وہ سبزی سڑی ہوئی دے رہا تھا اور آپ راشن لیتے وقت بالکل بھی غور نہیں کر رہے تھے۔ پھر وہ دوکاندار اضافی پیسے لے رہا تھا میرے بات کرنے کے بعد اس نے ٹھیک دام لگائے تھے۔ ہم حلال کا کماتے ہیں تو ہمیں اپنا ایک ایک روپیہ بچا کر اور سوچ سمجھ کر خرچ کرنا چاہیے۔"

"ہاں تمہارے کہنے پر اس نے دام گھٹا لیے دیکھ رہی تھیں کیسے دیکھ رہا تھا تمہیں' سخت معیوب لگ رہا تھا مجھے۔"

"آدھا چہرہ میرا چادر سے ڈھکا ہوا تھا اس نے کیا دیکھنا تھا۔ پھر میں ایک عرصے سے اس شاپ سے راشن لے رہی ہوں اچھی طرح پہچانتا ہے مجھے بے چارے نے پہلی دفعہ اتنی بڑی سی چادر میں دیکھا تھا اور پھر بہت کم عمر لڑکا تھا میرے چھوٹے بھائی کے برابر۔"

"ایک تو تمہاری لمبی تقریر۔۔۔۔ بہرحال آئندہ میں تمہیں ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ نہ ہی سودا لینے تم نکلو گی۔۔۔۔ میں خود ہی لے آؤں گا سارا کچھ۔۔۔۔ کوئی ضرورت نہیں فضول میں بازاروں کے دھکے کھانے کی۔ سب کچھ لا کر تو دیتا ہوں میں تمہیں۔" میں صرف اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس سے بات کرنا فضول اور احتجاج بے کار تھا۔

☼ ☼ ☼

اس رات اچانک میرے نمبر پر شکیب کا فون آگیا تھا۔

"تمہیں میرا نمبر کس نے دیا؟" یوسف سو رہا تھا میں احتیاط سے باہر نکل آئی۔

"دیکھو آئندہ فون مت کرنا یہاں۔"

"میں خوش ہوں۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔ پلیز میرا پیچھا چھوڑ دو۔۔۔۔ ہمارے رستے الگ ہو چکے ہیں شکی۔" وہ پتا نہیں کیا کیا کہہ رہا تھا۔ تمہارا انتظار کروں گا۔۔۔۔ وغیرہ۔

"دیکھو پلیز تمہیں مجھ سے محبت ہے ٹھیک ہے تو پھر میری بات مانو۔۔۔۔" اس سے پہلے کہ میں کچھ اور کہتی یوسف نے مجھ سے فون چھین لیا۔ وہ کب کمرے سے باہر نکلا کیسے آیا مجھے پتا بھی نہ چلا تھا۔

یوسف نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔۔۔۔ مجھے مارا ایک نہیں کئی تھپڑ اس نے میری ایک بات نہیں سنی۔۔۔۔ اس کے دل میں رحم نہیں تھا' تنگی تھی گنجائش نہ تھی' تنگ نظری تھی اسے اذیت پہنچانا آتی تھی وہ پہنچا رہا تھا۔ خدا کی قسم اس رات میں اس گھر میں ایک لمحہ بھی رکنا نہیں چاہتی تھی۔ اتنی تذلیل اتنی بے اعتباری میرا کوئی گھر نہ تھا ورنہ مجھے یہاں رکنے پہ کوئی مجبور نہ کر سکتا۔۔۔۔ اس دن کے بعد یوسف کا رویہ اور خراب ہوتا گیا۔ سیل فون چھین لیا میری سب سے بات چیت ختم ہو گئی تھی ملنا جلنا۔۔۔۔ آنا جانا میں کس کو بتاتی بھائی یا بھابھی کو جنہیں کوئی غرض نہ تھی مجھ سے نہ میری زندگی سے' بہنوں کو بتاتی یا ان کے پاس جاتی پھر بھی لوٹ کر یہیں آنا تھا میں نے یوسف کے ساتھ بات چیت کم کر دی۔ اس شادی کو بچانے میں سب سے بڑا ہاتھ میرا تھا۔

مجھے لاشعوری طور پر کچھ اچھا ہو جانے کا انتظار تھا۔ پتا نہیں کیوں ہم زندگی کے ہر موڑ پر معجزوں کا انتظار کرتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ عام لوگوں کی زندگی میں معجزے رونما نہیں ہوتے۔ پھر بھی۔۔۔۔ شاید

یہ انسان کی بے بسی کی انتہا ہوتی ہے۔ عبدالرؤف زندگی بہت گھٹی ہوئی تھی۔۔۔ کچی آبادی کی ایک بند کوٹھری تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔"

"تم تھک گئی ہو۔۔۔ مجھے حیرت ہے اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود بھی تم نے یوسف سے طلاق کیوں نہیں لی؟"

"میں دوسری دفعہ اسی عذاب سے گزرنا نہیں چاہتی تھی میرے پاس کوئی آپشن نہ تھا۔"

"تم نے دوبارہ شیکی کے بارے میں سوچا؟"

"بہت دفعہ روفی۔۔۔ بہت دفعہ۔"

"تمہیں وہ یاد آیا؟"

"ایک بار نہیں کئی بار۔"

"تمہیں پھر تو اس کے پاس لوٹ جانا چاہیے تھا۔"

"مگر میں نہ لوٹ سکی۔"

"تمہیں اس سے طلاق نہیں لینا چاہیے تھی۔ جتنا سمجھوتہ تم نے یوسف کے ساتھ کیا اس سے آدھا بھی اگر تم شیکی کے ساتھ کر لیتیں تو گھر بچ جاتا۔"

"زندگی بہت عجیب ہے عبدالرؤف۔۔۔ ہم کبھی نہیں سمجھ پاتے اسے کاش ہم سمجھ جائیں کاش ہمیں پتا ہو کہ ہمارے لیے کیا بہتر ہے اور آگے چل کر کیا ہو گا۔ اس کے بعد نہ تمہیں اندازہ ہے کہ کیا ہوا نہ مجھے تھا تمہیں وہاں سے بتاتی ہوں جہاں سے تم سننا چاہو گے۔"

"کیا ہم تب کی بات نہ کریں۔۔۔ جب ہم ملے تھے۔۔۔ روز ملتے تھے۔ ہماری شرارتیں' ہماری باتیں۔"

"اس سے کیا ہو گا روفی؟"

"اس سے یہ ہو گا کہ ہم تھوڑی دیر مسکرا سکیں گے۔"

"مسکرانے سے کیا ہو جاتا ہے؟" وہ مسکرائے بغیر اسے دیکھنے لگی۔

"مسکرانے کے بعد دل خوش ہوتا ہے۔"

"اچھا بہلاوہ ہے۔ خود کو بہلانا اچھا ہے۔۔۔ پر ابھی تم مجھے بہلا رہے ہو۔"

"تو تمہیں پتا ہے؟"

"ہاں۔۔۔ سب جانتی ہوں۔ تھوڑی دیر خاموش رہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم صبح سے قریب تر کھڑے ہیں۔"

"تھوڑی دیر بعد وہ بے ساختہ ہنسی۔

"ہنس کیوں رہی ہو؟"

"پابندی نہیں ہے۔"

"میرا مطلب ہے کس پر ہنس رہی ہو؟"

"اپنے آپ پر۔"

"ورنہ اس سے پہلے تم ہمیشہ مجھ پر ہنسی ہو۔"

"ہاں' تمہاری حرکتوں پر' ہمیں اگر پتا چل جائے کہ آگے جا کر ہمیں خود پر بھی ہنسنا پڑے گا تو ہم کبھی کسی پر نہ ہنسیں۔"

"مگر تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔"

"کب سے؟" وہ مذاق کے موڈ میں تھی۔

"شروع سے۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"یقین کرنا پڑے گا مجبوری ہے۔"

"اور کون کہتا تھا؟"

"شیکی کہتا تھا۔"

"میں اس سے بہت جل رہا ہوں۔۔۔ بلکہ شروع سے جلتا ہوں۔ تم نے اسے مجھ پر فوقیت دی تھی۔"

"ظاہر ہے وہ میرا منگیتر تھا تب۔"

"تم اس سے چھوڑ سکتی تھیں۔"

"معاف کرنا کس کے لیے؟ ایک بزدل بچے نما مرد کے لیے؟ جس نے ایک دفعہ بھی میرے سامنے مجھ سے اظہار نہ کیا۔ میں بلاوجہ تم جیسے کمزور مرد کو کسی جھنجھٹ میں ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔۔۔ رحم آتا تھا مجھے تم پر۔"

"کہہ سکتی ہو۔"

"ہاں' کیوں کہ سچ کہہ رہی ہوں۔"

"اس کے علاوہ کچھ ہے؟"

"ہاں۔۔۔ بہت کڑوے سچ اب بھی باقی رہتے ہیں۔"

"سچ کو ہٹا کر کچھ بول دو۔"

"خود کو بہلانا اتنا بھی نہیں اچھا۔۔۔ چلو لمبی واک کریں۔" اس نے پھر سے چلنا شروع کیا تھا وہ بھی اس کے ساتھ چل پڑا۔

"تم شروع شروع میں بہت خوش تھیں جب تمہاری شیکی سے شادی ہوئی تھی۔" اسے اچھی طرح یاد تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں شیکی کے ساتھ واقعی بہت خوش تھی۔ سچ تو یہ ہے عبدالرؤف کو اس نے مجھے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا تھا۔"

"مسز شکیب منیر صاحبہ ہم آپ کو اس گھر کی ملازمہ بنا کر نہیں لائے۔"

"گھر کا کام کرنے سے کوئی ملازمہ نہیں بن جاتا اور اگر بن بھی جائے تو حرج نہیں ہے۔"

"یار تم تھکتی نہیں ہو اتنے سارے کام کر کے۔ مجھے تو بڑا رحم آتا ہے تم پر' تمہارے گھر والے کہیں گے اتنی محبت سے بیاہ کر لے گیا ہے اور ہماری پھول جیسی بچی کا کیا حال کر دیا۔"

"میرے گھر میں کوئی میری وجہ سے اتنا پریشان نہیں ہوتا بے فکر ہو جاؤ۔ نبیلہ آپا کی شادی ہو چکی کب کی۔۔۔ ایک وہی تھیں' مینو کی فکر میں کرتی ہوں۔ اس لیے تمہیں میرے گھر والوں کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"بہت اچھا ہے پھر تو یعنی کہ تم کبھی بھی مجھ سے ناراض ہو کر گھر نہیں جاؤ گی۔"

"گھر تو میں کبھی نہیں جاؤں گی اپنے بھائی کے۔ شکیب صاحب شادی اس لیے نہیں کرتے کہ ذرا ذرا سی بات پر روٹھ کر میکے جا کر بیٹھ جائیں۔"

"تو وعدہ کرو کبھی مجھ سے نہیں روٹھو گی۔"

"تمہیں لگتا ہے میں تم سے روٹھوں گی؟"

"مجھے وہم ہوتا ہے۔" وہ گم صم سا تھا۔

"وہم کیوں ہوتا ہے؟"

"مجھے لگتا ہے میں بہت برا ہوں۔ تم مجھ سے بے زار نہ ہو جاؤ۔"

"میں تمہیں سدھار سکتی ہوں۔۔۔ اچھی طرح سے۔"

"تم مجھے سدھار لینا پر مجھے چھوڑ کر مت جانا۔۔۔ دیکھو مجھے پتا ہے تم سے کئی لوگ شادی کی خواہش رکھتے تھے۔"

"مگر شادی میں نے تم سے کی ہے۔ اب پرانی کسی بات کو لے کر مسئلہ نہ کھڑا کر دینا۔"

"مجھے ڈر تھا وہ تمہارا حوالہ نہ دے دے۔ حالانکہ اسے تمہارے بارے میں سب پتا تھا۔۔۔ شادی کے بعد بہت دفعہ وہ تمہارا ذکر کرتے ہوئے مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اس نے کبھی میرے کسی پرانے تعلق یا دوستی کو غلط رنگ نہیں دیا۔۔۔ وہ میرے تمام دوستوں سے ملتا تھا۔ فری اور بابر بھائی کے ساتھ اس کی اچھی دوستی تھی پہلے کی نسبت میرا ان سب سے ملنا جلنا بڑھ گیا تھا۔ وہ خود گھومنے پھرنے ملنے ملانے کا شوقین تھا۔ شام کو زبردستی مجھے گھر سے نکالتا تھا۔"

"تھوڑی سی تو تیار ہو لو میری خاطر۔"

"شیکی ہم کسی شادی میں تو نہیں جا رہے۔"

"کیا ہو گیا ہے تمہیں' ضروری ہے کہ ساری تیاری شادیوں کے لیے ہو۔ بھئی ہماری تو نئی نئی شادی ہوئی ہے نا۔ اچھا لپ اسٹک ہی لگا لو۔"

"اف شیکی کتنے شوقین ہیں آپ بس چلے تو یہ سارا میک اپ خود کر لیں۔"

"بس چلے تو میں تمہیں خود تیار کروں۔ ایک تو تمہارے اندر نوجوانی میں پرانی بوڑھی روح کیسے سما گئی۔۔۔ اپنا نہیں تو میرا ہی خیال کر لو۔۔۔ مجھے بجی سنوری عورت پسند ہے۔"

"اف شیکی۔۔۔ کیا کہوں میں تمہیں۔" زبردستی ہلکا پھلکا میک اپ کروا لیا کرتے۔

"اب خوش؟" "ہاں بہت خوش۔ مجھے خوش کرتی رہا کرو۔۔۔ دیکھو تم اگر اچھی لگو گی ہر وقت تو میں کسی اور کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھوں گا۔"

"کتنا مشکل شوہر ملا ہے مجھے۔"

"کاش مشکل ملا ہوتا۔ مجھ جیسا مسکین سا بندہ ہاتھ

لگ گیا ہے تمہارے۔"
"ہاں تم بہت مسکین ہو مگر صرف شکل صورت کے حساب سے۔"
"دیکھو شکر کرو خوب صورت شوہر ملا ہے۔"
"یہی کہنا ہے مجھے تم سے۔"
"میں تو کر رہا ہوں۔ تمہیں ہی احساس نہیں ہے صرف شکر نہیں قدر بھی۔"
"وہ واقعی ٹھیک کہتا تھا اس نے میری قدر کی تھی۔ مجھے گھر کا کام نہیں کرنے دیتا تھا۔ میں نے جاب کرنے کی خواہش ظاہر کی تو مجھے روکا نہیں مگر صرف یہ کہا کہ وہ مجھ سے کوئی بھی کام کروانا نہیں چاہتا۔۔۔ اس نے بہت کیئر کی تھی میری۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں تھی شروع شروع میں سب بہتر تھا۔ سب کچھ آہستہ آہستہ ہی بگڑا تھا۔"
"پر پھر بھی وہ تم سے محبت کرتا تھا۔"
"ہاں۔۔۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ یہی ایک احساس تھا اور یوسف کا رویہ جس نے مجھے شیکی کی ذات اس کی زندگی سے باہر نکلنے نہیں دیا تھا مگر یہ کام وقت نے کیا تھا۔
بات یہ ہے کہ اللہ کبھی ہمیں کسی دھوکے میں نہیں رکھتا۔۔۔ جو سحر انسان پھونکتا ہے۔ وہ سحر حالات توڑتے ہیں۔
جو غلط فیصلے ہم کرتے ہیں۔ ان کو درست تقدیر کرتی ہے۔
جن خوش گمانیوں میں ہم مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ خوش گمانیاں انسان توڑتا ہے۔
جس خواب میں ہم رہ رہے ہوتے ہیں۔ اس کو حقیقت جھٹلاتی ہے۔
تم کیا سمجھتے ہو اس سب کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟
یقیناً "اللہ کا۔۔۔ ہم ڈوبتے ہیں وہ نکالتا ہے۔۔۔ ہم پھر چھلانگ مارتے ہیں وہ پھر بچاتا ہے۔ ہم ہر پل مرنا چاہتے ہیں اس نے ایک موت کا وعدہ کیا ہے وہ ایک ہی موت دیتا ہے۔ باقی پاتال سے بھی نکال لیتا ہے۔"

"تمہارا یقین کتنا مضبوط ہے ام حبیبہ۔" وہ رشک کر رہا تھا۔
"یہ مضبوط یقین بہت مشکل سے ہاتھ لگتا ہے۔ اس سے پہلے شک اور وہم کے کئی مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اب مجھے پتا ہے وہ مجھے بچالے گا میں صرف یوسف کو موقع دینا چاہتی ہوں ایک موقع جو میں نے شکیب کو نہیں دیا اسے دینا چاہتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں یا وہ بدل جائے گا یا پھر میری تقدیر۔"
"اور اگر کچھ بھی نہ بدلا تو؟" اسے خدشہ تھا۔
"تو پھر میں بدل جاؤں گی۔ شاید میرے خیالات، شاید میرے نظریات۔ شاید میری ترجیحات، شاید سب کچھ۔"
"اتنی تو بدل گئی ہو ام حبیبہ اور کس قدر بدلو گی اب اور مت بدلنا۔"
"کوئی بدلنا نہیں چاہتا پر۔۔۔"
"پر اب یہ نہ کہنا کہ وقت بدل دیتا ہے۔"
"یہی کہنے والی تھی جو تم نے کہہ دیا۔۔۔ خیر آؤ ذرا بیٹھ جائیں۔ تھک گئی ہوں اور ایک سفر اور درپیش ہے تمہیں تو پتا ہے لاہور بہت دور ہے۔"
"ہاں سفر تو لمبا ہے۔۔۔ خیر تم یوسف کے بارے میں کچھ بتا رہی تھیں۔"
"ہاں۔۔۔ یوسف کا دوسرا نام عزرائیل تھا۔"
"اچھا واقعی میں؟" وہ سنجیدہ تھا۔
"ہاں واقعی میں۔۔۔" وہ ہنسنے لگی۔
"تم بھی نا ام حبیبہ۔۔۔ کیا چیز ہو۔"
"تم بھی عبدالروف۔۔۔ نرالے ہو۔۔۔" وہ دونوں ہنسنے لگے۔
"پہلا جھگڑا کس بات پر ہوا تھا؟"
"نماز پر۔۔۔"
"یوسف کے ساتھ یا شیکی کے ساتھ؟"
"دونوں کے ساتھ۔۔۔ یہ دونوں میری زندگی میں ساتھ ساتھ چلتے رہے ہیں۔"
"ایک ساتھ۔۔۔ بہت حیرت کی بات ہے۔" وہ

واقعی حیران تھا۔
"ہونی چاہیے۔"

☼ ☼ ☼

"آپ نے وقت دیکھا ہے۔ صبح کے دس بجے ہیں آپ روز اسی وقت اٹھتی ہیں۔" یہ تھی یوسف کے ساتھ شادی کی پہلی صبح۔
"پتا نہیں کیسے دیر ہو گئی۔ ورنہ فجر کی نماز مجھ سے بہت کم قضا ہوتی ہے۔"
"تم صبح صبح اٹھ گئی ہو آرام کرنا چاہیے تھا تمہیں۔" شیکی بہت دیر سے اٹھتا تھا۔
"ہاں مجھے فجر ادا کرنی تھی۔"
"بہت مشکل ہے فجر کے لیے اتنی صبح صبح اٹھنا۔۔۔ تم کیسے نیند پوری کر لیتی ہو۔"
"فجر مشکل ہے اسی لیے فجر کا اجر زیادہ ہے۔"
"لیکچر مت دینا۔۔۔ صبح صبح کچھ کھانے کو دل کرتا ہے۔"
"تم بالکل نماز نہیں پڑھتے؟" مجھے افسوس ہوا تھا شیکی کی گفتگو سے۔
"ہم اپنی شادی کی پہلی صبح کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں؟"
"یقیناً" بہت کار آمد باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے کیا پوچھا ہے؟"
"یاد نہیں۔۔۔ کبھی کبھار پڑھ لیتا تھا اب وقت نہیں ملتا نماز کے لیے۔"
"بہت دکھ کی بات ہے ہر اک چیز کے لیے وقت مل جاتا ہے سوائے نماز کے۔"
"تم تو پکی ملانی ہے۔۔۔ اچھا چھوڑو کوئی اور بات کرو۔"
"تم کیوں نماز کو ٹالتے ہو۔۔۔ اللہ کے لیے وقت نکالا کرو۔۔۔ کیوں کہ یہ وقت اسی نے دیا ہے جس میں سے اگر صرف چند منٹ بھی ہم۔۔۔ نہ نکالیں اس کا شکر ادا کرنے کے لیے تو کتنی بری بات ہے نا۔"
"سمجھ رہا ہوں۔۔۔ مقرر لگ رہی ہو۔۔۔ کالج میں تمہارا تقریر کرنے کا انداز مجھے اچھا لگتا تھا۔ مگر صبح صبح اتنی سخت باتیں۔۔۔ ہضم نہیں ہوتیں۔۔۔ میں مانتا ہوں تم قائل کرنا جانتی ہو۔"
"مگر میں تمہیں قائل نہ کر سکوں شاید۔" میں شادی کے پہلے دن ہی مایوس تھی۔
"جو جیسا چل رہا ہے چلنے دو، خوش رہو۔ آج ہماری شادی کا پہلا دن ہے۔ آؤ میرے پاس بیٹھو۔۔۔ میری بات سنو۔"
"مجھے ذرا چینج کرنا ہے۔" میں اس کا اپنی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ دیکھ کر بھی چلی گئی۔ دل بہت برا ہوا تھا۔ مجھے ساری زندگی اس کے ساتھ گزارنی تھی اور زندگی کا پہلا دن مایوسی سے شروع ہوا تھا مگر فرق صرف یہ تھا کہ دوسرے دن شیکی کا موڈ یکسر بدل چکا تھا۔ وہ بہت خوش گوار موڈ میں تھا اس لیے میری بھی تسلی ہو گئی تھی۔
"مگر یوسف۔۔۔ یوسف کا رویہ اسی دن سے بگڑا تھا۔"
"بہت گناہ ہوتا ہے۔۔۔ نماز فرض ہے اس کا حساب دینا پڑتا ہے۔"
"ہر کسی نے اپنی قبر میں جانا ہے۔ اس لیے ہر کسی کو اپنے لیے نماز پڑھنی ہے۔"
وہی لیکچر۔۔۔ یوسف کا لہجہ سخت تھا
"میں یہ ساری باتیں جانتی ہوں۔ میں کیا کہتی کہ یہی لیکچر میں کسی اور کو گھونٹ گھونٹ پلایا کرتی تھی اور وہ مجھے ایک ہی دفعہ میں سارا کچھ پلا رہا تھا۔
"مجھے پتا ہے سست اور کاہل عورتوں کے بارے میں نماز کے لیے سو بہانے ہوتے ہیں ان کے پاس گھر کا کام ہے ذمہ داریاں ہیں شوہر کے کام وغیرہ مگر نیک شوہر تو خود وقت دیتے ہیں بیویوں کو نماز کے لیے میں نے بہت آوازیں دیں نماز کے لیے مگر مجال ہے جو آنکھ کھلی ہو۔"
"میں پڑھتی ہوں نماز۔۔۔ کبھی کبھار تھکن کی وجہ سے چھوٹتی ہے۔"
"تھکن کی وجہ سے کھانا پینا تو نہیں چھوٹتا۔" کیسا

لہجہ تھا۔اس دن میں نے ناشتا بھی نہیں کیا۔

میرے پاس تو یہی دال دلیہ ہے اگر آپ کو اچھا نہیں لگتا تو میں کچھ لا نہیں سکتا۔نہ میرے پاس اضافی پیسے ہوتے ہیں نہ شوق۔میں سادہ کھاتا ہوں آپ کو بھی کھانا پڑے گا۔اسراف سخت ناپسند ہے مجھے۔"

"صبح صبح کسی پینے سے گلا خراب ہو جاتا ہے میرا۔" مجھے کوئی اور جواز نہ سوجھا۔

"ٹھیک ہے چائے بنا لینا اپنے لیے۔میں تو جا رہا ہوں کام پر..... صبح صبح جاتا ہوں، کام کے لیے محنت کرتا ہوں، حلال کماتا ہوں اور اپنی گنجائش میں رہ کر خرچ کرتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے....." کہنے کو میں بہت کچھ کہہ سکتی تھی پر ابتدا ہی تلخ تھی جسے مزید تلخ بنانا نہیں چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"شیکی صبح صبح اتنا ہیوی ناشتا۔" وہ نجانے کیا کیا لے آتا تھا۔چھولے، پوریاں، کیک، چائے، کافی، فروٹ جوس۔

"کماتا ہوں کھانے اور خوش رہنے کے لیے تم بھی کھاؤ۔"

"میں اتنا نہیں کھا سکتی۔"

"تم کہنا چاہتی ہو میں بہت کھاتا ہوں۔" وہ ہنس دیتا۔

"جس کے اندر جتنی گنجائش ہوتی ہے وہ اتنا کھاتا ہے۔میرے اندر تو گنجائش ہے۔"

"تو پھر آپ کھائیے ڈٹ کر۔" میں بس بریڈ کے دو سلائس اور چائے کا آدھا کپ لے کر اٹھ جاتی تھی۔

"بوڑھوں جتنا کھاتی ہو۔دیکھنا تمہاری عادتیں خراب کر کے چھوڑوں گا۔"

"بہت برا ارادہ ہے یہ۔" میں اسے گھورتی اور وہ مسکرا دیتا۔کون جانتا تھا کہ شیکی اتنا نرم بھی ہو گا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے بال کھول کر گھر میں پھرنے والی عورتوں سے سخت چڑ ہے میں آؤں تو گھر میں دوپٹہ اوڑھے ہی دیکھوں تمہیں۔مجھے اچھی نیک عورتیں پسند ہیں۔"

"آپ نیکی کو ظاہری روپ میں دیکھتے ہیں نیکی تو باطن میں ہوتی ہے۔"

"میں تم سے زیادہ علم رکھتا اور جانتا ہوں۔رعب جھاڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔عورت چار لفظ پڑھ کر خود کو بڑا معلم سمجھتی ہے۔"

"عورت معلم ہوتی ہے..... سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ....."

"جانتا ہوں۔" اس نے میری بات ہی کاٹ دی۔

"تم جیسی عورتیں ان عظیم ہستیوں سے خود کو نہیں ملا سکتیں۔ویسا پردہ، ویسے قانون..... ان کی دیگر عادتیں بھی نقل کیا کرو۔"

"آپ سے بحث کرنا فضول ہے۔ہر ہر دور کے اپنے قانون ہوتے ہیں۔ہاں عظیم ہستیوں کی پیروی بڑی بات ہے۔پر ہم جیسے گناہ گار آہستہ آہستہ خود کو بدل سکتے ہیں ایک دم نہیں میں کہنا چاہتی ہوں گنجائش رکھنا چاہیے۔ہمارا مذہب گنجائش رکھتا ہے۔"

"تبھی تمہیں وقت دے رہا ہوں۔"

اف یہ تحکم پرستی یوسف اور نرمی جن کا آپس میں کوئی میل جول نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے یہ جی حضوری سخت ناپسند ہے۔میاں بیوی کو دوستوں کی طرح رہنا چاہیے، مجھے تم سے مخاطب کرو اور میرے ساتھ دوستوں جیسا ہی رویہ رکھو۔"

شیکی کے نرم رویے اور سلجھے انداز نے مجھے ہر طرح کی بدگمانیوں سے دور کر دیا تھا۔اس کی بس ایک عادت مجھے ناپسند تھی کہ وہ لڑکیوں کو بہت گھورتا تھا۔دوسری سخت ناپسند کہ وہ نماز نہیں پڑھتا تھا۔

جس پر اکثر اوقات ہماری بحث ہو جاتی تھی۔مگر اگلے ہی پل شیکی کے صلح جو رویے کے باعث ہمارے درمیان کچھ بھی غلط ہونے سے پہلے ٹھیک ہو جاتا۔بظاہر میں خوش تھی..... بہت خوش تھی۔اور اس کی طرف سے مطمئن بھی۔کبھی ہم بے بنیاد نہیں لڑے۔اسے لڑنے سے الجھن ہوتی تھی مجھے بھی ہونے لگی۔وہ صلح میں پہل کرتا تھا، وہ منانے میں پہل کرتا تھا۔وہ محبت میں پہل کا عادی تھا۔

وہ ایک دن تھا جب ہماری بہت زیادہ لڑائی ہوئی تھی۔

وہ رات کو شراب پی کر گھر میں داخل ہوا تھا۔مجھے بہت دھچکا لگا تھا۔میں نے اسے تھپڑ مارا اور پھر بعد میں معافی بھی مانگی..... مگر اس دن کے بعد میرے اندر کی تلخی بڑھتی گئی۔مجھے اس سے چڑ ہونے لگی اس کی عادتوں سے، اس نے شراب پینا ترک نہیں کیا کتنا سمجھایا تھا اسے اس کی پینے کی عادت بڑھ گئی تھی۔اس رات بھی وہ بہت پی کر آیا تھا۔میں پوری رات کمرے سے باہر رہی۔صبح اس کی شکایتیں شروع ہو گئیں۔

"تم ہر روز مجھے اکیلا چھوڑ دیا کرو گی۔"

"تمہارا یہی وطیرہ رہا تو مجھے ہر روز یہی کرنا پڑے گا۔"

"تمہیں پتا ہے جنت کی خوشبو دو آدمیوں کو نہیں آتی جس میں سے ایک شراب پینے والا ہوتا ہے۔"

"مجھے نہیں چاہیے جنت۔" وہ کبھی کبھار دل جلا دینے والی بات کرتا تھا۔

"تو پھر تمہیں کیا چاہیے؟"

"سوائے تمہاری محبت کے کچھ نہیں۔میں جیسا ہوں مجھ سے محبت کرو۔"

"میں نہیں کر سکتی۔میرے دل پر ایک بوجھ ہے، پلیز ایسا نہ کرو۔میری بات مان لو۔"

"کیا کیا کروں بتاؤ ایک کہو تو سمجھ آئے تم تو میرے گرد گھیرا تنگ کر دیتی ہو۔"

"میں تمہیں صرف یہ کہتی ہوں کہ پرائی لڑکیوں کو مت گھورا کرو۔کیا یہ غلط بات ہے، میں تمہیں کہتی ہوں بینک سے سود مت لو..... تم لیتے ہو..... میں حلال کھانا چاہتی ہوں نا کہ حرام..... مجھے صرف روٹی کھلاؤ مگر حلال کی..... میں کہتی ہوں کہ نماز پڑھا کرو تو کیا یہ کوئی غلط کام ہیں۔"

"تم نے صرف میری برائیوں کی لسٹ ہی بنائی ہے ام حبیبہ..... کبھی خوبیوں پر بھی نگاہ ڈال لیا کرو۔لڑکیوں کو گھورتا ہوں ان کو جو بن سنور کر نکلتی ہیں..... یقین کرو جن کو برا لگتا ہے ان کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔میں شریف لڑکیوں کو نہیں گھورتا۔تم کہتی ہو شراب پینا چھوڑ دو۔یہ میری پرانی عادت ہے میں نہیں چھوڑ سکتا۔رہی بات منافع پر اضافے کی تو پوری دنیا ایسا کرتی ہے۔رشوت بھی پوری دنیا لیتی ہے۔

اگر نہ لوں تو یہ عیش نہیں ہوں گے۔جانتی ہو کتنی مہنگائی ہو رہی ہے۔میں خوش رہنا چاہتا ہوں اور تمہیں بھی خوش رکھنا چاہتا ہوں۔دیکھو میری بات ٹھنڈے دماغ سے سنو۔میں نے تم پر کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی ہے۔میں خود تمہیں کہتا ہوں باہر نکلو گھومو پھرو۔سب سے بات کرو خوش رہو۔"

"میں مانتی ہوں شیکی تم بہت اچھے ہو۔پر یہ سب چھوڑ دو۔میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"سوری حبیبہ..... میں پرائی لڑکیوں کو نہیں دیکھوں گا۔ٹھیک ہے میں کوشش کروں گا شراب چھوڑ دوں پر اس کے لیے بہت وقت چاہیے ہو گا۔باقی اضافی منافع اور رشوت لینا میں نہیں چھوڑ سکتا..... پائی پائی کو نہیں ترس سکتا۔میں اچھے لائف اسٹائل کا عادی ہو چکا ہوں۔"

"دیکھو شیکی ڈیئر پلیز صرف ایک بات سن لو میری۔"

"وہی لیکچر۔" اس نے بے زاری سے لمبی سانس لی۔

"نو لیکچر..... صرف بات مان لو۔"

"اچھا سنا دو..... جہاں اتنا سنا ہے وہاں تھوڑا اور سہی۔"

"ہم سمجھتے ہیں کہ ہم چور دروازوں سے جتنا لائیں گے اتنا رزق بڑھے گا نہیں..... دیکھو رزق میں برکت اللہ دیتا ہے۔حرام کا رزق ضائع ہوتا ہے جیسے ڈرنک پر اور کئی فضولیات پر....."

"جتنا ہمارے نصیب میں لکھا ہوتا ہے اتنا ہی ملتا

ہے پھر جہاں سے ملے۔ میری جتنی تنخواہ ہے نا اس سے صرف ایک مہینہ تم یہ سارے اخراجات پورے کرو۔ سلام کروں گا تمہیں۔ نہیں ملتا کچھ بھی اتنی شرافت سے لوگ سڑکوں پر دھکے کھاتے ہوئے ملیں گے تمہیں۔۔۔۔ تم چاہتی ہو میں بھی دھکے کھاؤں۔"

"تمہارا ایمان اتنا کمزور کیوں ہے۔۔۔۔ دیکھو ہم کوئی کاروبار کر لیتے ہیں شروع شروع میں مسئلہ ہو گا پھر ہم سنبھال لیں گے۔ کئی آپشن ہیں۔ تم غور تو کرو۔۔۔۔ سوچو تو سہی۔"

"سوری مائی ڈیئر اپنی ساری تجویزیں اپنے پاس رکھ لو۔ میں بہت اچھی زندگی گزار رہا ہوں۔"

"مگر میں نہیں میرا دل مطمئن نہیں ہے۔ مجھ سے حرام کا نوالہ ہضم نہیں ہوتا۔"

"اپنی فضول ضد کو چھوڑ دو خدا کے لیے۔"

"تمہیں خدا کی پروا ہے، جس کے واسطے دے رہے ہو۔"

"نہیں۔۔۔۔ خدا صرف تمہارا ہے، ہے نا۔" اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"بہتر ہے کہ اپنا دماغ درست کر لو اور مطمئن رہنے دو خود کو بھی مجھے بھی۔"

"میں نہیں مطمئن رہ سکتی اس حالت میں۔" وہ مجھے دکھ سے دیکھ کر چلا گیا۔

اس دن کے بعد ہماری بات چیت تقریباً" بند تھی۔ میں نے جاب پر جانا شروع کر دیا تھا اور اپنی ضرورت کی ساری چیزیں اگلے ماہ سے خود لانے لگی تھی۔ میں صرف اسے یہ سمجھانا چاہتی تھی کہ اسے میری بات ماننی ہو گی مجھے پتا تھا وہ مجھے نہیں چھوڑے گا اور یہ شادی میں بھی رکھنا چاہتی تھی۔

اس نے بہت دفعہ مجھے سمجھانے کی کوشش کی اور میں نے اسے۔۔۔۔ پر رزلٹ کچھ نہ نکلا بات صرف اتنی تھی کہ وہ مجھے بدلنا چاہ رہا تھا اور میں اسے اور اسی ضد میں ہم دور ہوتے چلے گئے۔

اس کے باوجود بھی وہ مجھ سے محبت کرتا تھا اور میں بھی اسے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ خدا گواہ ہے میں اس کے ساتھ رہنا چاہتی تھی اور وہ بھی۔۔۔۔ پھر ہم نے ایک دوسرے کو وقت دیا۔ میں کچھ دنوں کے لیے فری کے پاس آگئی تھی۔

وہ چاہتا تھا میں خود گھر آؤں اور میں چاہتی تھی وہ مجھے منانے آئے۔ ایک دوسرے کے بغیر رہنے کی عادت پڑتی جا رہی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ دوری کے بعد ہم کو احساس ہو گا اور ہم دوبارہ ایک ہو جائیں گے۔

مگر یہ نہیں ہوا ہمارا اندازہ غلط تھا۔ ہوا وہی جس کا وہم و گمان میں بھی نہ سوچا تھا۔

"ہمیشہ وہی کیوں ہوتا ہے عبدالرؤف جو کبھی سوچنا بھی نہیں چاہتے۔ مگر شاید اس سب کے ذمہ دار ہم خود ہوتے ہیں۔"

"شاید نہیں یقیناً" ام حبیبہ ہم خود ہی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ مگر یہ ہے کہ برا وقت کبھی بتا کر نہیں آتا۔ جسے ہم صرف تقدیر کے سر تھوپ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔"

"شاید نہیں۔۔۔۔ یقیناً" عبدالرؤف۔" اس نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی۔

☼ ☼ ☼

برا وقت واقعی بتا کر نہیں آتا۔ پہلے اماں دور ہوئیں پھر نوکری چلی گئی۔ گھر کے حالات بہت برے ہو گئے تھے۔ میں پریشان ہوتا جا رہا تھا، وہ چڑچڑی اور زین اکثر بیمار رہنے لگا تھا۔ میرے اوپر ویسے ہی قرضہ تھا۔ میں نے اسے گولڈ بیچنے کو کہا۔ مگر وہ ایک نہ مانی میں نے گاڑی بیچ دی۔ سوچا کاروبار کروں گا سب سے پہلے قرضہ اتارا اب دوسرا قرض بینک سے لینا چاہتا تھا۔ مگر فی الحال سوچ رہا تھا کہ کون سا کام کر سکوں گا۔ میرے ساتھی آفیسر پہلے ہی مجھ سے خوش نہ تھے کہ نہ ان کو فائدہ تھا۔ نہ خود مجھے۔۔۔۔ میں اس فائدے کو ناجائز سمجھتا تھا۔ میں نے کبھی رشوت لی نہ سود کھایا کبھی کسی کا حق نہیں مارا۔ اس کے باوجود بھی محنت کر کے قرضہ لے کر اس کی خواہشیں پوری کیں۔ مگر وہ تلخ سے تلخ ہوتی گئی۔ میں نے اس کے کنگن بیچ دیے تھے

وہ مجھ سے بہت لڑی۔۔۔۔ ہمارے درمیان کشیدگی بڑھتی گئی۔

وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ بڑی بات کہ زین کو اس نے میرے پاس چھوڑ دیا تھا اور سارے زیور کام کی چیزیں اور کپڑے اپنے ساتھ لے گئی۔۔۔۔ میں نے ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لی کہ وہ آجائے کیسی عجیب بات تھی کہ سکھ اور خوشیوں میں ساتھ رہنے والی عورت جو میری بیوی تھی برے وقت میں میرا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔

مجھے لگ رہا تھا وہ صرف حالات سے گھبرائی ہے۔ مجھے دھمکا رہی ہے آجائے گی ایک دن خود ہی۔۔۔۔ مگر میرا خیال ہمیشہ کی طرح غلط ہی نکلا۔

اس رات زین کی طبیعت بہت خراب تھی۔ وہ ہسپتال میں تھا۔ میں اسے فون کر کر کے تھک گیا تھا مگر اس نے فون نہیں اٹھایا، نہ کسی میسج کا جواب دیا۔

اپنے معصوم بچے کی لاش دفناتے ہوئے میرے ہاتھ کتنی مرتبہ کانپے مجھے ایسا لگا میں خود کو دفنا رہا ہوں اندر سے ڈھے گیا تھا۔ آنسو کب ہچکیوں کا روپ دھارتے ہیں یہ نہ آنسوؤں کو پتا چل سکتا ہے نہ آنسو بہانے والے روتے ہوئے انسان کو۔ وہ دونوں اپنے اپنے غم میں رو رہے تھے۔ انسان کے غم بھی عجیب ہوتے ہیں۔ ہر اک کا غم اپنا ہوتا ہے۔ پر کبھی کبھی کسی کا غم کسی کو اپنا لگتا ہے۔ ام حبیبہ کو نہیں پتا تھا وہ اس کے لیے رو رہی ہے یا اپنے لیے بات صرف یہ ہے کہ جب انسان کے پاس افسوس کے لفظ ختم ہو جاتے ہیں تو وہ روتا ہے۔

رات کے آخری پہر کی فضا میں ان کی ہچکیاں گھل گئی تھیں۔ رو لینے کے بعد صبر کا مرحلہ ہوتا ہے۔ وہ ابھی پہلے مرحلے میں تھے۔

☼ ☼ ☼

شکی سے علیحدگی کے بعد زندگی عجیب قسم کے جمود کا شکار ہو گئی تھی۔ چھ ماہ ایک گھر میں ایسے

گزارے جیسے پنجرے میں کوئی پرندہ گزارتا ہے۔

ساتویں ماہ میں جاب پر جانے لگی۔ حالات پہلے جیسے ہونے لگے تھے پر لوگ کافی بدل چکے تھے۔ بھابھی کا رویہ عجیب تر ہوتا جا رہا تھا۔ احساس ہوا کہ شادی کے بعد میکے میں وہ عزت نہیں رہتی، سمجھ میں آگیا کیوں ماں باپ بیٹی کا گھر بسا رہنے کی دعا کرتے ہیں۔

بھیا جی کٹے کٹے سے تھے۔ میں نے ان کے گھر کا آدھا خرچہ اپنے ذمے لے لیا تھا پہلے کی طرح۔ سبزی لانا راشن بھروانا بجلی پانی گیس کے بل وقت پر جمع کروانا اس بار منی کے اسکول کی فیس بھی ایڈوانس دے دی پھر بھی ان کا رویہ ویسا ہی تھا۔ مجھے نہیں سمجھ آرہا تھا یہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں کئی مرتبہ نبیلہ آپا نے کہا کہ لاہور آجاؤ۔ مگر میں نے بہنوئی کے بجائے بھائی کے گھر کو ترجیح دی تھی۔

سمجھ نہیں آرہا تھا کسی قسم کا بار تھا ان پر ہر کوئی عجیب نظروں سے دیکھتا تھا میرا دل کرتا تھا پوچھوں ان سے مگر میری مجبوری تھی۔ اس گھر کے علاوہ مجھے اب کہاں جانا تھا۔

شیکھی نے ایک آدھ مرتبہ مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ شاید مسئلہ یہ تھا کہ ہم دونوں نے کمپرومائز نہیں کیا اور اب ہم دونوں ہی بری طرح پچھتا رہے تھے۔ میں صرف اس لیے کچھ مطمئن تھی

کہ میرا موقف صحیح تھا۔

زندگی ہمیشہ ایک جیسی رہے تو کیا ہی بات ہے۔ بھابھی نے میرے لیے رشتے دیکھنے شروع کر دیے تھے۔ گیارہ ماہ، صرف گیارہ ماہ ہی ہوئے تھے ان کے گھر میں مجھے اس علیحدگی کے بعد۔۔۔۔ بھیا بھی ملے ہوئے تھے دکھ اسی بات کا تھا۔

مجھے یہ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میرا وجود ان سب کو کیا تکلیف دے رہا ہے۔ افسوس مجھے بھابھی پر نہیں بھیا پر تھا۔

بھابھی ہر روز ایک نیا قصہ لے بیٹھتیں، ایک نیا رشتہ، مجھے یقین ہو گیا کہ اب وہ مجھے یہاں سے نکال کر ہی دم لیں گی۔

صرف ایک شرط رکھی تھی میں نے۔

لڑکا نیک ہو۔

پھر چاہے شادی شدہ ہو پہلے سے۔

کم کماتا ہو۔

کم صورت ہو۔

پر شریف ہو حلال کا کماتا ہو۔

اور بھابھی نے دیر نہ کی وہ ساری خامیاں ملا کر ایک خوبی سمیت لڑکا ڈھونڈ لیا۔ سادگی سے نکاح ہو گیا۔ ولیمہ کرنے کی خواہش نہ ہماری طرف تھی نہ ہی ان کی طرف سے۔ میں نے سوچا ایک دروازہ بند ہوا تو دوسرا کھل گیا ہے۔ مگر مجھے علم نہ تھا کہ یہ دوسرا دروازہ مجھے کس طرف دھکیل رہا ہے۔ پھر وہی ہوا جو نصیب میں لکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"وہی ہوتا ہے جو نصیب میں لکھا ہوتا ہے یا پھر جو ہم چاہتے ہیں۔ زین کے بعد کوئی گنجائش نہ تھی کہ میں اس کا انتظار کرتا۔۔۔۔ یا وہ لوٹ آتی۔ میں نے اسی ہفتے اس کو طلاق کے کاغذات بھجوا دیے تھے۔ اب وہ اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ خوش ہے کیوں کہ اس کے شوہر کے پاس بہت پیسہ ہے اور جب تک اس کے پاس پیسہ رہے گا مجھے پتا ہے اسے بہت خوش رہنا ہے۔"

"تم خوش ہو عبدالرؤف۔"

"میں بس زندگی گزار رہا ہوں۔۔۔۔ اماں سے بہت شرمندہ ہوں۔ بہت زیادتی کی ان کے ساتھ میں نے وہی سلوک جو دنیا کے اسی فیصد بیٹے کرتے ہیں۔ پہلی مرتبہ احساس ہوا ہے کہ مرد عورت کو مالی سپورٹ دے کر سب کچھ چھین لیتا ہے اس سے اس کا وقار انا عزت نفس اور کہیں کہیں عورت صرف اسی پیسے کے لیے شوہر کی تمام قربانیاں اور اچھائیاں ضائع کر دیتی ہے۔"

"یہ ثابت ہوا کہ تجربہ بہت کچھ سکھاتا ہے۔ ایک اچھی اور گہری سوچ تک رسائی دیتا ہے۔"

"عبدالرؤف زندگی ہر ایک کو سکھا کر چھوڑتی ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" صبح کی پہلی کرن پھوٹ رہی تھی۔

"پھر یوسف کا رویہ کچھ درست ہوا۔۔۔۔؟"

"کوشش تو بہت کی تھی۔"

"اپنے آپ کو سمجھوتے کے لیے تیار کرنے کی یا پھر یوسف کو سمجھانے کی؟"

"دونوں کو درست کرنے کی۔"

"تو کچھ درست ہوا؟"

"ہونا تو چاہیے تھا۔" آسمان پر سفیدی چھا رہی تھی۔

"ہونا چاہیے تھا پر ہوا کچھ نہیں۔ میں ہر حالت میں اپنا گھر بچانا چاہتی تھی۔ ابھی تک اسی لیے سب کچھ سہتی آئی ہوں۔ ایک دفعہ یہ بھی سوچ لیا کہ یوسف سے بات کروں۔ لگ رہا تھا دن بہ دن ہم ایک دوسرے کے لیے ناقابل برداشت ہوتے جا رہے ہیں یہ مزید تب لگا جب کلثوم سے ملاقات ہوئی۔ کلثوم اس کی بیوی تھی سابقہ بیوی۔ ہفتے کا دن تھا جب وہ گھر پر نہ تھا تب وہ آئی تھی۔ مجھ سے ملنے۔

"میں کلثوم ہوں۔۔۔۔ یوسف کی پہلی بیوی، اندر تو آنے دو۔" اس نے گیٹ پر کھڑے ہو کر تعارف کروایا تھا۔ یوسف نے منع کر رکھا تھا کہ کسی بھی اجنبی عورت کو گھر نہیں آنے دینا۔

"یوسف گھر پر نہیں ہے۔" میں نے اسے اندر آنے کے لیے جگہ نہیں دی تھی۔

"مجھے پتا ہے وہ ہفتے کو گھر نہیں آتا سارا دن۔ مجھے تم سے ملنا ہے۔"

"مگر کس لیے؟"

"اندر تو آنے دو۔۔۔۔ دیکھ لو خالی ہاتھ ہوں۔ میرے ہاتھ میں کوئی گن پستول نہیں کہ تم ڈر رہی ہو۔" اس نے خالی ہتھیلیاں میرے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔

"آجائیں۔" میں نے جھجکتے ہوئے رستہ دیا کہ اتنی دھوپ میں زیادہ دیر کھڑے رہنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ وہ بھی پسینے میں شرابور تھی۔ اندر آتے ہوئے اپنے دوپٹے سے پسینہ خشک کرنے لگی۔

"آپ بیٹھیے۔۔۔۔ میں پانی لاتی ہوں۔" میں نے پانی کے بجائے اسے شربت پیش کیا۔

"کچھ اور لیں گی؟" میں چاہتی تھی جلدی کھلا پلا کر اسے روانہ کر دوں۔

"نہیں اب بیٹھ جاؤ پہلے کچھ بات کر لیں۔ یہ بجلی کتنے بجے آئے گی؟" کمرے میں کافی گرمی تھی۔

"آپ برآمدے میں نکل کر بیٹھیں۔"

رہنے دو کسی نے دیکھ لیا تو مخبری ہو جائے گی۔ مجھے اس کمرے میں رہنا ہے تھوڑی دیر۔ اس کمرے کے ساتھ میری بہت سی یادیں ہیں۔" وہ کھڑکی کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"جی کہیے۔۔۔۔ مجھ سے کیا بات کرنی ہے آپ کو۔" میں دوسری کرسی لے کر اس کے سامنے بیٹھ گئی مجھے نہیں سمجھ آرہی تھی کہ اسے مجھ سے کیا بات کرنی ہو گی۔

"یہ کمرہ پہلے میرا تھا۔ میں بھی اسی کمرے میں رہتی تھی۔ یہ الماری میں نے پائی پائی جوڑ کر لی تھی۔ یہ پلنگ میرے ابے نے یوسف کو دیا تھا۔ میں جب یہاں آئی تھی تو سوائے ایک کھٹولے (چارپائی) کے اس کمرے میں ایک پرانی سلور کی پیٹی تھی میں نے بھی کوشش کی تھی اس گھر کو سجانے کی۔" اس کی آنکھوں میں

حسرت تھی۔

"تم پڑھی لکھی ہو۔۔۔ مگر میں بھی زمانہ شناس ہوں۔ ہو سکتا ہے یوسف تیرے ساتھ اچھا سلوک کر لیتا ہو۔۔۔ پر میرے ساتھ بہت برا تھا۔"

"کیا برائی کی اس نے آپ کے ساتھ؟"

"کوئی ایک۔۔۔ سو ہیں۔ ایک ہوں تو بتاؤں۔"

"آپ کو مجھ سے کیا بات کرنی ہے؟"

"تم بہت پڑھی لکھی لگتی ہو خوب صورت بھی پہلے یہ بتاؤ تم نے یوسف سے کیوں شادی کی ہے؟"

"آپ یہ پوچھنے کے لیے میرے پاس آئی ہیں؟ آپ میرا اور اپنا وقت ضایع کر رہی ہیں۔"

"تمہارے ساتھ یوسف کا رویہ کیسا ہے؟"

"آپ کے ساتھ کیسا تھا؟"

"بہت برا شادی کے پہلے دن ہی اس نے مجھے ڈانٹا نماز نہ پڑھنے پر۔"

"بس؟"

"بس نہیں بی بی آگے سنتی جاؤ۔۔۔ پھر اسے میرے کام میں سو کیڑے نظر آنے لگے۔ بات بات پر جھڑکنا میرے رشتے داروں نے آنا چھوڑ دیا۔ ماں باپ سے دور کر دیا اس نے مجھے ظالم تھا۔ ایک دن شک کی بنیاد پر اس نے مجھ پر ہاتھ بھی اٹھایا مارنے لگا۔ میں بھی چھوڑتی نہ تھی زبان خوب چلاتی تھی۔" اس نے فخریہ بتایا۔

"پھر۔۔۔؟"

"پھر اس کے ظلم بڑھتے گئے۔ میں سمجھتی تھی کہ میں سہوں گی صبر کروں گی تو اسے احساس ہو گا پر نہیں وہ تو اور سختیاں کرنے لگا۔ نماز کی بات تو بہانہ تھی وہ بہانے بہانے سے بے عزت کرتا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ اپنے باپ پر گیا تھا۔

ایک دن اس کی ماں نے مجھے کہا کہ یوسف کو چھوڑ دے۔۔۔ اس بے چاری نے ساری زندگی سمجھوتہ کیا پر ملا کچھ نہ۔۔۔ وہ مجھے کہتی تھی۔ یوسف کو چھوڑ دے۔ میں نے اس کی ایک نہ سنی' ایک دن میں نے مان لیا کہ ہاں میرے چچا زاد کے ساتھ میرا چکر ہے۔ اس نے بڑا مارا مجھے۔۔۔ مار کر گھر سے نکال دیا طلاق دے کر۔۔۔ پر میری جان چھوٹی۔

اسی چچا زاد نے شادی کر لی اب خوش ہوں۔ صوم صلواۃ کا پابند وہ بھی ہے۔ باقاعدہ نمازی' حافظ قرآن ہے۔ کہتا ہے ضرورت سے زیادہ سختی انسان کو باغی کر دیتی ہے۔ کم کماتا ہے پر پھر بھی مجھے خوش رکھتا ہے۔ میں ناراض ہوتی ہوں تو مناتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں لاتا ہے سستی سی پر خوشی سے لاتا ہے تو خوشی ہوتی ہے۔ گھر کا کام کرتی ہوں تو قدر کرتا ہے میری۔۔۔ احساس ہے اسے میرا۔۔۔ بس گھر کا سکون تو ہے۔۔۔ چیزوں کا کیا ہے۔ چیزیں تو آتی جاتی ہیں۔"

"اللہ آپ کو خوش رکھے ہمیشہ ہمیشہ۔"

"بات سن لو اس سے کبھی اچھی امید نہ رکھنا۔ وہ نہیں سدھرے گا۔ تمہیں دبائے گا پھر ہاتھ اٹھائے گا' سختیاں کرے گا پوری عمر نہ ضائع کرنا۔ خوب صورت ہو' جوان بھی ہو ابھی کوئی بھی شادی کر لے گا تم سے' جا رہی ہوں۔ میری باتوں پر غور کرنا۔"

وہ ایک نئی فکر دے گئی تھی۔ اس دن کے بعد اس گھر میں اور دم گھٹنے لگا تھا۔ احتجاج بھی بے کار تھا۔ کبھی کبھار انسان وہ سب سہتا ہے' جس کے لیے اس نے کبھی سوچا نہیں ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

میں اس سے خلع لینا چاہ رہی تھی مگر وہ اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا۔ اسے عورت کو تنگ کرنے سے خوشی ملتی تھی۔ اس کا شمار انہیں مردوں میں ہوتا ہے' جو احساس برتری کا شکار ہو کر عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں۔ اس نے ذہنی طور پر مجھے مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

عورت جہنم میں زیادہ جائے گی۔

عورت ناشکری ہے۔

عورت بری ہے۔

عورت یہ۔۔۔ عورت وہ۔۔۔

سن سن کر تھک گئی تھی صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا تھا۔

میں نے سوچا تھا شیکی سے ایک مرتبہ مل لوں' بات کر لوں۔ اس دن میں یوسف کو بتائے بغیر گھر سے نکل گئی شیکی سے ملنے کے لیے' مگر میں نے کہا نا' کبھی کبھار ہر چیز ہماری توقع کے برعکس ہی ہوتی ہے۔

شیکی کے گھر سے ایک لڑکی نکلتی دکھائی دی اور پیچھے پیچھے وہ تھا۔ شیکی نے مجھے دیکھ لیا تھا پر وہ رکا نہیں۔ اس نے مجھے نظر انداز کر دیا وہ اس لڑکی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میرے سیل فون پر میسج ٹون ہوئی تھی۔

"کوئی ساری زندگی کسی کا انتظار نہیں کیا کرتا۔ میں نے شادی کر لی ہے اور میں بہت خوش ہوں۔ اسے میری کسی عادت پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ یہ وہ عورت ہے' جو میری پروا کرتی ہے اور مجھ سے محبت کرتی ہے۔ یہ وہ عورت ہے' جو میرے لیے' بہت اہم ہے۔"

☆ ☆ ☆

میرا ارادہ بدل گیا تھا۔ لوگوں پر سے اعتبار اٹھ گیا تھا۔

یوسف کو اپنا آخری آپشن سمجھ کر قبول تو کر لیا پر زندگی مشکل ہو گئی۔ میں فی الحال اس گھر سے نکل آئی ہوں۔ نبیلہ آپا کے پاس جانا چاہ رہی ہوں۔۔۔ کبھی کبھار انسان فیصلہ نہیں کر پاتا۔۔۔ مجھ سے یہ مشکل آسان نہیں ہو رہی۔۔۔ اس لیے صورت حال سے بھاگ رہی ہوں' پتا نہیں دیکھتی ہوں اللہ میرے لیے کیا رستہ چنتا ہے یوسف کو چاہتے ہوئے نہ چھوڑ سکی۔ ہو سکتا ہے۔ یوسف آگے جا کر۔۔۔"

"خود کو بہلانا بہت اچھا ہے۔" اب کی بار وہ بولا تھا۔ وہ پھیکی ہنسی ہنس دی۔

"چائے پیو گی۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔" اس کا ذہن پوری طرح سے تھک چکا تھا۔ وہ کیبن سے چائے کے دو کپ لے آیا۔

"آپا میں لاہور آ رہی ہوں۔" انہوں نے خود ہی فون کیا تھا اس سے پہلے کہ وہ کرتی۔

"تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے یہاں آنے کی۔ میں خود کل آ رہی ہوں۔"

"تم گھر جاؤ میری یوسف سے بات ہوئی ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اگلی طرف سے ایک نیا آرڈر آیا ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔

"وہ کہہ رہی ہیں کہ میں واپس چلی جاؤں۔۔۔ اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔" یہ جملہ اس نے بے یقینی سے ادا کیا۔ اسٹیشن پر رش بڑھتا جا رہا تھا۔

"وہ مجھے لینے کے لیے آ رہا ہے۔" ٹرین پہنچ گئی تھی۔۔۔ لوگ اتر رہے تھے کچھ سوار ہو رہے تھے۔

"مجھے یہاں سے کھسک جانا چاہیے۔ تمہارا شوہر آ رہا ہو گا۔"

"اپنا خیال رکھنا اور میرے لیے دعا کرنا بہت۔"

"کروں گا اور تم بھی۔"

"ضرور۔" وہ سلام کر کے چلا گیا۔

وہ کتنے منٹ تک سوچتی رہی کہ کیوں ملے ہیں۔۔۔ ایک رات کے لیے۔ صرف اپنی کہانیاں سنانے کے لیے۔۔۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب تھکی ہوئی مسکراہٹ تھی۔ خود کو بہلانا اچھا ہے۔ پر بہت مشکل بھی۔۔۔

یوسف پلیٹ فارم پر پہنچ گیا تھا۔ سوائے سلام کے ان دونوں کے درمیان کوئی بات چیت نہ ہوئی تھی۔

ٹھیک دو گھنٹے بعد وہ لوگ گھر پہنچ گئے تھے۔ یوسف کا رویہ ویسا ہی تھا۔

☆ ☆ ☆

"میرے خیال سے ہمیں جلدی نکلنا ہے اور تم ہمیشہ ہی دیر کر دیتی ہو۔" اس کی سب سے زیادہ بری عادت یہی ہے کہ وہ جلدی بہت کرتا ہے۔ صبر نام کی کوئی چیز اس میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

"چینج تو کر لو پہلے جب تک میں زین کو کپڑے پہنا لوں۔"

"دس منٹ میں تمہارا کام مکمل ہونا چاہیے۔" دھمکی دے کر جاتا ہے اچھی طرح جانتی ہوں جیسے وہ یوں گیا یوں آیا۔ واش روم میں نہانے کے بہانے گانے جاتا ہے اور گانے بھی اتنے دکھی گاتا ہے وہ بھی اونچی آواز میں۔

"خدا کے لیے گانے کے نام پر احتجاج مت کرو..... ٹیبل لگالی ہے۔ آجاؤ۔" زین کو ریڈی کر کے اس کی پیکنگ بھی کرلی ضروری سامان بیگ میں بھرا کھانا میز پر لگا دیا ہے اور وہ ابھی تک واش روم میں گانے گا رہا ہے۔

"کھانے میں بریانی ہے نا۔"

"شکر ہے تم آئے تو میں سمجھی آج شام تک وہیں رکو گے۔"

"تم ہمیشہ غلط سمجھتی ہو۔ تمہاری سمجھ دن بدن گھٹتی جا رہی ہے۔" اس نے پلیٹ میں ضرورت سے زیادہ نکال لیا تھا۔

"اب یہ سارا کھانا بھی۔" مجھے پتا ہے وہ آدھے سے زیادہ ضائع کرتا ہے اور یہی کیا تھا۔

"بابا لاہور میں بادشاہی مسجد بھی ہوتی ہے نا۔"

"بیٹا لاہور میں بہت نمونے پائے جاتے ہیں۔"

"حیدر آباد سے پھر بھی کم" مجھے پتا تھا وہ یہی کہے گا اور میں بھی۔

"ہاں وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں۔" اس کا اشارہ میری طرف ہی تھا۔ اس کی یہ بھی بری عادت ہے کہ وہ کبھی باز نہیں آتا ایک کی دس سناتا ہے۔

"چلو چلیں۔" اس نے سامان اٹھایا اور میں نے زین کو۔

"ڈرائیونگ آہستہ کرنا خدا کے لیے۔" مگر وہ کہاں کسی کی مانتا ہے۔ خیر اس کی سب برائیوں سمیت بھی مجھے اس کی ہر خوبی اور خامی دل سے عزیز ہے۔

"بہت چاہتی ہو نا مجھے۔" اسے خاصی خوش فہمی ہے۔

"اب کیا کریں محبت بھی مجبوری ہے۔"

"اور نباہنا بھی۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"بہت فضول بولتے ہو..... میں سوچ رہی ہوں بڑھاپے میں کتنا بولو گے۔"

"فضول بولنے کے لیے بڑھاپے کا انتظار کیوں کروں۔"

"ساری خواہش آج پوری کرلو اپنی۔"

"اگر تم اجازت دو تو....."

زین ہم دونوں کو نا سمجھنے والے انداز میں باری باری دیکھ رہا ہے کتنا پیارا ہے ہمارا بچہ۔ اللہ ہمیں کتنے پیارے تحفے دیتا ہے۔ اللہ کتنا مہربان ہے نا۔ روفی اور زین کو دیکھ کر یہ خیال اور بھی گہرا ہو جاتا ہے۔

☼ ☼ ☼

اس کی سب سے بری عادت ہے مجھے تو گنا گنا کر سناتا ہے۔ جب میں نہانے جاؤں تو بہت آوازیں دیتا۔ بچے ہوئے کھانے پر مجھے بہت سناتا اور سستی مگر اس سے زیادہ اس کی اچھائیاں ہیں..... بہت زیادہ۔ جب میں کبھی غصہ کروں تو مسکرا دیتا اور میرا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔

گھر کو بہت توجہ دیتی ہے اور مجھے اور زین کو بھی۔ پھر جاب بھی کرتی ہے۔ کیسے کر لیتی ہے سارا کچھ مجھ سمجھ نہیں آتا۔ سب کچھ بڑی مہارت سے سیٹ کیا ہوا ہے اس نے۔ نقص نکالنا بھی چاہوں تو نہیں ملے۔ اپنی خوش قسمتی پر جتنا بھی رشک کروں کم ہے۔

اسے تنگ کرنے میں بھی مزا ہے۔ میں گاڑی چلاؤں تو آنکھیں بند کر لیتی ہے اب بھی اس نے آنکھیں بند کرلی ہیں۔ میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے زور زور سے گا رہا ہوں۔ زین اور میں مل کر ماما کی بزدلی کا مذاق اڑاتے ہیں میں ہنستا ہوں تو وہ بھی ہنستا ہے۔ میرا زین اللہ نے تجھے واپس دے دیا اور میری محبت..... میری ام حبیبہ بھی۔ اب میں کیوں نہ خوش رہوں۔ مجھے کون روک سکتا ہے واش روم میں نہاتے ہوئے گانے سے تیز ڈرائیونگ کرنے سے۔

☼ ☼ ☼

زندگی میں تقدیر نامی چیز سے زیادہ با اثر کوئی چیز نہیں ہے اسی تقدیر نے ان دونوں کو پھر اسی پلیٹ فارم پر لا کھڑا کیا تھا۔

یوسف جیسا کم ظرف اور تنگ ذہن انسان جس کے ساتھ پوری زندگی مشکل تھی اور اللہ اسے کیسے پوری زندگی اس کے ساتھ رکھتا۔ بہت پرانا محاورہ ہے کہ ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو دوسرا کھل جاتا ہے۔

دوسرا بند ہوتا ہے تو تیسرا کھل جاتا ہے۔

یوسف کو جو دکھانا تھا اللہ نے اسے دکھا دیا۔ یوسف نے بہت شور مچایا۔ اسے طلاق دے دی۔ اس کے کردار پر الزامات لگائے۔ سب نے دیکھا اس نے اپنا گھر بچانے کی کوشش کی تھی۔ مگر نہ بچا یہی اچھا تھا۔

پھر بہت تھوڑا عرصہ تھا تنہائی کا۔ وہ عزیز بھائی کے گھر نہیں گئی۔ وہ اکیلی رہی تھی اس نے سوچا اکیلے رہ لے گی۔ مگر اللہ اسے اکیلا کیوں کرتا۔ اللہ کو پتا تھا وہ اکیلی نہیں رہ سکتی۔ زندگی بہت مشکل ہے۔ پھر اسے پلیٹ فارم والا عبدالرؤف لینے آگیا۔ اس نے پہلے انکار کر دیا مگر وہ انکار کو اقرار میں بدلنا جانتا تھا۔ یہ تو ہونا تھا۔

پھر اس نے عبدالرؤف کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کیا۔ اسے کوئی خوش فہمی یا امید نہ تھی پر پھر بھی اسے سب کچھ مل رہا تھا۔ جس کی وہ مستحق تھی۔ اللہ کبھی کسی کا صبر ضائع نہیں کرتا۔ یہ بات اسے وقت نے بتائی تھی۔

ننھے منے ہاتھوں نے دعا مانگی۔

"یہ آپ کی دادی ماں ہیں۔ سو رہی ہیں ان کے لیے دعا کریں۔" زین کی ماما نے اسے دعا کرنا سکھائی پھر فاتحہ پڑھی۔ پھر زین کی انگلی تھام کر کھیتوں پر سے گزرتے ہوئے زین کے ماما بابا نے اپنے زین کو بہت پیار سے دیکھا تھا۔

"جلدی کرو ٹرین نکل نہ جائے ایسا نہ ہو کہ یہیں رہ جائیں۔" زین کی ماما نے تیز تیز چلنا شروع کیا تھا۔

"تو کوئی برائی نہیں ہے۔ یہاں ہماری یادیں ہیں۔" زین کے بابا کو زین کی ماما نے گھورا تو وہ زور سے ہنسا اور تیز تیز چلنا شروع کیا۔

ٹرین پٹری پر رینگنا شروع ہوئی تھی۔ رینگتی ہوئی ٹرین کے پائیدان پر چڑھ گیا اور حبیبہ کو سہارا دے کر چڑھایا۔

"ہمیشہ فقیروں کی طرح رستے میں ہی بیٹھ جانا۔"

"مجھے نوابوں کی طرح سیٹ پر بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔ میں فقیر آدمی ہوں۔ ساری زندگی پائیدان پر گزار سکتا ہوں۔" وہ شور کی وجہ سے زور زور سے بول رہا تھا۔

"میرا کوئی ایسا ارادہ نہیں ہے۔" وہ ناچار اس کے ساتھ پائیدان پر بیٹھ گئی۔

"میرا بچہ مجھے ڈر ہے تم اسے گرا دو گے۔" زین کی ماما کو بہت فکر تھی۔ وہ اسے گدگدی کر رہا تھا۔

"زین کو چاکلیٹ کھانی ہے۔" زین بابا کے پاس چلا رہا تھا۔

"زین کو نوڈلز ماما بنا کر دیتی ہیں۔"

"زین آدھا بابا کا آدھا ماما کا کیوں کہ زین کو چاکلیٹ بھی چاہیے اور نوڈلز بھی۔"

"اکیسویں صدی کا بچہ ہے۔ ہم دونوں کو چکمہ دے سکتا ہے۔" زین کے ماما بابا دونوں ہنسنے لگے تھے۔

زندگی ریل کے سفر کی طرح دلچسپ ہو گئی تھی۔

"پائیدان کا دروازہ کتنا اہم ہے جہاں سے براہ راست مناظر بھاگتے دوڑتے نظر آتے ہیں۔ پائیدان پر بیٹھنے کے بہت سے فائدے ہیں ام حبیبہ۔"

"کیا؟"

"یہی کہ انسان سب سے پہلے اترتا اور چڑھتا ہے۔"

"بڑا بے سرا جواب ہے۔" ام حبیبہ ہنستی تھی تو گالوں میں ڈمپل پڑتے تھے۔ جسے عبدالرؤف اسے چھیڑنے کی خاطر گڑھے پڑ گئے کہتا تھا۔ اب بھی کہا تھا۔ ام حبیبہ نے ہنسی روکی تو مسکراہٹ نے اس کے چہرے کو اور دلکش بنا دیا تھا۔ زین ماما کے چہرے کی طرف دیکھتا پھر بابا کے چہرے کی طرف۔ اس کے چہرے میں نا سمجھی، حیرت سارے معصومانہ تاثر جمع تھے۔ اس کے ماما بابا کو زین کے ایسے ہی تاثرات پر پیار آجاتا تھا۔

پائیدان کے دروازے میں یہ تین مسکراتے چمکتے عکس بہت پیارے لگ رہے تھے۔ ریل کے سارے دروازوں میں یہ دروازہ اس وقت اہم تھا۔ ریل کی اسپیڈ بہت تیز تھی ریل چھک چھک کرتی ہوئی جا رہی تھی۔ سارے منظر ریل کے اس دروازے کو دیکھ رہے تھے اور دروازے والے منظروں میں گم تھے۔ منظر بدلتے جا رہے تھے منظر زندگی تھے۔

☼ ☼

ستر ہویں قسط

ناولٹ

ریحانہ امجد بخاری

فرزان ایک دن کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے تو چائے پینے کی نیت سے باہر جاتا ہے جہاں اس کی ملاقات چند علماء کرام سے ہوتی ہے جو اسے باقاعدگی سے مسجد آنے اور نیک اعمال کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ فرزان کی ان سے بحث ہو جاتی ہے۔ تو تکرار میں بہت سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی دوران پولیس آجاتی ہے جو ان سب کو پکڑ کر تھانے لے جاتی ہے وہاں پر بھی فرزان پولیس والوں سے عجیب و غریب گفتگو کرتا ہے۔ پولیس والے اسے پاگل قرار دے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اذان کو ایک اسٹیج پلے کرنے کی آفر ملتی ہے۔ ساری ذمہ داریاں اسی پر ہوتی ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ تیاریوں میں لگ جاتا ہے۔ اسکرپٹ کے مطابق ڈرامے میں ایک لڑکی کی ضرورت ہے مگر ان کی ٹیم میں کوئی لڑکی نہیں ہے۔ ایک دوست رانا فہیم اسے بتاتا ہے کہ وہ ایک ایسی لڑکی کو جانتا ہے جو یہ کردار بہت اچھا کر سکتی ہے۔ اذان اس لڑکی ماہم سے ملتا ہے۔ ماہم بہت پر اعتماد اور خوب صورت لڑکی ہے جو پوری ذمہ داری سے اپنا کام کرتی ہے۔ اذان اس کے حسن اور صلاحیتوں سے متاثر ہو جاتا ہے مگر اس کے سامنے اعتراف نہیں کرتا۔ ماہم اس کے گروپ کے تمام لڑکوں سے فری ہو جاتی ہے اور باری باری سب کو اپنا موبائل نمبر دیتی ہے۔ اذان کو یہ بات بہت بُری لگتی ہے۔ مگر وہ اس سے موبائل نمبر نہیں مانگتا۔ اذان کا اسٹیج پلے بہت پسند کیا جاتا ہے مگر اسی دوران اس کے اپنے دوست رانا فہیم سے تلخی ہو جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ماہم اب تمہارے پلے میں کام نہیں کرے گی۔ تم کوئی متبادل انتظام کر لو۔ اذان جیسے تیسے باقی کے پروگرام کرتا ہے مگر وہ ماہم کو بھول نہیں سکا۔ وہ دل ہی دل میں اسے یاد کرتا ہے، اس کے دوست اور ٹیم ممبر زاسے بتاتے ہیں کہ ماہم فون پر سب ہی سے بات کرتی ہے لیکن وہ ملنے کے سخت خلاف ہے اور ایک مخصوص حد تک بات کرتی ہے۔ وہ دوستی کرنے کے حق میں نہیں۔ اس کا خیال ہے کہ جو شخص اس سے مخلص ہوگا اور اس سے شادی کا خواہش مند ہوگا وہ اسی سے تعلق رکھے گی۔ ماہم کے خیالات سن کر اذان کو خوشی ہوتی ہے۔ ماہم کا تعلق ایک غریب گھرانے سے ہوتا ہے اس کی ماں ایک اسکول میں کینٹین چلاتی ہے اور باپ سائیکل پر گھوم کر صبح کے ناشتے کے لیے چھولے بیچتا ہے۔ مگر وہ اپنی غربت کے باوجود ماہم کو اعلا تعلیم دلا رہے ہیں۔ ماہم بی کام کی اسٹوڈنٹ ہے۔ ذہین اور حساس مگر اپنی غربت سے نالاں ہے۔ اذان کو اپنے ایک دوست سے پتہ چلتا ہے کہ ماہم ایک کریمنل آدمی سے ٹیلی فونک رابطے میں ہے اور اس کی دوستی کا دَم بھرتی ہے۔ اذان کو تشویش ہوتی ہے مگر وہ اپنے دوستوں سے اس کا نمبر پوچھنا پسند نہیں کرتا۔ اسی دوران اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ اس کا ایک دوست رشتے میں ماہم کا چچا لگتا ہے۔ اذان اس سے ماہم کا نمبر حاصل کر لیتا ہے۔ اذان اور ماہم کی دوستی ہو جاتی ہے۔ جو رفتہ رفتہ محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ محلے دار فیضی صاحب سے فرزان کی الٹی سیدھی حرکتوں کی شکایت کرتے ہیں۔ فیضی صاحب بہت شرمندہ ہوتے ہیں اور فرزان سے سخت رویہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ دوٹوک انداز میں کہتے ہیں کہ یا تو اپنے دوستوں کو چھوڑ دو یا اس گھر کو...... فرزان ضد میں آکر اپنی بیوی زارا کو ساتھ لیتا ہے اور گھر چھوڑ دیتا ہے۔ فرزان کے گھر چھوڑنے کے بعد فیضی صاحب فرزان کی بہت کمی محسوس کرتے ہیں مگر اس کا اظہار نہیں کرتے۔ ذکیہ بیگم جو ایک ماں ہیں۔ بیٹے کی جدائی ان پر بھی بہت اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ بیٹے کی وکالت کرتی ہیں مگر فیضی صاحب انہیں سمجھا دیتے ہیں کہ وہ یہ سختی بیٹے کی بھلائی کے لیے کر رہے ہیں۔ فرزان گھر چھوڑنے کے بعد مالی پریشانیوں کا شکار ہے اور اس کے گھریلو حالات بہت خراب ہیں۔ اس کا ایک دوست اسے ایک این جی او میں کام کرنے کی دعوت دیتا ہے جہاں اس کی ملاقات نیلم سے ہوتی ہے۔ نیلم کو فرزان بہت اچھا لگتا ہے مگر وہ اسے بتا دیتا ہے کہ وہ شادی شدہ ہے یوں نیلم کے دل میں فرزان کی محبت پروان چڑھنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہے۔ فیضی صاحب کو بیٹے کی نافرمانی اور جدائی نے مل کر اندر سے توڑ دیا ہے۔ انہی دنوں فیضی صاحب کا دوسرے شہر جانا ہوتا ہے۔

ٹوٹے تیری انگڑائی تو سوچے ترا فنکار
خوشبو کا بھنور ہے، یہ دھنک ہے کہ کماں ہے
گھر کس نے جلایا ہے کسے کون بتائے
منصف ہے یہاں آگ، گواہوں میں دھواں ہے
اجڑی ہوئی آنکھوں سے اُدھر خواب کریدو
کہتے ہیں خزانہ بھی خرابے میں نہاں ہے

بجھتی ہوئی راکھ کو کریدا جائے تو کوئی نہ کوئی چنگاری مل ہی جاتی ہے مگر اجڑی ہوئی آنکھوں سے خواب کریدنا سعی لاحاصل کے سوا کچھ نہیں۔۔۔ اور اس کی تو دنیا ہی اجاڑ ہو گئی تھی۔ اس نے چھت پر جمی ہوئی نظروں کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے بے چینی سے کروٹ بدلی اور پھر اس کی نظریں اپنی تنہائی اور کمرے کے اجاڑ منظر پر نوحہ خوانی کرنے لگیں۔

رات کے دو بج رہے ہوں تو ہر ذی روح چین و سکون کی نیند سو رہا ہوتا ہے۔ ایسے عالم میں جب ہر سمت ہُو کا عالم طاری ہوتا ہے، سناٹے کی حکمرانی ہوتی ہے تو منظر اجاڑ ہی لگتے ہیں لیکن کبھی کبھی سناٹا آپ کی روح پر نازل ہوتا ہے اور رگ و پے میں سرایت کرتا چلا جاتا ہے۔ اس وقت ہر رنگ بے رنگ اور ہر منظر بے نور دکھائی دیتا ہے کیونکہ سارے موسم تو انسان کے اندر ہوتے ہیں، رنگ تو اندر سے پھوٹتے ہیں۔ کبھی محبت بھرے گیتوں کی صورت میں، تو کبھی وچھوڑے کی راگنی بن کر۔

ہے رنگ بھی نیرنگیٔ ادراک کا ملبوس
نغمہ جسے کہتے ہو حدِ ضبط فغاں ہے
دیکھیں تو ہے سایہ بھی کسی روح کا پرتو
سوچیں تو یقین کچھ بھی نہیں صرف گماں ہے

یقین و گماں کے درمیان معلق ہونے کی کیفیت بڑی دردناک ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو آگہی کے اس کرب سے دوچار ہوتا ہے۔ اذان بھی اسی درد کا مارا ہوا تھا۔ امید کا دامن تھامے کچے دھاگے سے بندھے ہونے کے مصداق وہ دوڑا دوڑا کامرس کالج پہنچا تھا۔ لیکن وہاں پیش آنے والے حالات و واقعات نے اس کے یقین کا سر کچلنے کے ساتھ ساتھ اس کی خوش گمانی کے بھی پرخچے اڑا دیے تھے۔

اسے ماہم سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ ٹیسیں تو صرف اس لیے اٹھ رہی تھیں کہ اسے درد کا منبع معلوم نہیں تھا۔ باوجود کوشش کے وہ اس حقیقت سے آشنائی حاصل نہیں کر سکا تھا کہ آخر ماہم کی اس بے اعتنائی کی وجہ کیا تھی۔۔۔ اس نے اس کا جرم بتائے بغیر سزا سنا ڈالی تھی اور سزا کاٹنے والے ملزم کے لیے اس سے بڑی اذیت کی بات کیا ہوگی کہ اسے خبر تک نہ ہو کہ وہ سزا کاٹ کس جرم کی پاداش میں رہا ہے؟

اس کے سینے میں بار بار ایک ہی خواہش مچلتی تھی کہ کسی طرح صرف ایک بار ماہم سے اس کی بات ہو جائے۔ کم از کم فردِ جرم تو عائد کر دی جائے۔ وہ اسے صفائی کا موقع بھلے ہی نہ دے، اسے اس کی غلطی، اس کی خطا سے تو روشناس کرا دے۔ لیکن اندر سے اٹھتی ہوئی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ اختیار تو کسی اور کے ہاتھ میں تھا اور یہ تو اس دنیا کی ریت رہی ہے کہ جس کے ہاتھ میں اختیار ہو وہ ہمیشہ اس کا غلط استعمال کرتا ہے۔

اذان نے اٹھ کر چپل پہنی اور پھر دھیرے دھیرے گلاس ونڈو کی جانب بڑھنے لگا۔ یکایک اسے شدید گھٹن اور بے چینی کا احساس ہوا تھا۔ اس نے مخملیں پردے کو ایک جانب سرکایا اور کھڑکی کا شیشہ ہٹاتے ہوئے لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ طبیعت اعتدال پر آئی تو اس کی نظریں دور تک پھیلے ہوئے گہرے اندھیروں سے الجھنے لگیں اور پھر ان اندھیروں میں روشنی کی آمیزش ہونے لگی جس کا ہالہ دھیرے دھیرے بڑھنے لگا۔ دور افق پر دکھائی دینے والی اس روشنی نے ایک ہیولے کا روپ دھار لیا۔ اس کی سوچ مجسم ہو گئی۔ رنگ و نور میں نہایا ہوا یہ جھلملاتا چہرہ ماہم کا تھا۔ بے اختیار اس کے لب حرکت میں آئے اور اس کی آواز بلند ہونے لگی۔

یاد آئے جو مرے بعد سنورنا اس کو

اے شبِ ہجر اسے چاند کا جھومر دینا
شہر والو کبھی اعزاز جو تقسیم کرو
مجھ کو شیشے کا لبادہ اسے پتھر دینا

اس کی آواز شاید فضا میں پرواز کرتی ہوئی اس بے حس کی سماعتوں تک پہنچ گئی کیونکہ وہ جھلملاتا وجود یک لخت بجھ گیا تھا۔

اس نے بے چینی سے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں مگر بے سود۔۔۔ وہ دل خوش کن منظر اب اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ پتا نہیں وہ اس کا تصور تھا یا اس کا ذہنی توازن ڈانواڈول تھا۔۔۔

اس نے شیشے پر ہاتھ جمائے اور کھڑکی سے گردن باہر نکالتے ہوئے دور تک جھانکا لیکن وہاں کچھ ہوتا تو دکھائی دیتا۔۔۔ وہ مضطرب ہو گیا اور پھر اس کی نظریں تاریک آسمان پر جا ٹکیں۔ بے چینی اور بے قراری نے الفاظ کا روپ دھار لیا، وہ شکوہ کناں ہو گیا اور اس کی آواز تاریک آسمان کی جانب محوِ سفر ہونے لگی۔

منظر دکھا نگاہ کی سرحد کے پار بھی
خالق اب آسمان کا چھلکا اتار بھی
کچھ اس کو دیکھنے کا نشہ چور کر گیا
کچھ آنکھ میں ہے جاگتی شب کا خمار بھی
میں تیری بخششوں کا ہوں قائل پر ایک دن
دے اپنے جبر پر تو مجھے اختیار بھی

آواز کی بازگشت خاصی دیر تک سنائی دیتی رہی اس کے بعد وہی پرہول سناٹا، گہری تاریکی اور اس کا تنہا وجود۔ پتا نہیں کب سے کب تک وہ وہیں کھڑا رہا اعصاب شل ہوئے، تھکن کا احساس ہوا تو وہ پلٹا اور بیڈ پر گر کر دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے موبائل اٹھایا اور کانٹیکٹ لسٹ میں جا کر ایک جانے پہچانے نمبر کو سلیکٹ کرتے ہوئے رابطہ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

ایک کے بعد ایک بیل جانے کی آواز سنائی دیتی رہی پھر خودکار کمپیوٹر کی آواز آنے پر اس نے کال ڈس کنکٹ کی اور نمبر دوبارہ ڈائل کر دیا مگر ڈھاک کے وہی تین پات۔۔۔ ایک بار پھر کمپیوٹر کی آواز سنائی دینے پر اس نے ریڈ بٹن دبایا اور اس کے بعد گرین بٹن کو پُش کر دیا

ایک۔۔۔
دو۔۔۔
تین۔۔۔
چار۔۔۔
دس۔۔۔ مگر بے سود۔۔۔ اس نے جتنی بار بھی نمبر ملایا، بیل جا جا کر آخرکار کمپیوٹر بول اٹھتا۔ وہ کال کاٹتا، دوبارہ ملاتا مگر صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ تھک ہار کر اس نے موبائل بیڈ پر پٹخ دیا اور اس کی نظریں دیوار گیر گھڑی پر جا ٹکیں جو پونے تین بجنے کا مژدہ سنا رہی تھیں۔ ”شاید وہ سو رہی ہوگی“ ٹائم بھی تو بہت ہو گیا ہے۔ رات کے اس پہر ہر کوئی تو نہیں جاگتا۔“ اس نے بے بسی سے سوچا۔ ”اور اب تو اسے کسی کے فون کا انتظار بھی نہیں ہوتا ہوگا بھلا وہ اس وقت کیوں جاگے گی؟“

اس نے حسرت بھرے انداز میں موبائل پر نگاہ ڈالی مگر موبائل اس گہری خاموش رات کی طرح خاموش تھا، لیکن یہ خاموشی کچھ زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ موبائل کی جلتی بجھتی اسکرین اور سنائی دینے والی رنگ ٹون کی آواز نے کمرے کی بے جان فضا میں زندگی کی لہریں دوڑا دیں۔ وہ چونک کر موبائل کی جانب متوجہ ہوا اور بے قراری سے ہاتھ بڑھاتے ہوئے موبائل اٹھا لیا لیکن اسکرین پر نظر ڈالتے ہی اُسے مایوسی کے ساتھ ساتھ حیرت کا سامنا بھی کرنا پڑا کیونکہ اسکرین پر جلتا بجھتا نام ماہم کا نہیں تھا بلکہ ”فارق ملک“ کا تھا۔

یاد آتے ہیں یار دیرینہ
ہائے وہ غم گسار دیرینہ
دشمنوں کی صفوں میں شامل ہے
اپنا وہ یارِ غار دیرینہ

☆☆☆

میں خود سے اپنی وفا کا قیدی

انا پرستی کے موسموں میں
سمندروں کی ہوا کا قیدی
کسے بتاؤں کہ کتنی زہریلی میری تنہائی
کون جانے
نہ کوئی دیوار ہے
جو میرے سوال سن کر
جواب اگلے
نہ کوئی در ہے
کہ جو کسی شب
کسی کے آنے کا ادھ ادھورا گمان بخشے
کسے بتاؤں کہ اپنی تاریک گھاٹیوں میں بھٹک گیا ہوں
کسے بتاؤں کہ تھک گیا ہوں
میں تھک گیا ہوں تو سوچتا ہوں
کوئی تو مجھ کو ستارہ بن کے نشانِ منزل کی روشنی دے
کوئی تو میری بھی آرزوؤں کا چاند ٹھہرے
میں جس کی آنکھوں پہ گیت لکھوں
میں جس کے ہونٹوں کو گنگناؤں
میں جس کے ہاتھوں کو چوم کر
اپنی بند آنکھوں سے دیر تک یوں لگائے رکھوں
کہ جیسے بینائی مل رہی ہو
مگر میں دستِ دعا کا قیدی
میں لفظ لیکن صدا کا قیدی
انا پرستی کے موسموں میں
سمندروں کی ہوا کا قیدی

قید تو قید ہے مگر کبھی کبھی آزادی بھی قید کا روپ دھار لیتی ہے۔ انسان زنجیروں میں جکڑا ہوا نہیں ہوتا مگر پھر بھی اپنے آپ کو پابجولاں محسوس کرتا ہے۔ زندانوں میں قید نہیں ہوتا مگر خود کو اسیرِ قفس سمجھتا ہے۔ جب روح جسم کے خول میں گنبدِ بے در کی مانند سر پٹختی پھرے تو یہ لمحے بڑے اذیت ناک ہوتے ہیں۔

تب وہ کھلی ہوا میں سانس لیتے ہوئے بھی گھٹن محسوس کرتا ہے۔ حبس کا یہ موسم ہوا و فضا سے نہیں امنڈتا بلکہ انسان کے اندر سے پھوٹتا ہے تب آدمی آزاد ہوتے ہوئے بھی خود کو قیدی تصور کرتا ہے۔

یادوں کے تار کھل جائیں تو آگے ہی آگے کھلتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ ایک آہنی جال کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور انسان اس جال میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ نظر نہ آنے والی، دکھائی نہ دینے والی یادوں کی یہ غیر مرئی گرفت اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ چاہ کر بھی ان سے چھٹکارہ ممکن نہیں رہتا۔ ڈور سلجھنے کے بجائے الجھتی چلی جاتی ہے اور پھر ان گتھیوں کو سلجھانے میں عمریں بیت جاتی ہیں۔

عمراں لنگھیاں پباں بھار
ہائے ناؤں وے کالیا
عمراں لنگھیاں پباں بھار

اس کے ذہن میں مسحور کن موسیقی کی لہریں گونجنے لگیں اور وہ ان کی لے پر آگے ہی آگے بہتا چلا گیا۔ ڈور کا سرا پکڑا تو تار الجھنے لگے، تار الجھے تو ایک مضبوط جال بن گیا۔ جال بنا تو وہ ان گتھیوں کو سلجھانے میں مصروف ہو گیا۔

وہ ہمیشہ کی طرح مصروف تھی۔ جھاڑو دینے کے بعد برتن دھونے کھڑی ہو گئی۔ پھر سبزی بنانے لگی اور پھر کچن میں جا کھڑی ہوئی۔ مسحور کن خوشبوئیں اٹھنے لگیں اور اس کی زبان پر اس کے بنائے ہوئے کھانوں کی لذت بھری مہک رقص کرنے لگی۔

منظر بدلا اور اسے اپنی پیشانی پر ایک شفقت بھرے بوسے کا احساس ہوا۔

"بیٹا رات کو دیر تک باہر نہیں رہا کرو۔۔۔ جلدی واپس آجانا اس پگلی کی آنکھیں اس وقت تک دروازے سے چپکی رہتی ہیں جب تک تم لوٹ کر گھر نہیں آجاتے اور نیند تو اس وقت تک مجھے بھی نہیں آتی۔۔۔ ماں ہوں نا۔"

اس کی سماعتوں سے ٹکرانے والی ممتا بھری سرگوشیاں یقیناً اس کی ماں کی تھیں۔

پھر ایک اور چہرہ ذہن کے کینوس پر نمودار ہوا۔

"اوئے لمبو! میری کتاب لائے ہو یا نہیں؟" اس نے اسے دیکھتے ہی دریافت کیا۔ اور وہ احتجاجی انداز میں امی سے مخاطب ہوا۔

"دیکھ رہی ہیں امی! بڑے بھائی کو کیسے بدتمیزی بلا رہا ہے۔۔۔" اس نے پلٹ کر "راجہ گدھ" کے ہاتھ میں تھمائی اور پاؤں پٹختا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ جواباً وہ مسکرا دیا تھا۔

"کیوں تنگ کرتے رہتے ہو اسے بیٹا! بھائی ہے تمہارا۔" امی نے کہا تھا۔

"مزا آتا ہے۔" اس نے ہنس کر جواب دیا۔

"کتنے اچھے لمحات تھے؟ پیار کرنے والے، محبت کرنے والے اور اس کے دکھ سکھ میں شراکت دار، اس کے اپنے۔۔۔ وہ سارے رشتے جنہیں وہ چھوڑ آیا تو پھر پلٹ کر ان کی خبر تک نہیں لی۔

ڈور مزید الجھ گئی لیکن ابھی سرا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے کہیں پڑھا تھا کہ وقت کی ڈور اگر ہاتھوں سے چھوٹ جائے تو انسان کے دامن میں پچھتاوؤں کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔۔۔ اگر انسان وقت کی ڈور کو مضبوطی سے تھام لے تو گتھیاں کبھی نہ کبھی سلجھ ہی جاتی ہیں۔ کامیاب انسان وہی ہے جو اپنی رفتار کو وقت کی رفتار کے مقابلے میں زیادہ تیز رکھے۔ وقت کا انتظار کرنے کے بجائے بہتر عمل یہ ہوتا ہے کہ وقت آپ کا منتظر رہے۔ آگے بڑھ کر وقت کے سینے پر اپنی کامیابیوں کا جھنڈا خود گاڑنا پڑتا ہے اور وہ اس عمل میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اب وہ ایک کامیاب بزنس مین تھا۔ دولت، شہرت، بینک بیلنس، بنگلہ، گاڑی سبھی کچھ تو تھا اس کے پاس۔۔۔۔

پھر وہ تہی دامن کیوں رہے؟ وقت آگیا تھا کہ اب وہ بکھرے ہوئے موتیوں کو سمیٹ کر دامن بھر لے۔

وہ تو پہلے بھی اس بات کا قائل تھا اور اسی مقولے پر عمل کرتا تھا کہ صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کرنے والا انسان ہی کامیاب انسان کہلاتا ہے۔

اس نے ابھی فیصلہ کرنے میں تاخیر نہیں کی وہ نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔ فیصلہ ہو گیا تھا جو یہ تھا کہ اب اسے واپسی کا سفر طے کرنا ہے۔ سو اس نے ہاتھ پاؤں مارنا چھوڑ دیے۔ موجوں کا بہاؤ خود بخود ساحل کی جانب ہو گیا جہاں منزل اس کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ ماضی سے حال میں واپس پلٹ آیا جہاں وسیع و عریض آفس میں جہازی سائز کی اس میز کے عقب میں وہ تنہا بیٹھا ہوا تھا۔

اس نے ایک طویل سانس لی، سکون اور طمانیت سے بھرپور سانس اور پھر اس کا ہاتھ حرکت میں آگیا۔ بیل بجانے کے بعد وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اب وہ بالکل ملول یا آزردہ نہیں تھا۔ چند ہی لمحوں میں چپڑاسی نمودار ہوا تو کمرے میں اس کی آواز بلند ہوئی۔

"منیجر صاحب کو بلاؤ۔"

پھر چند ساعتوں کے بعد ہی منیجر صاحب اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ اس نے بغور ان کی طرف دیکھتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔

"میں کچھ دنوں کے لیے آؤٹ آف سٹی جا رہا ہوں اور یہ "کچھ دن" کتنے عرصے پر محیط ہوں گے کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ایک ہفتہ۔۔۔ دو ہفتے۔۔۔ یا شاید ایک مہینہ بھی لگ سکتا ہے۔ کاروباری معاملات کی تمام تر ذمہ داری میں آپ کو سونپ رہا ہوں۔ کچھ بھی مسئلہ ہو کوئی مشکل درپیش ہو تو آپ مجھ سے موبائل پر رابطہ کر سکتے ہیں۔"

"مگر سر۔۔۔! منڈے کو آپ کی سیٹھ ایاز صاحب سے میٹنگ۔۔۔"

منیجر کی بات کو درمیان سے کاٹتے ہوئے وہ قطعیت سے بولا۔

"وہ سب آپ دیکھ لیجیے گا۔ آپ سمجھ دار ہیں۔۔۔ آج جلدی اٹھوں گا۔ مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔ آپ کل صبح کی کسی فلائٹ سے میری سیٹ کنفرم کروا دیں۔ اب آپ جائیں مجھے امید ہے کہ میری غیر حاضری میں آپ تمام تر ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھائیں گے۔"

"اوکے سر!" منیجر نے جواب دیا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔ اس نے چند لمحے منیجر کو جاتے ہوئے دیکھا پھر ریوالونگ چیئر پر آگے پیچھے جھولنے لگا۔

مجھے معجزوں پہ یقیں نہیں
مگر آرزو ہے کہ جب قضا
مجھے بزمِ دہر سے لے چلے
تو پھر ایک بار یہ اذن دے
کہ لحد سے لوٹ کے آسکوں
ترے در پہ آکے صدا کروں
تجھے غم گسار کی ہو طلب
تو ترے حضور میں آ رہوں
یہ نہ ہو تو سوئے رہِ عدم
میں پھر ایک بار روانہ ہوں

☆☆☆

دعا کو ہاتھ اٹھائیں
تو دل لرزتا ہے
کہ پڑ نہ جائے خود اپنی نظر وہاں کہ جہاں
نصیب لکھا گیا پتھروں کے حرفوں سے
ہتھیلیوں کی لکیروں کے ان خلاؤں میں
کبھی شبوں کے کسی کربناک لمحے میں
کوئی کراہ جو آجائے بھول کر لب پہ
تو ہول ہول سے جاتے ہیں حوصلے سارے
کہ تار تار سماعت کے زخم پہلے ہی
دکھے ہوئے ہیں صداؤں کی نارسائی سے
کسے بتائیں کہ جیون کے کارزار میں ہم
عجیب ہارے ہوئے لوگ ہیں کہ ہر لمحہ
شکستِ ذات کی تصویروں میں مقید ہیں
جنم لیا ہے تو اب تک کئی زمانوں سے
ہم ایک طے شدہ تقدیر میں مقید ہیں

تقدیر کی گرفت میں آیا ہوا شخص تقدیر سے ہی بچتا ہے۔ تقدیر کے انوکھے کھیل ہیں۔ یہ دکھانے پر آتی ہے تو وہ کچھ دکھا دیتی ہے جو انسان کبھی دیکھنا نہیں چاہتا۔ تقدیر جسے ہونی بھی کہتے ہیں اور ہونی ہو کر رہتی ہے، اسے کون روک سکتا ہے۔

تقدیر کے مقابل آنے والے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں، ایک وہ جو تقدیر سے بھی الجھ پڑتے ہیں اور ایک وہ جو خود کو تقدیر اور حالات کے دھارے پر چھوڑ دیتے ہیں۔ الجھنے والے کبھی کبھی جیت بھی جاتے ہیں مگر خود کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے والے لوگ اکثر خسارے میں رہتے ہیں۔ حسابِ سود و زیاں ایک طرف لیکن حساب کی فرصت ہی کسے؟ وہ تو حوصلہ ہی گنوا بیٹھا تھا لیکن مگر ہونی جب دروازے پر دستک دے تو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا ہی پڑتی ہیں۔ سو اس نے اپنے شکستہ اعصاب کو سمیٹ کر اکٹھا کیا، حوصلوں کے بکھرتے ہوئے سنگریزوں کو مجتمع کیا اور پھر فیصلہ کن انداز میں اسکرین پر جھلملاتے ہوئے نام کو آخری مرتبہ گھورتے ہوئے کال ریسیو کرنے کے بعد سیل فون کان سے لگا لیا۔

''ہیلو۔'' اس کے منہ سے اکلوتا لفظ برآمد ہوا تو دوسری جانب سے فارق ملک کی طنزیہ آواز سنائی دی۔

''مسٹر اذان فیضی! لگتا ہے کہ میری کال تمہاری توقع کے خلاف ہے۔ بڑی مشکل سے ''ہیلو'' کی آواز سنائی دی ہے۔ تمہارے ہوش کیوں اڑ گئے۔ تم تو بڑے مضبوط اعصاب کے مالک اور ذہانت میں اپنے آپ کو طرم خان سمجھنے والے شخص ہو۔ پھر بولتی کیوں بند ہوگئی؟ آواز کیوں نہیں نکل رہی تمہاری؟''

اذان نے تحمل سے اس کی بات کو سنا اور پھر تپتی ہوئی آواز میں بولا۔

''اپنے یہ تھرڈ کلاس فلمی ڈائیلاگ بند کرو اور مطلب کی بات کرو۔ اس وقت ہر شریف آدمی سو رہا ہوتا ہے۔ یہ کون سا وقت ہے کال کر کے کسی کو پریشان کرنے کا؟ اور۔۔۔''

''ہاہا۔''

دوسری جانب سے سنائی دینے والی بے ساختہ ہنسی کی آواز سن کر اذان کو اپنا جملہ ادھورا چھوڑنا پڑا۔۔۔ جلد ہی فاروق ملک کی ہنسی تھم گئی اور پھر اس کی تاؤ دلانے والی آواز سنائی دی۔

''چچ۔۔۔ چچ۔۔۔ چچ۔۔۔ شریف آدمی۔۔۔! چلو آج ایک بات کا فیصلہ تو ہوا، میں نہ سہی مگر تمہاری اپنی بات نے ہی ثابت کر دیا کہ شریف تم بھی نہیں ہو۔۔۔ شرافت کا چولا اتار کر سب سے پہلے فاروق ملک کی مبارک باد قبول کرو۔ ویسے مجھے سخت حیرت ہو رہی ہے کہ عزت اور خاندانی وقار کو پس پشت ڈالتے ہوئے تم نے ابھی تک ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔۔۔''

اس کی چبھتی ہوئی باتوں کو سن کر اذان کا چہرہ سرخ ہوا اور پھر وہ آتشیں لہجے میں غرایا۔

''بند کرو یہ بے وقت کی راگنی۔۔۔ میرے پاس تمہاری بکواس سننے کے لیے وقت نہیں ہے۔ میری عزت و شرافت اور خاندانی وقار کے متعلق بات کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک دیکھو۔ تمہیں تمہاری اوقات نظر آجائے گی۔ ہو کیا چیز تم؟ دو ٹکے کے چور اور اٹھائی گیرے۔ میرا نام اذان فیضی ہے مجھے نہ تو گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا آتا ہے اور نہ ہی گھڑی گھڑی چولے بدل کر تمہاری طرح سوانگ بھرنا۔۔۔ میں جو تھا، جو ہوں وہ ہمیشہ رہوں گا۔۔۔ سمجھ دانی میں؟ یا تمہارے وجود کی طرح وہاں بھی گندگی بھری ہوئی ہے؟''

''بہت جلدی ابلنے لگے اذان! کیا تم وہ مثال بھول گئے کہ ہنڈیا ابلتی ہے تو اس کے اپنے ہی کنارے جلتے ہیں۔ وقت وقت کی بات ہوتی ہے، ایک وقت تھا جب اپنی دانست میں تم نے مجھے پچھاڑ دیا تھا۔ خوب دل کھول کر قہقہے بھی لگائے ہوں گے تم نے، لیکن افسوس کہ تم نے اس وقت بھی فاروق ملک کو پہچاننے میں غلطی کی تھی اور آج بھی تم وہی غلطی دوہرا رہے ہو۔ تمہیں اپنا وہ ڈائیلاگ تو یاد ہوگا۔''

فاروق ملک ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا پھر چڑانے والے لہجے میں بولا۔ ''میرا نام اذان فیضی ہے۔ مجھے چیلنج مت کرنا۔''

جواب اس وقت بھی تھا لیکن مناسب وقت نہ تھا۔ وقت آج آیا ہے اذان فیضی۔۔۔! اب میرا ڈائیلاگ بھی سنو کہ میرا نام فاروق ملک ہے۔ مجھے کبھی انڈر اسٹیمیٹ مت کرنا۔'' لائن پر خاموشی چھائی تو اذان کی جھنجھلائی ہوئی آواز بلند ہوئی۔

''لگتا ہے کہ تمہارا ذہنی توازن خراب ہو گیا ہے جو رات کے اس پہر کسی شریف آدمی کو فون کر کے اول فول بکنے لگے ہو۔۔۔ شرفا اس وقت کسی کو فون نہیں کرتے۔ اگر ہذیان ہی بکنا ہے تو کوئی اور نمبر ٹرائی کرلو۔''

اذان کا جملہ ختم ہوا تو دوسری جانب سے فاروق ملک کی دھاڑ سنائی دی۔

''اوئے شرافت کے قطب مینار! بند کر اپنا یہ شرفا اور شرافت کا ڈھنڈورا۔ بہت بک بک سن لی میں نے تیری۔ اگر شرفا اس وقت کسی کو فون نہیں کرتے تو پچھلے ایک گھنٹے سے جسے تم فون کر رہے ہو وہ کیا تمہاری والدہ محترمہ ہیں؟

ایک بات کان کھول کر سن لے میری' اگر کبھی، آج کے بعد تم نے اسے فون کیا تو ڈھونڈ کر گولی ماروں گا تمہیں۔ فاروق ملک نام ہے میرا۔۔۔ سمجھے۔''

اور اذان کے چودہ طبق روشن ہو گئے فاروق ملک کی دھمکی سے نہیں بلکہ اس کی معلومات پر۔۔۔ حیرت کا ایک شدید جھٹکا تھا جس سے اذان کے اعصاب چند لمحوں کے لیے بالکل مفلوج ہو کر رہ گئے۔ وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھا کہ فون تو وہ ماہم کے نمبر پر کر رہا تھا اور جوابی کال فاروق ملک کی آرہی ہے۔۔۔ یہ کیا ماجرا ہے؟

''اور ہاں ایک بات اور۔۔۔ میں اپنی بات دوہرانے کا عادی نہیں ہوں۔ میری بات اپنے ذہن میں بٹھا لو کہ اب تم اسے پریشان نہیں کرو گے ورنہ فاروق ملک اگر کہنا جانتا ہے تو کرنا بھی جانتا ہے۔''

شاید امنڈتے ہوئے سناٹے تھوڑی دیر اور اذان کو اپنی گرفت میں لیے رہتے لیکن دوسری جانب سے سنائی دینے والی آواز ہی سنبھالا دینے میں اس کی معاون و مددگار ثابت ہوئی۔ اب وہ پوری طرح سنبھل چکا تھا۔

حیرت کا یہ جھٹکا شدید ضرور تھا مگر اب وہ اس کے

اثرات سے باہر نکل آیا تھا۔ قدرے توقف کے بعد وہ ٹھہری ہوئی آواز میں بولا۔

"بہت جلدی اوقات پر آگئے۔ یہی ہے تمہارا اصل رنگ، تمہارے منہ سے سلجھی ہوئی گفتگو کی توقع بھی نہیں رکھی جاسکتی۔ تم کتنے بڑے تیس مار خان ہو مجھے اچھی طرح اندازہ ہے۔ گلی گلی گھوم کر مظلومیت کا رونا رو کر دو، دو، تین تین ہزار کے موبائل ہتھیانے والے اٹھائی گیرے ہو تم۔۔۔ تم جیسے گھسیارے کسی کو گولی کیا ماریں گے۔۔۔ کبھی ماری ہے، کبھی؟

اور ہاں، والدہ محترمہ میری نہیں شاید تمہاری ہیں جبھی تو بیٹے کی غیرت جاگی اور آدھی رات کے وقت اپنے اس باپ کو فون کرکے دھمکی دینے کی کوشش کر رہے ہو جسے کچھ ہی عرصہ پہلے تم اپنے منہ سے "باپ" تسلیم کر چکے ہو۔ تمہاری جرأت کیسے ہوئی مجھ سے یہ بات کرنے کی؟ میں کسی کو بھی فون کروں نہ کروں یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ تم کون ہو؟ اس کے بھائی ہو یا وکیل؟"

"بیٹا اذان! مجھے باپ بدلنے کی عادت ہے۔ سمجھنا تو تمہیں چاہیے۔ رشتے جوڑنے کی کوشش تو تم کر رہے ہو اور ساتھ ہی رشتہ بدلنے کی بھی۔۔۔ اپنی ایک اور غلط فہمی دور کرلو، بھائی اور وکیل کی جگہ میں تمہیں دینے کو تیار ہوں البتہ میری جو جگہ تھی وہ اب بھی ہے۔ میرا جو رشتہ ماہم سے تھا وہ آج بھی قائم ہے۔ تم رشتہ جوڑنے میں بھی ناکام رہے اور میری جگہ لینے میں بھی۔۔۔ ماہم کل تمہاری تھی اور نہ آج ہے۔ اب میں تم سے سوال کرتا ہوں تم ماہم کا پیچھا چھوڑنے کا کیا لو گے؟"

اس بار فاروق ملک کی آواز میں غصہ تھا نہ گھن گرج اور نہ ہی تلملاہٹ، بلکہ اس کا لہجہ وہی ازلی خباثت لیے ہوئے تھا۔ جو اس کی آواز کی شناخت کا باعث تھا۔

وہ بڑی نرمی اور قدرے لجاجت بھرے انداز میں بول کر اپنے لہجے کی اس مخصوص شناخت کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ اب اذان بولا تو طنز کی آمیزش اس کی آواز کا حصہ تھی۔

"ٹھیک کہا تم نے، شاید میں ہی چند لمحوں کے لیے بھول گیا تھا کہ تم پستی کی کون سی سطح تک گرسکتے ہو۔ اپنی نئی عادت کے بارے میں بتانے کا شکریہ بہت اچھی عادت ہے اور یقیناً تمہاری والدہ بھی تمہاری اس عادت سے بہت خوش ہوں گی۔ رہی بات یہ کہ میں اس کا پیچھا چھوڑنے کا کیا لوں گا۔ بڑی فلمی سی بات ہے یار ڈائیلاگ بھی گھسا پٹا ہے، کچھ جچا نہیں۔۔۔ اور تم کسی کو دے ہی کیا سکتے ہو؟ تم تو خود چھوٹی موٹی چوریوں پر گزارہ کرتے ہو، موبائل بیچ کر اپنا دال دلیہ چلاتے ہو، تمہارے پاس دینے کے لیے ہے ہی کیا؟

لمبی لمبی چھوڑنے اور بڑھانکنے سے پہلے انسان کو اپنی بساط کا اندازہ ضرور لگالینا چاہیے۔"

اذان کی بات ختم ہوئی تو فاروق ملک کی ڈھٹائی سے بھرپور ہنسی کی آواز سنائی دی۔ پھر وہ ٹھنڈے میٹھے لہجے میں گویا ہوا۔

"میری بساط تمہاری اوقات سے کہیں زیادہ ہے اذان! تم بولو؟ کیا لو گے پچاس ہزار؟ ایک لاکھ؟ تم منہ سے نکالو قسم ہے مجھے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں ادا کردوں گا۔ تم اپنا اکاؤنٹ نمبر بولو میں اے ٹی ایم سے ابھی تمہارے اکاؤنٹ میں رقم ٹرانسفر کرتا ہوں دس منٹ کے بعد چیک کرلینا۔"

"بڑے ہی بخیل سوداگر ہو مسٹر فاروق ملک! بڑی جلدی ہوا نکل گئی اور ہمیشہ کی طرح پستی میں ہی گر رہے ہو۔ اذان کی قیمت لگا رہے ہو یا اس کی محبت کی؟ اگر محبت کی قیمت لگا رہے ہو تو سن لو کہ محبت انمول ہوتی ہے اور اگر اذان کی قیمت لگا رہے ہو تو وہ تمہارے بس میں نہیں۔۔۔ کوئی اور بات کرو۔"

اب دوسری جانب سے فاروق ملک کی آواز سنائی دی تو وہ تلملاہٹ لیے ہوئی تھی۔

"بہت ہیرو بن رہے ہو اذان! یا پھر اچھے بزنس مین کی طرح قیمت بڑھا رہے ہو۔ چلو بولو۔۔۔ دو لاکھ؟ تین لاکھ یا چار لاکھ؟"

"بس؟ اتنی ہی قیمت ہے محبت کی تمہاری نظر میں؟" اذان نے بھرپور طنز کیا۔

"پانچ لاکھ؟ بولو۔۔۔ ابھی ٹرانسفر کروں؟" فاروق ملک غصیلے انداز میں بولا تو اذان کو بے اختیار ہنسی آگئی۔

"یار فاروق ملک! تمہارے خاندان میں کیا کبھی کوئی کنجڑا بھی رہا ہے، تم اذان فیضی سے بات کر رہے ہو یا سبزی منڈی کے کسی آڑھتی سے۔۔۔ جو بھی ہو۔ تمہاری ایک اور صلاحیت کھل کر سامنے آگئی تم بولی بہت اچھی لگاتے ہو۔ سبزی منڈی میں کسی آڑھتی کے پاس منشی کیوں نہیں لگ جاتے؟ جگہ جگہ خوار ہو کر موبائل ہتھیانے سے تو اچھا ہے مصروف بھی ہو جاؤ گے اور باعزت روزگار بھی مل جائے گا۔" اذان کا لہجہ طنزیہ ہونے کے ساتھ ساتھ تاؤ دلانے والا بھی تھا۔ سو اس کے عین مطابق فاروق ملک کو غصہ آگیا۔ وہ دھاڑتے ہوئے بولا۔

"چل اب یہ نوٹنکی بند کر شاباش! بہت ہوگئی سوداگری، اب اوقات پہ آ اور سیدھا جواب دے کہ جب وہ تم سے بات نہیں کرنا چاہتی تو تم بار بار اسے فون کیوں کرتے ہو؟ جب وہ تمہاری کال ہی اٹینڈ نہیں کرتی تو تمہاری سمجھ میں اتنی سادہ اور آسان سی بات کیوں نہیں آجاتی کہ وہ تم سے بات کرنا نہیں چاہتی۔"

"اور میں تم سے پہلے بھی پوچھ چکا ہوں کہ تم کس حیثیت سے یہ سوال کر رہے ہو؟ کسی کو فون کرنا میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ اگر وہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتی تو کیا وہ یہ بات مجھے خود نہیں کہہ سکتی؟ تم تھالی کا بیگن کیوں بنے ہوئے ہو؟ کیا تم نے اس کے ہاں مترجم کی نوکری کرلی ہے؟" اذان نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے اگر تم وعدہ کرو کہ اس کے کہنے کے بعد تم اس کا پیچھا چھوڑ دو گے تو مجھے کلمے کی قسم ہے وہ ابھی دو منٹ کے اندر تمہیں فون کرے گی اور یہ بات اپنے منہ سے کہے گی، آر یو ایگری فار دس؟" فاروق ملک نے جھٹکے دار لہجے میں دریافت کیا تو اذان کا دل بلیوں اچھلنے لگا یہ سوچ کر کہ کیا واقعی ماہم اسے فون کرے گی۔ اتنے عرصے بعد کیا واقعی وہ اس کی آواز سن پائے گا، اور کیا وہ فاروق ملک سے اتنا ہی گہرا تعلق رکھتی ہے کہ اس کے کہنے پر مجھے یہ سب کچھ کہہ دے گی۔

آن کی آن میں کتنے ہی خیالات سوال بن کر اس کے پردۂ ذہن پر لہرا گئے، لیکن اذان کے لیے یہ نوید ہی کافی تھی کہ ماہم اسے فون کرے گی اور شاید اسے اپنی صفائی دینے کا موقع مل جائے۔

ایک ساعت کے ہزارویں حصے میں اذان نے فاروق ملک کے الفاظ پر آمین کہنے کا فیصلہ کیا اور بے صبری سے بولا۔

"میں تیار ہوں۔"

"اوکے ڈن۔" فاروق ملک نے فوراً جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہوگیا۔

آس دل سے نکل کر اپنا دامن پھیلائے اس کی آنکھوں میں اتر آئی تھی۔ امید کی طنابیں تن گئیں۔ جذبات کا دھواں اٹھا تو رفتہ رفتہ بادل بن گیا اور پھر بادل کے بند ٹوٹنے لگے۔ پلکیں بھیگنے لگیں اور بھیگی پلکوں پر ایک چہرہ مجسم ہوگیا۔

قصر آواز میں ایک حشر جگا دیتا ہے
اس حسیں شخص کا تصویر نما ہوجانا
راہ کی گرد سہی مائل پرواز تو ہوں
مجھ کو آتا نہیں نقشِ کفِ پا ہوجانا
زندگی تیرے تبسم کی وضاحت تو نہیں
موجِ طوفاں کا ابھرتے ہی فنا ہوجانا
اشک کم گو تجھے لفظوں کی قبا گر نہ ملے
میری پلکوں کی زباں سے ہی ادا ہوجانا

الفاظ زباں سے اور اشک پلکوں سے بہہ نکلنے کا ارادہ باندھنے لگے۔ انتظار کی سولی پر ٹنگے رہنا بڑا جان لیوا ہوتا ہے لیکن یہ انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ فارق ملک نے دو منٹ کے بعد اس کے فون آنے کی نوید دی تھی لیکن بمشکل ڈیڑھ منٹ کے بعد

ہی موبائل کی آواز پکار پکار کر اسے اپنی جانب متوجہ کرنے لگی۔

اس نے لپک کر بے صبری سے موبائل اٹھایا تو اسکرین پر ایک جانا پہچانا نام جھلملاتا ہوا نظر آیا "ماہم کالنگ"

اس نے کال ریسیو کر کے موبائل کان سے لگایا تو دل جیسے کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا لیکن اس کی پر اشتیاق سماعتوں کے نصیب میں شہد ٹپکنے کے بجائے زہریلے الفاظ سنائی دیے۔

"ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کی حد ہوتی ہے۔ آپ کو عزت راس کیوں نہیں آ رہی مسٹر اذان فیضی! میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں اور قطعی آخری بار پھر بتا رہی ہوں کہ میں آپ سے کوئی رشتہ، کوئی تعلق یا کوئی جان پہچان تک بھی نہیں رکھنا چاہتی۔"

"ماہم پلیز! میری بات تو سنو۔۔۔" اذان گھگھیایا۔

لیکن دوسری جانب سے وہی سلگتے الفاظ سنائی دیے جنہوں نے اس کی روح تک کو زخمی کر دیا۔

"مجھے کچھ نہیں سننا اور دماغ کی ساری کھڑکیاں، دروازے کھول کر آپ سنیں! اگر آئندہ آپ نے میرے نمبر پر کال کی تو میں یہ نمبر بند کر دوں گی سمجھ گئے مسٹر اذان فیضی؟"

اور اس کے ساتھ ہی لائن بے جان ہو گئی۔ ساری سوچیں، ساری باتیں دل کی دل میں ہی رہ گئیں۔ سارے جذبے مہکنے سے پہلے ہی مرجھا گئے۔ الفاظ ادا ہونے سے پہلے ہی دم توڑ گئے اور اس نے منہ موڑ لیا

وہ جس کی آنکھ میں ارمان بھی نہیں باقی
اب اس کی دید کا امکان بھی نہیں باقی
پلٹ کر اب وہ دوبارہ ملے تو کیسے ملے
کہ اس کی آنکھ میں پہچان بھی نہیں باقی

ارمانوں پر اوس پڑی تو ٹھنڈک اس کی نس نس میں اترتی چلی گئی۔ اسے اپنا وجود برف کی طرح سرد ہوتا محسوس ہوا۔ اس نے اپنے یخ بستہ وجود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ ٹھیک اسی وقت موبائل پر ایک مرتبہ پھر بیل ہونے لگی۔ کال فاروق ملک کی تھی۔ ریسیو کرتے ہی فاروق ملک کی تمسخرانہ آواز سنائی دی۔

"نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

امید ہے بات سمجھ میں آ گئی ہوگی۔ اپنا وعدہ تو تمہیں یاد ہوگا؟ بڑا مان، بڑا غرور تھا تمہیں اپنی محبت پر۔۔۔ اور عزت و عظمت جاہ و حشمت، پر وقار خاندان کے چشم و چراغ صاحب فن، شاعر و ادیب مسٹر اذان فیضی! تم نے مجھے بہت سی مثالیں دی ہیں۔ ضرب المثال سنا سنا کر میرے دماغ کی دہی کی ہے، ایک کہاوت مجھے بھی یاد آ رہی ہے جو شاید ایسے ہی موقع کے لیے ہے، جیسا آپ کے ساتھ ہوا، جب کسی کے ساتھ ایسا ہوتا ہے یہ کہاوت تب ہی کہی جاتی ہے جو تم پر بالکل فٹ آتی ہے، کہاوت تو مجھے صحیح طرح یاد نہیں۔۔۔ وہ کیا ہے نا اس میں تذکرہ ہے دھوبی کے کسی جانور کا۔۔۔ جو نہ گھر کا رہتا ہے نہ گھاٹ کا۔۔۔ یقیناً تمہارا اس وقت یہی حال ہوگا۔

ایک آخری بات اور۔۔۔ فاروق ملک نام ہے میرا۔۔۔ اور مجھے کبھی انڈر اسٹیمیٹ مت کرنا۔۔۔ اوکے۔۔۔ میلا شونا۔۔۔! میلا بچہ۔۔۔! چلو اب سو جاؤ، رات تو غارت ہو ہی گئی مجھے پتا ہے تمہاری باقی راتیں بھی غارت ہی ہیں۔ اب تم سو نہیں سکو گے لیکن میرے ساتھ تو تم نے وعدہ کیا ہے نا اور تمہیں اپنی شرافت پر بھی بہت ناز ہے، ایفا تو کرو گے نا؟ میرا بھی کچھ حق بنتا ہے آخر تمہاری صحت اور آرام کا مجھے خیال نہیں ہوگا تو کسے ہوگا۔

جا اپنی حسرتوں پہ آنسو بہا کے سو جا"

فاروق ملک اپنی بھدی اور بھونڈی آواز میں گنگنایا اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اذان جو پہلے ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا، فاروق ملک کی طنزیہ تیر اندازی سے مزید زخمی اور نڈھال ہو گیا۔ وہ بستر پر ڈھے گیا اور پھر کمرے کی خاموش فضا میں اس کی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔

بھری آنکھوں کے سمندر میں اترنے والے
کون جانے تری قسمت میں ہے کیا ہو جانا
بے طلب درد کی دولت سے نوازا مجھ کو
دل کی تو ہین ہے مرہون دعا ہو جانا
پہلے دیکھو تو سہی اپنے کرم کی وسعت
پھر بڑے شوق سے تم میرے خدا ہو جانا
کتنے خوابیدہ مناظر کو جگائے محسن
جاگتی آنکھ کا پتھرایا ہوا ہو جانا

بڑبڑاہٹ معدوم ہو گئی تھی۔ اب کمرے کے در و دیوار تھے، سناٹا تھا، تنہائی تھی، درد و غم تھے اور اس کی نم ناک پلکوں تلے امنڈتے ہوئے آنسو۔۔۔

☆☆☆

ہماری خامشی بس دل سے لب تک ایک وقفہ ہے
یہ طوفاں ہے جو پل بھر بر لب ساحل ٹھہر جائے

"مس ماہم! آپ اتنی خاموش اور سنجیدہ کیوں رہتی ہیں؟ آپ کی عمر کی لڑکیاں تو ہر وقت ہنستی مسکراتی اور پھلجھڑیاں چھوڑتی رہتی ہیں پھر آپ نے اپنے اوپر زبردستی بڑھاپا کیوں طاری کر رکھا ہے؟"

فرید نے پلیٹ ایک جانب سرکا کر کولڈ ڈرنک اٹھاتے ہوئے دریافت کیا اور ماہم کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔

وہ سب اس وقت اپنی این جی او کے آفس میں جمع تھے اور ایک ایجوکیشن کمپین کی کامیابی کو سیلی بریٹ کر رہے تھے۔ نیلم خوب صورت نقوش، لمبے بال اور دراز قد رکھنے کے باوجود ہلکا پھلکا میک اپ کیے ہوئے تھی جبکہ ماہم سادہ سے لباس میں ملبوس اور میک اپ سے بے نیاز چہرے کے ساتھ اگر نیلم سے زیادہ نہیں تو اس سے کم بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ شاہ رخ، فرید خان، رانا سہیل آفتاب اور شیخ سلیم سب کے سب اس بڑی سی ٹیبل کے گرد رکھی نشستوں پر ایک حلقے کی صورت میں براجمان تھے جس پر انواع و اقسام کے لوازمات خور و نوش سجے ہوئے تھے۔ پزا، تندوری فش، چکن رول، زنگر برگر، فرنچ فرائز کے ساتھ کچپ اور رشین سیلڈ نے ٹریٹ کا لطف دوبالا کر دیا تھا۔ پاستا بھی بے حد لذیذ تھا۔ سب نے کھانے سے خوب انصاف کیا تھا اور اب ان کھانوں کو ہضم کرنے کے لیے سب نے کولڈ ڈرنک کا سہارا لینا ضروری سمجھا۔ کولڈ ڈرنک کی طرف سب سے آخر میں فرید خان کا ہاتھ ہی بڑھا تھا۔ جو کھانے کے دوران گاہے بگاہے ماہم کے چہرے پر نظر ڈالتا رہا تھا۔ آخر کار اس سے رہا نہ گیا تو وہ بول ہی اٹھا۔

ماہم نے گھور کر فرید خان کو دیکھا اور پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد سنجیدگی سے بولی۔

"کس عمر کی لڑکیاں کیسے رہتی ہیں اس پر طویل ریسرچ معلوم ہوتی ہے آپ کی مسٹر فرید خان! یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر بوڑھی عورت کے ہاتھ میں تسبیح اور ہر نوجوان لڑکی کے ہاتھ میں آئینہ دکھائی دے۔۔۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خوشیوں سے الگ رہنا انتہائی تکلیف دہ عمل ہوتا ہے۔ انسان ہر صورت خوشیوں کے سمندر میں غوطہ زن رہنا چاہتا ہے لیکن وہ یہ بات قطعی بھول جاتا ہے کہ اس کا اور ان خوشیوں کا کوئی ساتھ نہیں۔ خوشیاں ہمیں ڈبو کر، غرق کرتی ہیں تو تکلیفیں ہمیں خود سے کاٹ کر الگ کر دیتی ہیں۔ ہم خوشیوں کو تہ دل سے ویلکم کرنا چاہتے ہیں تو پھر مصائب کو قبول کیوں نہیں کرتے؟ قبول کرنا پڑتا ہے مسٹر فرید خان! کیونکہ مصائب، آلام و حوادث، لوح تقدیر میں رقم ہوں تو ان سے بچاؤ کا ہمارے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا۔"

فرید خان جس نے بڑے شوخ انداز میں ماہم سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی تھی اس کے سنجیدہ اور مفصل جواب پر قدرے چونکا پھر اپنی موٹی موٹی آنکھوں سے ماہم کے چہرے کا احاطہ کرتے ہوئے بولا تو اس کے لہجے میں بھی سنجیدگی رچی ہوئی تھی۔

"آپ کی بات درست ہے مس ماہم! لیکن اگر میں یہ کہوں کہ مجھے آپ کی بات سے اتفاق نہیں ہے تو شاید میری بات آپ کو ناگوار گزرے۔ میں مانتا ہوں آلام و حوادث ہماری زندگی کا حصہ ہیں مگر ہر بات کے دو پہلو ہوتے ہیں۔۔۔ دیکھیں اگر ننگے پاؤں

چلتے ہوئے کسی کے پیر میں کانٹا چبھ جائے تو یہ حادثہ ہوگا لیکن ہم اگر خود کانٹا اٹھا کر پیر میں چبھوئیں اور خوامخواہ اپنا پاؤں زخمی کر بیٹھیں تو بات دوسری شکل اختیار کر جائے گی۔

اذیتیں جو لوح تقدیر میں لکھی ہوئی ہیں ان سے تو فرار ممکن نہیں۔۔۔ لیکن اگر انسان خود ہی خود کو اذیت دے تو یہ اچھی بات نہیں ہوتی۔۔۔ مشکلات بن بلائے ضرور آجاتی ہیں لیکن خوشیاں ہمیں تلاش کرنی پڑتی ہیں۔۔۔ آپ کی عمر کی لڑکیاں تو شعر پڑھتی ہیں، موبائل پر مصروف رہتی ہیں، زندگی کو انجوائے کرتی ہیں۔ آپ کو بھی فطرت کا ساتھ دینا چاہیے۔"

ماہم نے اگر مفصل جواب دیا تھا تو فرید خان کا جواب بھی مدلل تھا۔

الفاظ اثر انگیز تھے۔ یہ ان الفاظ کا اثر تھا یا پھر ماہم کے ذہن میں پیدا ہونے والا یہ احساس کہ "وہ خوامخواہ ہی تلخ ہوگئی" وہ دوبارہ بولی تو اس کا لہجہ خاصا نرم تھا۔

نہ کسی پہ زخم عیاں کوئی، نہ کسی کو فکر رفو کی ہے
نہ کرم ہے ہم پہ حبیب کا، نہ نگاہ پہ ہم پہ عدو کی ہے

ماہم نے دھیمے لہجے میں شعر سنایا اور پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

"شعر میں بھی پڑھتی ہوں اور ضرورت پڑے تو سنا بھی دیتی ہوں۔ اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے اور اپنا اپنا نکتۂ نظر۔ آپ کو یہ جان کر شاید حیرت ہو کہ میں خود بھی شعر کہتی ہوں۔ میری کہی ہوئی نظموں اور غزلوں کی تعداد خاصی تسلی بخش ہے اگر اصلاح کا سلسلہ جاری رہتا تو شاید اب تک میری کتاب بھی منظر عام پر آچکی ہوتی۔"

"بھئی واہ۔۔۔! یہ ہوئی نا بات۔۔۔ خوامخواہ ہی پانی کے ایک جانور کی طرح ایسے ہی خول میں گردن چھپائے پھرتی ہیں۔۔۔ بھئی! آپ تو چھپی رستم نکلیں۔ یہ چونکا دینے والی خبر اتنے دنوں تک کیوں چھپائے رکھی؟

اور اصلاح کا سلسلہ رکا کیوں؟ جاری رہتا تو کم از کم آج آپ کی کتاب تو ہمارے ہاتھوں میں ہوتی۔"

فرید خان نے واپس پہلے والے موڈ میں آتے ہوئے شوخی سے کہا۔ ایک ہی سانس میں کئی سوال داغ دیے تھے اس نے۔

"ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ بھئی اور لوگ بھی موجود ہیں یہاں پر۔ آپ دونوں نے کیا ادبی ماحول بنا دیا یہاں۔ اب کہیں مشاعرہ نہ شروع ہوجائے۔۔۔ رہی بات ماہم کی شاعری کے سلسلے کی، تو اس کے رک جانے کی وجہ میں بتا دیتی ہوں۔۔۔ وہ موصوف جو ماہم کی شاعری کی اصلاح کرتے تھے ان کی شادی ہوگئی اور وہ اپنی نجی زندگی میں مصروف ہوگئے سو اس بے چاری نے انہیں تنگ کرنا چھوڑ دیا۔"

فرید خان جو توجہ سے نیلم کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کا جملہ ختم ہونے پر قدرے چونکا۔ پھر اس نے اشتیاق بھرے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"بھئی بڑے ہی پردہ نشین ہیں ان کے استاد موصوف کہ ابھی تک ہم ان کا نام جاننے کا اعزاز حاصل نہیں کر سکے۔ ذرا ہمیں بھی تو پتا چلے کہ کون گوہر ناشناس حضرت ہیں وہ جو نجی زندگی میں مصروف ہو کر ایسی لائق فائق شاگردہ کو بھول بیٹھے۔"

"ان کا نام۔۔۔"

"چھوڑیں نا مس نیلم! آپ نے بھی کیا انٹروڈکشن مہم شروع کردی۔۔۔ کوئی اور بات کریں۔" ماہم نے نیلم کی بات کاٹتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"اب تذکرہ نکل ہی آیا ہے تو ہم ضرور جاننا چاہیں گے کہ ان کی اصلاح کون کررہے تھے؟" شاہ رخ نے بھی پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"تو سنیے حضرات ان کا نام ہے اذان فیضی۔۔۔"

نیلم نے ڈرامائی انداز میں کہا تو فرید خان کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ اس نے جلدی سے پلٹ کر ماہم کی طرف دیکھا اور پھر تحیر آمیز لہجے میں بولا۔

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔! ہمارے شہر میں شاعری کے والے سے فیضان فیضی صاحب کے بعد ایک اذان فیضی ہی تو ہے جو ادب کی پہچان ہے لیکن۔۔۔ اذان کی تو ابھی شادی نہیں ہوئی۔۔۔ ابھی کل ہی تو ملاقات ہوئی ہے میری اس سے۔۔۔ اوہ۔۔۔ اوہ نو، میں سمجھ گیا۔"

ماہم اور نیلم جو دونوں فرید خان کی جانب متوجہ تھیں اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگوں اور اس کے آخری جملے پر حیرت سے اس کا منہ تک رہی تھیں جب کہ فرید خان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی ذہنی صدمے سے دوچار ہو۔ چند لمحوں تک وہ کچھ بول ہی نہ سکا تو نیلم نے دریافت کیا۔

"کیا ہوا فرید! تم چپ کیوں ہوگئے اور کیا سمجھ گئے تم؟ کچھ ہمیں بھی تو سمجھاؤ۔"

فرید خان نے ایک لمحے کے لیے نیلم کی طرف دیکھا پھر ماہم کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"اور یقیناً اذان کی شادی کی خبر آپ تک رانا فہیم نے ہی پہنچائی ہوگی؟"

فرید خان کا یہ جملہ سن کر جہاں نیلم کو حیرانی ہوئی وہیں ماہم کے چہرے پر بھی زلزلہ سا نمودار ہوگیا۔

آیئے ہاتھ اٹھائیں ہم بھی
ہم جنہیں رسم دعا یاد نہیں
ہم جنہیں سوز محبت کے سوا
کوئی بت کوئی خدا یاد نہیں

☆☆☆

جب کوئی سانحہ
زندگی کے دریچے مقفل کرے
جب کوئی حادثہ شام غم کے
بجھے خال وخد کو مکمل کرے
ایک پل
بیتے لمحوں کا غم
بھول جایا کرو
میری خاطر سہی
مسکرایا کرو

اور وہ مسکرا دیا۔ بات ہی ایسی تھی۔ اس کے سارے غم رت جگا منانے والی آنکھوں کی سرخی کے پیچھے جا چھپے، بانجھ رُت کی وہ زرد اداسی جو اس کے پورے وجود کا احاطہ کیے ہوئے تھی آن کی آن میں دھواں بن کر تحلیل ہوگئی۔ کرب واذیت کی جو رات اس نے سولی پر لٹکتے گزاری تھی وہ رات اپنی تمام تر تاریکیوں کے ساتھ اجالے کی گود میں سر رکھے سسک سسک کر دم توڑ چکی تھی، سورج کی پہلی کرن کی طرح ٹھنڈے اجالوں جیسا جو چہرہ آنکھیں کھلتے ہی اس کے سامنے آیا تھا وہ اتنا ہی معتبر تھا کہ وہ تعظیم بجالاتے ہوئے بے اختیار اٹھ بیٹھا۔

صبح کے تارے مری پہلی دعا تیرے لیے
تو دل بے صبر کو تسکین ذرا سی دے گیا
تند جھونکے کی رگوں میں گھول کر اپنا دھواں
اک دیا اندھی ہوا کو خود شناسی دے گیا

اس نے مسکراہٹ کے پھول ان کے قدموں پر نچھاور کیے اور پھر بے اختیار بولا۔ "ارے امی جان! آپ۔۔۔؟ صبح بخیر۔۔۔" اور ان کے چہرے پر بھی شفقت بھری شفق رنگ مسکراہٹ کھل اٹھی۔

"صبح بخیر اذان! کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟ ناشتے پر نہیں آئے تو دیکھنے آئی تھی مگر تم بے خبر سو رہے تھے، دل نہیں چاہا کہ تمہیں بے آرام کروں، کچھ وقت کے بعد دوبارہ دیکھا تب بھی تم نہیں اٹھے، اب تیسری بار بھی آکر اس لیے اٹھا دیا کہ تمہاری مختاراں آنٹی آئی ہوئی ہیں وہ بار بار تمہارا پوچھ رہی ہیں۔۔۔ میں نے بتا دیا کہ صاحبزادے آج دکان پر نہیں گئے اور ابھی تک گھوڑے، گدھے سب ایک ساتھ بیچ کر سو رہے ہیں۔"

ماں کی بات سن کر اس نے بے اختیار دیوار گیر گھڑی کی جانب دیکھا جو پونے ایک کا وقت بتا رہی تھی۔ وہ خجالت آمیز انداز میں جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا

اور بولا۔

"آپ چلیں امی جان! میں بس منہ دھو کر ابھی آیا۔ پتا نہیں کیوں آنکھ ہی نہیں کھلی۔"

وہ پھرتی سے واش روم کی جانب بڑھنے لگا تو ماں کی آواز سنائی دی۔

"ہاں ٹھیک ہے جلدی سے آجاؤ، میں کھانا لگاتی ہوں۔" ذکیہ بیگم کمرے سے باہر نکل گئیں اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ بھی دستر خوان پر بیٹھا مختاراں آنٹی سے ان کا حال احوال دریافت کر رہا تھا۔

"میرے حال کو چھوڑو تم اپنی سناؤ، کہاں اڑے اڑے پھرتے ہو کہ پکڑائی ہی نہیں دیتے، میں تین مہینوں میں پانچویں بار آئی ہوں اور تم ہو کہ ہاتھ ہی نہیں آتے۔" مختاراں نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"وہ۔۔۔ آنٹی!۔۔۔ بس۔۔۔ کچھ دکان کی مصروفیت اور۔۔۔ بس کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں۔ آپ حکم کریں، خیریت تو ہے؟" اذان نے شرمندہ سے انداز میں دریافت کیا۔

"لو اور سنو! مجھ سے پوچھ رہا ہے کہ خیریت ہے؟ تین مہینوں سے بہانے پہ بہانہ کیے جا رہا ہے کچھ دن ٹھہریں پھر بتاؤں گا بس چند دن اور۔۔۔ کہہ کر معاملے کو لٹکائے چلے جا رہے ہو بس آج تو میں فیصلہ کر کے ہی جاؤں گی۔۔۔ہاں۔"

مختاراں نے پہلے ذکیہ بیگم اور پھر اذان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اذان بے چارگی سے ماں کا چہرہ تکنے لگا۔ ذکیہ بیگم نے اسے امداد طلب نظروں سے اپنی جانب دیکھتے پایا تو وضاحت کرتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئیں۔

"اذان بیٹا! تمہاری آنٹی ٹھیک کہہ رہی ہیں، رشتے جوڑنا کوئی ہنسی مذاق کا کھیل نہیں ہوتا، میں ان لوگوں کے گھر جا کر رشتہ پسند کر کے آئی ہوں اب وہ تمہیں دیکھنے کے لیے آنا چاہتے ہیں اور تم ہو کہ۔۔۔ ہر بار یہی کہہ دیتے ہو ابھی کچھ دن رک جائیں میں بتاؤں گا تب بلائیے گا، آخر مسئلہ کیا ہے؟

اُدھر وہ لوگ بار بار مختاراں سے رجوع کرتے ہیں اور یہ بے چاری ہر کام چھوڑ کر دوڑی چلی آتی ہے۔"

"ہاں جی! اور آج میرا پانچواں چکر ہے، گھر کی سو مصیبتیں ہیں اور پھر میں محلے سے اٹھ کر نہیں آتی جو چکر پہ چکر لگاؤں۔۔۔ لاہور سے آتی ہوں، اچھا خاصا سفر ہے۔ روز آنا کوئی آسان تھوڑی نا ہے۔ بس آج مجھے ایک پکی بات بتا دو کہ انہیں کس دن بلالیں؟" مختاراں نے بھی اذان کے کندھوں پر احسان کا بوجھ لادتے ہوئے حتمی انداز میں دریافت کیا اور پھر اس کی سوالیہ نظریں اذان کے چہرے پر جم گئیں جیسے کہہ رہی ہوں۔

آیا نہ تجھے راس کوئی گھر بھی قفس بھی
اب اے دل کم ظرف کسی شہر میں بس بھی

اذان ایسا کیوں کر رہا تھا یہ وہی جانتا تھا۔ مختاراں یا ذکیہ بیگم کو تو اس نے اپنے روگ کی ہوا تک نہیں لگنے دی تھی۔ اب وہ بھلا یہ بات انہیں کیسے بتاتا کہ وہ کسی لڑکی کی زندگی برباد نہیں کر سکتا۔ وہ تو ایک ایسی کشتی کا مسافر تھا جو سمندر کے بیچوں بیچ آگے ہی آگے یوں بڑھتی چلی جا رہی تھی کہ اس کی چاروں جانب تاحد نگاہ تک عمیق سمندر پھیلا ہوا تھا، ہر طرف پانی ہی پانی تھا، لہریں ہی لہریں تھیں اور اب تو وہ لہریں بھی وحشی ہو گئی تھیں پتا نہیں اس ڈولتی ڈگمگاتی کشتی کے نصیب میں ساحل کی ریت کو چھونا تھا بھی یا نہیں۔

وہ تو ایک ایسے سفر پر تھا جس کی منزل کے بارے میں وہ خود بھی پُر یقین نہیں تھا لیکن ایک بات طے تھی کہ وہ اپنے ساتھ کسی اور کو بھنور میں نہیں کھینچ سکتا تھا۔ منجدھار سے اسے اکیلے ہی نبرد آزما ہونا تھا، طوفان پہلے ہی آچکا تھا، پتوار پہلے ہی ہاتھوں سے چھوٹ چکے تھے مگر ایک موہوم سی امید کا دامن وہ آج بھی تھامے ہوئے تھا کیونکہ اس کے جذبے صادق اور لگن سچی تھی، اس نے ماہم سے کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا اور جیت ہمیشہ سچائی کی ہوتی ہے اس نے آج تک یہی پڑھا تھا اور سنا تھا۔ بہرحال اس پہ جو بھی بیت رہی تھی

مختاراں اس کی تمام تر کیفیات سے ناواقف تھی لیکن ماں کی نظریں خوردبین کی طرح ہوتی ہیں۔ ان سے اس کی یہ ہچکچاہٹ چھپی نہ رہ سکی۔

"دیکھو اذان! ہر بار تمہارا بہانے بنانا، حیلہ جوئی کرنا اور اس بات سے کترانا مجھے تو کچھ اور ہی معاملہ محسوس ہو رہا ہے۔ کیا تم ہم سے کچھ چھپا رہے ہو؟"

ذکیہ بیگم کا سوال براہِ راست اور غیر متوقع تھا اس لیے اذان کچھ گڑبڑا سا گیا پھر وہ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے جلدی سے بولا۔

"نن۔۔۔ نہیں تو امی جان! میں بھلا آپ سے کیا چھپاؤں گا۔۔۔ اور کیوں چھپاؤں گا؟"

ذکیہ بیگم جو بغور اس کے تاثرات کا مشاہدہ کر رہی تھیں انہیں اپنے اندازے کو تقویت ملتی محسوس ہوئی۔ وہ سنجیدگی سے بولیں۔

"کیا تم اس لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتے؟" انداز دوٹوک تھا اس لیے فوری طور پر اذان سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور اس کی نظریں جھک گئیں اور ذکیہ بیگم کا سر تفہیمی انداز میں ہلنے لگا۔

"ہوں۔۔۔ تو یہ بات ہے!" ان کے منہ سے جملہ ادا ہوا تو اذان پریشان ہو گیا۔

"کک۔۔۔ کک۔۔۔ کیا بات امی جان؟ بات تو کوئی بھی نہیں ہے، بس وہ۔۔۔ میں چاہ رہا تھا کہ مزید کچھ وقت مل جائے تو دراصل میں شادی کے لیے ذہنی طور پر تیار ہی نہیں ہوں ابھی۔" اس نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

"تم کسی لڑکی کو پسند کرتے ہو اذان؟" ذکیہ بیگم نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ یہ سوال بھی اچانک اور اس کی توقع کے خلاف ہی تھا سو وہ ہڑبڑا کر رہ گیا۔ اس نے ذکیہ بیگم کی ٹٹولتی ہوئی نظروں کو محسوس کیا تو بے اختیار نظریں چرانے پر مجبور ہو گیا، اس کی جھکی ہوئی نظریں جہاں خاموش اقرار تھیں وہیں اپنی ناکامی و نامرادی پر نوحہ کناں بھی تھیں۔ ذکیہ بیگم نے ایک نظر مختاراں کی طرف دیکھا جو بغور اذان کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ ذکیہ بیگم سے نظریں ٹکرانے پر مختاراں کا سر اثبات میں ہلنے لگا۔

ذکیہ بیگم ایک بار پھر اذان کی طرف متوجہ ہوئیں اور پھر نرم لہجے میں بولیں۔

"بیٹا! اگر ایسی کوئی بات ہے تو کھل کر کہو، میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ تمہارا گھر بس جائے، میں جانتی ہوں کہ میرا بیٹا بھی اگر کسی لڑکی کو پسند کرے گا تو وہ کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوگی، تم زبان تو کھولو میں خود اس کے گھر جا کر تمہاری بات پکی کر آتی ہوں۔"

ذکیہ بیگم کا جملہ مکمل ہوا تو اذان کا جھکا ہوا سر مزید جھک گیا اور آنکھوں میں دھواں سا پھیل گیا، پھر وہ قدرے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے امی جان! آپ آنٹی سے بات کریں مجھے آج بہت دیر ہوگئی میں دکان پر جا رہا ہوں۔" پھر وہ جلدی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ لیکن اس کی بھیگی پلکیں اور بھرائی ہوئی آواز اس کے جواب کی نفی کرنے کے لیے کافی تھیں۔

جا چکا ہے وہ اس کا سفر بھول جا
خاک پلکوں سے دھو رہگزر بھول جا
اجنبی بن کے دیکھ اس کی تصویر کو
یاد رکھنے کے سارے ہنر بھول جا

☆☆☆

شبوں کی راکھ میں یوں گم ہوا وجود مرا
مرا سراغ، مری روشنی نے بھی نہ دیا
سوال بن کے مری گرہی بکھرتی رہی
مگر جواب تری آگہی نے بھی نہ دیا

کمرے کی فضا گہرے سکوت سے کھیل رہی تھی۔ وہ گہرا سکوت جو کمرے کے ساتھ ساتھ اس وقت ان دونوں کے چہروں پر بھی طاری تھا۔ سکوت کا یہ کھیل خاصی دیر سے جاری تھا لیکن کھیل کوئی بھی ہو ہار یا جیت کے فیصلے پر ہی ختم ہوتا ہے۔۔۔ یہ کٹھن فیصلے کی گھڑی تھی اور پھر بہت سی گھڑیاں بیت جانے کے بعد فیصلہ ہو گیا۔ سکوت کے اس کھیل کو فرزان کی آواز نے پچھاڑ ڈالا۔

خاموشی نے ہار مان لی اور فرزان کی آواز کی گونج اپنی جیت کا جشن منانے لگی۔۔۔ لیکن یہ آواز فرزان کے جسم کے پاتال سے اٹھی تو بہت کچھ زیر و زبر ہوگیا۔۔۔ بہت کچھ تہس نہس ہوگیا۔۔۔ الفاظ زہریلے تیروں کی بوچھاڑ بن کر اس کا سینہ چیرتے ہوئے اس کے حلقوم تک پہنچے اور پھر اس کی زبان کو لہولہان کرتے ہوئے باہر رسنے لگے۔

"ہاہ۔۔۔! کسی نے سچ کہا ہے کہ محبت اندھی ہوتی ہے۔۔۔ محبت چاہے محبوبہ سے ہو، ماں باپ سے ہو، بہن بھائی سے ہو، غرض یہ کہ اپنے سے جڑے کسی بھی رشتے سے ہو، اندھی بہرحال ہوتی ہے۔ آج اس پر مہر یقین ثبت ہوگئی کہ جس سے محبت ہو انسان اس کے علاوہ اردگرد نظریں اٹھا کر دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کرتا۔ محبت کا یہ سفر اپنی ذات سے شروع ہوتا ہے اور اسی محبوب ہستی پر جا کر ختم ہوجاتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔۔۔ طالب کو مطلوب کے علاوہ کسی شے سے مطلب نہیں ہوتا۔۔۔ وجہ تخلیق کائنات محبت ہے۔۔۔ تو میں اس سے انکار کیسے کرسکتا ہوں، پر یہاں ایک بات ضرور کہنا چاہوں گا کہ محبت بھلے ہی لافانی جذبہ ہے، بھلے ہی انمول، پاکیزہ اور مقدس حقیقت کا نام ہے لیکن سچ کی کڑواہٹ ہمیشہ محبت سے متصادم ہوجاتی ہے۔۔۔ والہیت اپنی جگہ، تصورات اپنی جگہ لیکن حقائق بھی اپنے اندر ایک اٹل حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔

آپ فریال سے بے تحاشا محبت کرتے ہیں۔ وہ آپ کی کل کائنات ہے۔ آپ کے دل کی ٹھنڈک اور آپ کی آنکھوں کا نور ہے مجھے صرف اتنا بتا دیجیے کہ آخر آنکھوں کا وہ نور کس کام کا جو اردگرد موجود لوگوں کی شناخت ہی مٹا ڈالے۔

انسان کو محبت ضرور کرنا چاہیے خصوصاً ان رشتوں سے جن سے خون کا تعلق ہوتا ہے۔ لیکن جو محبت آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ دے اور آپ کی بصارتوں کو محدود کردے ایسی محبت میرے خیال میں دانائی ہرگز نہیں۔"

فرزان نے ایک طویل سانس لی اور پھر ٹیبل پر رکھا ہوا گلاس اٹھا کر غٹاغٹ ایک ہی سانس میں خالی کردیا۔ یاور زمان نے اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے بے چینی سے پہلو بدلا پھر گویا ہوا۔

"فرزان! تم بہت اچھی گفتگو کرتے ہو۔ الفاظ کے استعمال سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ تم فلسفے پر گہری دسترس رکھتے ہو مگر اس وقت میں پہیلیاں سلجھانے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اپنی بات کی وضاحت کرو، سادہ اور عام فہم انداز میں کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

فرزان نے چند لمحوں کے لیے بغور یاور زمان کے تاثرات کا مشاہدہ کیا پھر اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے لہجے اور نپے تلے انداز میں بولا۔

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں یاور زمان صاحب! کہ فریال سے آپ کی محبت بلکہ جنونی محبت کی وجہ یہ ہے کہ وہ آپ کی اکلوتی بہن ہے۔ آپ ہی نے فرمایا کہ آپ نے بچپن سے لے کر اب تک اسے اپنی محبتوں کے سائے میں پروان چڑھایا ہے۔ آپ بیک وقت اس کے ماں باپ اور بھائی ہیں۔ کتنے اچنبھے کی بات ہے کہ آپ نے بالکل بھی یہ نہیں سوچا کہ دنیا کا کوئی انسان رشتوں کی زنجیر سے آزاد نہیں ہوتا۔ آپ کے ماں باپ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے لیکن ان کا وجود ایک مسلم حقیقت رکھتا تھا۔ آپ کی بہن زندہ و جاوید ہے، اللہ انہیں عمر خضر عطا فرمائے۔ وہ بھی آپ کی زندگی کا ایک اٹوٹ حصہ ہیں۔ آپ میرے بارے میں کچھ بھی تو نہیں جانتے۔ ان مثالوں اور اس طویل گفتگو کا مقصد صرف اور صرف یہ واضح کرنا ہے کہ کوئی بھی انسان آسمان سے نہیں ٹپکتا، میں نے آپ کو اپنے ماضی میں جھانکنے کی اجازت نہیں دی تو اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ میرے پیچھے مجھ سے جڑے لوگ موجود نہیں ہیں۔

کچھ وجوہات کی بنا پر میں نے ان کے بارے میں بتانا مناسب نہیں سمجھا لیکن درحقیقت مجھ سے

جڑے بہت سے رشتے موجود ہیں۔ بہت سے لوگ ہیں جو مجھ سے وابستہ ہیں۔ آپ کا خاندان صرف اپنی بہن تک محدود ہے لیکن میرے خاندان میں میری والدہ ہیں، میرا بھائی ہے اور۔۔۔ ایک محبت کرنے والی بیوی بھی ہے۔۔۔ سو آئی ایم رئیلی ویری ویری سوری مسٹر یاور زمان! میں فریال سے شادی نہیں کر سکتا۔"

فرزان نے ڈرامائی انداز میں اپنی طویل گفتگو کو اختتام دیا تو کمرے میں خاموشی کی لرزہ خیز چیخیں گونج اٹھیں۔

الفاظ کیا تھے ایک قیامت تھی، ایک زلزلہ تھا جو یاور زمان کے چہرے پر نمودار ہونے کے بعد اس کے پورے وجود پر حاوی ہوتا چلا گیا تھا۔ فرزان نے چند لمحے توقف کے بعد قدرے تاسف سے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

"فریال بہت اچھی لڑکی ہے لیکن افسوس کہ میں انہیں وہ مقام نہیں دے سکتا جس کے آپ خواہش مند ہیں۔ اگر وہ میرے بارے میں ایسے جذبات رکھتی ہیں تو میں ان کی دل سے قدر کرتا ہوں۔۔۔ لیکن ساتھ ہی معذرت خواہ بھی ہوں کہ میں ایسا کرنے سے قاصر ہوں میں کسی کو دھوکا نہیں دے سکتا کیونکہ۔۔۔"

یاور زمان ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور پھر کرسی کو ایک زوردار ٹھوکر رسید کرتے ہوئے فرط غیض و غضب سے کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم۔۔۔ تم۔۔۔ گندی نالی کے کیڑے۔۔۔ دھوکا ہی تو دیا ہے تم نے۔۔۔ زخمی اور مظلوم بن کر اس معصوم بچی کی آنکھوں میں دھول جھونکی ہے تم نے۔۔۔ دنیا دیکھی ہے میں نے۔۔۔ میں نے تو کہا تھا اس سے کہ یہ نیکی کا زمانہ نہیں لیکن کیا کروں مجبور ہوگیا اس کی محبت کے ہاتھوں یہ سب کرنے پر ورنہ میں نے تو پہلے ہی دن اندازہ لگا لیا تھا کہ تم ایک چالاک شخص ہو اور تمہارا مطلب صرف اور صرف دولت کا حصول تھا۔ تم چاہتے تو یہ سب کچھ جو تم نے آج بتایا ہے پہلے دن ہی بتا سکتے تھے لیکن تم جیسے لالچی اور خودغرض انسان ایسا کسی صورت نہیں کرسکتے۔"

فرزان پرسکون انداز میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے ان پر ٹھوڑی ٹکا کر بیٹھا یاور زمان کی حالت زار کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اس کے انداز میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی تھی اور نہ اس کے چہرے کے تاثرات میں، شاید اسے پہلے ہی سے اس بات کا اندازہ تھا کہ یاور زمان کا ردعمل کچھ ایسا ہی ہوگا۔ وہ سپاٹ انداز میں یاور زمان کو گھورتے ہوئے خاموشی سے سنتا چلا گیا۔

یاور زمان شدید غم و غصے کی حالت میں اس طرح بات کر رہا تھا کہ جملے ٹکڑوں کی شکل میں برآمد ہو رہے تھے۔ شدید غصے میں ہونے کی وجہ سے اس کے منہ سے کف بہنے لگا تھا۔

"ٹھیک اسی وقت کمرے کی فضا میں فرزان کی ٹھہری ہوئی مخصوص آواز بلند ہوئی۔

"یاور زمان! میری گردن تمہارے احسان کے بوجھ تلے دبی ہوئی ضرور ہے لیکن الفاظ کا چناؤ کرتے ہوئے اس بات کا خصوصی خیال رکھو کہ ہر عمل کا ردعمل بھی ہوتا ہے۔ میں تمہاری ایک غلط فہمی تو ابھی دور کرنا چاہوں گا کہ تالی ہمیشہ دونوں ہاتھوں سے بجا کرتی ہے ایک بات کا یقین کرلو کہ میں نے فریال کو کبھی بھی کسی فریب میں مبتلا نہیں کیا۔ میں نے اسے محبت کا کوئی سبز باغ نہیں دکھایا۔ کوئی ایک جملہ بھی آج تک ایسا نہیں بولا کہ جس کی وجہ سے وہ میری محبت میں مبتلا ہوجائے۔

اگر وہ اپنی آنکھوں میں کچھ خواب سجا لیتی ہے، سینے میں کوئی تاج محل تعمیر کرلیتی ہے تو قصوروار میں کیسے ہوگیا؟

دوسری بات یہ کہ میں نے تمہیں کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ میں کاروبار کرنا چاہتا ہوں اور تم مجھے رقم مہیا کرو۔ میں نے دامن پھیلایا، نہ تمہارے پیر پکڑے اور نہ ہی گڑگڑا کر یہ استدعا کی تھی کہ تم رقم مہیا کرو۔۔۔ تمہاری بہن نے بطور ڈاکٹر میرا علاج کیا میں مشکور

ہوں اور اس کی عزت میں تم سے زیادہ کرتا ہوں کیونکہ اس نے آج تک بدلے میں مجھ سے کچھ نہیں مانگا۔ اس کے ہونٹوں پر کبھی کوئی سوال نہیں مچلا۔ اس نے خلوص ہمدردی اور محبت کے بے لوث جذبے کے تحت میری مسیحائی کی۔

رہی بات تمہاری تو تم اپنی پیش کش لے کر خود میرے پاس آئے تھے۔ ایک اچھے بزنس مین کی طرح تم نے مجھ سے ڈیل کی تھی۔ رقم مہیا کی تو باقاعدہ ایگریمنٹ کیا تھا۔ تمہاری رقم ایک سچے کاروباری شخص کی طرح میں تمہیں شکریہ کے ساتھ واپس لوٹا چکا ہوں۔ اب اگر تم اپنے اس احسان کی قیمت مانگنے آئے ہو تو آئی ایم سوری مسٹر یاور زمان! میں چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکوں گا۔"

"اور تم فیڈر پیتے تھے۔۔۔ تم اتنے معصوم تھے تم نے یہ سوچنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی کہ پوری دنیا کو چھوڑ کر تم میں ہی ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے تھے جو میں تمہیں کامیاب بزنس مین بنانے کے لیے رقم فراہم کرتا۔

مت بھولو فرزان فیضی! کہ آج تم جو کچھ بھی ہو میری وجہ سے ہو۔"

یاور زمان نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا تو فرزان بدستور سرد لہجے میں بولا۔

"آپ کی غلط فہمی ہے یاور زمان صاحب! میں جو کچھ ہوں۔۔۔ جو کچھ تھا۔۔ اس لیے تھا اور اس لیے ہوں کہ مجھے بنانے والے نے ایسا بنایا۔ اگر آپ کا اشارہ اس کرسی، اس دفتر اور اس کاروبار کی طرف ہے تو یہ میری ذہانت اور میری محنت کی بدولت ہے۔ میں نے یہ ترقی ان تھک جدوجہد کر کے حاصل کی ہے۔ آپ کی رقم تو آپ کے پاس واپس پہنچ گئی پھر آپ کا اس میں کیا کمال ہے؟"

یاور زمان نے زور سے ٹیبل پر ہاتھ مارا اور پھر دوسرا ہاتھ بھی ٹیبل پر رکھ کر جھکتے ہوئے فرزان کے چہرے پر نظریں جما کر بولا۔

"کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا۔۔۔ اس غلط فہمی میں مت رہنا فرزان کہ یہ سب کچھ تمہاری محنت کا نتیجہ ہے۔

تمہاری ہر کامیاب ڈیل کے پیچھے یاور زمان تھا۔۔۔ وہ یاور زمان جو بزنس ٹائیکون ہے۔"

یاور زمان ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا اور پھر اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

"وہ یاور زمان جو مارکیٹ کا بے تاج بادشاہ ہے۔۔۔ بھول گئے کنڈا والا کی وہ ڈیل جس میں اس نے تمہیں ٹھوک کر جواب دیا تھا پھر وہ کون سی ایسی جادو کی چھڑی تھی کہ وہ تم سے ڈیل طے کرنے کے لیے خود بھاگا چلا آیا۔ تم نہیں جانتے۔۔۔ وہ یاور زمان کی صرف ایک ٹیلی فون کال تھی۔۔۔ جس نے وہ ڈیل پکے ہوئے پھل کی طرح تمہاری جھولی میں ڈال دی۔ یہ سب تمہاری محنت کا نتیجہ ہرگز نہیں۔۔۔ تمہیں زمین سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچانے والا ہاتھ یاور زمان کا ہے۔ ایک بات یاد رکھنا فرزان! یاور زمان بادشاہ گر ہے۔۔۔ وہ اگر بنانا جانتا ہے تو بگاڑنا بھی جانتا ہے۔ آج تم نے اپنی بربادی کو خود آواز دی ہے۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب تمہارا کامیابی کا یہ زعم۔۔۔ بلبلے کی طرح پھٹ جائے گا۔ ذہانت کا یہ غرور جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا۔۔۔ یہ درخشندہ ستارہ جلد ڈوبنے والا ہے فرزان۔۔۔! یہ سب کچھ جس نے آج تمہاری گردن میں سریا فٹ کر دیا ہے، ملیامیٹ ہونے والا ہے۔ اپنی بربادی کا انتظار کرنا۔"

یاور زمان نے جملہ مکمل کیا اور پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ جب کہ فرزان خاموش بیٹھا دروازے کی جانب دیکھتا رہ گیا۔

متاعِ شام سفر بستیوں میں چھوڑ آئے
بجھے چراغ ہم اپنے گھروں میں چھوڑ آئے
خراجِ سیلِ بلا اس سے بڑھ کے کیا ہو کہ لوگ
کھلے مکان بھری بارشوں میں چھوڑ آئے
گھرے ہیں لشکرِ اعدا میں اور سوچتے ہیں
ہم اپنے تیر تو اپنی صفوں میں چھوڑ آئے

(باقی آئندہ)

اس کا نام عارف تھا۔ صاف ستھرا چہرہ' ڈارک گرے آنکھوں کے ساتھ ہلکے سنہرے بال اس کی شخصیت کو نمایاں کرتے تھے۔ جب سے اس نے اسے دیکھا تھا وہ اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا پا رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اس میں ایک ایسی کشش تھی جو اسے پریشان کیے ہوئے تھی۔ کوئی غیر مرئی شے جو اسے اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی۔

سر ارشد محمود جو اس کالج کے کیمسٹری کے ٹیچر تھے۔ وہ عارف کا سرسری تعارف پہلے ہی کروا چکے تھے۔ سال کے درمیان میں اس کا ایڈمیشن ہوا تھا۔ دیکھا جائے تو صرف عائشہ ہی اس میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی بلکہ کلاس کی مشہور لڑکی سحر خان کی نظریں بھی عارف پر تھیں۔ خیر وہ تو ہر کسی پر نظریں رکھتی تھی۔ اس کا چہرہ میک اپ سے سجا ہوتا تھا۔ واقعی یہ حقیقت ہے کہ چہرہ انسان کے کردار کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ایسی حرکتیں کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کی نظروں میں اپنے آپ کو منوانا چاہتے ہیں مگر اکثر غلط طریقہ استعمال کرتے ہیں۔

باسط شیخ بھی انہیں میں سے تھا جو سب کی توجہ چاہتا تھا۔ اس کے شاندار کپڑے اور اسٹائل نے اسے کالج کا ممتاز اسٹوڈنٹ بنایا ہوا تھا۔ وہ سحر خان کا ــــ دوست تھا اور اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ سحر خان' عارف میں دلچسپی لے رہی ہے۔ عائشہ باسط شیخ کا ذہن سمجھ سکتی تھی۔ جبکہ سحر خان کو اپنے نجومی ہونے پر دعوا تھا وہ اکثر یہ کہا کرتی تھی کہ مجھے قدرت کی طرف سے ایک تحفہ ملا ہوا ہے کہ میں لوگوں کے چہروں سے ان کے جذبات کا' احساسات کا اور سوچوں کا اندازہ لگا لیتی ہوں مگر حقیقتاً" یہ محض ایک شگوفہ ہی تھا' کیونکہ وہ آج تک باسط شیخ کے جذبات' احساس اور سوچوں کو سمجھ نہ پائی تھی۔ خیر یہ سب تو زندگی کا حصہ ہے۔

☼ ☼ ☼

"عائشہ۔ عائشہ"

فرح دور سے کالج کے گارڈن میں بیٹھی اسے آوازیں لگا رہی تھی۔

"خیریت تو ہے نا؟" اسے معلوم تھا کہ فرح کا اشارہ کس طرف ہے۔

عائشہ نے اس کے تنقیدی لہجے کو مسکراتے ہوئے نظر انداز کر دیا تھا وہ گارڈن میں بیٹھی تھی جبکہ عائشہ دھوپ سے بچتی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی جلد دھوپ سے بہت جلنے لگتی تھی۔ وہ بچپن ہی سے پہاڑوں کی اونچائی میں رہی تھی اور وہی اسے سوٹ کرتے تھے۔ سردیوں کی برف باری بھی اس کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتی تھی جتنا کہ سورج کی گرمی اور تپش۔

اس کے لمبے بال اسے ماں سے وراثت میں ملے تھے لیکن اس نے اپنی ماں کو صرف تصویروں میں ہی دیکھا تھا روزی آنٹی سے معلوم ہوا کہ وہ جب وہ پندرہ دن کی تھی "اس وقت شائستہ بیگم نے اسے آخری بار دیکھا تھا۔ وہ بچپن سے روزی آنٹی کے ساتھ ہی رہی تھی۔ روزی آنٹی نے سب کو یہی کہا تھا کہ وہ ان کی اولاد ہے مگر رنگ و شکل سے وہ ان سے بالکل بھی مشابہت نہیں رکھتی تھی گرے بلو آنکھیں اور ان پر سیاہ دائرے اس کا رنگ اتنا کھلا ہوا تھا جو خزاؤں سے بھی نہ مرجھا پائے۔

اس کے باوجود جب اس کے باپ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے تو انہوں نے اسے دیکھنا تک گوارا نہ کیا اور اپنی بیوی کو اکیلا روتا چھوڑ کر چلے گئے۔

بہت کم عمری میں ہی روزی آنٹی نے اسے ہر بات سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس کی ماں نے بڑی اچھی زندگی گزاری' عیش و عشرت' محبت' توجہ سب ہی ملا مگر عائشہ کی وجہ سے یا پھر لڑکی ہونے کی وجہ سے ان سے یہ سب تو چھن ہی گیا ساتھ ہی وہ زندگی کی بازی بھی ہار گئیں۔

روزی آنٹی نے کبھی اسے حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھا یہ جانتے ہوئے بھی کہ عائشہ کی وجہ سے ہی انہوں نے اپنی بہن کو کھو دیا تھا مگر اس سچ سے زیادہ اس

حقیقت کو سمجھتی تھیں کہ ان تمام باتوں میں بذات خود عائشہ قصوروار نہیں ٹھہرائی جا سکتی۔ پھر یہ سب انہوں نے قسمت جانتے ہوئے قبول کر لیا۔ انہوں نے اعلا تعلیم حاصل کی تھی اور یونیورسٹی میں لیکچرار تھیں وہ اخبارات میں کالم بھی لکھتی تھیں مگر وہ جو کچھ لکھتی یا سوچتی تھیں ان باتوں کا عکس کبھی اپنے چہرے پر ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا عکس بھی نہیں۔

☼ ☼ ☼

کالج کی چھٹی ہونے والی تھی عائشہ سوچوں میں گم مین گیٹ کی طرف چلنے میں مصروف تھی۔ ان سوچوں میں بھی عارف ہی تھا۔ اس کا دل اس کی طرف مائل ہوتا جا رہا تھا۔ کوئی کشش اسے اس کی طرف کھینچ رہی تھی۔ کوئی بھاری چیز اس سے ٹکرائی اور چند ہی لمحوں میں وہ سمجھ چکی تھی کہ وہ دروازے سے ٹکرائی ہے۔ دروازے کے ساتھ ہی کھڑا عارف اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" اس نے پوچھا تھا۔

"جی ہاں وہ اچانک دروازہ ٹکرا گیا۔" اس نے سوچے سمجھے بغیر ہی گھبراہٹ میں جواب دے دیا۔

"دروازہ آپ سے نہیں ٹکرایا بلکہ آپ دروازے سے ٹکرائی ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے چلا گیا تھا۔

ان دونوں کی آنکھیں ایک لمحے کو ٹکرائیں اور الگ ہو گئیں۔ وہ سب سے مختلف تھا اور اب دن گزرنے کے ساتھ ساتھ عائشہ کی دلچسپی اور توجہ اس میں بڑھتی جا رہی تھی۔ اور عارف نے بھی اسے ہی سب سے اچھا پایا تھا وہ بھی اسے دیکھتا رہتا تھا مگر اس میں ہمت نہ تھی کہ وہ کچھ کہہ پاتا یا کر پاتا۔

پروفیسر اطہر حسین' وائٹ بورڈ پر مارکر چلا رہے تھے اور عارف اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا۔ کلاس ختم ہوئی تو اس کی نظریں عائشہ پر سے ہٹیں تب اس نے سانس لیا۔ اس میں اس سے نظریں ملانے کی ہمت نہ تھی۔

ٹیبل لیمپ آن کرتے ہوئے اس نے پریکٹیکل کے بارے میں پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے کالج میں کچھ بھی نہیں سیکھا تھا اور کل اس کا ٹیسٹ تھا۔ اس کی توجہ ہی کہیں اور تھی وہ عارف سے اپنی سوچوں کو اور توجہ کو چھڑا نہیں پا رہی تھی۔

روزی آنٹی دودھ کا گلاس لے کر کمرے میں آچکی تھیں۔

"آج کل بہت پڑھائی ہو رہی ہے مگر اپنی آنٹی کو بھی یاد رکھا کرو عائشہ" روزی آنٹی صوفہ پر بیٹھتے ہوئے ناراضی سے کہہ رہی تھیں۔

"میں تو آپ کو کبھی بھولتی ہی نہیں آنٹی' بس ٹیسٹ شروع ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے مصروف ہوں۔" اس نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں بیٹا پڑھو اللہ تمہیں کامیاب کرے۔" وہ دعا دیتی ہوئی باہر کی طرف چلی گئی تھیں۔

الارم کی آواز اسے ہمیشہ ہی تنگ کرتی تھی مگر پہلی بار اس نے جاگتی حالت میں الارم بند کیا تھا۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا تھا۔ نیلے آسمان پر بادلوں کے ڈھیر جگہ جگہ آسمان کے کاغذ پر نقشے بنا رہے تھے۔ اور سورج کی روشنی کو وقتاً" فوقتاً" دھندلا کر رہے تھے۔ اسے شروع سے ہی یہ موسم پسند تھا۔ اسے اس موسم سے عجیب سا لگاؤ تھا۔

"عائشہ کالج نہیں جا رہی ہو؟ ٹائم دیکھو کیا ہو رہا ہے؟" روزی آنٹی کی آواز وقتاً" فوقتاً" کچن سے آ رہی تھی۔

"میرے سر میں درد ہے' میں نے سوچا کہ چھٹی کر لوں۔" وہ دوبارہ بستر پر نیم دراز ہو گئی تھی۔ جس وقت اس کی آنکھیں عارف سے ملی تھیں وہ لمحہ ابھی تک اس کی نظروں میں تھا۔ اس کی آنکھوں میں سراب تھا گہرا سراب۔ جس کی تلاش میں وہ بھاگتی جا رہی تھی وہ اپنی ذات سے خود کلامی کر رہی تھی۔

"آخر میں کیا چاہتی ہوں کیا کرنا چاہ رہی ہوں مجھ میں کسی بات کی ہمت نہیں ہے؟" اس نے لمبی آہ بھری تھی اس بات سے یکسر انجان کہ روزی آنٹی کافی دیر سے اس کے چہرے کے عجیب و غریب تاثرات دیکھ

رہی ہیں چند سیکنڈ میں اسے اندازہ ہوا تو اس نے ذہن جھٹک دیا۔

"کیا ہوا عائشہ؟" روزی آنٹی اسے بچپن سے جانتی تھیں۔ اس کے چہرے کے چڑھتے اترتے رنگوں سے آج تک ان کا سامنا نہیں ہوا تھا۔

"کچھ نہیں آنٹی سر میں درد ہے۔" اس نے بات بدل دی تھی۔

"اچھا چلو ناشتا کرلو پھر روالے لوٗن میں شاپنگ پر چلتے ہیں' میں بھی آج کی چھٹی کرلیتی ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آج کل کپڑوں میں کافی ورائٹی آئی ہوئی ہے اور تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔" روزی آنٹی نے کہا تھا۔

"نہیں آنٹی آپ جائیں میں آج نہیں جاسکوں گی پھر کبھی چلیں گے مجھے ٹیسٹ کی تیاری بھی کرنی ہے۔" اس نے اچھے انداز میں نہ جانے کا بہانہ کردیا تھا۔

وہ اپنی کتابیں بک شیلف پر سیٹ کرنے میں مصروف تھی۔

"آنٹی ایک بات پوچھوں؟" اس نے صوفے پر بیٹھی روزی آنٹی سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہاں بیٹا پوچھو۔" روزی آنٹی نے ـــــ چائے پیتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا میرے ماما اور ڈیڈی کی شادی لو میرج تھی؟" اس نے کتاب کو کپڑے سے صاف کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"یہ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟ پچیس سال ہوگئے تم نے کبھی اس بارے میں بات نہیں کی۔ آج اچانک یہ سوال تمہارے دل میں کیسے آیا اور کیوں؟" روزی آنٹی اس کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں۔

"میں آج ماما اور ڈیڈی کی تصویریں دیکھ رہی تھی اس میں سے کافی تصویریں ایسی ہیں جن میں ان کے چہروں پر خوشی نہیں ہے۔" اس نے سادگی سے کہا تھا۔

"اگر چہرے ہی زندگی کے حالات بتا دیتے تو لوگ کبھی ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کرتے اور پھر تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں جہاں تک لو اور ارینج میرج کا سوال ہے تو رشتے اعتبار سے بنتے ہیں اور اعتبار ہی زندگی ہے۔ محبت کرکے بھی لوگ چھوڑ جاتے ہیں اور تمہارے ڈیڈی نے بھی یہی کیا۔ لڑکی کی پیدائش ہونے کو وجہ بنادیا۔ ہوسکتا ہے سب پہلے سے ہی طے شدہ ہو ورنہ تمہاری ماں اتنی جلدی زندگی کی ڈور نہ چھوڑتی۔ یہی زندگی ہے۔ شائستہ نے تمہارے ڈیڈی کو جتنا چاہا جتنا خیال کیا تو اگر وہ بھی اس کے ساتھ مخلص ہوتا تو بے بنیاد وجوہات کی بنا پر اسے چھوڑ کر نہ جاتا۔" روزی آنٹی جذباتی لہجے میں بول رہی تھیں۔

"اور تم ابھی چھوٹی ہو عائشہ! ان باتوں سے دور رہو' اپنی پڑھائی پر توجہ دو اور خود اس قابل بن جاؤ کہ لوگ تمہیں چاہیں اور اگر کوئی نہ بھی چاہے تو خود پر اتنا اعتماد رکھو کہ خود اپنے آپ کو چاہو۔" روزی آنٹی اٹھ کر جاچکی تھیں۔ مگر عائشہ کے دل و دماغ میں سوچوں کا دریا بہا چکی تھیں۔

"کیا سوچ رہی ہو عائشہ؟" فرح نے سوچوں کے سمندر میں تیرتی ہوئی عائشہ کو احساس دلایا تھا کہ وہ کلاس میں بیٹھی ہے۔

"کچھ نہیں فرح!" اس نے فوراً اپنی سوچوں پر قابو پالیا تھا' مگر فرح اسکول کے زمانے سے اس کے ساتھ تھی اور اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کے دل میں ہونے والی باتوں کو جان لیتی تھی۔

"سچ بتاؤ عائشہ کیا ہوا؟" فرح نے اس سے پوچھا تھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ میں کچھ سمجھ نہیں پارہی ہوں فرح۔ آج کل میں خود سے پریشان ہوں' کسی چیز میں دل نہیں لگتا' روزی آنٹی مجھے محبت سے خوفزدہ کرتی ہیں' مگر مجھے لگتا ہے کہ مجھے محبت ہوگئی ہے' میں اپنی ذات کو ناقابل اعتبار سمجھنے لگی ہوں مجھے خود اپنے دل پر بھروسہ نہیں ہے' مجھے اپنے جذبات پر قابو پانے کے لیے ہمت چاہیے تو وہ ہمت بھی مجھ میں نہیں' میں اپنی ذات سے بھاگنا چاہتی ہوں تو میرے قدم میرے ساتھ ہی نہیں' مگر مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ جس کے لیے

میں اتنی مشکل راہوں سے گزر رہی ہوں اس کے دل میں بھی میرے لیے ایسا کوئی جذبہ ہے یا نہیں۔ میں پریشان ہوں فرح' میرا ذہن ماؤف ہورہا ہے۔" عائشہ کے چہرے پر نمی اترنے لگی تھی۔

"پریشان نہ ہو عائشہ اللہ بہت بڑا کارساز ہے وہی بہتر کرنے والا ہے۔ اللہ ہی دلوں کو ملاتا ہے وہی رشتے بناتا ہے رشتے تو آسمانوں پر بنتے ہیں نہ جانے کب مل جائیں' مگر ایک بات ضرور ہے کہ کبھی بھی اس شخص سے محبت نہ کرو جو تم سے محبت نہ کرتا ہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ محبت سوچ سمجھ کر نہیں کی جاتی' مگر اب کیا کیا جاسکتا ہے؟ دیکھو انسان کو اپنی ذات کو مضبوط بنانا ضروری ہے۔ اب ان باتوں میں الجھی رہو گی تو مستقبل کا کیا ہوگا؟ ان باتوں کا عکس اپنے مستقبل پر مت پڑنے دو۔" فرح عائشہ کی طرح کم عمر تھی' بہت ہی مخلصانہ انداز میں اسے سمجھا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼
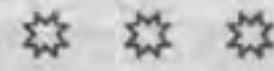
بارش کی ٹھنڈک موسم کو سرد کررہی تھی اور اس کی ٹھنڈی بوندیں لان پر بچھی گھاس کو بیچ کررہی تھیں۔ سورج گہرے بادلوں کی آغوش میں سو رہا تھا اور بادل رم جھم برسے جارہے تھے۔ کالی گھٹا دن کی روشنی کو مدھم کرنے پر تلی تھی اور شام کا ماحول اس کے اردگرد سفر کررہا تھا۔

تیز بارش میں برستی بوندیں سب کے قدموں کی رفتار ناقابل اعتبار کررہی تھیں۔

"آجاؤ عائشہ ہم پھر چلیں؟" فرح نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا۔ بارش نے اس کی آنکھوں کی نمی بھی دھو ڈالی تھی اسے اپنے پیر بیڑیوں میں بندھے محسوس ہورہے تھے۔ ذہن ابھی بھی سوچوں کا محور بنا ہوا تھا۔ سب ہی اچانک تیز بارش کی وجہ سے گھر جانے کے لیے پریشان تھے۔ فرح جو کہ بہت ہی کمزور دل کی مالکہ تھی مضبوطی سے عائشہ کا ہاتھ پکڑی ہوئی تھی اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے ناخن عائشہ کے نرم و نازک ہاتھوں پر گہرے نشان چھوڑ رہے ہیں۔

"اُفوہ فرح کیا کررہی ہو؟ اتنا خوف زدہ کیوں ہو؟" حالانکہ وہ خود بھی خوفزدہ تھی۔

"دیکھو ڈرو نہیں؟" عائشہ نے فرح کو حوصلہ دیتے ہوئے ہاتھ مسلے تھے۔

"اچھا آپ کو تو ڈر لگ ہی نہیں رہا' بیٹا سب ہی خوف زدہ ہیں۔ دیکھو اس لڑکی کو۔" فرح نے سیمینار کی سیڑھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جہاں ایک لڑکی اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں کے گھیرے میں لیے رو رہی تھی۔

مگر کوئی تھا جو بالکل اطمینان سے گاڑی کے دروازے سے ٹیک لگا کر آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بادل پوری طاقت سے گرج رہے تھے اور اس کے چہرے پر ایک سلوٹ نہیں آرہی تھی شاید وہ بارش بلکہ خطرناک بارش کو انجوائے کررہا تھا۔ عائشہ نے سیمینار کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے اسے دیکھا تھا' مگر وہ ہر کسی سے لاتعلق مکمل بھیگ چکا تھا۔

موبائل کی گھنٹی لگاتار بج رہی تھی' فرح نے بمشکل موبائل بیگ سے نکالا تھا۔

"ہیلو۔۔۔ فرح باہر آجاؤ میں آگیا ہوں۔" فرح کے بھائی نے کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔

"عائشہ بھائی آئے ہیں۔ آؤ دونوں چلتے ہیں تمہیں تمہارے گھر ڈراپ کردیں گے۔" فرح کو اس کی فکر تھی کہ وہ اتنی بارش میں گھر کیسے جائے گی۔

"مگر ہم دونوں بائیک پر کیسے بیٹھیں گے اور میرا گھر تمہارے گھر کی مخالف سمت میں ہے۔ اتنی بارش ہورہی ہے اس طرح سے بیٹھنا بھی غیر محفوظ ہے۔ تم میری فکر نہ کرو میں چلی جاؤں گی۔" عائشہ نے اعتماد دلایا تھا۔

"اچھا پھر گھر پہنچ کر فون ضرور کرنا۔" فرح نے بیگ کندھے پر لٹکایا تھا وہ دروازے پر ہی بیٹھی تھی سامنے عارف اسی پوزیشن میں کھڑا تھا' جس پوزیشن میں کافی دیر سے کھڑا تھا۔ بجلی کی خطرناک چمک بھی اسے اپنی پوزیشن سے ہلنے نہیں دے رہی تھی۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا وہ بارش کی سفید موسلا دھار بوندوں

میں سمجھ نہیں پارہی تھی کہ اس کی نگاہیں کس طرف ہیں اچانک اسے سمجھ آنے لگا جب وہ تیز قدموں سے اسی طرف آرہا تھا۔ وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"مس اگر آپ برا نہ مانیں یا پھر اگر آپ کو ٹھیک لگے تو میں آپ کو گھر ڈراپ کردوں؟ میرے خیال میں آپ کی دوست بھی جا چکی ہیں۔ میں اپنی گاڑی میں ہوں تو میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔" اس کی بھاری آواز عائشہ کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"جی۔۔۔ وہ۔۔۔ نہیں میں چلی جاؤں گی بس ذرا بارش تھم جائے۔" عائشہ گھبراہٹ میں کہتی ہوئی کھڑی ہوگئی تھی۔

"اوکے۔۔۔" وہ صاف ستھرے لہجے میں بول کر گاڑی کی چابی گھماتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

عائشہ جانتی تھی کہ اس موسم میں بس کیا کوئی ٹیکسی بھی نہیں ملنے والی۔ مگر عجیب سخت مزاج لڑکا ہے دوسری دفعہ پوچھا ہی نہیں وہ سوچتی ہوئی اس کے پیچھے چل دی تھی۔

"سنیے کیا آپ مجھے میرے گھر ڈراپ کردیں گے۔" اسے تیز بارش میں چیخنا پڑ رہا تھا۔

"میں نے کیا فرانسیسی زبان میں پوچھا تھا؟" عارف نے پیچھے مڑتے ہوئے کہا تھا۔

"لڑکیوں کی عقل واقعی گھٹنوں میں ہوتی ہے۔" اس نے گاڑی میں چابی لگاتے ہوئے دبے لفظوں میں کہا تھا۔

"جی۔۔۔" عائشہ نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"کچھ نہیں آئیے بیٹھیں۔" اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جلدی سے دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

"تھینک یو۔" اس نے مشکور نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"میرا نام عارف ہے۔" اس نے بتایا تھا۔

"پروفیسر ارشد علی نے آپ کا تعارف سرسری طور پر کروادیا تھا ہم ایک ہی کلاس کے اسٹوڈنٹ ہیں۔" عائشہ نے وضاحت پیش کی تھی۔

"مگر مجھے تو آپ کا نام کسی نے نہیں بتایا۔" عارف نے اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ بھیگ کر گلاب کی پنکھڑیوں جیسا ہوگیا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے پھولوں میں شبنم پڑی ہو۔

عائشہ نے اس کی قاتل نظروں سے کتراتے ہوئے نظریں کھڑکی سے باہر کرلی تھیں۔ بارش سارے خوب صورت مناظر کو دھندلا کررہی تھی۔

"اچھا ویسے تو میں کسی سے بات نہیں کرتا مگر آپ کا انداز اچھا لگا۔ خیر آپ ۔۔۔ معاملات زندگی سنائیں۔" عارف احمد بہترین ڈرائیونگ کررہا تھا۔

"عائشہ۔۔۔ میرا نام عائشہ ہے' میں اپنی خالہ کے ساتھ رہتی ہوں۔" اس نے مختصر احوال بتا دیا تھا اور اس کے پاس اور کچھ بتانے کے لیے تھا ہی نہیں۔

"اور ممی ڈیڈی۔۔۔ مطلب ماں باپ؟" عارف نے روایتی سوال پوچھا تھا۔

"نہیں ہیں۔۔۔" اس نے زندگی کی سچائی بتادی تھی جو کہ صرف دو لفظوں پر مشتمل تھی۔

"اوہ سوری۔۔۔" عارف نے کہا تھا۔

"بائی دے وے میں بھی کراچی میں اکیلا ہوں میری فیملی انگلینڈ میں ہے میری پیدائش بھی وہیں کی ہے۔ بزنس کے سلسلے میں آیا ہوں سوچا کہ پڑھائی بھی جاری رکھوں ہمارا یہاں بھی گھر ہے۔ میری فیملی بھی یہیں آنے والی ہے دونوں بہنوں کی وہیں شادی ہوئی ہے سب چھٹیاں گزارنے یہاں آئیں گے۔" عارف اپنی فیملی کے بارے میں بتارہا تھا۔

"اور میری فیملی؟" عائشہ کا دل دکھ رہا تھا۔ اس نے دل پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔

"ماں باپ، بہن بھائی' خاندان۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں' میں اتنی اکیلی کیوں ہوں؟" عائشہ خود سے سوال کررہی تھی۔

"آپ کا گھر کس طرف ہے؟" سوچوں میں گم عائشہ کو عارف نے بیدار کیا تھا۔

"جی سامنے روڈ کے بعد راؤنڈ اباؤٹ آئے گا وہاں سے لیفٹ لیجیے گا۔" عائشہ نے گھر کا راستہ بتاتے ہوئے کہا تھا۔

"ویسے تو اس کالج میں کسی نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا' لیکن آپ ایک اچھی طبیعت کی لڑکی ہیں۔ عادتاً" میں بھی ریزرو رہتا ہوں' میں سوچتا ہوں کہ جب انسان کسی مقصد کے تحت کوئی کام کرے تو اس میں کافی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ رکاوٹیں آتی ہیں اور بعض لوگ ان رکاوٹوں کو اپنی راہ کا پتھر تصور کرکے مقاصد سے روگردانی کربیٹھتے ہیں' مگر میں ان رکاوٹوں سے الجھ کر مقاصد کی طرف جانے والی منزلوں سے دور نہیں ہوتا بلکہ ان رکاوٹوں کو پار کرکے منزل کی جانب گامزن رہتا ہوں اور یہی میری کامیابی کا راز ہے۔ میرے ڈیڈی ایک بڑے بزنس مین ہیں ان سے ہی میں نے یہ سب سیکھا ہوں۔ دراصل سلجھے ہوئے لوگ ہی زندگی کی کامیابیوں سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ میری فیملی بھی اسی طرح کی ہے۔ میرے ماں باپ نے مجھے کبھی کسی چیز کے لیے روکا نہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ میں کبھی کوئی غلط کام نہیں کروں گا۔ انہوں نے میری تربیت ہی ایسی کی ہے۔ خیر کیا آپ میری دوست بنیں گی؟" اس نے راؤنڈ اباؤٹ سے لیفٹ ٹرن لیتے ہوئے کہا تھا۔

"حقیقت تو یہ ہے کہ میری کوئی بہن ہے نہ بھائی' ماں باپ کو تصویروں کے سوا دیکھا ہی نہیں' خالہ نے ہی مجھے پالا' تربیت کی' اس لیے اگر فیملی کا کہا جائے تو وہی میری فیملی ہے۔ ویسے ہم ایک ہی کلاس کے اسٹوڈنٹ ہیں تو دوست بھی ہیں۔" عائشہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" عارف نے سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"لیجیے میرا گھر بھی آگیا۔ رائٹ پر جو فلیٹس ہیں وہیں میں رہتی ہوں۔" عائشہ نے بلاک D کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اوکے۔۔۔ میڈم۔" عارف نے شرارت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے گاڑی پارک کی تھی۔

"میرے گھر آئیں آپ کو اپنی خالہ سے ملواتی ہوں۔" عائشہ نے روایتی جملہ کہا تھا۔ حالانکہ وہ خود ایسا نہیں چاہتی تھی۔

"نہیں پھر کبھی۔۔۔ ابھی میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں۔" اس نے اپنی بھیگی حالت پر اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"پھر ملتے ہیں کالج میں' نائس ٹومیٹ یو۔" اس نے گاڑی ریورس کرلی تھی۔

بارش ہلکی ہوگئی تھی' مگر تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ عائشہ نے ڈور بیل بجاتے ہوئے بیگ سے موبائل نکالا تھا اور فرح کو کال کرنے کے لیے ڈائل کا بٹن دبایا ہی تھا کہ فرح کی کال آگئی۔

"ہاں میں پہنچ گئی ہوں' بس فریش ہوجاؤں' پھر بات کرتی ہوں۔" عائشہ کو فرح کے کال کرنے کی وجہ معلوم تھی۔ اس لیے خود ہی جواب دے کر فون رکھ دیا تھا۔

"آگئیں؟ خیریت سے ہو نا؟" روزی آنٹی نے دروازہ کھولتے ہوئے پریشانی ظاہر کی تھی۔

"جی آنٹی بڑی بارش ہے' بس آگئی۔" اس نے انہیں گھر پہنچنے کی تفصیل نہیں بتائی تھی اور باتھ روم میں گھس گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ایک نئی شروعات! ڈیڈی کہتے ہیں' ہر چیز حرکت میں ہے۔ کیا میں بھی اس تبدیلی کا حصہ بن رہا ہوں جو میرے دل میں پنپ رہی ہے۔ دوستی کرنا اور اس کو نباہنا بھی' یہ کوئی آسان کام تو نہیں ہوتا۔ میرے دل نے عائشہ کے لیے اپنے اندر کن جذبات کو جگہ دینا شروع کردی ہے؟ میرے دل نے میرے دماغ کو اس دوستی کے لیے کس طرح آمادہ کرلیا کہ میں اس دن کو بھول گیا' جب مجھے میری بیسٹ فرینڈ ثمن ناز سے محبت ہوگئی تھی۔" وہ سارے راستے سوچوں میں مصروف تھا۔

وہ خاموشی سے اس کی زندگی بن گئی تھی اور پھر دونوں کی محبت' بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ صرف عارف ہی اس سے محبت کرتا تھا۔ اسے وہ لمحہ یاد تھا جب اس نے اس کی محبت کو ٹھکرا کر کسی اور کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ عام روایتی نقوش' گندمی رنگ' مگر پھر بھی اس میں ایک کشش تھی' جس نے عارف کو مقناطیس کی طرح کھینچ لیا تھا۔

عارف اپنے عالی شان بنگلہ کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے ان تمام سوچوں کو جھٹک دیا تھا۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے واقف تھا کہ مستقبل کی قیمت ماضی سے بھاری ہوتی ہے اور پھر جو چیز آپ کی ہے ہی نہیں اس کے لیے قیمتی مستقبل کو کیوں داؤ پر لگایا جائے۔

یہ بھی حقیقت تھی کہ عارف ثمن ناز کی محبت بھلانے کی کوشش میں ہی کراچی آیا تھا۔ مگر وہ ناکام تھا' پہلی محبت واقعی ناقابل فراموش ہوتی ہے۔ لیکن وہ زندگی کی حقیقت کو بہت بہتر طریقے سے جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کبھی اللہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ شاید اس آزمائش میں اس کے لیے کوئی بہتری ہو۔ بے شک اللہ کے فیصلوں میں مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔

وہ گھر پہنچتے ہی بیڈ پر نیم دراز ہو گیا تھا۔ اس کے جوتوں اور کپڑوں سے وقتاً" فوقتاً" پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ وہ مسلسل کمرے کی چھت کو تک رہا تھا۔ اس کا ذہن عائشہ کی سوچوں میں مگن تھا اور دل بھی ذہن کا ساتھ دے رہا تھا۔ گلابی رنگت پر سیاہ لمبے بال جو اس کے رنگ کو اور بھی نمایاں کر رہے تھے۔ شروع میں جب اس نے عائشہ کو دیکھا تھا تو اس کی آنکھوں میں اسے نیلے رنگ کے آسمان کا عکس دکھائی دیا تھا۔ مگر وہ اس کی آنکھوں کے رنگ کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ مگر ان کے سحر میں اسیری ضرور گزار رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آنٹی میں سوچ رہی ہوں کہ پڑھائی کے ساتھ کوئی پارٹ ٹائم جاب بھی کر لوں۔" عائشہ نے کھانے کی میز پر سے برتن اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

"ضرورت نہیں ہے۔ پڑھائی پر توجہ دو' تم سے گھر کے کام تو ہوتے نہیں ہیں اور جاب کرو گی۔ ویسے بھی میں دیکھ رہی ہوں' تم جس طرح پہلے پڑھائی میں مصروف رہتی تھیں اب نہیں رہتیں' کہاں رہتا ہے تمہارا دماغ۔" روزی آنٹی اسے کہہ رہی تھیں۔

"نہیں آنٹی ایسا نہیں ہے۔ میں تو بس یوں ہی۔" اس کے علاوہ عائشہ نے کچھ نہ بولنا ہی مناسب سمجھا اور کمرے میں گھس گئی۔

مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوتے ہی روزی آنٹی وضو کرنے کے لیے اٹھ گئی تھیں۔ جمعہ کا مبارک دن تھا۔ بارشوں کا موسم تھا۔ مگر سورج اپنی چمک کو برقرار رکھے ہوئے آسمان پر سفر طے کرتے ہوئے شام کی جانب بڑھنے کو تیار تھا۔ گھڑی اس وقت ڈیڑھ بجا رہی تھی' وہ نماز کی تیاریوں میں لگ گئی تھی۔

نماز سے فارغ ہو کر عائشہ برآمدے میں کھڑی لوگوں کا موازنہ کرنے میں مصروف تھی۔ مگر ایسا اسے دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا تھا۔ اصل میں وہ عارف کے بارے میں اپنی رائے خود سے شیئر کر رہی تھی کہ نہ جانے اسے یہ موڑ کس کنارے لے کر جائے گا۔

اور وہی ہوا زندگی کا یہ موڑ جس میں اس نے عارف سے دوستی کی تھی۔ اسے محبت کے کنارے لے آیا تھا۔ اب کالج جانے کا مقصد پڑھائی سے زیادہ عارف سے ملاقات بن رہا تھا۔ وہ سب سے کٹتی اور عارف سے جڑتی جا رہی تھی اور یہی حال عارف کا بھی تھا۔ وہ دونوں محبت کے رشتے میں بندھتے جا رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے محبت کے جذباتوں کا دریا بھی جوش کھاتا دکھائی دیتا تھا' مگر اظہار محبت الفاظوں میں ہونے کے انتظار میں ان دونوں نے سال گزار دیا تھا۔

"یہ کیا' کیا تم نے عائشہ؟" روزی آنٹی نے اس کا فائنل رزلٹ کارڈ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"پروموٹڈ پاس؟ ہاؤ کین یو ڈو دس؟ کتنی محنت کی میں نے تمہارے لیے عائشہ۔۔۔ اس کا یہ صلہ دیا تم نے۔۔۔ کبھی کچھ نہ کہا' کوئی کام نہیں کروایا' یہی چاہا کہ تم ہر وقت پڑھائی پر توجہ دو۔ مگر تمہیں موبائل سے فرصت کہاں ملی میری خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے؟" روزی آنٹی افسوس بھرے لہجے میں مخاطب تھیں۔

اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکا تھا۔ وہ جانتی تھی واقعی روزی آنٹی نے اسے ماں' باپ دونوں کا پیار دیا۔ اچھے اسکول' اچھے کالج میں پڑھایا' کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی۔ مگر وہ محبت کے ہاتھوں مجبور کمرے میں گھس گئی۔

"میں نے سوچ لیا ہے کہ تمہاری شادی کر دوں' اسی لیے لڑکا بھی دیکھ لیا ہے۔" روزی آنٹی سبزیوں کا ٹوکرا فریج میں رکھتے ہوئے عائشہ سے مخاطب تھیں۔

"کیا؟" عائشہ نے غیر معمولی ریسپانس دیا تھا۔

"کیا کا کیا مطلب ہے؟ میں تمہارے لیے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی؟ کیا میں تمہارے لیے بہتر نہیں سوچتی؟ ویسے بھی زندگی کا بھروسہ نہیں ہے۔ مجھے ویسے ہی شوگر ہے' زندگی کسی بھی دن دھوکہ دے سکتی ہے۔ ہمارے دور کے رشتے دار ہیں' ان کا بیٹا ہے' انگلینڈ سے ان کی فیملی یہاں شفٹ ہو رہی ہے۔ ماں ٹریفک حادثہ میں جان کی بازی ہار گئی' باپ بڑھاپے پر ہیں۔ اچھا خاندان ہے' ویل ایجوکیٹڈ۔" آنٹی نے اور نہ جانے کتنی تعریفوں کے پل باندھے' اس نے نہیں سنے۔ ان کی آواز اس کے کانوں میں پڑ ضرور رہی تھی' مگر دماغ انہیں موصول نہیں کر رہا تھا۔

اس نے زندگی کا موازنہ کیا تو ہر قدم پر روزی آنٹی ہی نظر آئیں۔ ویسے بھی اس نے ان کی امیدیں توڑی تھیں۔ اب مزید وہ انہیں دکھ نہیں دینا چاہتی تھی اور دکھ دیتی بھی تو کیا یا پھر عارف کی محبت کا بتاتی بھی تو کیا اسے خود اس کی ناقابل یقین محبت پر اعتماد نہ تھا۔ روزی آنٹی کو یکطرفہ محبت کی روداد کیا سناتی اس لیے اس نے خاموشی کو ہی اپنا شیوہ بنا لیا۔

کالج کا آخری دن تھا۔ سب ہی فیئر ویل پارٹی انجوائے کر رہے تھے۔

"عائشہ پتا چلا باسط نے سحر کو پرپوز کیا ہے اور اس نے اس کا پرپوزل قبول بھی کر لیا ہے۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آتا۔" فرح چپکے چپکے اس کے کان میں خبر اتار رہی تھی۔

"اچھی بات ہے دونوں کو محبت مل گئی۔" عائشہ نے کہا تھا۔

"اچھا میں چلتی ہوں فرح۔۔۔ اپنا خیال رکھنا۔۔۔ پھر ملاقات ہو گی۔" تقریب کے اختتام پر وہ عارف سے ملے بغیر ہی کالج سے نکل گئی تھی۔ دل ناقابل اعتبار راستے پر سفر کر رہا تھا۔

"تم مجھ سے ملے بغیر ہی آگئیں؟" عارف فون پر اسے باتیں سنا رہا تھا اور وہ خاموشی سے سن رہی تھی۔

"دیکھو میں انگلینڈ جا رہا ہوں اپنی فیملی کے ساتھ ہی اب کراچی آؤں گا جلد۔" پھر اس نے ادھر ادھر کی باتیں کر کے فون رکھ دیا۔

اس نے آج بھی محبت کا اظہار نہ کیا۔ دن' ہفتے' ہفتے مہینے اور اسی طرح مہینے سال بن رہے تھے۔ وہ اس کی محبت کے اظہار کا انتظار کرتی رہی' مگر انتظار۔۔۔ انتظار ہی رہ گیا۔ پھر قسمت بھی تو انسان کی زندگی میں عمل دخل کرتی ہے۔

☼ ☼ ☼

بارش نے موسم سرد کیا ہوا تھا اور ساتھ ہی رات نے بھی نہ ختم ہونے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ وقت گزر ہی نہیں رہا تھا۔ رات کی تاریکی میں چند نظر آنے والے مناظر کو بھی بارش نے دھندلا کر دیا تھا۔ زوردار ہوائیں کھڑکی' دروازوں سے سر پٹخ پٹخ کر شور مچا رہی تھیں۔ اس نے کھڑکی بند کرنے کے لیے منہ کھڑکی سے باہر نکالا' ماحول کی ٹھنڈ و تیز ہوائیں اس کے رخساروں سے ٹکرائیں اور بارش کی رم جھم پھوار نے اس کے چہرے کو ایک ہی لمحے میں چھو لیا۔ اس نے جلدی سے کھڑکی کا پٹ بند کر دیا تھا۔

ہر طرف اندھیرے میں چمکتی بجلی اسے بار بار خوف زدہ کر رہی تھی۔ وہ آسمان پر تارے کی تلاش میں تھی۔ مگر دور' دور تک کوئی ستارہ روشنی دینے کو تیار نہ تھا۔ چاند بھی بادلوں کی ٹھنڈی آغوش میں تھا۔ ایسے

میں ایک تارہ ہی کافی تھا جو دل میں روشنی بھر دیتا۔

آج سے کچھ عرصہ پہلے عائشہ کتنی خوشی سے سرشار تھی۔ وہ اپنی زندگی سے مطمئن تھی۔ ایسا ہر دیکھنے والے کو محسوس ہوتا کیونکہ اس کے پاس زندگی کا خوشیوں سے بھرا سمندر تھا۔

مگر اسی خوشی میں چھپا درد جسے اس نے بمشکل اور بالجبر چھپایا ہوا تھا۔ آج عارف نے ان درد بھرے لمحوں کو اجاگر کر دیا تھا۔ اس نے دل کے ہر زخم سے پردہ اٹھا دیا تھا۔ اس جملے کے عوض جسے سننے کے لیے اس نے تین سال انتظار کیا مگر آج وہ جملہ اسے زہر کے گھونٹ سے بھی زیادہ کڑوا محسوس ہو رہا تھا۔ اندھیرا ہر چیز کو کھا جاتا ہے۔ اس نے آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے ہوئے سوچا تھا۔

بارش کی تیزی میں ایک پائی کی بھی کمی نہ آئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ سب بہا کر لے جائے گی اور اس میں وہ اپنے غم بھی ڈال دینا چاہتی تھی۔ دور کہیں سے اذان کی آواز ابھر رہی تھی۔ بارش بھی تھم سی گئی تھی۔ آسمان سے بادل چھٹ رہے تھے۔ شاید کہیں اور کی راہ لینے کو تیار تھے۔ اب تو ستارے بھی آسمان کی کالی چادر پر ٹنک چکے تھے۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھری اور نماز کے لیے تیار ہو گئی۔

"واقعی نماز میں سکون ہے۔" اس نے سلام پھیرتے ہوئے خود کلامی کی اور اسی سکون نے اسے نیند کی بانہوں میں سلا دیا۔

کل کی ہی بات تھی۔ عمران نے اس کی گود بھرائی کی پارٹی میں سب کو انوائٹ کیا تھا۔ بہت سے مہمان تھے اور اس نے عائشہ کو سرپرائز دینے کے لیے اس کے کالج کے کلاس فیلوز کو بھی مدعو کیا تھا۔ ان میں عارف بھی تھا۔ عمران نے اس دن کے لیے خاص طور پر اس کے لیے سوٹ سلوایا تھا۔ سرخ اور سنہرے رنگ پر ہرے رنگ سے زری کا کام ہوا تھا۔ اس پر باریک دوپٹا جو پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ موقع کی مناسبت سے بے حد خوب صورت سوٹ اس پر بہت ہی کھل رہا تھا۔

وہ اس وقت دنیا کی خوش نصیب عورتوں میں شمار ہو رہی تھی جنہیں دنیا کی راحت ملتی ہے۔ محبت کرنے والا حسین شوہر' بڑا سا ڈیکوریٹڈ گھر' بڑی گاڑی۔ پھر جس نے محبتوں کے بغیر زندگی گزاری ہو اس کے لیے ایسا موڑ خوشیوں کو ۔۔۔ دوبالا کر دیتا ہے۔ مہمان آ رہے تھے اور تحفہ تحائف کی بھرمار ہو رہی تھی۔ عارف کے دروازے پر آتے ہی اس کے دل کی دھڑکنیں رک سی گئیں وجاہت اور شاہانہ انداز کا پیکر عارف اسی کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی مخلص دوست فرح بھی تھی۔

"بہت بہت مبارک ہو بھئی سب ٹھیک ہے؟" عارف نے عمران سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تھا۔ مگر وہ جانتی تھی کہ یہ جملہ اسی کے لیے ہے۔

"ہاں اللہ کا شکر ہے۔ آپ سنائیے؟" عمران نے روایتی جملہ ادا کیا تھا۔

"بس زندگی گزر رہی ہے ایک دن ختم ہو جائے گی۔" عارف نے بے بسی سے کہا تھا۔

"پھر تو آپ کو شادی کر لینی چاہیے۔۔۔ بیوی کے آتے ہی ساری تھکاوٹ دور ہو جائے گی۔" عمران نے قہقہہ لگاتے ہوئے عائشہ کی طرف دیکھا تھا۔

"چلو تم انجوائے کرو' میں آتا ہوں۔" عمران دوسری طرف جا چکا تھا۔ "ویسے واقعی تم کو شادی کر لینی چاہیے۔" عائشہ نے عمران کی بات دہرائی تھی۔

"شادی؟ سنو عائشہ میں نے تم سے سچی محبت کی تم ہی میری زندگی کی سب سے بڑی چاہت تھیں' میں نے تمہیں ہی اپنی دلہن بنانے کے خواب دیکھے۔ مگر تم کسی اور کی ہو گئیں' شاید عمران مجھ سے زیادہ بہتر ہے جو تم نے میری محبت کو نظرانداز کر دیا۔

جس دن تمہاری شادی تھی' اس دن میں تمہارے پاس آیا تھا۔ تم نے خود سے رابطہ کرنے کا کوئی ذریعہ ہی نہ چھوڑا تھا۔ تب معلوم ہوا کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے۔ ایسے میں' میں کس طرح اپنی محبت کا اظہار کر پاتا۔ میں نے راستہ سے ہٹ جانا ہی بہتر سمجھا۔ پتھر کو راستے سے ہٹ جانا ہی ہوتا ہے۔ ورنہ وہ راہ گیروں کے گر جانے کا یا ٹھوکر کھا جانے کا سامان بنتا ہے۔ میں زبردستی کی محبتوں کا قائل نہیں' مگر ایک سوال تم سے آج بھی کرنا چاہتا ہوں کہ کیا تم نے اپنے دل میں میرے لیے ایک لمحے کی محبت کو محسوس نہیں کیا۔" وہ بے خوف و خطر کہے جا رہا تھا۔

عائشہ کا حلق خشک ہو گیا تھا۔ وہ گھبراہٹ میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی اور عارف اس بات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

"تم گھبراؤ نہیں' مجھے بھی غلط نہ سمجھنا عائشہ۔" وہ جانے کے لیے اٹھ گیا تھا۔ اس کا اٹھتا ایک ایک قدم عائشہ کے دل میں تیر کی طرح گڑ رہا تھا اور اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ لوگوں کی بھیڑ' قہقہوں اور مسکراہٹوں میں اس کی کمی کسی نے محسوس نہ کی تھی۔

وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی ایکٹنگ کر رہی تھی۔ مگر نیند اس کی آنکھوں میں سمانے کے لیے راضی نہیں تھی۔ اس نے آنکھیں کھول لیں چھت پر سجے ستارے حسین یادوں کو جگانے لگے تھے۔ ہر طرف پھول اور چمک تھی اور ان میں عمران کا چہرہ۔ وہ رات اسے یاد تھی۔ جب اس نے عمران کی محبت کو سچے جذبوں کے ساتھ محسوس کیا تھا۔

روزی آنٹی کے انتقال کے بعد وہ کس قدر اکیلی ہو گئی تھی۔ روزی آنٹی نے اس کا ہر طرح کا خیال رکھا تھا۔ ایک وہی تھی جو ان کی امیدوں پر اتر نہ پائی۔ مگر ان کی وصیت کے مطابق اور خوشی کے لیے اس نے عمران سے شادی کے لیے ہاں کر دی تھی۔ ساڑھے آٹھ بجے تھے اور وہ دلہن کے لباس سے سجی سنوری کرسی پر بیٹھی کسی پری سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

نئی زندگی میں قدم رکھتے ہوئے وہ دل میں کئی قسم کے خدشات لیے ہوئے تھی۔ شادی کا ہونا ضروری امر ہے کیا؟ کیا ایک عورت کی زندگی کا یہی مقصد ہے کہ وہ ہر قدم دوسروں کی خوشی کے لیے اٹھائے؟ اور کسی اجنبی کے ساتھ اتنا قریبی رشتہ قائم کر لے؟ کیا وہ اسے خوش رکھے گا؟ کیا وہ اس کا مزاج سمجھ سکے گا؟ کیا وہ اس کے جذبات' خواہشات کا احترام کر سکے گا؟

ساری سوچوں نے اس کا گھیرا کیا ہوا تھا۔

وہ بار بار روزی آنٹی کا لکھا ہوا خط پڑھ رہی تھی۔

"عاشی تم نے بڑے دکھوں کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔ اللہ تمہارے سارے دکھ خوشی میں بدل دے۔ تمہاری راہوں میں پھول ہی پھول ہوں۔ تمہاری ہر آہ' ہر مجبوری' ہر آنسو پھولوں' خوشیوں اور بہاروں میں بدل جائیں۔"

اور عمران نے روزی آنٹی کی ہر ایک ایک بات نبھائی تھی اس کے دامن کو پھولوں' خوشیوں اور بہاروں سے بھر دیا تھا اور اس کے عوض وہ بھی عمران کو اولاد جیسی نعمت سے مالا مال کرنے والی تھی۔

اس کی شادی کی رات دور کھڑا عارف کسی کو نظر نہ آیا تھا جو درخت کے کنارے مجسمہ بنا ہوا۔ مگر آنسو مجسم نہ پا رہا تھا۔ اس کے اندر ایک درد تھا' مگر وہ کوئی دیکھ نہ سکا تھا۔

"عائشہ مجھے تمہاری جدائی کا غم ہے۔ مگر جس نے تمہارا ہاتھ تھاما ہے۔ مجھے یقین ہے وہ تمہارے سارے غموں کو' دکھوں کو مٹا دے گا۔" عارف خود کو تسلی دے رہا تھا۔ مگر اس کا دل چاہ رہا تھا کہ سب سے بغاوت کر جائے۔ ہر رشتہ توڑ کر عائشہ کو لے کر کہیں دور چلا جائے۔ محبت سوچنے سمجھنے کی گنجائش کہاں چھوڑتی ہے۔ مگر وہ بھی عائشہ کی ہی طرح اس محبت کو یکطرفہ محبت سمجھتے ہوئے خاموش ہو گیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ عائشہ نے اس سے اظہار محبت کے بارے میں کافی دفعہ سوچا' مگر شاید ان دونوں کے درمیان دولت اور جاگیریں دیوار بن گئی تھیں۔

عارف کا گھرانہ بالکل مختلف تھا۔ اس طرز کا جس طرح ناولوں اور افسانوں میں ہوا کرتا ہے۔ غم زندگی سے دور وہ لوگ خوشیوں کے سمندروں میں اس طرح ڈوبے ہوئے تھے کہ انہیں اپنی عالی شان کوٹھی سے باہر دنیا کی فکریں' غم' محبت کی الجھنیں بھی نظر نہیں آتی تھیں۔ عارف کا خاندان بہت بڑا تھا اور بہت سی لڑکیاں اس کی شریک حیات بننا چاہتی تھیں۔

عائشہ کو اظہار محبت سے روکنے والے بھی اس کے

گھر والے ہی تھے۔ اسے وہ دن بھی یاد تھا جب عارف کے گھر والے چھٹیاں گزارنے کراچی آئے تھے اور عارف نے کالج کے سب ہی دوستوں کو گھر پر مدعو کیا تھا۔ عالی شان کوٹھی، سنگ مرمر کا چمکتا ہوا فرش، فانوس پر لرزتی سنہری چاندنی کی چمک اس کی آنکھوں کو دھندلا کر رہی تھی۔ دوست احباب کی قطاریں، ہر قسم کا کھانا، موسیقی کی سریلی دھن، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کسی دوسری دنیا میں آگئی ہے۔ ایک ایسی دنیا جہاں ہر طرف خوشیاں، بہاریں، رنگینیاں، سب کچھ ہے، مگر دل نہیں ہیں۔ محبت نہیں ہے، محبتوں کی جذباتوں کی قدریں نہیں ہیں۔

"میری اس کوٹھی میں کیا حیثیت؟" اس کے دل میں ایک چوٹ سی لگی تھی۔

پارٹی میں آنے کے لیے اس نے خاص لباس سلوایا تھا۔ مگر یہاں آکر اسے اپنا ہی لباس مکمل طور پر معمولی لگ رہا تھا۔

"ارے آؤ عائشہ! میں تمہیں اپنی کزنز سے ملواتا ہوں۔" عارف نے سوچوں میں گم عائشہ کو سوچوں کے بھنور سے نکالا تھا اور وہ اس کے ساتھ چل دی تھی۔

"میں کہاں جا رہی ہوں یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ کہیں محبت مجھے دنیا سے بغاوت پر مجبور تو نہیں کردے گی یا پھر مجھے رسوا تو نہیں کردے گی؟"

عارف نے کبھی اس سے محبت کا اظہار بھی تو نہیں کیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا عارف اس سے محبت کرتا ہے یا یہ محض ایک دل لگی ہے۔ ویسے بھی امیروں کی اکثر دل لگی ہی ہوا کرتی ہے۔ کبھی کبھی عارف کا رویہ ایسا ہوتا کہ ایسا لگتا جیسے وہ اس پر جان بھی نچھاور کردینے سے دریغ نہیں کرے گا۔ لیکن پھر بھی وہ اسے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

عارف کی بہن جو انگلینڈ میں شادی شدہ زندگی گزار رہی تھی، اسے دیکھ کر سمجھ گئی کہ اس کے دل میں کس قسم کی الجھنیں رونما ہو رہی ہیں اور اسے تنہا پا کر اس کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تم عارف کی کالج فرینڈ ہو؟" اس نے بے رخی سے اس سے سوال کیا تھا۔

"جی... جی ہاں۔" عائشہ ویسے ہی بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

"اکثر لوگ آئی مین مڈل کلاس لوگ اس بھرم میں رہتے ہیں کہ وہ زمین پر رہ کر آسمان چھولیں گے، جبکہ زمین اور آسمان کا کوئی مقابلہ نہیں۔" وہ کہہ کر نزاکت سے چلی گئی تھی۔

"کیا ہوا تھا؟ انہوں نے کیا کہا؟ کیوں کہا؟" ایک چھوٹی سی محبت کی بھول اسے اتنا دکھ دے گی، اگر اسے معلوم ہوتا تو وہ کبھی محبت نہ کرتی۔ اس نے آئندہ اظہار محبت کرنے سے راہ فرار اختیار کرلی تھی۔

اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی باہر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ گھر پہنچ کر بھی اس کے آنسوؤں میں کمی نہ آئی تھی۔ اس کا موبائل مسلسل تھرتھرا رہا تھا۔ عارف کو اس کے اس طرح جانے کی وجہ بھی معلوم نہ تھی۔

"عارف میری محبت دولت کا حصول نہیں ہے۔ میں تو تمہیں دیکھتے ہی جی اٹھتی ہوں۔" وہ محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر رو رہی تھی۔

اس کے ہونٹ ساکت تھے۔ وہ اٹھ کر صحن میں مقیم درخت کی اوٹ میں بیٹھ گئی تھی۔ خزاں کے سوکھے پتے ایک ایک کرکے اس کے قدموں میں ڈھیر ہو رہے تھے۔ اس ڈھیر میں وہ اپنے وجود کو بھی خزاں کے پتے کی مانند محسوس کررہی تھی جو درخت سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ کافی دیر بعد اس نے سارے پتوں کو جمع کیا اور کمرے میں سجے گلدان میں لگا لیے۔

"کیا عارف مجھ سے شادی کرے گا؟ کیا اسے مجھ سے محبت ہے بھی یا نہیں؟ اور اگر وہ ایسا چاہے گا بھی تو کیا وہ اپنے گھر والوں کے خلاف جاسکے گا۔"

عورت سب کچھ برداشت کرسکتی ہے، مگر اپنی تذلیل نہیں اور اب تو وہ عارف کو اپنی محبت کی کہانی بھی نہیں سنانا چاہتی تھی۔ شاید اس کے گھر والے بھی یہی سوچتے کہ محبت کی رمق نے اسے عارف کی محبت کا قائل کر دیا ہے۔

"اے اللہ! مجھے صبر کی طاقت دے کہ میں خود کو حالات کے ہاتھوں میں دے دوں، پھر جو ہوگا ہو جائے۔"

روزی آنٹی اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں اور ان کی وصیت کے مطابق عائشہ عمران کے گھر شادی ہو کر جا چکی تھی۔ اس پر زندگی کے نئے دروازے کھل چکے تھے۔ عمران نے دنیاوی عیش و عشرت کے ساتھ ساتھ اسے بھرپور محبت دی کہ وہ اپنے نصیب پر نازاں ہو گئی۔ زندگی میں کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ کبھی بھولے سے بھی اس کا دل نہ دکھایا۔ اس کے منہ سے جو بات نکلتی پوری ہو جاتی۔

اس کا دل عارف کی محبت سے جل چکا تھا۔ عمران کی محبت سے زندہ ہو گیا۔ وہ اپنا ماضی بھول چکی تھی۔ عمران نے اس بات کا یقین دلایا تھا کہ وہ صرف اسی کا ہے۔ جو کچھ کھونے کا احساس تھا سب مٹ گئے تھے۔ وہ اپنی خوشیوں میں مگن زندگی کے مراحل طے کررہی تھی۔

عمران کی محبت کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اسے دل سے بے پناہ محبت کا جواب دیتی۔ لیکن آج عارف آگیا اور زندگی کی یادوں کے شیشے بھی ساتھ لے آیا، جن کی کرچیوں نے عائشہ کے دل کو تار تار کردیا۔

میرے احساس کمتری نے زندگی بھر میرے ہونٹوں کو سی کر رکھا، کسی لمحے عارف کو محبت کی جلتی شمع کی روشنی نہ دے سکی۔ یہ نہ سوچا کہ سلے ہونٹوں کے اندر دبی خاموشی اسے میری طرح غلط فہمی میں مبتلا کرسکتی ہے۔ وہ خاموشی جس نے اسے اس غلط فہمی میں جینے کے لیے آمادہ کیا کہ ہمارے درمیان محبت نہیں ہے۔ اگر یہ غلط فہمیاں نہ ہوتیں تو کیا ہم آج ایک نہ ہوتے؟

مگر نہیں... عارف ایسا جان کر بھی کچھ نہ کرپاتا، وہ تو بزدل تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کے خلاف نہیں جاسکتا تھا۔ پیسے کی طاقت بہت بڑی ہوتی ہے عارف! چلو یہی سوچ کر خوش رہو، زندہ رہو کہ میں نے ہی تمہیں ٹھکرا دیا ہے اور اگر بالجبر ہی سہی اگر ہم ایک ہو بھی جاتے تو کیا میں اس اذیت ناک ماحول میں جی پاتی، جہاں طعنوں نے پہلے ہی مجھے ریزہ ریزہ کردیا تھا، پھر بھلا یہ بھی تو ٹھیک ہے کہ کوئی کیوں چاہے گا کہ اس کا بھائی یا بیٹا آسمان پر رہتے ہوئے زمین کو چھوئے؟ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگائے؟ اس ماحول میں تو میں اپنی انا اور خودی کی شکست سے دل کو گھائل کرتی رہتی۔

لیکن یہ بات بھی حقیقت پر مبنی ہے کہ عمران بھی امیر ہے۔ مگر وہ کوٹھی میں رہتے ہوئے بھی باہر رہنے والوں کی فکر، الجھنیں دیکھ سکتا ہے۔ وہ آسمان پر چمکنے والا ستارہ ضرور ہے۔ مگر وہ بھی زمین پر رہنے والوں کو اپنے پیروں کی دھول نہیں سمجھتا۔ میں اس کے ساتھ بہت خوش ہوں۔

آج بھی بارش ہو رہی ہے۔ مگر بارش کے یہ ننھے منے قطرے اس کی جلتی زندگی میں ٹھنڈک بھر رہے ہیں۔ ہیروں کی طرح چمکتے ہوئے بارش کے قطرے، رات کی اس تاریکی میں جھلملا رہے ہیں اور اپنے حسن سے اجالا بخش رہے ہیں۔ اسے یہ امید ہے کہ کل کا سورج تاریک رات کو ختم کرکے نئی صبح کا آغاز کرتے ہوئے اس کی زندگی کے ڈوبتے سورج کو عروج بخشے گا۔

☆ ☆

"میرے ہمنوا کو خبر کرو" کی مصنفہ فاخرہ گل نے پچھلے ماہ حج کی سعادت حاصل کی۔ اس مبارک مصروفیت میں وہ ناول کی قسط تحریر نہیں کرسکیں۔

ادارہ کرن فاخرہ گل کو فریضہ حج کی ادائیگی پر مبارک باد پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عبادات قبول فرمائے۔ (آمین)

قارئین "میرے ہمنوا کو خبر کرو" کی ساتویں قسط آئندہ ماہ پڑھ سکیں گے۔ ان شاء اللہ

صائمہ نصیر احمد

رات کے کھانے کے بعد میں نے برتن دھوئے اور کچن سمیٹ کرٹی وی لاؤنج میں آگئی۔ جہاں میرا چھوٹا بیٹا سعد اپنے پاپا کی گود میں چڑھا ہوا تھا جبکہ حسنی اور فہد ان کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ جانے ولید انہیں کیا کہانیاں سنا رہا تھا۔

"فہد! تم نے ہوم ورک کرلیا۔" میں نے فہد سے پوچھا۔

"جی ماما۔" بہت جلد ہی جواب ملا۔

"اور حسنی تم نے؟"

"جی ماما! میں نے بھی کرلیا۔"

"ٹھیک ہے' جاکے سوجاؤ دس بجنے والے ہیں۔" میں نے وال کلاک پر نظر ڈالی۔

"ماما! تھوڑی دیر رک جائیں پہلے ہم یہ ڈیسائیڈ کرلیں کہ اس ویک اینڈ پر ہم نے کہاں جانا ہے؟" فہد نے کہا۔ ہماری روٹین ہے کہ ویک اینڈ پر ہم باہر گھومنے پھرنے یا پھر میرے میکے جاتے ہیں۔ آج جمعہ تھا اور بچوں کو ابھی سے فکر ستانے لگی تھی۔

"آؤ تم بھی اس میٹنگ میں شریک ہو کر اپنی قیمتی آرا سے ہمیں نواز دو۔" ولید نے شوخی سے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے یہاں بیٹھ کر زیادہ سوچ بچار کرنے کی۔ ہم کہیں نہیں جارہے۔"

"لیکن کیوں؟" تینوں بچے تقریباً" ساتھ ہی چیخ پڑے۔

"کیونکہ اس سنڈے کو آپ کی نانی' ماموں اور ممانی آرہے ہیں۔"

"ہیں واقعی؟" حسنی نے تصدیق چاہی۔ وہ ایک دم سے خوش ہوگئی۔

"ہاں میری امی سے فون پر بات ہوئی تھی۔ اور تم لوگوں کی تسلی ہوچکی ہو تو اب سونے کے لیے چلو۔"

"ماما! اتنی جلدی۔" سعد نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ اسے تو جیسے سونے سے چڑ تھی اس کا بس چلے تو رات ہونے ہی نہ دے۔

"یہ جلدی ہے۔" میں نے تنبیہی نظروں سے اسے گھورا۔ اس نے مدد کے لیے باپ کی طرف دیکھا۔

"اگر انہیں نیند نہیں آرہی ہے تو تھوڑی دیر اور بیٹھنے دو۔" ولید نے اس کی سائیڈ لی۔ ولید کی یہ عادت مجھے سخت ناپسند تھی وہ ہر بات میں بچوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ میرے خیال سے بچوں کی ہر بات ماننا انہیں خودسر اور بدتمیز بنا دیتا ہے۔ میں اپنے بچوں میں ڈسپلن دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں نے کئی بار ولید کو منع کیا ہے کہ اگر وہ بچوں کے ساتھ سختی نہیں کرسکتے تو کم از کم میرے اور بچوں کے درمیان بھی نہ آئے کیونکہ میں اس مقولے پر یقین رکھتی ہوں کہ کھلاؤ سونے کا نوالہ اور دیکھو شیر کی نگاہ سے۔

"اتنی دیر تک جاگیں گے تو صبح آنکھ نہیں کھلے گی۔ لیٹیں گے تب نیند آہی آجائے گی اور یہ سعد جو اتنے نخرے دکھا رہا ہے صبح سب سے زیادہ یہ مجھے تنگ کرتا ہے۔ کل آپ ہی جانا اسے جگانے۔" مجھے غصہ ہی آگیا۔ یہ دیکھ کر ولید مسکرائے اور بچوں سے کہا۔

"بھئی تمہاری ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ویسے بھی رات دیر تک جاگنا صحت کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔"

فہد اور حسنی پہلے سے جانے کے لیے کھڑے تھے لیکن سعد کا سونے کا کوئی موڈ نظر نہیں آرہا تھا۔ ولید کی بات سن کر اسے بھی ناچار اٹھنا ہی پڑا۔

☼ ☼ ☼

اس روز میں صبح جلدی اٹھ گئی' جب تک بچے اور ولید جاگتے میں گھر کی صفائی کرچکی تھی انہیں ناشتا کرانے کے بعد میں شام کے لیے تیاری میں لگ گئی۔ مہمانوں کو شام میں آنا تھا۔ میرے اکلوتے بھائی کی ترقی کو مہینہ ہونے کو آیا تھا۔ میں کئی بار انہیں دعوت کا کہہ چکی تھی مگر امی کی طبیعت کی ناسازی کی بنا پر وہ لوگ نہیں آپا رہے تھے۔ اب جبکہ امی کی طبیعت ٹھیک تھی سو آنے کا پروگرام بن گیا۔ میں چاہ رہی تھی کہ ان کے آنے سے پہلے ہی سب کچھ تیار ہو تاکہ ان کے ساتھ بیٹھ کر سکون سے باتیں ہوسکیں۔ میں اس وقت چائے کے ساتھ شامی کباب تل رہی تھی جب ربیعہ کچن میں
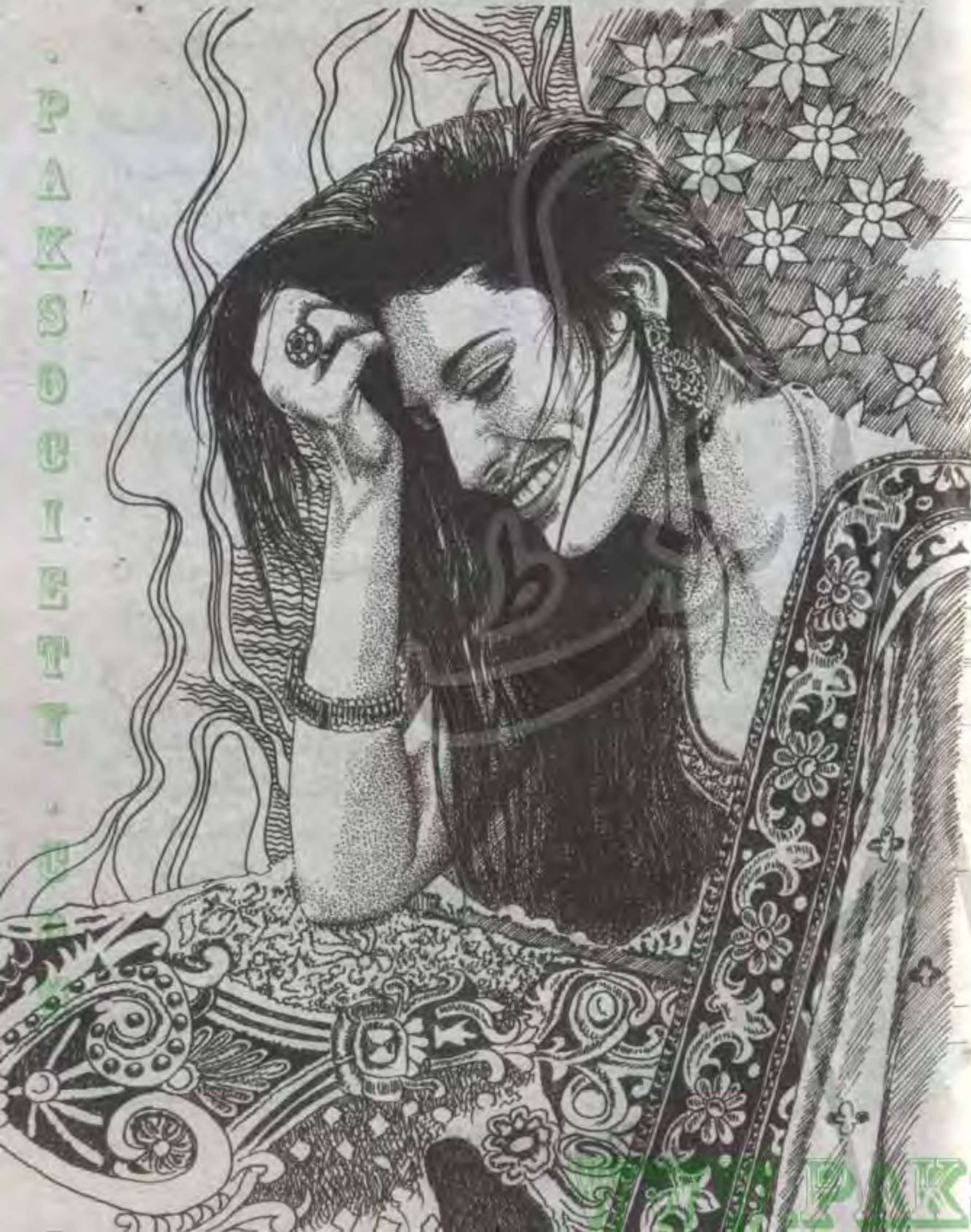
آئی اور کہا۔

"آپی! میں آپ کی مدد کروں؟"

"ارے نہیں۔۔۔ میں نے تقریباً" سب کچھ تیار کرلیا ہے۔ بس بریانی کے لیے چاول ابالنے ہیں اور سلاد اور رائتہ بنانا ہے لیکن اس میں ابھی وقت ہے۔۔۔ تم چلو میں چائے لے کر آتی ہوں۔" میں نے آخری کباب پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں' میں ٹرالی سیٹ کرنے میں تو آپ کی مدد کر ہی سکتی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور ٹرالی پر چائے کے برتن رکھنے لگی۔

مجھے اس پر بے اختیار پیار آگیا۔ میں اس بات پر اللہ تعالیٰ کی بے حد شکر گزار تھی کہ اس نے مجھے اتنی کیوٹ اور پیار کرنے والی بھابھی دی گو کہ ربیعہ اور اشعر کی شادی کو ابھی سال بھی نہیں ہوا تھا مگر وہ کہتے ہیں نا کہ پوت کے پاؤں پالنے میں ہی نظر آجاتے ہیں ورنہ میں اشعر کے لیے لڑکی دیکھتے وقت بے حد خوف زدہ تھی کہ جانے کیسی بھابھی ملے گی۔

"آپی! آپ نے چائے کے ساتھ ہی اتنا اہتمام کرلیا۔ یہ سب کھانے کے بعد کھانا کون کھائے گا۔"

"فکر نہیں کرو۔ میں نے تم سب کی فیورٹ ڈشز بنائی ہیں جنہیں دیکھ کر تمہاری بھوک چمک اٹھے گی۔" میں نے نمکو کی پلیٹ ٹرالی میں رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے خوامخواہ اتنی محنت کی' ہم کوئی مہمان تھوڑی ہیں ویسے بھی امی کو ڈاکٹر نے مرغن کھانوں سے منع کیا ہے۔ آپ سادہ سا کچھ بنالیں ہم بھی شوق سے وہی کھالیتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔"

"کوئی بات نہیں' ایک دن کی بدپرہیزی سے کچھ نہیں ہوگا۔ امی بے چاری کی تو یہ عمر بھر کی بیماری ہے۔ کبھی کبھی انسان کو اپنی مرضی سے بھی کچھ کھالینا چاہیے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" یہ کہہ کر ربیعہ رکی پھر قدرے توقف سے ۔۔۔ جھجکتے ہوئے بولی۔

"آپی! مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا۔"

"ہاں کہو۔۔۔" میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپی! آپ ہی امی کو سمجھائیں وہ پرہیز نہیں کرتیں کھانے پر پھر بھی سمجھوتا کرلیتی ہیں لیکن نمک کم ہو یا نہ ہو یا پھر دودھ بغیر بالائی کے ہو تو ناراض ہوجاتی ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں میں کیا کروں۔" ربیعہ نے بے چارگی سے کہا۔ مجھے ربیعہ کی حالت کا اچھی طرح اندازہ تھا۔

وہ واقعی میں بری طرح پھنسی ہوئی تھی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ ساس کی خوشی کا خیال رکھے یا صحت کا کیونکہ امی بلڈ پریشر اور ہارٹ کی پیشنٹ تھیں ایسے میں اگر خدانخواستہ انہیں کچھ ہوجاتا تو وہ ہی ذمہ دار ٹھہرائی جاتی۔

"میں نے اور اشعر نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے آج تک کسی کو نمک سے مرتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

"میں انہیں سمجھانے کی پوری کوشش کروں گی لیکن دیکھو ربیعہ۔۔۔ امی تم سے ناراض ہوں یا ڈانٹیں تو پلیز ان کی ناراضی برداشت کرلینا' ڈانٹ سن لینا مگر کھانے کے معاملے میں ان کی بات نہیں ماننا۔" میں نے باقاعدہ ریکوسٹ کی۔ اگر اس وقت کوئی میری بات سن لیتا تو یقیناً" حیران ہوتا کہ یہ کیسی بیٹی ہے۔ جو بھابھی کو اپنی ہی ماں کی نافرمانی پر اکسا رہی ہے۔ لیکن میں کیا کروں مجبور ہوں کیونکہ ہمیں اپنی ماں کی صحت مندانہ زندگی اور ان کا ساتھ چاہیے تاکہ ان کی بے غرض اور پرخلوص دعاؤں کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر چھایا رہے۔

"تم سمجھ رہی ہو نا میری بات؟" میں نے کہا تو ربیعہ نے اثبات میں سرہلایا۔

"تھینک یو ربیعہ! تم بہت اچھی ہو ورنہ آج کل کون سی بہو اپنی ساس کے لیے یوں فکر مند ہوتی ہے۔" میں نے ربیعہ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر تہ دل سے کہا اس کا امی کے لیے پریشان ہونا مجھے بے حد اچھا لگا تھا۔

"آپ کو تھینکس کہنے کی کوئی ضرورت نہیں وہ میری بھی تو ماں ہیں اور ماں کا خیال رکھنا ہر بیٹی کا فرض ہوتا ہے۔" اس کے لہجے سے چھلکتے ہوئے خلوص سے میں متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکی۔

"اچھا اب چلو بھی' ہم لوگ یہاں باتیں کرتے رہیں گے اور وہ لوگ وہاں چائے کا انتظار۔"

"ہاں' یہ تو ہے۔" وہ دھیرے سے مسکرائی۔

ہم چائے پی رہے تھے جب خوشبو بکھیرتی ہوئی حوریہ آگئی۔ ہمیشہ کی طرح ایک دل آویز مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کیے ہوئے تھی' اس نے آتے ہی سلام کیا۔

"ارے حوریہ! تم آؤ بیٹھو۔" میں نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"کہیں میں غلط وقت پہ تو نہیں آگئی۔" وہ کچھ جھجکی۔

"نہیں بھئی تم بالکل ٹھیک وقت پر آئی ہو۔ مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔ یہ رحمت گھر میں پہلے سے موجود ہی تھی اور تمہارے آنے سے اس میں اضافہ ہوگیا۔" میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی ولید نے ہمیشہ کی طرح خوش مزاجی سے کہا۔ ولید کی اس عادت پر مجھے فخر تھا۔ وہ مہمانوں کے ساتھ بے حد خوش مزاجی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ مہمان میرے میکے سے ہوں یا کوئی اور چاہے وہ ایک گھنٹے کے لیے آئیں یا ہفتہ بھر کے لیے ولید کے ماتھے پر کبھی بل نہیں پڑتے بلکہ ہر کسی کے ساتھ اس طرح ملتے جیسے وہ ہی اس کے لیے خاص ہو۔ ولید کی بات سن کر وہ مسکرائی پھر امی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"آنٹی! اب آپ کیسی ہیں پچھلے دنوں آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ ویسے میں آپی سے آپ کے بارے میں پوچھتی رہتی ہوں۔"

حوریہ کو دیکھتے ہی امی کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ اب حوریہ کے پوچھنے پر انہوں نے قدرے سپاٹ لہجے میں محض اتنا ہی کہا۔

"ٹھیک ہوں۔" البتہ ان کے لہجے کی برہمی مجھ سے چھپی نہ رہ سکی۔ میں نے جلدی سے حوریہ کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ غالباً" اس نے بھی یہ بات محسوس کرلی تھی اس کے بعد وہ زیادہ دیر بیٹھی بھی نہیں چند منٹ ربیعہ کے ساتھ بات کرکے وہ چلی گئی۔ مجھے امی کے رویے سے سخت شرمندگی ہوئی۔ میں نے سوچ لیا' اگلی بار ملنے پر میں اس سے معافی مانگ لوں گی۔ اس کے جاتے ہی گویا امی مجھ پر چڑھ دوڑیں۔

"نا۔۔۔ اس کا کوئی اور کام نہیں ہے۔ جب دیکھو یہاں حاضر ہوتی ہے۔"

"امی! آپ کو تو معلوم ہے بے چاری گھر میں اکیلی ہوتی ہے اس لیے۔۔۔" میں نے کہا۔ امی کو جانے کیوں حوریہ سے خدا واسطے کا بیر تھا۔

"اکیلے ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ اپنی تنہائی مٹانے کے لیے دوسروں کے گھر ڈیرے ڈال دے۔"

اس بار تو امی نے مبالغہ آرائی کی حد ہی کردی۔

"امی! وہ سارا دن ہمارے ہاں نہیں ہوتی یونہی کبھی کبھار ایک آدھ چکر لگالیتی ہے۔"

"تم کیا سمجھتی ہو' مجھے کچھ پتا ہی نہیں۔۔۔ سب جانتی ہوں۔۔۔ میں ایک دن کے لیے آؤں یا گھنٹے کے لیے یہ یہیں موجود ہوتی ہے۔"

"یہ محض اتفاق کی بات ہے اور امی اگر وہ آتی ہے تو یہ کوئی غلط بات تو نہیں ہے۔ اس کے آنے سے میرا وقت بھی اچھا گزر جاتا ہے۔ ولید آفس میں ہوتے ہیں' بچے اسکول چلے جاتے ہیں۔ ایسے میں' میں بھی گھر میں اکیلی ہوتی ہوں۔ اس کے آنے سے' ہم دونوں کی تنہائی دور ہوجاتی ہے۔" میں نے امی کو سمجھانا چاہا۔ مجھے اس بات پر سخت حیرت تھی کہ آخر امی کو حوریہ کے آنے پر اعتراض کیوں تھا۔ وہ کیوں یہ چاہتی تھیں کہ میں حوریہ کو اپنے گھر آنے سے منع کردوں۔ جبکہ مجھے خود اس کا آنا اچھا لگتا تھا۔ ربیعہ کے ہونٹوں پر دھیمی مسکان پھیلی ہوئی تھی۔ وہ امی کے ہاتھوں میری درگت بنتے دیکھ کر محظوظ ہورہی تھی۔

"کچھ بھی ہو، مجھے اس کا روز روز کا آنا ایک آنکھ نہیں بھاتا۔" امی نے جیسے تہیہ کرلیا تھا اس کی مخالفت کرنے کا۔

"لیکن کیوں؟ اتنی اچھی تو ہے وہ۔" امی کے یوں دو ٹوک بات کرنے پر مجھے ہنسی آگئی۔

"ہاں... کچھ زیادہ ہی اچھی ہے۔" امی نے طنز کیا۔

"مطلب؟" میں نے انہیں چھیڑا۔

"مطلب یہ کہ سارہ! تم کوئی بچی نہیں ہو' اچھی خاصی سمجھ بوجھ رکھتی ہو مگر اس وقت خدا جانے تمہاری عقل کہاں گھاس چرنے گئی ہے۔ اس قدر خوب صورت' طرح دار لڑکی ہر وقت تمہارے سر پر مسلط ہو کر تمہارے شوہر کے ساتھ گپیں لڑاتی ہے اور تم ہو کہ آنکھیں بند کیے بیٹھی ہو۔" امی کی بات پر میں چونک اٹھی۔ بے اختیار گھبرا کر میں نے ولید کی جانب دیکھا کہ کہیں انہوں نے امی کی باتیں سن نہ لی ہوں۔ مگر شکر ہے وہ اشعر کے ساتھ باتوں میں مگن تھے۔

"امی! پلیز... آپ اچھی طرح جانتی ہیں ولید کو... وہ ایسے ہرگز نہیں ہیں۔" مجھے امی کی بدگمانی پر قدرے غصہ آیا۔

ولید کی مجھ سے بے انتہا محبت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ ہم دونوں کی لو میرج تھی۔ ولید نے دوست کی شادی جو میری کزن سے ہو رہی تھی۔ اس میں مجھے دیکھا اور پہلی ہی نظر میں دیوانہ بن گئے۔ ان کی یہ دیوانگی شادی کے 19 سال بعد بھی بدستور قائم تھی۔ حالانکہ شروع شروع میں ان کے جذبوں کی شدت کو دیکھ کر جہاں میں خوشی سے نہال ہوتی وہیں پر یہ خوف بھی دامن گیر رہتا کہ کہیں یہ سب وقتی جذباتی پن نہ ہو۔ ولید کے دل سے میری محبت کم نہ ہو جائے' لیکن وقت کے ساتھ ساتھ میرا یہ ڈر ختم ہو گیا۔ ولید کی بھرپور توجہ اور بے پناہ چاہت نے ہمارے تعلق کو اور بھی مضبوط کیا تھا۔ ہم دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے موجود پیار گویا دن بہ دن بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ خاندان بھر میں ہمارا جوڑا مثالی تھا۔

"وہ ایسا نہیں ہے مجھے اس بات کا ادراک ہے۔ لیکن... اگر اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا گیا تو... مرد کو بدلنے یا بھٹکنے میں دیر نہیں لگتی۔" امی نے اپنی آواز دھیمی کرتے ہوئے کہا۔

"افوہ... امی! آپ بھی نا... مجھے ولید پر خود سے زیادہ بھروسہ ہے اور آپ شاید بھول رہی ہیں کہ حوریہ شادی شدہ ہے۔" میں نے بھی اپنی آواز حتی الامکان نیچی رکھی۔

"میری مانو تو پہلی فرصت میں اس سے تعلقات ختم کرلو۔ شوہر کو فضول کی آزمائش میں مت ڈالو۔" امی کسی بھی طور پر اپنی بات چھوڑنے پر تیار نہیں تھیں۔ میں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ربیعہ کے سامنے بھی مجھے شرمندگی ہونے لگی۔ وہ دل میں کیا سوچے گی۔ امی کی سوچ کیسی دقیانوسی ہے۔ میں نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کیا اور کچن میں آگئی۔ امی کو ہمیشہ حوریہ کے آنے پہ اعتراض ہوتا تھا اور آج انہوں نے اس اعتراض کی وجہ بھی بتا دی۔ جانے ان کے دل میں یہ عجیب سا خیال آیا بھی کیسے۔

حوریہ کو ہمارے پڑوس میں آئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ جب میں پہلی بار اس سے ملنے گئی تھی پہلی ہی ملاقات میں اس کے چہرے کی معصومیت اور باتوں کی سادگی نے میرا دل موہ لیا۔ نہ تو اس کی شخصیت میں کوئی بناوٹ تھی' نہ ہی گفتگو میں۔ اس روز میں نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی جو اس نے قبول کرلی۔ یوں ہمارا آنا جانا ہو گیا۔ حوریہ کا میکا اور سسرال دونوں ہی لاہور میں تھے۔ کوئی خاص قریبی رشتہ دار بھی کراچی میں نہیں تھا۔ شوہر نے نیا' نیا کاروبار شروع کیا تھا۔ اس لیے وہ زیادہ سے زیادہ وقت اسے دے رہا تھا۔ ایسے میں حوریہ سارا دن گھر میں اکیلی بور ہوتی۔ میں خود ہی اسے کہتی تھی کہ ہمارے ہاں آیا کرے۔ اب تو اس کی اس قدر عادت ہو چکی تھی اگر جس دن وہ نہیں آتی تو میں اس سے ملنے پہنچ جاتی۔ محلے میں اور بھی گھر تھے' لیکن حوریہ کا کسی کے ہاں اتنا آنا جانا نہیں تھا۔ وہ کہتی تھی کہ مجھ میں اسے اپنی بہن کی جھلک نظر آتی ہے۔ خود میرے دل میں بھی

اس کے لیے ایک خاص جگہ بن گئی تھی۔ شاید اس کی وجہ حوریہ کا خلوص اور اپنائیت تھی' جس نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ میری بیٹی حسنی سائنس میں بے حد کمزور تھی۔ حوریہ نے اسے پڑھانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔ اب حسنی سائنس میں بہت اچھے مارکس لانے لگی تھی۔ جس کے لیے میں اور ولید دونوں اس کے بہت مشکور تھے۔

میری صبح عموما" ہنگامہ خیز ہوتی ہے۔ بچوں کو اسکول کے لیے تیار کرنا' انہیں ناشتا کرانا' جو حقیقتا" مشکل کام ہے۔ صبح کے وقت ان کا نخرہ دیکھنے کے لائق ہوتا ہے۔ باقاعدہ منتیں کرکے' بڑے پیار سے اپنے ہاتھوں سے انہیں کھلانے کی کوشش کرتی ہوں۔ ساتھ میں ان کے لنچ بکس بھی بنانا ہوتے ہیں۔ سب کے کپڑے میں رات کو ہی پریس کرکے ہینگ کر دیتی ہوں۔ باقی بھی میری کوشش ہوتی ہے کہ شوز' موزے اور ان کی ضرورت کی سب چیزیں اپنی اپنی جگہ پر موجود ہوں۔ اس کے باوجود صبح کے وقت میں ان چاروں باپ بچوں کے درمیان گھن چکر بنی رہتی ہوں۔ اس معاملے میں ولید بھی کچھ کم نہیں۔ سامنے کی چیز بھی انہیں دکھائی نہیں دیتی جب تک میں خود اپنے ہاتھوں سے نہ دوں اور اگر کچھ کہوں تو جھٹ سے کہہ دیتے ہیں۔ "تمہیں دیکھنے کے لیے ایسا کرتا ہوں کیونکہ اس وقت تم مصروف ہوتی ہو اور میں تمہیں زیادہ اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔" گویا یہ بھی ان کے پیار کا انداز تھا۔ ایسے میں میں صرف چڑ جاتی تھی۔

اس وقت ولید کو آفس اور بچوں کو اسکول بھیج کر میں نے پورے گھر کی صفائی کی۔ میں گھر کے سارے کام خود کرتی ہوں۔ ماسیوں کا کام مجھے ذرا کم ہی مطمئن کرتا ہے اور گھر کے کام خود کرنے سے میں فٹ بھی رہتی ہوں' زیادہ ورزش کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ اب بھی سب کاموں سے فارغ ہو کر میں نے اپنے لیے ایک کپ چائے بنائی اور ٹی وی کے آگے بیٹھ گئی۔ دوپہر کے کھانے میں ابھی وقت تھا میں کچھ دیر ریلیکس ہونا چاہ رہی تھی۔ اسی اثنا میں حوریہ آگئی۔

اسے دیکھ کر مجھے اس سے امی کا رویہ یاد آگیا' مجھے از حد شرمندگی محسوس ہوئی۔ میں کل رات سوچ رہی تھی کہ خود جا کے اس سے سوری کروں گی۔ مجھے ڈر تھا کہیں وہ ناراض نہ ہو گئی ہو۔ مگر اسے اپنے سامنے دیکھ کر دل کو تسلی ہوئی۔ اس کے خوش باش چہرے اور نارمل انداز کو دیکھتے ہوئے مجھے اپنا ایکسکیوز کرنے کا ارادہ بھی بدلنا پڑا۔ مجھے ایسا لگا کہ ہو سکتا ہے اس نے امی کی بات کا اثر نہ لیا ہو اور اب میرے کہنے سے شرمندہ نہ ہو جائے۔

"تم بیٹھو حوریہ! میں تمہارے لیے جلدی سے ایک کپ چائے بنا کر لاتی ہوں۔" میں نے اٹھنا چاہا مگر حوریہ نے روک دیا۔

"ارے نہیں آپی! میں ابھی سو کر اٹھی ہوں' ناشتا کرکے سیدھی یہاں آگئی۔"

"کیوں کیا آج حسان آفس نہیں گیا۔" میں نے چائے کے سپ لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تو کب کے جا چکے ہیں بس میرا ہی آج اٹھنے کا دل نہیں ہو رہا تھا سو اس لیے۔"

"خیر دل کی بات تو نہ کرو۔ دل تو کبھی بھی اتنی جلدی اٹھنے کو نہیں کرتا۔ لیکن مجبورا" اٹھنا ہی پڑتا ہے۔" اس کی بات پر میں مسکرائی۔ پھر اچانک خیال آگیا۔

"حوریہ! کہیں تمہاری حسان کے ساتھ لڑائی تو نہیں ہو گئی۔"

"کچھ ایسا ہی سمجھ لیں۔" وہ لاپروائی کے ساتھ بولی۔

"کیا مطلب؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"مطلب یہ کہ... ہماری باقاعدہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی لیکن میں اس سے سخت ناراض ہوں اس لیے بات چیت بند کر دی ہے۔" وہ بہت مطمئن انداز میں کہہ رہی تھی۔

"لیکن ایسا تم کیوں کر رہی ہو؟ ناراضی کی وجہ کیا ہے؟" میں نے کافی حیرت سے کہا۔

"وہی روز کا مسئلہ۔ ایک تو مجھے سب خاندان والوں سے' دوستوں سے دور لا کر یہاں بٹھا دیا اور اب خود ان کے پاس بھی میرے لیے ٹائم نہیں ہے ایسے میں ناراض نہ ہوں تو اور میں کیا کروں وہاں ہمارا اتنا بھرا پرا گھر ہے کہ کسی کا دل اکیلا ہونے کا چاہے تب بھی آسانی سے تنہائی نہیں ملتی اور یہاں۔۔۔ یہ عالم ہے کہ تمام دن خالی گھر میں سپاٹ دیواروں کو دیکھ دیکھ کر وحشت سی ہونے لگتی ہے۔" بے زاری اس کے لہجے سے نمایاں تھی۔

حوریہ کا میکا اور سسرال ایک ہی تھا۔ اس کے ابو' تایا' چاچا سب مل جل کر رہتے تھے۔ حوریہ مجھے اکثر اپنے گھر والوں کے بارے میں بتاتی رہی تھی کہ ان سب میں کتنا پیار اور اتفاق ہے۔ مجھے خود بھی جوائنٹ فیملی سسٹم بہت اچھا لگتا ہے۔ میرا میکا مختصر سا تھا۔ امی ابو بھائی اور میں صرف چار بندوں پر مشتمل اور سسرال بھی ایسا ہی ملا۔ ولید دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ دونوں بہنیں شادی شدہ تھیں۔ ساس سسر وفات پاچکے تھے۔ میں نے جوائنٹ فیملی سسٹم دیکھا تو نہیں تھا لیکن میں حوریہ کی کیفیت کو محسوس کر سکتی تھی۔

"جب ہی تو۔۔۔ وہاں یقیناً" تمہارے پاس اس کے لیے ٹائم نہیں ہوتا ہو گا۔ اس لیے وہ تمہیں سب سے دور۔۔۔ اپنے ساتھ لے کر یہاں آگیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا۔

"ہاں۔ بدلہ لینے کے لیے یا پھر سزا دینے کے لیے۔" حوریہ نے کچھ اس لہجے میں کہا کہ مجھے بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"جن سے پیار ہوتا ہے ان کی نیت پر شک نہیں کیا جاتا۔ اور حسان بھی تو تمہیں بہت محبت کرتا ہے۔۔۔ ہے نا۔"

"خاک محبت کرتا ہے۔ بھلا محبت ایسی ہوتی ہے۔ صرف اپنی ہی منواتے جاؤ' دوسروں کے احساسات و جذبات کا کوئی خیال نہ کرو انہیں کوئی اہمیت نہ دو۔" جانے کیوں وہ کچھ زیادہ ہی اپ سیٹ ہو رہی تھی۔

"حوریہ! تم حسان سے اس لیے ناراض ہو نا کہ وہ اپنا زیادہ تر وقت اپنے بزنس کو دیتا ہے۔ تمہارے لیے اس کے پاس بہت کم وقت بچتا ہے تو حوریہ! وہ یہ سب تمہارے لیے ہی تو کر رہا ہے۔ تم دونوں کے بہتر مستقبل کے لیے۔ ویسے بھی یہ کچھ ہی عرصے کی بات ہے۔ نیا نیا کاروبار ہے اس لیے وہ اتنی محنت کر رہا ہے جب سب کچھ سیٹ ہو جائے گا تو پھر تم دونوں ایک ساتھ خوب وقت گزارنا اور انجوائے کرنا۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"کچھ نہیں کر رہا وہ میرے لیے۔۔۔ وہ صرف و صرف اپنے شوق کی تکمیل کر رہا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے دل کی مانتا ہے۔ اگر اسے میری ذرا سی بھی پروا ہوتی تو میری بات کو کچھ نہ کچھ اہمیت ضرور دیتا۔ کتنا میں نے اسے روکا تھا لیکن جانے اس کے دماغ میں کیا خناس سمایا کہ اتنی زبردست جاب چھوڑ کر کاروبار کرنے کی ٹھانی وہ بھی پرائے شہر میں۔ کہتا ہے میں تمہیں ہر آسائش زندگی دینا چاہتا ہوں۔ دنیا کی ہر خوشی تمہیں دینا چاہتا ہوں۔ جیسے خوشی روپے پیسوں یا بنگلے گاڑیوں کی مرہون منت ہو۔ اور ہم پہلے کون سا تنگ دست تھے۔ ایک اچھی اور بہترین زندگی گزار رہے ہیں۔ کس چیز کی کمی ہے ہمارے پاس۔۔۔ پھر بھلا اتنا تگ و دو کس لیے۔"

حوریہ سے مل کر میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا تھا کہ وہ ایک جذباتی لڑکی ہے۔ آج اس کی باتوں سے بھی ایسا ہی لگ رہا تھا۔ اس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی ایسے میں اگر وہ اپنے شوہر کی بھرپور توجہ چاہتی تھی تو یہ اس کا حق تھا۔ دوسری جانب اس کا شوہر حسان غلط شاید وہ بھی نہیں تھا کیونکہ کچھ حاصل کرنے کی اور آگے بڑھنے کی تمنا ہر انسان کو ہوتی ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا' حوریہ سے کیا کہوں' اسے کیسے سمجھاؤں۔ مجھے دونوں ہی اپنی جگہ ٹھیک لگ رہے تھے یا پھر شاید۔۔۔ حوریہ کو تھوڑا بہت کمپرومائز کر لینا چاہیے تھا مگر یہ بات میں اسے صاف لفظوں میں کہہ نہیں سکتی تھی مجھے ڈر تھا کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے پھر بالآخر میں نے کہہ ہی دیا۔

"حوریہ! تمہیں نہیں لگتا۔ تم کچھ زیادتی کر رہی ہو۔ تم دونوں کی شادی تو ارینج ہے۔ بچپن کا ساتھ ہے ایسے میں چاہیے تھا تم دونوں ایک دوسرے کو اور بھی بہتر انداز سے سمجھتے' بغیر کہے ہی ایک دوسرے کے احساسات جانتے۔ تمہاری نئی زندگی کی شروعات ہیں اور تم لوگ ابھی سے لڑنے لگے یہ کوئی اچھی بات تو نہیں۔ تھوڑا بہت کمپرومائز انسان کو کرنا ہی پڑتا ہے۔ تمہاری خوش قسمتی ہے تمہیں حسان جیسا ہینڈسم گڈ لکنگ اور بے پناہ چاہنے والا شوہر ملا ہے۔ اور اگر تم اس سے سچی محبت کرتی ہو اور یہ یقین رکھتی ہو کہ وہ بھی تم سے پیار کرتا ہے تو پھر تمہیں اس کی مجبوری کو بھی سمجھنا چاہیے۔"

"آخر میں ہی کیوں کمپرومائز کروں۔ وہ کیوں میری فیلنگ نہیں سمجھتا اور اب۔۔۔ اب تو اس کی محبت پر بھی مجھے اعتبار نہیں رہا۔ کیا ڈائیلاگ بولنا ہی پیار ہوتا ہے اگر ایسا ہے تو میں نہیں سمجھتی کہ صرف ایسے پیار کے سہارے زندگی گزاری جاسکتی ہے اور بھی کئی خوبیاں ہونی ضروری ہوتی ہیں۔ خاص طور پر میاں بیوی میں سب سے ضروری بات ذہنی ہم آہنگی ہوتی ہے۔ خیالات نہ ملیں' دونوں کے سوچوں میں تضاد ہو تو زندگی بے حد مشکل ہو جاتی ہے۔ میں نے کبھی اس بات کو اہمیت نہیں دی تھی حالانکہ شروع ہی سے ہم دونوں ہر بات میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے۔ جب ہماری شادی ہوئی تو باقی سب کی طرح میں خود بھی اپنے آپ کو بے حد لکی سمجھ رہی تھی۔ جسے من چاہا لائف پارٹنر ملا جو بہت ہی ہینڈسم اور ویل ایجوکیٹڈ تھا۔ اچھی جاب پر تھا اور سب سے بڑھ کر مجھے بے حد پیار کرتا تھا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ حسان کتنا غیر ذمہ دار اور خود پسند ہے بلکہ شاید۔۔۔ مجھے اس بات کی پروا ہی نہیں تھی۔ اب مجھے احساس ہوا' میں کتنی بے وقوف تھی محض ظاہری باتوں سے امپریس ہو گئی تھی۔" حوریہ پر جیسے یاسیت کا دورہ پڑ گیا تھا۔

میں اور حوریہ چند ہی مہینوں میں ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے تھے۔ عمروں کے فرق کے باوجود ہم میں اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔ میں اچھی طرح جانتی تھی۔ حوریہ اور حسان ایک دوسرے کو از حد پیار کرتے ہیں۔ حسان کی مصروفیت کو لے کر ان میں اکثر نوک جھوک یا تکرار ہو جایا کرتی تھی۔ جو میرے خیال سے محبت کی ہی نشانی تھی کیونکہ دونوں کی ناراضی جلد ہی ختم ہو جاتی تھی مگر آج وہ کچھ زیادہ ہی سیریس ہو رہی تھی۔ جانے ایسی کیا بات تھی جو اس نے دل پر لے لی تھی۔

"دیکھو حوریہ! تم بے کار میں اداس ہو رہی ہو۔ جہاں کسی میں کتنی ہی ساری خوبیاں کیوں نہ ہوں وہاں کوئی نہ کوئی خامی بھی ضرور ہوتی ہے۔ مکمل انسان کوئی بھی نہیں ہوتا اور جو تم کہہ رہی ہو وہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ انسان میں ذمہ داری آہی جاتی ہے۔" میں نے بہت پیار سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"کیوں آپی۔۔۔! کیا ولید بھائی پرفیکٹ انسان نہیں ہیں۔ ایک آئیڈیل شوہر' آئیڈیل باپ' آئیڈیل انسان۔۔۔ سچ پوچھو تو آپی! آپ لوگوں سے مل کر میں نے جانا۔ کامیاب اور آئیڈیل زندگی کیا ہوتی ہے۔ مجھے آپ پر رشک آتا ہے کہ آپ کو ولید بھائی سا ذمہ دار' خیال رکھنے والا اور پیار کرنے والا شریک حیات ملا۔" وہ ولید سے کچھ زیادہ ہی امپریس لگ رہی تھی۔

پل بھر کو میں لاجواب سی ہو گئی۔ واقعی ولید ایسے ہی تھے۔ میں ڈھونڈ کر بھی ان میں کوئی خامی نہیں نکال سکتی تھی۔ لیکن اب میں حوریہ کو یہ کیسے سمجھاتی کہ ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔ ہر کسی سے ایسی توقعات رکھنا محض بے وقوفی ہے۔ وہ اس وقت کچھ سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھی اس لیے میں نے اس ٹاپک کو یہیں ختم کرنا مناسب سمجھا۔

☆ ☆ ☆

ان دنوں میری نند سمیرا کی بیٹی کی شادی کی تیاریاں

ہورہی تھیں۔ بحیثیت ممانی کے میری کچھ ذمہ داریاں بنتی تھیں جو میں اچھی طرح نبھانا چاہ رہی تھی۔ سمیرا کے گھر کی پہلی خوشی تھی ایسے میں اپنے اکلوتے بھائی اور بھابھی سے اسے کچھ زیادہ ہی توقعات تھیں اس لیے ہماری بھی کوشش تھی کہ تیاریوں میں اس کا بھرپور ساتھ دیں۔ تقریباً" ہر دوسرے تیسرے روز سمیرا کے ساتھ مارکیٹ کا ایک چکر ضرور لگتا۔ غالباً" اسے میری پسند پر کچھ زیادہ ہی اعتبار تھا۔ شادی کے دن قریب آرہے تھے۔ اب تک میری اور بچوں کی شاپنگ نہیں ہوئی تھی۔ میں اپنی خریداری ہمیشہ ولید کے ساتھ کرتی تھی۔ کئی دنوں سے میں پروگرام بنانا چاہ رہی تھی۔ لیکن کوئی نہ کوئی مصروفیت آڑے آجاتی۔ کچھ بچوں کے ایگزام ہورہے تھے اس لیے بھی میں تاخیر سے کام لے رہی تھی۔ بچوں کے لیے خریداری میں ان کی پسند سے کرنا چاہتی تھی کیونکہ فہد اور سعد تو کچھ کہتے نہیں لیکن حسنی کسی کی پسند سے کم ہی مطمئن ہوتی تھی۔ ان کا آخری پیپر ہوا تو اگلے ہی روز میں نے ولید سے شاپنگ کا کہہ دیا۔ کافی دنوں سے ہم آؤٹنگ پر بھی نہیں گئے تھے۔ ہم نے سوچا اسی بہانے آؤٹنگ بھی ہوجائے گی۔ شام کو ہم تیار ہو کر نکلنے ہی والے تھے جب حوریہ آگئی۔

"لگتا ہے آپ لوگ کہیں جارہے ہیں؟" ہمیں دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"ہاں ـــ تمہیں تو پتا ہی ہے میں کئی دنوں سے شاپنگ کا کہہ رہی تھی سو آج پروگرام بن ہی گیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"اچھا... پھر چلتی ہوں۔" وہ جانے کے لیے مڑی۔

"ارے کچھ دیر تو بیٹھو۔" میں نے تکلف سے کام لیا۔

"میں کوئی مہمان تھوڑی ہوں۔ آپ لوگوں کو دیر ہورہی ہے۔ آپ جائیں میں پھر آجاؤں گی اور آپ کی شاپنگ بھی دیکھ لوں گی۔" وہ شوخی سے مسکرائی۔

"لگتا ہے حسان ابھی تک آفس سے نہیں آیا۔" ولید نے پوچھا۔ اس پر وہ کچھ عجیب سی ہوئی پھر بتایا۔

"آج ان کی کوئی میٹنگ تھی کہہ رہے تھے دیر سے آئیں گے۔"

"تم ایسا کیوں نہیں کرتیں۔ ہم سب کے ساتھ ہی چلو۔" ولید نے ایک دم سے ہی اسے دعوت دے دی۔ میں نے قدرے چونک کر ولید کی جانب دیکھا وہ بہت نارمل انداز میں حوریہ کی جانب متوجہ تھے۔

"وہ ــــ میں کیسے جاسکتی ہوں۔" وہ تھوڑی جھجکی۔

"ہاں کیوں نہیں ــــ گھر میں بور ہونے سے بہتر ہے تم ہمارے ساتھ چلو۔" میں نے بھی ولید کی تائید کی۔

"چلیں نا حوریہ آنٹی! بڑا مزا آئے گا۔" حسنی خوش ہوتے ہوئے بولی۔

حوریہ زیادہ تکلفات میں پڑنے کی قائل نہیں تھی جھٹ سے راضی ہوگئی۔

"آپ لوگ پانچ منٹ ویٹ کریں میں ابھی تیار ہوکے آتی ہوں۔" اس نے کافی پرجوش لہجے میں کہا اور جلدی سے چلی گئی۔

مجھے اس پر بے حد حیرت ہوئی۔ مانتی ہوں شاپنگ کرنے میں بڑا مزا آتا ہے لیکن اس وقت جب کوئی اپنے لیے خریداری کرے۔ دوسروں کا ساتھ دینے سے بندہ بور ہی ہوسکتا ہے۔ خیر۔ اپنے اپنے مزاج کی بات ہوتی ہے۔

"حوریہ آنٹی کو بھی اس وقت آنا تھا۔" سعد کو جانے کی کچھ زیادہ ہی جلدی تھی۔

"سعد! بری بات ہے۔" میں نے اسے گھورا۔

"سوری ممی!" سعد نے فورا" ہی ایکسکیوز کرلیا۔

"یہ تو ایسے ہی بولتا ہے۔ آنٹی تو روز ہی اس وقت آتی ہیں۔ ہیں نا ممی۔" فہد نے لقمہ دیا۔

"اچھا۔ بس چپ' زیادہ باتیں نہیں۔" میں نے اسے بھی ٹوکا۔ یہ دیکھ کر ولید مسکرادیے۔ پھر مجھ سے پوچھا۔

"سارہ! میں نے ٹھیک کیا نا۔" ان کا اشارہ حوریہ کو ساتھ لے جانے کی طرف تھا۔ ولید ہمیشہ چھوٹی سے چھوٹی بات کے لیے بھی میری مرضی کو اہمیت دیتے کوئی بھی کام مجھ سے پوچھے یا بتائے بغیر نہیں کرتے تھے۔ چاہے مجھے اس میں کوئی انٹرسٹ ہوتا یا نہیں

ـــــــ میں جتنا بھی ولید پر فخر کرتی' ناز کرتی وہ کم تھا۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی تھی کہ اس نے مجھے ولید جیسا چاہنے والا شوہر دیا جو میری پسند ناپسند میری مرضی اور خوشی کا اتنا خیال رکھتا ہے۔

"آپ نے کبھی کوئی غلط کام کیا ہے۔" میں نے بڑے مان کے ساتھ کہا۔

"میرے خیال سے حوریہ! تم حسان کو فون کرکے بتادو کہ تم ہمارے ساتھ جارہی ہو۔" میں نے کہا۔

"آپی! میں نے گھر سے ہی انہیں فون کردیا۔ ویسے بھی ان کے پاس الگ سے چابی موجود رہتی ہے۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

اس روز ہم سب نے بہت انجوائے کیا۔ حوریہ نے اپنے لیے بھی خریداری کی۔ وہ بھی شاپنگ کی کافی شوقین تھی۔ واپسی پر ہم نے ڈنر باہر کیا۔ تینوں بچے بہت ایکسائیٹڈ ہورہے تھے۔ مجھے خاص طور پر حوریہ کے چہرے پر چھائی خوشی دیکھ کر بے حد اچھا لگا۔ وہ ہماری فیملی کا۔ ایک فرد ہی لگ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ولید! تمہیں یاد ہو تو میں نے کسی کام کا کہا تھا۔" ولید آفس کے لیے نکلنے ہی والے تھے جب میں نے یاد دہانی کرائی۔ حوریہ کے کچن کا نل کئی دنوں سے لیک ہورہا تھا' اس کے شوہر کے پاس ٹائم نہیں تھا جس پر میں نے کہا کہ ولید سے کہہ دوں گی وہ ٹھیک کروادیں گے۔

"تمہارا حکم ہو اور میں بھول جاؤں ایسا کبھی ہوا ہے۔" انہوں نے شوخی سے کہا۔

"آج آفس سے جلدی آکر پلمبر کو بلوادوں گا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں دیر ہورہی ہے۔" ولید کے جانے کے بعد میں نے گھر پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی۔

اتنے دنوں سے شادی کے ہنگاموں میں ایسے مصروف رہی کہ گھر کی طرف کم ہی توجہ دی۔ اب میرا ارادہ تفصیلی صفائی کا تھا لیکن اس سے پہلے میں ایک دو روز آرام کرنا چاہ رہی تھی کیونکہ شادی کی مصروفیات نے بہت تھکا دیا تھا۔ اس لیے اس وقت میں نے سرسری صفائی کی اور باقی کام کل پر ٹال دیا۔ خدا کو شاید ابھی میرا آرام کرنا منظور نہ تھا۔ ابھی تک نہ تو میری تھکان اتری تھی' نہ ہی میں نے اپنا کام کیا تھا جب امی بیمار ہوکر ہسپتال میں ایڈمٹ ہوگئیں۔ ربیعہ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی اس لیے مجھے ہی امی کے ساتھ ہسپتال میں رکنا پڑا۔ مجھے گھر کی فکر تھی جو حوریہ نے یہ کہہ کر دور کردی کہ وہ گھر اور بچوں کا خیال رکھ لے گی۔

امی کی طبیعت قدرے بہتر ہوئی تو انہوں نے مجھے گھر جانے کا کہا انہیں فکر کہ بچے گھر میں اکیلے ہوں گے۔ میں انہیں اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جاسکتی تھی۔ اس لیے بڑی مشکل سے انہیں قائل کیا کہ ولید آسانی کے ساتھ گھر سنبھال لیں گے پھر حسنی اور فہد بھی سمجھ دار ہیں اپنا اور سعد کا خیال رکھ سکتے ہیں۔ حوریہ کے بارے میں' میں نے انہیں بالکل بھی نہیں بتایا اس ڈر سے' وہ پھر ایسا ویسا کچھ کہہ نہ دیں۔ چار دن ہسپتال میں گزار کر جب میں گھر آئی تو حوریہ کی بے حد مشکور تھی جس نے میری اتنی مدد کی۔ ورنہ آج کل کے دور میں کون کسی کے لیے اتنا کچھ کرتا ہے' ولید اور بچوں نے بتایا۔ کس طرح حوریہ نے ان کا خیال رکھا' ان کے سب کام کیے۔ حالانکہ میں نے ولید سے کہہ رکھا تھا' کھانا باہر سے لایا کریں لیکن حوریہ نے یہ ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی تھی۔ میں اس کی بہت احسان مند ہوگئی تھی۔ اس کی وجہ سے میں نے امی کی اتنی خدمت کی۔ دوسری صورت میں میرے لیے

مشکل ہو جاتی۔ حسنی اتنی بڑی نہیں تھی کہ اس کے سہارے میں گھر چھوڑ جاتی جبکہ ولید کے لیے اتنی چھٹیاں کرنا آسان نہ تھا۔

دن یوں ہی گزر رہے تھے۔ ساتھ میں حوریہ کا آنا جانا لگا رہتا۔ اب تو اس کی ایسی عادت ہو گئی تھی، جس روز اسے آنے میں دیر ہو جاتی تو میں فوراً" ہی اسے فون کھڑکا دیتی اور یہ سوچنے پر مجبور ہوتی جب وہ نہیں تھی تب میں کیا کرتی تھی پھر اگر۔۔۔ وہ یہاں سے چلی گئی تو میں کیا کروں گی۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ بالکل اچانک ہی حوریہ نے بتایا کہ وہ گھر والوں سے ملنے لاہور جا رہی ہے۔

اس کے جانے سے جہاں ہم سب گھر والے بہت اداس ہو رہے تھے وہیں پر امی نے شکر کی سانس لی اور اس بات کا برملا اظہار بھی کیا۔ مجھے امی کی بات پر بے ساختہ ہنسی آئی ساتھ میں ان کی سوچ پر حیرت بھی ہوئی۔ بھلا اپنے اتنے ہینڈسم، جوان، اسمارٹ اور جان نچھاور کرنے والے شوہر کے ہوتے ہوئے وہ ولید جیسے پختہ عمر، جوان ہوتے ہوئے بچوں کے باپ کے بارے میں کیوں سوچے گی اب کی بار میں نے امی سے کوئی بحث نہیں کی۔ میں جانتی تھی وہ میری بات سمجھنے والی نہیں ہیں۔

حوریہ نے ہمیں اپنا اتنا عادی بنا دیا تھا کہ اس کے جانے سے میں خود کو بہت اکیلا محسوس کرنے لگی تھی۔ بچے بھی اسے بے حد مس کر رہے تھے۔ وہ تھی ہی ایسی، بچوں کے ساتھ بالکل بچہ بن جاتی تھی۔ میرے تینوں بچے اس کی کمپنی میں بہت انجوائے کرتے تھے۔ فون پر ہماری تقریباً" ہر دوسرے تیسرے دن بات ضرور ہوتی تھی۔ وہ وہاں بہت خوش تھی۔ وہ اکیلی گئی تھی۔ حسان اپنی مصروفیت کی بنا پر نہیں جا سکا تھا۔ حوریہ کا کہنا تھا کہ حسان بعد میں اسے لینے آئے گا۔ حوریہ کو گئے ہوئے دو مہینے ہونے کو آرہے تھے۔ شروع شروع میں ہماری فون پر بات ہوتی تھی مگر تقریباً" پندرہ دنوں سے اس نے بالکل بھی فون نہیں کیا تھا اور جب میں اسے کال کرنے کی کوشش کرتی تو نمبر بند ملتا۔ میں اس کے لیے کافی پریشان تھی۔ حسان سے اس کے بارے میں پوچھنا چاہ رہی تھی لیکن اس کے آنے جانے کا مجھے علم نہیں تھا کہ وہ کس وقت گھر آتا یا جاتا ہے۔

دن یوں ہی گزر رہے تھے۔ نہ حوریہ کا فون آیا، نہ ہی حوریہ۔ ابھی میں حسان سے مل بھی نہیں پائی تھی جب معلوم ہوا ان کے گھر میں نئے لوگ شفٹ ہو گئے۔ یہ سن کر مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" بے اختیار ہی میرے منہ سے نکلا۔ مانا حسان کے ساتھ ہمارا اتنا گہرا تعلق نہیں تھا لیکن ایک پڑوسی ہونے کے ناتے اسے چاہیے تھا جانے سے پہلے ہم سے مل کر جاتا، ہمیں کچھ بتاتا۔ ایسی بھی کیا لاتعلقی یا ناراضی تھی جو اس نے ہم سے ملنا بھی گوارہ نہیں کیا۔ اور تو اور حوریہ جو ہر وقت آپی آپی کہتے نہیں تھکتی۔ بقول اس کے خود کو ہمارے گھر کا فرد ہی تصور کرتی۔ اب ایسے گئی کوئی رابطہ ہی نہیں رکھا تھا۔ مجھے واقعی میں بے حد تعجب ہو رہا تھا۔ ولید کا کہنا تھا۔

"ہو سکتا ہے کوئی مسئلہ یا مجبوری ہو۔" لیکن یہ بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی بھلا ایسی بھی کیا مجبوری تھی کہ دو منٹ کے لیے فون نہیں کر سکتی تھی اور پھر اس نے اپنا نمبر کیوں بند کیا تھا۔ مجھے حوریہ کے رویے نے کافی الجھا دیا تھا۔ کافی دنوں تک اسی کے بارے میں سوچتی رہی۔ وقتاً" فوقتاً" اس کا نمبر بھی ٹرائی کرتی جس سے ایک ہی جواب موصول ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی یاد میں کمی آتی گئی پھر بھی غیر محسوس طریقے سے جیسے ہر وقت اس کے فون کا انتظار رہتا تھا۔ جانے کیوں دل یہ بات تسلیم کرنے پر بالکل آمادہ نہیں تھا کہ وہ مجھے بھول گئی ہے۔ اس نے ایسا کیوں کیا لاکھ سوچنے کے باوجود میں یہ بات سمجھ نہیں پائی۔

☼ ☼ ☼
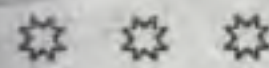
"ولید! آج آفس سے وقت پر آنا، مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے۔ روز میں انتظار کرتی ہوں۔" ولید صبح ناشتا کر رہے تھے جب میں نے کچھ ناراضی سے کہا۔ گرمیاں شروع ہو چکی تھیں، مجھے اپنے اور بچوں کے لیے موسم کی مناسبت سے کچھ کپڑے لینے تھے۔

"کوشش کروں گا۔" ولید نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کوشش نہیں۔۔۔ آپ نے ہر حال میں آج جلدی آنا ہے۔ میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔"

"اس سے پہلے میں نے کبھی کوئی بہانہ بنایا ہے۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے پیار سے پوچھا۔

"تو اب کیوں بنا رہے ہیں۔" میں نے روٹھا روٹھا انداز اپنایا۔

"یار! تمہیں بتایا تو تھا میں نے۔۔۔ ہمارا نیا باس کتنا سخت ہے۔" ان دنوں ولید کی آفس میں مصروفیات کچھ بڑھ گئی تھیں۔ تقریباً" روز ہی انہیں دیر ہو جاتی تھی۔

"ہاں لیکن۔۔۔ آپ نے تو ہمیشہ اپنا کام بہت اچھے سے کیا ہے۔ ہر وقت تعریفیں ہی پائی ہیں۔ پھر اس نئے باس کو آپ سے کیا شکایات پیدا ہو گئیں جو آپ سے اتنا کام لینے لگے ہیں اور تو اور سنڈے کو بھی حاضری لگوانے سے دریغ نہیں کرتے۔ اور آپ۔۔۔ آپ کی تو بہت چلتی تھی۔ اپنے آفس میں، اب ایسا کیا ہو گیا۔۔۔ سچ بتاؤں ولید! میں اس روٹین سے تنگ آگئی ہوں۔ بچے الگ سے اداس ہیں، کتنے دن ہو گئے ہیں آپ ہمیں بالکل بھی ٹائم نہیں دے رہے باہر گھمانے بھی نہیں لے کر گئے۔ آخر کب تک ایسا چلے گا۔" میں واقعی میں بہت بے زار ہو گئی تھی ہم اس صورت حال کے عادی نہیں تھے اس لیے ولید کے بغیر ہر شام بہت بے کیف اور اداس گزرتی تھی۔ بہت دن سے میں ضبط کیے ہوئے تھی مگر آج شکوہ کر ہی بیٹھی حالانکہ میں جانتی تھی ولید کے لیے بھی یہ آسان نہ تھا وہ ہم سب کے لیے بے حد حساس تھے۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ جو ٹائم میرے بیوی بچوں کا ہے اس پر میں کوئی کمپرومائز نہیں کروں گا۔ اگر اب وہ ایسا کر رہے تھے تو یقیناً" اس کی کوئی وجہ ہو گی۔

"بس یار! کچھ اور صبر کرو۔۔۔ چند دن کی بات ہے۔ کل مجھے آفس کے کام کے سلسلے میں اسلام آباد جانا ہے۔ وہاں سے واپسی پر ہم سب مل کر آؤٹنگ پر جائیں گے اور ڈھیر ساری شاپنگ بھی کریں گے۔" ولید نے مسکراتے ہوئے بڑے پیار سے میرے گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔ شہر سے باہر جانے کی کسر رہ گئی تھی کیا۔" مجھے گویا کرنٹ ہی لگ گیا۔

"صرف تین دن کے لیے جا رہا ہوں۔ عمر بھر کے لیے نہیں۔"

"کیوں تمہارے آفس میں اور کوئی نہیں تھا جو یہ کام بھی تمہیں سونپا گیا۔"

"یار سارہ! سمجھا کرو نا۔۔۔ تم تو ہمیشہ بغیر کہے ہی میری پرابلم سمجھ جاتی ہو۔۔۔ پہلی بار مجھے یہ کام دیا گیا اس لیے میں نے اعتراض کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اچھا ہے نا اسی بہانے تھوڑی تفریح ہو جائے گی۔" ولید نے بڑے مان بھرے لہجے میں کہا تو مجھے از حد شرمندگی ہوئی۔ واقعی میں کچھ زیادہ ہی اوور ری ایکٹ کر رہی تھی۔ مجھے اپنے رویے کا احساس ہوا، میں بالکل جاہل بیویوں والا۔۔۔ انداز اپنائے ہوئے تھی۔ میں نے فوراً" ہی خود کو سنبھالا۔ اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"تفریح۔۔۔ میرے بغیر ہی۔"

"تم کہو تو ابھی تمہارے لیے بھی ٹکٹ کا انتظام کر دیتا ہوں۔ بھلا تمہاری جدائی کب گوارا ہے۔" وہ شوخ ہوتے ہوئے فوراً" ہی مجھے ساتھ لے جانے پر تیار ہو گئے۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں کیسے جا سکتی ہوں۔۔۔ میں ایسے ہی مذاق کر رہی تھی۔"

"او کے۔ جیسے تمہاری مرضی۔۔۔ ورنہ میں ہر پل تمہیں اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ اپنے جذبوں کا اظہار ہمیشہ کھل کر کرتے۔ ان کے لہجے کی سچائی

محسوس کرکے بے اختیار میرے ہونٹوں پر اطمینان بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

☼ ☼ ☼

ولید کے جانے کے بعد میں بچوں کے ساتھ امی کے ہاں آگئی۔ امی کی طبیعت ان دنوں ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ بیماری نے انہیں تھوڑا چڑچڑا بنادیا تھا۔ مجھ سے بھی انہیں شکایت تھی کہ میں ان سے ملنے کم اور بہت تھوڑے ٹائم کے لیے آئی ہوں۔ اس لیے میں نے امی کا گلہ دور کرنے کی کوشش کی۔ بچے بھی خوش تھے اسی طرح انہیں اپنے ننھے منے کزن کے ساتھ زیادہ ٹائم گزارنے کا موقع مل رہا تھا۔ خاص طور پر سعد اسے بچے دیوانگی کی حد تک پسند تھے۔

میں اتنے دنوں سے شاپنگ کا ارادہ کیے ہوئے تھی یہاں آکر معلوم ہوا' ربیعہ کو بھی اپنے بیٹے کے لیے کچھ خریداری کرنی تھی۔ ہم دونوں نے ساتھ جانے کا پروگرام بنالیا۔

اس وقت ہم خریداری کرکے شاپنگ مال سے نکل ہی رہے تھے جب ربیعہ بول اٹھی۔

"آپی! پلیز یہاں رکیں' میں ابھی آئی۔" یہ کہہ کر وہ واپس مڑ گئی۔ جانے وہ کیا بھول آئی تھی۔ میں وہاں کھڑی ہوکر اس کے انتظار میں نظریں یہاں وہاں دوڑانے لگی تب بالکل اچانک ہی میری نگاہ سامنے پڑی۔ پل بھر میں ہی میرے اندر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

میں اسے دو ڈھائی سال بعد دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل بھی نہیں بدلی تھی۔ ہمیشہ کی طرح ایک دلکش مسکراہٹ اس کے چہرے پر موجود تھی۔ بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ پیاری اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ حوریہ کو دیکھ کر مجھے ازحد خوشی ہوئی بالکل ایسے ہی جیسے آپ کا کوئی بہت ہی پیارا بچھڑ کر مل جائے۔ وہ مجھ سے کافی فاصلے پر روڈ کے اس پار تھی۔ اس سے پہلے کہ میں دوڑ کر اس کے پاس جاتی۔ اسے گلے سے لگاتی۔ میری خوشی حیرت میں بدل گئی۔ میں بالکل گنگ ہوکر رہ گئی۔

بے اختیار ہی میرے دماغ میں ایک ساتھ کئی سوالوں نے سر ابھارا۔

"ولید! اور حوریہ کے ساتھ... لیکن ولید تو اسلام آباد گئے تھے پھر..."

"ہوسکتا ہے وہ ابھی ابھی واپس آئے ہوں۔" میں نے خود کو تسلی دی۔ میرے دل کی دھڑکن معدوم ہونے لگی۔ یہ سب کیا تھا۔ انہیں دیکھ کر ہرگز ایسا نہیں لگ رہا تھا جیسے وہ اچانک ملے ہوں۔ مجھے کچھ ہونے لگا۔ مجھے ولید پر بے انتہا اعتماد تھا خود سے بھی بڑھ کر۔ میں ان پر شک کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی لیکن آنکھوں دیکھا کیسے جھٹلاتی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا' میں کیا کروں دل میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے۔ دل کچھ کہہ رہا تھا' دماغ کچھ اور۔ تب اچانک ہی میرے ذہن میں خیال آیا۔ میں نے جلدی سے اپنے بیگ سے سیل فون نکالا اور ولید کا نمبر ملایا۔ فون کان سے لگائے میں انہیں دیکھنے لگی۔ وہ اور حوریہ کار میں بیٹھنے لگے تھے۔ میرے فون نے ولید کو رکنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے فون نکال کر کال ریسیو کی۔ حوریہ بھی کھڑی ہوکر... دیکھنے لگی۔

"ہیلو سارہ!" ولید کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ میری عجیب سی کیفیت ہوگئی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا جیسے سینہ توڑ کر باہر آجائے گا۔ مجھ سے بالکل بھی بولا نہیں جارہا تھا۔ آنسوؤں کا گولا میرے حلق میں اٹک گیا تھا۔ خود پر بے انتہا ضبط کرتے ہوئے بمشکل میں میرے منہ سے محض اتنا نکلا۔

"ولید! تم کب آرہے ہو' مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"

دوسری طرف سے ان کا جواب سن کر میرے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔ اعتماد کا بلند و بالا محل پل بھر میں چکنا چور ہوگیا۔ دل میں جو تھوڑی بہت امید تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔ میری موجودگی سے بے خبر وہ بے حد اطمینان سے کہہ رہے تھے۔

"سارہ! میں اس وقت ضروری میٹنگ میں ہوں۔ تم سے زیادہ بات نہیں کرسکتا۔ ویسے بھی میں پرسوں آرہا ہوں پھر بات ہوگی۔" اس کے ساتھ ہی وہ دونوں کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوگئے۔ میں گم سم سی کھڑی انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ میں خود میں اتنا حوصلہ اتنی ہمت نہیں پارہی تھی کہ جاکر ان سے پوچھتی۔

آخر کیوں... کیوں مجھے اتنا بڑا دھوکا دیا... کیوں میری محبت میرے جذبات کا مذاق اڑایا۔ حوریہ جسے میں نے دوست سے زیادہ بہن سمجھا۔ جس پر اعتماد کیا اسے ڈاکہ ڈالنے کے لیے میرا ہی گھر ملا تھا اور ولید جو بہت اونچے اونچے دعوے کیا کرتے مجھ سے محبت کے۔ مجھ سے ایک پل کی جدائی جسے گوارا نہ تھی۔

میں جانے کتنی دیر تک یونہی اردگرد سے بے نیاز ساکت کھڑی رہی۔ ہوش و حواس نے گویا کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ تب کسی نے بری طرح سے میرا شانہ جھنجھوڑا۔ میں چونک گئی وہ ربیعہ تھی۔ میں خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"آپی! کیا ہوا... آپ ایسے کیوں کھڑی ہیں اور یہ... آنسو؟" میری حالت دیکھ کر وہ گھبرا گئی۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میری آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو میرے چہرے کو بھگو رہے تھے۔ میں جلدی سے چہرہ صاف کرنے لگی۔ خود کو سنبھالتے ہوئے میں نے کہا۔

"کچھ نہیں... بس ایسے ہی۔"

"آپی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" اس کے لہجے سے تشویش جھلک رہی تھی۔

"ہاں... میں بالکل ٹھیک ہوں... چلیں اب۔" میں نے اپنی حالت کنٹرول کرلی۔

"آپی! پلیز بتائیں نا... آپ ایسے کیوں رو رہی تھیں... کیا ہوا تھا۔" وہ پریشان ہوگئی تھی۔ مجھے لگا اسے مطمئن کرنے کے لیے کوئی بہانہ بنانا پڑے گا کیونکہ وہ بات میں فی الحال اپنے آپ تک محدود رکھنا چاہ رہی تھی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے یہاں ایک فقیر کو دیکھا جو دونوں ٹانگوں سے محروم تھا۔ اس کی حالت' اس کی بے بسی دیکھ کر میرا دل بھر آیا بے اختیار ہی آنکھوں میں آنسو آگئے۔" میں نے بہانہ گھڑا۔

"واقعی... یہی بات تھی۔" اس نے کچھ بے یقینی سے مجھے دیکھا۔

"ہاں... بھلا اور کیا بات ہوگی۔" میں نے نظریں چراتے ہوئے کہا اور جلدی سے رکشا روک لیا۔ میں اس کے سوالوں سے بچنا چاہ رہی تھی۔ وہ مطمئن ہوئی یا نہیں اس وقت مجھے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ میرے اندر جو طوفان برپا تھا اس نے میرے دل کی دنیا تہ و بالا کردی تھی۔

"آخر ولید نے ایسا کیوں کیا؟" رہ رہ کر یہ سوال ذہن میں گونج رہا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ میرے ساتھ ایسے بھی ہوگا۔ مجھے ولید پر اس قدر اعتماد تھا۔ ان کی محبت پر اتنا یقین تھا کہ میں یہ تک سوچتی اگر میں مر بھی گئی تب بھی ولید میرے علاوہ کسی اور کے بارے میں نہیں سوچیں گے۔ شاید میرے بجائے کوئی عام سی زندگی جینے والی بیوی ہوتی تو ہوسکتا ہے اسے اتنا دکھ نہیں ہوتا کیونکہ جس طرح کا وقت ہم نے ساتھ گزارا۔ جیسے ایک دوسرے پر اعتبار کیا۔ جس شدت سے ایک دوسرے کو چاہا اس کے بعد کوئی ایسا تصور بھی کیسے کرسکتا ہے۔ میرے دکھ' میرے کرب کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔ میری کیفیت عجیب سی ہورہی تھی۔ ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا کہ قسمت نے میرے ساتھ اتنا بڑا مذاق کیا ہے... یوں لگ رہا تھا جیسے

سرورق کی شخصیت

ماڈل ———— مہوش آفتاب
میک اپ ———— روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافر ———— موسیٰ رضا

کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہوں۔ ابھی آنکھ کھلے گی اور سب کچھ ویسا ہی ہوگا۔ پہلے کی طرح۔

شام سے لے کر رات تک کا وقت میں نے جس ضبط سے گھر والوں کے ساتھ گزارہ وہ مجھے ہی پتا ہے۔ بڑی مشکل سے میں نے خود کو سنبھالا ہوا تھا۔ رات کو سونے کے لیے کمرے میں جاکر دروازہ بند کرتے ہی آنکھوں سے آنسوؤں کا ریلا پلکوں کے بند توڑتا ہوا نکلا۔ اب تک میں بے حد صبر سے کام لے رہی تھی مگر تنہا ہوتے ہی ضبط کا یارانہ رہا۔ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔۔۔ کافی دیر بعد دل کا غبار قدرے ہلکا ہوا لیکن آنکھوں سے آنسو متواتر بہتے جارہے تھے۔ میں نے اپنی پوری زندگی بہت ہی خوشی سے اور مطمئن گزاری ہے۔ کبھی ایسے نہیں روئی تھی۔ اب ایسا لگ رہا تھا۔ زندگی بھر کے آنسو آج ہی نکلنے کو بے تاب تھے۔ تمام رات میں نے جاگ کر سوچتے ہوئے گزاری۔ وہ دونوں لحہ بھر کو میری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہورہے تھے۔ میری نظروں کے سامنے فلم سی چل رہی تھی۔ اس وقت کی جب حوریہ ہمارے پڑوس میں رہتی تھی۔ اس کی ایک ایک بات مجھے یاد آرہی تھی۔ جب وہ ہمارے ہاں آکر ولید سے بہت بے تکلفی سے پیش آتی تھی اور ولید وہ بھی تو اسے دیکھ کر کھل سا جاتے۔ اب میں جتنا اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس کی تمام باتیں مجھے معنی خیز لگ رہی تھیں۔ میں ہی بے وقوف تھی جو اسے سمجھ نہیں پائی تھی یا پھر نہیں۔۔۔ شاید یہ میری محبت کی سچائی تھی جو میری آنکھوں پر اعتبار کے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ حالانکہ امی مجھے کتنا سمجھاتی تھیں لیکن میں نے کبھی ان کی باتوں پر دھیان نہیں دیا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ امی بالکل ٹھیک کہتی تھیں۔ مرد کو بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔

رات بھر سوچنے کے بعد میں نے فیصلہ کرلیا۔ میں فی الحال ولید سے اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گی۔ بالکل انجان بن کر رہوں گی۔ جیسے مجھے کسی بات کا علم ہی نہ ہو۔ مجھے نہیں معلوم میرا یہ فیصلہ ٹھیک ہے یا نہیں لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ چور کو چوری سے روکو تو وہ ڈاکے پر اتر آتا ہے۔ ان کے بیچ کیا تعلق ہے صرف دوستی یا پھر رشتہ۔

میں خود کو ایسی کسی آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ پھر میں یہ بھی ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ دنیا والوں کے سامنے تماشا بن جاؤں۔ کل تک جو لوگ مجھ پر رشک کرتے تھے۔ وہ مجھ سے ہمدردیاں جتائیں۔ مجھ پر رحم کریں اور بچے انہیں جب خبر ہوگی تو ان پر کیا اثر ہوگا۔ وہ اب سمجھدار تھے۔ وہ کیا سوچیں گے۔ باپ کی محبت اس کی عزت کیا ان کے دلوں میں رہ پائے گی۔ وہ اپنے باپ سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ میں انہیں کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی اس لیے بہت سوچ سمجھ کر ہی میں نے فیصلہ کیا کہ بے خبر بن کے رہنے میں ہی میری بھلائی ہے۔ جان کر بھی انجان بننا۔ سچائی معلوم ہونے کے باوجود ہونٹوں پر منافقت بھری مسکراہٹ سجانا۔ ان کے ساتھ پہلے کی طرح پیش آنے کی کوشش کرنا۔ یہ سب آسان نہیں تھا۔ میں خود کو بہت بڑی آزمائش میں ڈال رہی تھی۔ اس آزمائش پر پورا اترنا مشکل ضرور لیکن ناممکن نہیں تھا۔ اور اگر وہ صرف میرا ہے تو لوٹ کر میرے پاس ہی آئے گا' یہ الگ بات کہ میرے دل میں اس کا وہ مقام نہیں ہوگا۔ البتہ بھرم ضرور رہ جائے گا۔

☆ ☆

شعاع عزیر

کرن کرن خوشبو

وقار اور سنجیدگی سے رہنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”عمدہ چال چلن' عمدہ اخلاق اور میانہ روی نبوت کے پچیس اجزا میں سے ایک جز ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ انبیاء علیہم السلام باوقار سنجیدہ بااخلاق اعلا کردار کے حامل ہوتے تھے۔“

حاجرہ خان۔ کراچی

ایک حکایت ایک سبق

مولانا جلال الدین رومی نے اپنی مثنوی میں یہ حکایت بیان کی ہے کہ ایک لومڑی جنگل میں سیر کررہی تھی کہ تیز بارش شروع ہوگئی اور وہ پھسل کر پانی سے بھرے ایک گڑھے میں جاگری اور لاکھ کوششوں کے باوجود باہر نہ نکل سکی۔ وہ زندگی سے مایوس ہوچکی تھی کہ اچانک اسے ایک بکری آتی ہوئی نظر آئی اور اس کے ہوشیار دماغ نے تدبیر سوچی۔ بکری پیاسی تھی' گڑھے میں پانی دیکھ کر کہنے لگی ”میرا تو پیاس سے برا حال ہے“ گڑھے میں موجود لومڑی نے اس سے کہا۔ ”بی بکری! بہت پانی ہے تم اندر آؤ اور جی بھر کر پی لو“ کم عقل بکری فوراً گڑھے میں کود پڑی' جب پیاس بجھی تو ہوش آیا اور گڑھے سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔ لومڑی نے کہا۔ ”تم اپنے پاؤں اوپر رکھو میں تم پر پاؤں رکھ کر باہر نکل جاتی ہوں اور پھر تمہیں ٹانگوں سے اوپر کھینچ لوں گی“۔ بکری پھر اس کے دھوکے میں آگئی۔ لومڑی تو باہر چلی گئی مگر بکری کو نہ نکالا اور رفوچکر ہوگئی اور بکری موت کے منہ میں چلی گئی۔ مولائے روم یہ حکایت بیان کرنے کے بعد سیدنا علی کرم اللہ وجہ کا یہ قول لکھتے ہیں کہ ”جس پر احسان کرو اس کے شر سے بچو۔“ مولانا فرماتے ہیں کہ ”برے آدمی کے ساتھ نیکی کرنا آدمی کے ساتھ برائی کرنے کے مترادف ہے“ لہٰذا نیکی بھی سوچ سمجھ کرنا چاہیے کیوں کہ ظالم کے ساتھ نیکی کرنا اور معاف کرنا مظلوم کے ساتھ ظلم ہے۔ اسی طرح کوئی انسان جس کے شر سے اللہ کی مخلوق کو مسلسل نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اسے معاف کرنے کے بجائے سزا دینا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ بسا اوقات مصلحت پسندی اور ظلم پر خاموشی سے جابر اور ظالم طاقتور ہوجاتے ہیں تو کمزوروں کا وجود خطرے میں پڑجاتا ہے' لہٰذا برائی کے رستے پر چلنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے ان کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہیے۔

صغری یاسین۔ کراچی

آخری فتح

تم انبیاء کی حیات پڑھو' اولیا کرام کی زندگی کا احوال دیکھو' تم دنیا کے تمام بڑے فلسفیوں' سائنس دانوں' لیڈروں اور راہ نماؤں کی بائیو گرافی پڑھو' تمہیں ان سب کی زندگی میں ان گنت مسائل اور مصائب ملیں گے۔ لیکن ان میں سے کسی شخص نے کبھی ان مصائب اور مسائل کے خاتمے کی دعا نہیں کی۔ انہوں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ان مشکلوں سے نبٹنے کی ہمت مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں استقامت' استطاعت اور طاقت عطا کی اور یہ لوگ کامیاب ہوگئے۔

حضرت آدم سے لے کر نبی آخر الزماںؐ کی حیات طیبہ تک تم سب انبیاء کے احوال دیکھو' تم سقراط سے

لے کر بل گیٹس تک تمام بڑے لوگوں کی زندگی کا تجزیہ کرو تمہیں ان لوگوں کی زندگیوں میں دو چیزیں مشترک نظر آئیں گی مسائل اور ہمت یہ لوگ مسائل کے سامنے ڈٹے رہے انہیں ان کے گھر والوں نے فراموش کردیا' ان کے قبیلے والوں نے دھکے دیے' ان کی قوم نے انہیں نکال دیا یہ کبھی مکہ کے ریگزاروں میں مارے مارے پھرے اور کبھی شعب ابی طالب میں خشک چمڑا ابال کر کھاتے رہے۔

ان میں سے بے شمار لوگوں کو زمین کی گولائی ماپنے کے جرم میں سزا دی گئی' لوگوں نے مکے مار کر ان کے کان پھاڑ دیے۔ ان سے ان کے بچے چھین لیے گئے۔ یہ لوگ چالیس چالیس برس تک مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ انہیں مصر سے نقل مکانی کرنی پڑی' یہ لوگ بازاروں میں سوت کی انٹی کے عوض بکے' انہیں سچ بولنے کے جرم میں قید خانوں میں ڈالا گیا' انہیں زہر کے پیالے پینے پر مجبور کیا گیا' انہیں دھوپ میں کھڑا کرکے کوڑے مارے گئے اور ان کی کھالیں کھینچی گئیں' لیکن ان لوگوں نے پسپائی اختیار نہ کی' یہ لوگ مسائل' مشکلات اور مصائب سے نہ گھبرائے۔ یہ لوگ ڈٹے رہے لہٰذا آخری فتح ان ہی کے حصے میں آئی یہی وہ لوگ تھے جو کامیاب ٹھہرے۔

(جاوید چوہدری)

عریشہ واصف۔ کراچی

نام

بالزیک نامی ایک بڑے خوش بیان سے "نام" کی تعریف میں سن لیں۔ "نام وہ ہے جو اپنے مالک سے اس طرح چمٹا رہے جس طرح دانت مسوڑھوں سے' بال جڑ سے' ناخن گوشت سے۔ وہ نام ہی کیا جو اپنے آقا کی شکل و صورت کا نقشہ نہ ہو' اس کے خیال و گمان کا چربہ نہ ہو۔ نام لیتے ہی اس کے اقبال و حوصلہ' اس کے غم و غصہ کی تصویر کھنچ جائے۔ سنتے ہی اس کے ارمان' آرزوئیں' لب و لہجہ و گفتگو ذہن میں آجائیں۔ ہزار خون جگر کھا کر میں نے دریافت کیا ہے کہ نام رکھنا فرہاد کی کوہکنی کے برابر ہے نام ایک زمانے کا کام ہے۔ ہزار گردشوں اور لاکھ انقلابوں کا نام 'نام' ہے۔"

فرح محمد صادق۔ کراچی

اقوال گوتم

☆ تم ایک زرد پتے کی مانند ہو۔ موت کے کارندے تمہاری گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ تم ایک سفر کا آغاز کررہے ہو کوئی اور تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم جلد ایک شمع بن جاؤ جو تمہاری خامیوں کو جلائے اور خوبیوں کو روشن کرے تاکہ تمہیں وہ جوان زندگی میسر آئے جو بڑھاپے اور موت کی زد سے باہر ہو۔

☆ انسان چار طرح کے ہوتے ہیں۔ زندگی کے دھارے کے ساتھ بہنے والے' دھارے کے خلاف تیرنے والے' دھارے میں اپنا مقام بنا کر جم جانے والے اور وہ جو جیتے جی موت اور زندگی کے دونوں دھاروں کو عبور کرکے اتھاہ آسودگی کے خشک کنارے پر پہنچ جاتے ہیں۔

اقرا خان۔ لاہور

پیاری باتیں!

☆ عمدہ چیزیں حاصل کرنا خوبی نہیں بلکہ عمدہ طریقے سے استعمال کرنا خوبی ہے۔

☆ جن لوگوں کے خیالات اچھے ہوں وہ کبھی تنہا نہیں ہوتے۔

☆ بری عادت پر غالب آنا کمال کی فضیلت ہے۔

☆ مسکراہٹ خوب صورتی کی علامت ہے اور خوب صورتی زندگی ہے۔

☆ جب ساری دنیا ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو اپنے ہی آنسو ہیں جو ساتھ دیتے ہیں دکھ بٹاتے ہیں اور عرش ہلاتے ہیں۔

☆ پتھر مارنے والے سے نہ لڑو بلکہ اپنے آپ کو اتنا اونچا کرلو کہ پتھر مارنے والے کا پتھر آپ تک نہ پہنچ سکے۔

حافظ فوزیہ سلیم۔ چیچہ وطنی

نایاب سخن کے آبگینے

☆ غم کتنا ہی سنگین ہو نیند سے پہلے تک ہے۔

☆ کائنات کا کوئی غم ایسا نہیں ہے جو آدمی برداشت نہ کرسکے۔

☆ مرنے کے بعد زندہ ہونے کی خوشی صرف اسی شخص کی ہوسکتی ہے۔ جو اس زندگی میں کوئی کام کررہا ہو جو اس زندگی میں کوئی کام کر رہا ہو تو اسے مرنے کا خوف نہیں ہوتا۔

☆ جوانی سولہ سال کی عمر کا نام نہیں' ایک انداز فکر کا نام ہے' ایک انداز زندگی کا نام ہے' ایک کیفیت کا نام ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص سولہ سال میں بوڑھا ہو اور ایک شخص ساٹھ سال میں جوان ہو۔

☆ سانس کی موت سے پہلے بہت سی موتیں ہوچکی ہوتی ہیں' ہم سانس کو موت سمجھتے ہیں حالانکہ سانس تو اعلان ہے ان تمام موتوں کا' جو آپ مررہے ہیں۔

☆ انسان کا اللہ سے قریب ترین رشتہ آنسوؤں کا ہے۔

(واصف علی واصف)

حرا قریشی' بلال کالونی ملتان

سراب جیسی

وہ دن تھا دوزخ کی آگ جیسا
وہ رات گہرے عذاب جیسی
یہ شہر لگتا ہے دشت جیسا
چمک ہے اس کی سراب جیسی

(منیر نیازی)

رانی۔ کراچی

شکار

شہر کے ہر بڑے شکاری نے اس خاص مچھلی کو پکڑنے کی کئی ہفتے تک مسلسل کوشش کی مگر ناکام رہے۔ آخر ایک شکاری نے گھر آکر بیوی کو بتایا "درجنوں شکاریوں کے کانٹوں میں وہ مچھلی پھنسی ضرور مگر ہر بار ڈور توڑ کر بھاگ نکلی۔ میں واحد خوش قسمت ہوں جو آج سہ پہر اسے پھانسنے اور کنارے تک لانے میں کامیاب ہوگیا۔"

بیوی نے ستائشی نظروں سے شوہر نامدار کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "کہاں ہے وہ مچھلی' میں بھی تو دیکھوں۔"

"افسوس تو یہی ہے کہ میں اسے کھانے کے لیے گھر نہیں لاسکا کیونکہ اس کے جسم میں لوہے کے اتنے کانٹے پیوست تھے کہ مجھے مجبوراً" اسے کباڑی کے ہاتھ فروخت کرنا پڑا۔" شکاری شوہر نے بے بسی سے کہا۔

ردا نقوی۔ علی پور

موتیوں جیسے الفاظ

1۔ آدمی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہوتے ہیں کہ اگر انہیں اللہ تعالیٰ مل جائے تو سوال کریں گے کہ یہ چیز دے اور وہ چیز دے۔ دوسرے وہ ہوتے ہیں جن کو اگر اللہ مل جائے تو عرض کرتے ہیں۔ کہ حکم فرمائیں مجھے کیا کرنا ہے۔ بس آپ حکم ماننے والوں سے بن جائیں۔

2۔ انسان اپنے آپ میں تبدیلی پیدا کرنے کے لیے دوسروں پر تنقید زیادہ کرتا ہے اور خود میں تبدیلی نہیں۔

3۔ اگر کوئی احمق تجھ سے یہ کہے کہ روح بھی جسم کے ساتھ فنا ہوجاتی ہے تو اس کی جہالت پر ترس کھا اور اسے بتا کہ پھول پتی پتی ہوکر ختم ہوجاتا لیکن بیج ہمیشہ باقی رہتا ہے اور ہماری نظروں کے سامنے جاوداں زندگی کے اسرار منکشف کرتا ہے۔

4۔ پاؤں گیلے کیے بغیر سمندر تو پار کیا جاسکتا ہے مگر آنسو بہائے بغیر زندگی نہیں گزاری جاسکتی۔

5۔ قبول دعا کے لیے یکسوئی' احساس' بے چارگی اور

اضطراب غم ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ کبھی بھی بدکاروں کی بھی دعا قبول ہو جاتی ہے۔

6۔ زندگی کا اچھا اصول یہ ہے کہ دوستانہ تعلقات کو استعمال کرو مگر دوستوں کو استعمال مت کرو۔

فوزیہ ثمروٹ۔ گجرات

لاجواب

حضرت لقمان نے باوجود عمر درازی کے کوئی مکان نہ بنایا ایک جھونپڑی میں ساری عمر گزار دی۔

ملک الموت نے پوچھا۔

"آپ نے اتنی لمبی عمر پائی۔ اس کے باوجود کوئی مکان نہ بنایا اس کی وجہ کیا تھی؟"

آپ نے فرمایا "جس کی تاک میں آپ رہیں۔ اسے مکان بنانے کی کب سوجھتی ہے!"

سنبل تحریم۔ ملکوال

باتوں سے خوشبو آئے

☆ حق کا پرستار کبھی ذلیل نہیں ہوتا چاہے سارا زمانہ اس کے خلاف ہو جائے۔ (حضرت عائشہ صدیقہؓ)

☆ وقت ضائع کرتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ وقت آپ کو بھی ضائع کر رہا ہے۔ (ارسطو)

☆ دوست کے ساتھ انکساری کے ساتھ دشمنوں کے ساتھ ہوشیاری کے ساتھ اور تمام لوگوں سے کشادہ روی سے ملو۔ (حضرت علیؓ)

☆ آروز نصف زندگی ہے اور بے حسی نصف موت۔ (خلیل جبران)

☆ گناہ اس قدر کم کرو کہ اس کی عقوبت کی تاب نہ لاسکو (مامون الرشید)

سنبل تحریم۔ ملکوال

یہ عالم شوق کا.....!

ایک حسین لڑکی نے اپنی سہیلی کو بتایا۔ "پچھلے دنوں مجھے کچھ لکھنے لکھانے کا شوق ہوا' میں نے اپنے کالج کے دنوں کی سچی آپ بیتی لکھ ڈالی' جس میں ان دونوں کی رنگا رنگ داستان موجود تھی۔"

سہیلی نے اشتیاق سے پوچھا۔ "پھر کیا وہ آپ بیتی کسی رسالے میں شائع ہوئی؟"

لڑکی نے جواب دیا۔ "داستان تو شائع نہیں ہوئی مگر ایڈیٹر صاحب تیسرے ہی دن اتنی دور سے صرف مجھ سے ملنے کے لیے چلے آئے۔"

شافعہ ملک..... کوٹلی' آزاد کشمیر

جدھر دیکھتا ہوں.....!

ایک صاحب نے ماہر نفسیات کے پاس جا کر اپنا مسئلہ بیان کیا۔ "میرے دماغ پر ہر وقت کھانے پینے کی چیزوں کا خیال مسلط رہتا ہے۔ حتیٰ کہ میں خوابوں میں بھی کھانے پینے کی چیزیں ہی دیکھتا ہوں۔"

"حیرت کی بات ہے.....!" ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ "حالانکہ تمہاری عمر کے نوجوان تو اکثر خوابوں میں لڑکیاں اور اداکارائیں دیکھتے ہیں۔"

"میں خواب میں لڑکیاں بھی دیکھتا ہوں۔" ان صاحب نے بتایا۔ "لیکن میں ان پر بھی ٹماٹو کیچپ انڈیلتا رہتا ہوں۔"

سدرہ صدیقی..... کراچی

زن داری

نظام الملک طوسی سے کسی شہزادے نے پوچھا۔ "دانا بزرگ! تخت نشینی کی کم سے کم عمر کیا ہوتی ہے؟"

طوسی نے جواب دیا۔ "پندرہ سال۔"

شہزادے نے دوسرا سوال کیا۔ "اور شادی کے لیے کم سے کم عمر کیا ہونی چاہیے؟" جواب ملا۔ "اٹھارہ سال۔"

شہزادے نے پوچھا۔ "یہ کیوں؟ جہاں داری جیسے مشکل کام کے لیے پندرہ سال اور شادی جیسے معمولی کام کے لیے اٹھارہ سال! آخر کیوں؟"

"شہزادے۔" طوسی نے جواب دیا۔ "کچھ دن صبر کر' جب تو تخت نشینی کے بعد رشتہ ازدواج میں جکڑا جائے گا تو تجھے خود ہی یہ نکتہ معلوم ہو جائے گا کہ جہاں داری سے زن داری کہیں مشکل کام ہے....."

اقوال حضرت امام علی کرم اللہ وجہہ

☆ ترک گناہ توبہ کرنے سے آسان ہے۔

☆ جب دشمن پر غلبہ پاؤ تو اسے معاف کر دو۔

☆ موقع کو ہاتھ سے جانے دینا رنج و اندوہ کا باعث ہوتا ہے۔

☆ جو اپنے راز کو چھپائے رہے گا' اسے پورا قابو رہے گا۔

☆ جو برے فعل کو اچھا سمجھتا ہے وہ اس فعل میں شریک ہے۔

☆ حکمت مومن ہی کی گمشدہ چیز ہے' اسے حاصل کرو' اگرچہ منافق سے لینا پڑے۔

☆ اللہ سے ڈرو' اس نے تمہارے گناہوں کو اس طرح چھپایا کہ گویا بخش دیا۔

☆ خدا کی اطاعت اپنی جان پر جبر کیے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

☆ خدا کے نزدیک بندے کی وہ غلطی جو اسے تکلیف دے اچھی ہے اس خوبی سے جو اسے مغرور بنا دے۔

کنول شاہین' جلال پور جٹاں

اقوال واصف علی واصف

☆ جو شے چلنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ وہ ٹھہرنے سے حاصل ہو جاتی ہے' جو راز پیسے جمع کرنے میں نہ پایا جائے' وہ خرچ کرنے میں ضرور پایا جائے گا' جسے سونے والا دریافت نہ کر سکے' اسے جاگنے والا ضرور دریافت کر لے گا۔

☆ دریا عبور کرنے کے لیے کشتی ضرور سبب ہے لیکن گرداب سے بچنے کے لیے دعا کا سفینہ چاہیے۔

☆ انسانی عقل و خرد کی تمام طاقتیں مکڑی کے کمزور جالے کے سامنے بے بس ہیں۔

☆ کبھی کبھی مظلوم کا آنسو ظالم کی تلوار سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔

☆ عاجزی اور کمینگی میں بڑا فرق ہے۔ کسر نفسی کو تحقیر ذات تک نہ پہنچاؤ۔

آج کی شب

سرد ہوا اور گھر آنگن میں ٹھہری شام
یاد آئے ہیں کتنے بھولے بسرے نام
آج کی شب تو اپنے کومل ہاتھ بڑھا
میری آنکھ سے گرتا اک اک سپنا تھام

فرزانہ' کراچی

جواہر پارے

☆ زندگی کے ارادے سے کم' اور یقین سے زیادہ گزرے تو اپنی لگتی ہے ورنہ دوسرے ہی گزارتے ہیں اور انسان پتلی بنا ان کو گزرنے دیتا ہے۔ گزرتے دیکھتا رہتا ہے۔

☆ جو رشتہ ٹوٹ جائے وہ زندگی کی شاخ سے گرے پتے جیسا ہوتا ہے۔ نیچے گر گیا اور سوکھ گیا پھر کم ہی ہرا ہوتا ہے۔

☆ اگر ہر آدمی دوسرے آدمی کے برابر ہوتا تو یہ دنیا انہیں اپنے میں سمو لینے کے لیے اتنی بڑی ثابت نہ ہوتی۔

☆ روح میں ایسے اسرار پوشیدہ ہیں' جنہیں کوئی مفروضہ کوئی قیاس آشکار نہیں کر سکتا۔

☆ ہر شخص اپنے اندر ایک بے باک رہبر رکھتا ہے اور وہ ہے اس کا ضمیر۔ نفس کے شور سے بچ کر ضمیر کی سرگوشی پر کان لگاؤ۔ حقیقت کا ادراک خود بخود ہو جائے گا۔

بشریٰ محمود

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر

ابن انشاء کی نظم

ہم بنجارے دل والے ہیں
اور پینٹھ میں ڈیرے ڈالے ہیں
تم دھوکا دینے والی ہو
ہم دھوکا کھانے والے ہیں
اس میں تو نہیں شرماؤ گی
کیا دھوکا دینے آؤ گی
سب مال نکالو۔ لے آؤ
اے بستی والو۔ لے آؤ
یہ تن کا جھوٹا جادو بھی
یہ من کی جھوٹی خوشبو بھی
یہ تال بناتے آنسو بھی
یہ جال بچھاتے گیسو بھی
یہ لرزش ڈولتے سینے کی
پھر سچ نہیں بولتی سینے کی
یہ ہونٹ بھی ہم سے کیا چوری
کیا سچ مچ جھوٹے ہیں گوری
ان رمزوں میں ان گھاتوں میں
ان وعدوں میں، ان باتوں میں
کچھ میل حقیقت کا تو نہیں
کچھ کھوٹ صداقت کا تو نہیں
یہ پیارے دھوکے لے آؤ
یہ سارے دھوکے لے آؤ
کیوں رکھو خود سے دور ہمیں
جو دام کہو، منظور ہمیں
ان کانچ کے منکوں کے بدلے
ہاں بولو گوری، کیا لو گی؟
تم ایک جہاں کی اشرفیاں
یا دل اور جان کی اشرفیاں

صغریٰ یاسین، کی ڈائری میں تحریر

سیماب اکبر آبادی کی غزل

دل کی بساط کیا تھی نگاہِ جمال میں
اک آئینہ تھا ٹوٹ گیا دیکھ بھال میں

دنیا کرے تلاش نیا جامِ جم کوئی
اس کی جگہ نہیں مرے جامِ سفال میں

آزردہ اس قدر ہوں سرابِ خیال سے
جی چاہتا ہے تم بھی نہ آؤ خیال میں

دنیا ہے خواب، حاصلِ دنیا خیال ہے
انسان خواب دیکھ رہا ہے خیال میں

یادش بخیر! پھر نہ ملاقات کا سکوں
اک دن سحر ہوئی تھی حریمِ جمال میں

اہلِ چمن ہمیں نہ اسیری کا طعن دیں
وہ خوش ہیں اپنے حال میں، ہم اپنے حال میں

سیماب اجتہاد ہے حسنِ طلب مرا
ترمیم چاہتا ہوں مذاقِ جمال میں

نازیہ رئیس، کی ڈائری میں تحریر

عبیداللہ علیم کی نظم

یاد،

کبھی کوئی یاد
کوئی بہت پرانی یاد
دل کے دروازے پر، ایسے دستک دیتی ہے
شام کو جیسے تارا نکلے
صبح کو جیسے پھول
جیسے زمیں پر دھیرے دھیرے
روشنیوں کا نزول
جیسے روتے روتے اچانک، ہنس دے کوئی ملول
کبھی کبھی کوئی یاد، کوئی بہت پرانی یاد
دل کے دروازے پر ایسے دستک دیتی ہے

حریم علوی، کی ڈائری میں تحریر

قابل اجمیری کی غزل

عامِ فیضانِ غم نہیں ہوتا
ہر نفس محترم نہیں ہوتا

نامرادی نے کر دیا خوددار
اب سرِ شوق خم نہیں ہوتا

راستہ ہے کہ کٹتا جاتا ہے
فاصلہ ہے کہ کم نہیں ہوتا

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

ٹوٹ جاتا ہے دل مگر قابل
عشق مانوسِ غم نہیں ہوتا

نمرہ، اقرأ، کی ڈائری میں تحریر

سید حسین بخاری کی غزل

ہو گئیں سب دعائیں بے اثر کہنا اسے
لگ گئی حالات کو کس کی نظر کہنا اسے

یہ حقیقت ہے کہ اپنوں ہی سے ملتا ہے فریب
تم سمجھنا غیر کو ہی معتبر، کہنا اسے

اب کہاں کچے گھڑوں پہ تیرنے کی ہمت
اب کہاں آتا ہے سب کو یہ ہنر کہنا اسے

بڑھ رہی ہے چار جانب سحر کی تاریکیاں
بن تیرے کچھ بھی نہیں آتا نظر کہنا اسے

لوگ بھی میرے تڑپنے سے رہے ہیں بے خبر
تم نے بھی خود کو بنایا ہے بے خبر کہنا اسے

انی، کی ڈائری میں تحریر

داغ کی غزل

کیسا کیا فریب دل کو دیے اضطراب میں
ان کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

شوخی نے تم کو ڈال دیا اضطراب میں
کچھ تمکنت کا لطف نہ دیکھا شباب میں

کچھ شانِ مغفرت سے نہیں دور زاہدو
ڈوبیں گناہ بادہ کشوں کے شراب میں

پیرِ مغاں کی دل شکنی کا رہا خیال
داخل ہوا ہوں توبہ سے پہلے ثواب میں

گر وہ نہ آئیں گے تو اجل آئے گی ضرور
تسکیں ملی ہوئی ہے مرے اضطراب میں

جی چاہتا ہے چھیڑ کے ہوں اس سے ہم کلام
کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں

اے داغ کوئی مجھ سا نہ ہو گا گناہ گار
ہے معصیت سے میرے جہنم عذاب میں

حمیرا مہتاب ، کی ڈائری میں تحریر
اقبال کا کلام

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

مقصودِ نظر سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا

جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا

شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا

بے معجزہ دُنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

شازیہ مریم ملک ، کی ڈائری میں تحریر
عذرا بخاری کی نظم

نامراد ،

میری پسند جانتے ہو
اس لیے پروین شاکر کی شاعری اور
انوپ جلوٹا کی کیسٹس اُٹھا لاتے ہو
میری کمزوری سے واقف ہو
اسی لیے سُرخ گلاب کی اُدھ کھلی بے شمار کلیاں
میرے سرہانے چھوڑ جاتے ہو
میری وحشتوں کو سمجھتے ہو
اس لیے ڈوبتے سورج اور
اُداس شاموں کو کینوس پر اُتار لاتے ہو
میری تنہائیوں سے واقف ہو
اس لیے ہر سال چھبیس فروری کو
سورج کی پہلی کرن کے ساتھ
ہیپی برتھ ڈے کہنے پہنچ جاتے ہو
مگر تم یہ نہیں جانتے کہ
میری پسند، میری کمزوریوں، میری اُداسیوں
اور تنہائیوں سے واقف ہونے کے باوجود بھی !
میری سوچوں کا محور تم نہیں ہو

صابرہ یار محمد ، کی ڈائری میں تحریر
امجد اسلام امجد کی نظم

آبلہ ،

اُداسی کے اُفق پر جب تمہاری یاد
کے جگنو چمکتے ہیں
تو میری روح پر رکھا ہوا یہ ہجر کا پتھر
چمکتی برف کی صورت پگھلتا ہے
اگرچہ یوں پگھلنے سے یہ پتھر، سنگریزہ تو نہیں بنتا
مگر اک حوصلہ سا دل کو ہوتا ہے
کہ جیسے سر بسر تاریک شب میں بھی
اگر اک زرد رُو، سہما ہوا تارا نکل آئے
تو قاتل رات کا بے اسم جادو ٹوٹ جاتا ہے
مسافر کے سفر کا راستہ تو کم نہیں ہوتا
مگر تارے کی چلمن سے
کوئی بھولا ہوا منظر اچانک جگمگاتا ہے
سُلگتے پاؤں میں اک آبلہ سا پھوٹ جاتا ہے

مجھے یہ شعر پسند ہے

انیقہ انا ______ چکوال
اب احتیاط کی کوئی صورت نہیں رہی
قاتل سے رسم و راہ سوا کر چکے ہیں ہم
ان کی نظر میں، کیا کریں، پھیکا ہے اب بھی رنگ
جتنا لہو تھا صرفِ قبا کر چکے ہیں ہم

فوزیہ ثمر بٹ ______ گجرات
تجھے محبت کرنا نہیں آتا
مجھے محبت کے سوا کچھ نہیں آتا
زندگی گزارنے کے دو ہی طریقے ہیں
ایک تجھے نہیں آتا، ایک مجھے نہیں آتا

عذرا ناصر ______ کراچی
سنو اب بند مٹھی میں اندھیروں کی حکومت ہے
مجھے جگنو ہتھیلی میں چھپا لینے کی عادت تھی
میں اُن کو ڈال کر دانا بہت مسرور ہوتی تھی
مجھے آنگن کی چڑیوں سے دُعا لینے کی عادت تھی

شکیلہ شہزادی شالو ______ ملک وال
میں خوش نصیبی ہوں تیری مجھے بھی راس ہے تُو
تیرا لباس ہوں میں میرا لباس ہے تُو
عجیب شے ہے محبت بھی دُور ہیں لیکن
تیرے قریب ہوں میں میرے آس پاس ہے تو

نمرہ، اقرا ______ کراچی
پہلے تراشا کانچ سے اس نے میرا وجود
پھر شہر بھر کے ہاتھ میں پتھر تھما دیے

سدرہ نذیر ______ خوشاب
خدا کرے میرے اک بھی ہم وطن کے لیے
حیات جرم نہ ہو، زندگی وبال نہ ہو
خدا کرے میری ارضِ پاک پر اُترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

ندا، فضہ ______ فیصل آباد
جب کبھی ساحل پر آ جائے کسی کی یاد تمہیں
کیوں جزیروں کی طرف بہتا ہے پانی سوچنا
جب کبھی لکھنا کہانی زیست موجوں پہ تم
کیوں بدل جاتے ہیں لفظوں کے معنی سوچنا

یاسمین حبیب ______ فیصل آباد
نہ بھولتا ہے نہ دل میں اُتارتا ہے مجھے
ہمیشہ مار محبت کی مارتا ہے مجھے
میں اس کا لمحۂ موجود ہوں مگر وہ شخص
فضول وقت سمجھ کر گزارتا ہے مجھے

سدرہ اکرام ______ سبی
اب وہ منظر نہ وہ چہرے ہی نظر آتے ہیں
مجھ کو معلوم نہ تھا خواب بھی مر جاتے ہیں
جانے کس حال میں ہم ہیں کہ ہمیں دیکھ کے سب
ایک پل کے لیے رُکتے ہیں گزر جاتے ہیں

نسرین قاسم ______ گوجرانوالہ
اَنا نے توڑ دیا جام التجا محسن
وگرنہ پیاس کی زد میں کہاں نہ تھا پانی

صائمہ خان ______ رحیم یار خان
کسی مظلوم کے آنسو بھی چھو کر دیکھو
ہیں تو شبنم سے مگر ہاتھ جلا دیتے ہیں

زیب یوسف ______ کے ڈی اے
باہر تو سجا رکھے ہیں خوش رنگ آئینے
اندر سے ان کا شیشہ مگر ٹوٹتا رہا

صائمہ جیمی ______ کراچی
سُنا ہے اس کو محبت دُعائیں دیتی ہے
جو دل پہ چوٹ تو کھائے مگر گلہ نہ کرے
زمانہ دیکھ چکا ہے پرکھ چکا ہے اُسے
قتیلؔ جان سے جائے پر التجا نہ کرے

فوزیہ ثمر بٹ ——— گجرات

وقفے وقفے سے ستاتا رہا تیرا پیکر
مجھ کو اک بات بتانے میں بڑی دیر لگی
یوں تو جیون میں تغیر کوئی ایسا بھی نہ تھا
پھر بھی معمول پہ آنے میں بڑی دیر لگی

ایم۔ آر۔ کے ——— مظفر گڑھ

میں بس اتنا اچھا ہوں
تم نے جتنا دیکھا ہے

میمونہ امان ——— ڈی آئی خان

ہم تو سمجھے تھے اک زخم ہے بھر جائے گا
کیا خبر تھی کہ رگ جاں میں اتر جائے گا
وہ جب آئے گا تو پھر اس کی رفاقت کے لیے
موسم گل میرے آنگن میں ٹھہر جائے گا

عینی قریشی ——— نواب شاہ

پریشان ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یارب پھر وہی مشکل نہ بن جائے
کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو
کھٹک سی ہے جو سینے میں غم منزل نہ بن جائے

نمرہ ——— کراچی

ہمیں خبر ہے ہوا کا مزاج رکھتے ہو
مگر یہ کیا کہ ذرا دیر کو رکے بھی نہیں

اقرا ——— کراچی

اڑنے دو پرندوں کو ابھی شوخ ہوا میں
پھر لوٹ کے بچپن کے زمانے نہیں آتے

تحریم ——— کراچی

ہوا کے ہاتھ پہ رقصاں نہیں ہوا بجھ کر
چراغ شب نے انا کا خیال رکھا ہے

رانی ——— کراچی

اس سے ملنا ہی نہیں دل میں تہیہ کر لیں
وہ خود آئے تو بہت سرد رویہ کر لیں
ایک ہی بار ہو گھر راکھ جان تو چھوٹے
آگ کم ہے تو ہوا اور مہیا کر لیں

آسیہ جاوید ——— علی پور چٹھہ

تازہ ہوا کے شوق میں اے ساکنان شہر
اتنے نہ در بناؤ کہ دیوار گر پڑے

صدف عمران ——— کراچی

اسے گنوا کے میں زندہ ہوں اس طرح محسن
کہ جیسے تیز ہوا میں چراغ جلتا ہے

سعدیہ سلیم ——— شریف آباد

دل میں اک لہر سی اٹھی ہے ابھی
کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی
شور برپا ہے خانۂ دل میں
کوئی دیوار سی گری ہے ابھی

عمرانہ کوثر ——— حاصل پور

انداز ہو بہو تری آواز پا کا تھا
گھر سے نکل کے دیکھا تو جھونکا ہوا کا تھا

نواب زادی سولنگی ——— کورو (سندھ)

تو نے دیکھا ہے کبھی ایک نظر شام کے بعد
کتنے چپ چاپ سے لگتے ہیں شجر شام کے بعد
میں نے ایسے ہی گناہ تیری جدائی میں کیے
جیسے طوفان میں کوئی چھوڑ دے گھر شام کے بعد

اقصیٰ چیمہ ——— چنیوٹ

آدمی ٹوٹتا ہے کیسے تمہیں کیا معلوم
تم نے دیکھا ہی نہیں درد کا لمحہ کوئی

امبر گل ——— جھڈو (سندھ)

وقت رخصت آ گیا دل پھر بھی گھبرایا نہیں
اس کو ہم کیا کھوئیں گے جس کو کبھی پایا نہیں
زندگی جتنی بھی ہے اب مستقل صحرا میں ہے
اور اس صحرا میں دور تک سایہ نہیں

مدیحہ یوسف ——— کراچی

اپنے لیے بس ایک محبت ہی بہت ہے
ہم سے کوئی بھی غلطی ہو دوبارہ نہیں کرتے
جب تک وہ سلامت ہے عداوت کا مزا ہے
دشمن کو کبھی جان سے مارا نہیں کرتے

مسز نگہت غفار ——— کراچی

کچھ دور چھوڑ نے میرے ہمراہ چل سکوں
بارش ذرا تھمے تو میں گھر سے نکل سکوں
کب سے بجھا پڑا ہوں خموشی کے طاق میں
کوئی تو بات کر کہ میں کچھ دیر جل سکوں

ریحانہ امجد بخاری

متبادل تجویز

ایک خاتون نے ایک ہٹے کٹے فقیر کو دیکھ کر کہا۔

"میں تمہیں اپنا بنایا ہوا کیک کھانے کو دیتی ہوں لیکن اس کے بدلے میں تمہیں میرا ایک چھوٹا سا کام کرنا ہو گا۔"

"وہ کیا بیگم صاحب....؟" فقیر نے پوچھا۔

"صحن میں لکڑی پڑی ہے۔ تم اس میں سے ایک تختہ آری سے چیر کر مجھے دے دینا۔ میں اسے کچن میں لگاؤں گی۔" خاتون نے بتایا۔

فقیر آمادہ ہو گیا۔ خاتون نے پہلے اسے کیک کھانے کے لیے دیا۔ فقیر نے اس کا ایک ٹکڑا توڑنے کی بھرپور کوشش کی مگر ناکام رہا۔ آخر کار وہ بولا۔ "بیگم صاحبہ! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں لکڑی کا تھوڑا سا حصہ کھالوں اور کیک آپ کو آری سے چیر کر دے دوں۔"

بسمہ فراز۔۔۔ قلات

لاجواب

ٹرین کے طویل سفر کے دوران ان ڈور گیمز کے بے حد شوقین ایک صاحب نے اپنے سامنے والی نشست پر بیٹھے شخص سے کہا۔ "جناب! خاصا لمبا سفر ہے، آئیے کچھ دیر تاش کھیل لیجیے، وقت اچھا گزر جائے گا۔"

"جی نہیں! میں تاش نہیں کھیلتا، زندگی میں صرف ایک بار کھیلا تھا، اس کے بعد دل نہیں چاہا۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"اچھا تو تھوڑی دیر شطرنج ہی کھیل لیتے ہیں۔" ان صاحب نے دعوت دی۔

"جی نہیں! شطرنج بھی نہیں کھیلتا۔ ایک بار کھیلی تھی پھر کبھی دل نے گوارا نہیں کیا۔" اس شخص نے یہ دعوت بھی مسترد کر دی۔

"اچھا۔۔۔ تو میرے پاس لوڈو بھی ہے، وہ کھیل لیتے ہیں۔" وہ صاحب ہار ماننے والے نہیں تھے۔

"میں تو لوڈو بھی نہیں کھیلتا۔۔۔ لیکن میرا بیٹا آپ کے ساتھ کھیل لے گا۔" اس شخص نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ کوئی مضائقہ نہیں۔" ان صاحب نے ملائمت سے کہا "غالباً یہ صاحبزادے آپ کی اکلوتی اولاد ہوں گے۔"

ثنا ساجد۔ شیخوپورہ

ستم ظریفی

پاکستان کے ایک مشہور آرٹسٹ اپنی پینٹنگز کی نمائش کے سلسلے میں پیرس گئے۔ دو ماہ کے قیام کے دوران ان کے میزبانوں نے انہیں خوب گھمایا پھرایا، سیر کرائی، ہر اچھے ہوٹل میں ان کے اعزاز میں دعوتیں ہوئیں، ہر جگہ پینے پلانے کے دور چلے۔ ان کی واپسی کا وقت قریب آیا تو ان کے میزبان نے کہا۔ "آج میں آپ کو یہاں کے مشہور ریستوران میں لے جاؤں گا وہاں آپ کو فرانس کی تمام پرانی مشہور اور روایتی شرابیں ملیں گی۔"

آرٹسٹ صاحب ہاتھ جوڑ کر بولے۔ "خدا کے لیے، میرے جانے سے پہلے مجھے کم از کم ایک بار کسی ایسی جگہ بھی لے چلیں، جہاں خالص اور ٹھنڈا پانی مل سکتا ہو۔ میں واپس جا کر کسی کو کم از کم یہ تو بتا سکوں کہ پیرس کے پانی کا ذائقہ کیسا ہے؟"

نجمہ واحد۔۔۔ لطیف آباد

ترجیح

عارف صاحب کی ملاقات ایک روز چراغ الٰہ دین کے جن سے ہو گئی، جس نے کسی بات پر خوش ہو کر انہیں پیشکش کر ڈالی کہ وہ ان کی کوئی ایک خواہش پوری کر سکتا ہے۔

عارف صاحب فوراً بولے "کراچی کی جن سڑکوں پر ابھی تک فلائی اوور نہیں بنے ہیں ان سب پر ایک صاف ستھرا چوڑا اور شاندار فلائی اوور بنا دو۔ روزانہ کسی نہ کسی سڑک پر میری گاڑی ٹریفک میں پھنس جاتی ہے، جس کے سبب گھر پہنچنے میں بہت دیر ہو جاتی ہے۔"

"یہ تو بہت مشکل کام ہے سر!" جن سر کھجاتے ہوئے بولا۔ "ہزاروں ٹن سریا، سیمنٹ اور دوسرا میٹریل درکار ہو گا، لیبر بھی چاہیے ہو گی، سینکڑوں رکاوٹیں ہٹانا ہوں گی، بے شمار محکموں میں کام پھنس جائیں گے اور ممکن ہے کہ رشوتیں نہ ملنے کی وجہ سے وہ فلائی اوور مکمل ہونے کے بعد توڑ دیے جائیں۔"

عارف صاحب مایوسی سے بولے

"اچھا تو مجھے ایک تفصیلی مضمون لکھ کر لا دو، جسے پڑھ کر میں عورت کو مکمل طور سے سمجھ سکوں کہ وہ کیا سوچتی ہے، کیوں روتی ہے، کیوں ہنستی ہے.... کیا چاہتی ہے اور اسے کس طرح خوش رکھا جا سکتا ہے؟"

جن نے ایک بار پھر سر کھجایا اور ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد مردہ سے لہجے میں بولا۔ "ٹھیک ہے سر....! میں شہر کی ساری سڑکوں پر فلائی اوور ہی بنوا دیتا ہوں۔"

یمنیٰ خان.... کراچی

سوا سیر

ایک جوڑا ہنی مون منانے کے لیے گیا تو ایک ہوٹل میں ٹھہرا۔ شام کو جب وہ جوڑا سیر کے لیے گیا تو کھانا باہر ہی کھا آیا۔ جوڑا واپس ہوٹل پہنچا تو منیجر نے کھانے کا بل پیش کر دیا۔

"مگر ہم نے تو یہاں کھانا نہیں کھایا۔" شوہر نے غصے سے کہا۔

"مگر کھانا تو تیار تھا۔" منیجر نے بے نیازی سے کہا۔

اگلے دن وہ جوڑا پھر کہیں گیا اور چائے پی آیا۔ وہ ہوٹل واپس آیا تو منیجر نے چائے کا بل پیش کر دیا۔

"مگر ہم نے تو چائے نہیں پی۔" شوہر نے احتجاج کیا۔

"مگر چائے تیار تھی۔" منیجر نے لاپروائی سے کہا۔

جب وہ جوڑا ہوٹل سے واپس جانے لگا تو شوہر نے ہوٹل کے مالک کو ایک جرمانے کا بل پیش کر دیا، جو ان کے منیجر کا اس کی بیوی کو چھیڑنے سے متعلق تھا۔

"مگر میں نے تو ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔" منیجر نے چیخ کر کہا۔

"مگر میری بیوی تو تیار تھی۔" شوہر نے بے نیازی سے جواب دیا۔

ثمینہ سلیم.... ٹنڈوالہ یار

باکمال لوگ

ایک صاحب اپنے دوست کو بتا رہے تھے۔ "بھئی یہ پراپرٹی ڈیلر بھی بڑے کمال کے لوگ ہوتے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک ڈیلر نے گوادر کی دو ایکڑ زمین مجھے بیچ دی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہاں زبردست فلیٹ تعمیر ہوں گے اور میں چند لاکھ لگا کر کروڑوں کماؤں گا۔ جب میں نے وہاں جا کر دیکھا تو اس زمین پر دس دس فٹ پانی کھڑا تھا۔"

"اوہ.... حد ہو گئی.... پھر تم اس سے اپنی رقم واپس لینے گئے؟" دوست نے اظہار افسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں گیا تھا.... پیسے تو نہیں ملے.... البتہ اس نے مجھے ایک لانچ دلوا دی۔" ان صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

جویریہ نعمان.... فیصل آباد

بدلہ

رشید نے امجد سے پوچھا۔

"یہ تم نے اندر کی جیب میں کیا ڈالا ہوا ہے، جو اس قدر بھرا ہوا ہے۔" رشید نے سرگوشی میں جواب دیا۔ "ڈائنامائٹ ہے میں اس موٹے اسلم کا انتظار کر رہا ہوں وہ جب بھی مجھ سے ملتا ہے سیدھا میرے سینے میں گھونسا مارتا ہے۔ اس بار اس نے یہ حرکت کی تو اس کے ہاتھ کی دھجیاں بکھر جائیں گی۔"

فوزیہ ثمرٹ.... گجرات

گر نہ ہو اعتبار تو

تاج محمد آنسو ایک دن اپنے دوستوں کو فخر سے بتا رہے تھے۔

"میں ویسٹ انڈیز اور پاکستان کے درمیان ہونے والا ٹیسٹ سیریز اور پاکستان کے درمیان ہونے والے ٹیسٹ میچ دیکھنے گیا تھا۔ پتا نہیں لڑکے اور لڑکیوں کو کیسے پتا چل گیا کہ میں اسٹیڈیم میں آیا ہوا تھا۔ میں نے اچانک اپنے آپ کو سینکڑوں لڑکوں اور لڑکیوں کے نرغے میں پایا ان سب کے ہاتھوں میں آٹوگراف بکس تھیں۔"

دوستوں نے کہا "چھوڑو یار کیوں گپ ہانکتے ہو۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں" تاج محمد آنسو بگڑ کر بولے۔ "مجھ پر اعتبار نہیں تو چاہے عمران خان سے دریافت کر لے۔ عمران خان اس وقت میرے قریب ہی کھڑا تھا۔"

سدرہ اکرام.... دبئی

مسکراتی کرنیں....!

دہلی کے ایک مشاعرے میں عبدالحمید عدم، پنڈت ہری چند اختر کو دیکھتے ہی ان سے لپٹ گئے۔ "پنڈت جی! مجھے پہچانا؟ میں عدم ہوں۔" پنڈت جی عدم کا موٹا تازہ جسم دیکھتے ہوئے مسکرائے اور بولے۔

"اگر یہی ہے عدم تو وجود کیا ہو گا؟"

حرا قریشی، بلال کالونی ملتان

بے چارگی

ایک امریکی سے اس کے دوست نے کہا۔ "سنا ہے تمہاری بیوی نے گھر کی آرائش کا کورس مکمل کر لیا ہے؟"

امریکی آہ بھر کر بولا۔ "تم نے ٹھیک سنا ہے اور اب وہ مجھ سے چھٹکارا پانا چاہتی ہے۔ کیونکہ میں پردوں فرنیچر وغیرہ سے میچ نہیں کرتا۔"

فوزیہ ثمرٹ، گجرات

تصویر

مصور نے اپنے ایک عزیز دوست کی تصویر بنائی یہ سوچ کر کہ تصویر اس کے دوست کو پسند آ جائے، مصور نے کچھ زیادہ ہی محنت کی اس نے چہرے کے ہر نقش کو بہتر بنانے کی کوشش کی اور رنگوں کا انتخاب بڑے سلیقے سے کیا۔ تصویر میں جان ڈالنے کے لیے اس نے بڑی دیدہ ریزی سے کام کیا۔ خدا خدا کر کے جب تصویر تیار ہو گئی تو اپنے فن کا تنقیدی جائزہ لینے کے لیے وہ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"یار تم کتنے بدل گئے ہو۔"

کنول فریاد حسین، جلال پور جٹاں

طبی پیشہ

لڑکی کے باپ نے نوجوان کو گھورتے ہوئے کہا۔ "نکل جاؤ یہاں سے، مجھے تو آج معلوم ہوا ہے کہ تم گورکن ہو حالانکہ تم کہتے تھے کہ میں ڈاکٹر ہوں۔"

"جناب میں نے آج تک خود کو ڈاکٹر نہیں کہا بلکہ ہمیشہ یہ ہی کہتا رہا ہوں کہ میری روزی کا دارومدار طبی پیشے کی مہارت پر ہے۔"

صبا ظفر، راجن پور

✲ ✲

کرن کا دسترخوان

خالدہ جیلانی

بیگن کی چٹنی

اجزا :

بیگن	آدھا کلو
املی	آدھا پاؤ
ادرک ، لہسن (پسا ہوا)	تھوڑا سا
سرخ مرچ و نمک	حسب ذائقہ
سفید زیرہ	دو چائے کے چمچے
پیاز	ایک عدد
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب :

سفید زیرہ توے پر سوکھا بھون کر پیس لیں۔ پیاز چوکور کاٹ کر سنہری تل لیں۔ بینگن چھلکوں سمیت قتلے کاٹ لیں۔ ایک کپ تیل گرم کر کے قتلے تل کر نکال لیں۔ پیاز میں سرخ مرچ، زیرہ، لہسن، ادرک نمک ڈال کر بھونیں، پیاز کے مسالے میں تلے ہوئے بیگن اور املی کو توڑ توڑ کر ڈال دیں (املی کو بھگونا نہیں ہے) بھونتے ہوئے املی کے بیج اور جڑیں نکالتی جائیں۔ دھیمی آنچ پر پکا کر سب کچھ اچھی طرح یکجان کر لیں۔ گھی چھوڑنے لگے تو آنچ بند کر دیں۔ کھانے کے ساتھ اضافی ڈش کے طور پر پیش کریں۔ نیز دو کھانے کے چمچے چینی ڈال دیں تو بہت مزے دار کھٹا میٹھا سالن بن جاتا ہے۔

چکن ویجی ٹیبل

اجزا :

چکن	آدھا پاؤ
گاجر	ایک عدد
اجینو موتو	ایک چھوٹا چمچہ
چکن یخنی	ایک کپ
چینی	ایک چھوٹا چمچہ
مٹر دانے	آدھا کپ
بند گوبھی	دو پتے
کارن آئل	آدھا کپ
کارن فلور	ایک بڑا چمچہ
سویا ساس	ایک بڑا چمچہ

چکن دھو کر پانی میں ابال لیں۔ ابلے چکن کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹ لیں۔ اب کارن آئل گرم کریں اور اس میں کش کی ہوئی گاجر، مٹر، بند گوبھی (باریک کٹی ہوئی) چینی اجینو موتو، سویا ساس شامل کر کے بھون لیں۔ پھر اس میں چکن یخنی شامل کریں اور دو منٹ پکنے دیں۔ حسب ذائقہ نمک یخنی میں ڈال لیں (خیال رہے کہ سویا ساس میں بھی نمک ہوتا ہے) لیجیے کم از کم وقت میں تیار ہونے والی ڈش چکن ویجی ٹیبل حاضر ہے انجوائے کریں۔

مرچوں کا حیدر آبادی سالن

اجزا :

بڑی سبز مرچیں	آدھا کلو
پیاز	آدھا کلو
ثابت سرخ مرچیں	پانچ عدد
تیز پات	پانچ پتے
لہسن	ایک گٹھی
سفید زیرہ	آدھا چمچہ (کٹا ہوا)
خشخاش	آدھا چائے کا چمچہ
تل	ایک چائے کا چمچہ
دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
ناریل	ایک درمیانہ ٹکڑا
املی	حسب ذائقہ
ہلدی	چٹکی بھر

املی کو تھوڑے سے پانی میں بھگو لیں۔ سبز مرچوں کو ڈنڈیوں سمیت صاف کر کے دھو لیں۔ پیاز کے لچھے کاٹ لیں۔ خشخاش، تل، کھوپرا اور دھنیا خوب باریک پیس لیں۔ پیاز کو تیل میں سرخ کر کے کوٹ لیں اسی گھی یا تیل میں ثابت سرخ مرچیں تیز پات، لہسن (کٹا ہوا) سفید زیرہ خوب بھون لیں۔ اسی میں پسی ہوئی سرخ مرچ، ادرک اور ہلدی ڈال دیں۔ خوب بھونیں اب اس میں سرخ اور کٹی ہوئی پیاز بھی ڈال دیں۔ جب پکنے لگے تو ہری مرچ (ڈنڈیوں سمیت) ڈال دیں اب دھیمی آنچ پر گلنے دیں۔ املی کو چھان کر اس کا پانی سالن میں ڈال کر بھونیں۔ حیدر آبادی مرچوں کا سالن تیار ہے۔

خوبانی کی چٹنی

اجزا :

خوبانی خشک	آدھا کلو
سبز الائچی	چھ عدد
دیسی گھی	ایک چمچ
نمک	حسب ضرورت
املی	دو چمچے
چینی	دو کپ
کشمش	ایک کپ
لال شربت	دو چمچے
لیموں جوس	دو چمچے
املی	دو چمچے

خوبانی کو ایک کلو پانی میں پکنے کو رکھ دیں۔ جب خوبانی کچھ کچھ نرم ہونے لگے تو اس میں املی بھی ڈال دیں۔ جب اچھی طرح پک جائے تو اس میں کشمش، چینی، لیموں کا جوس اور روح افزا ڈال کر اچھی طرح ہلا لیں۔ اب گھی گرم کر کے اس میں سبز الائچی اچھی طرح کڑکڑا لیں اور چٹنی میں شامل کر لیں اور اس میں نمک شامل کریں اگر دل چاہے تو نمک کے ساتھ ساتھ کالی مرچ بھی شامل کر لیں۔ ٹھنڈی کر کے کھانے کے ساتھ پیش کریں۔

اچار کے مسالے والی بھنڈی

اجزا :

بھنڈی	آدھا کلو ثابت رکھیں
پیاز	آدھا کلو باریک کٹی ہوئی
کلونجی	آدھا چائے کا چمچہ
ہلدی	ایک چائے کا چمچہ
پسی ہوئی لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
ثابت سوکھی کھٹائی	چھ عدد
یا لیموں	دو عدد
ثابت دھنیا	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب :

سب سے پہلے بھنڈی کو دھو کر اوپر نیچے کا حصہ کاٹ لیں پھر اس میں کٹی ہوئی پیاز اور سارے مسالے مع کھٹائی کے اچھی طرح ملا دیں۔ کڑھائی میں تیل گرم کریں۔ مسالے ملی ہوئی بھنڈی ڈال دیں اور اچھی طرح سے چمچے سے چلا کر ڈھکن ڈھک دیں، ہلکی آنچ کر دیں اور بیس منٹ بعد اتار لیں۔

قیمہ آلو کباب

اشیاء :

آلو	تین عدد
قیمہ	آدھا کلو
مکئی دانے	آدھا پاؤ

پیاز	ایک عدد (باریک چورہ)
انڈے	دو عدد
ہرا دھنیا	حسب ضرورت
میدہ	ایک کپ
دودھ	دو کھانے کے چمچے
بریڈ کرمز	ایک کپ
نمک	حسب ضرورت

ترکیب :

آلو ابال کر ان کو اچھی طرح مسل لیں۔ ہرا مسالا (دھنیا و پودینہ) کاٹ کر اس مرکب میں اچھی طرح ملا لیں۔ اب اس مرکب کو آٹھ، دس حصوں میں بانٹ لیں اور کبابوں کی شکل دے لیں۔ انڈہ اور دودھ اچھی طرح پھینٹ لیں کبابوں کو خشک میدے میں رول کر کے انڈہ دودھ میں ڈبو کر خشک بریڈ کرمز میں اچھی طرح رول کریں۔ گرم تیل میں فرائی کریں۔ ایک آسان اور جھٹ پٹ بن جانے والی ڈش پیش خدمت ہے۔

پلاؤ مسالے دار

اجزا :

چاول	ایک کلو (اچھے والے)
گھی	ایک پاؤ
پیاز	ایک کلو
ادرک	ایک چھوٹی گانٹھ
زیرہ سفید	آدھا پاؤ
دھنیا (پسا ہوا)	پاؤ چھٹانک
سرخ مرچ (پسی ہوئی)	پاؤ چھٹانک
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب :

ایک دیگچی میں پیاز گرم کر کے بادامی کر لیں۔ پسی ہوئی ادرک، دھنیا، زیرہ، تھوڑی سی سرخ مرچ اور نمک (حسب ذائقہ) ڈال کر مسالا تیار کر لیں۔ تھوڑا سا مسالا بن جائے تو اس میں گوشت ڈال کر بھون لیں جب گوشت کا قورمہ تیار ہو جائے تو دیگچی میں چاول سے دو گنا پانی ڈال کر چاول ڈال دیں۔ دیگچی کا منہ ڈھکن سے بند کر دیں اور دھیمی آنچ پر پکنے دیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ڈھکن اٹھا کر دیکھتے رہیں۔ جب پانی خشک ہونے پر آئے تو اسے دم ہونے دیں۔ دس پندرہ منٹ بعد پلاؤ تیار ہے۔ مسالے دار پلاؤ مزے لے لے کر کھائیں۔

اسپیشل رائس

اجزا :

چاول	آدھا کلو
جھینگے	50 عدد
رہو مچھلی	50 گرام
سبز پیاز	2 عدد
سبز مرچ	4 عدد
کالی مرچ	ایک چھوٹا چمچہ
لائٹ سویا ساس	ایک بڑا چمچہ
آئل	3 بڑے چمچے
فریز شدہ پھلیاں	50 گرام
انڈے	دو عدد

ترکیب :

فرائی پین میں ایک بڑا چمچہ آئل گرم کر کے اس میں پھینٹے ہوئے انڈے پھیلا کر تل لیں۔ انڈے کو دو چپٹے چمچوں سے الٹیں کہ ٹوٹے نہیں۔ اب اسے نکال کر پتلی پٹیوں کی شکل میں کاٹ لیں۔ اب فرائی پین میں پھر ایک چمچہ آئل گرم کریں۔ اس میں آدھا پیاز ڈال کر دو منٹ تک فرائی کریں پھر شرمپ، جھینگے اور مچھلی ڈال دیں اور تین چار منٹ فرائی کر کے پلیٹ میں نکال لیں۔ اب باقی آئل میں باقی پیاز اور سبز مرچیں ڈال کر دو منٹ پکائیں پھر ان میں ابال کر رکھے ہوئے چاول ڈال دیں۔ ساتھ ہی نمک اور کالی مرچ بھی ڈال دیں۔ ایک دو بار ہلا کر ان میں ٹماٹو کیچپ مچھلی جھینگے، شرمپ اور پھلیاں ڈالیں پھر سویا ساس ڈال کر تین منٹ تک پکائیں۔ اب چاول ڈش میں نکال کر اوپر انڈے کی پٹیاں رکھ کر پیش کریں۔

☼ ☼

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

شگفتہ ماجد ...... لطیف آباد

س ۔ لوگ گھوڑے بیچ کے ہی کیوں سوتے ہیں، گدھے، اونٹ، الو بیچ کے کیوں نہیں سوتے؟

ج ۔ باقی جانور سونے کے لیے بکتے ہی نہیں۔

تبسم رانی ...... لاہور

س ۔ ذوالقرنین جی! زبان کا زخم، تلوار کے زخم سے زیادہ کیوں گہرا ہوتا ہے؟

ج ۔ تلوار کا زخم بھر جاتا ہے، زبان کا زخم کبھی نہیں بھرتا، معذرت سے بھی نہیں۔

سیما عروج ...... کراچی

س ۔ اگر ساس کو نمونیہ، نند کو ٹائیفائڈ، دیور کو زکام اور سسر کو یرقان ہو تو ان کو کون سی بیماری کا خطرہ لاحق ہو گا؟

ج ۔ فوراً ایک ہسپتال کھول لینا چاہیے۔

ریکا خان لودھی ...... بہاول نگر

س ۔ نین بھائی! یہ لڑکیاں ہر وقت آپ کی مونچھوں پر اعتراض کرتی رہتی ہیں۔ آپ ایسا کریں کہ ایک مونچھ کٹوا دیں اور ایک رہنے دیں۔ اس طرح جن کو اعتراض ہے وہ نہیں دیکھیں گی اور جن کو نہیں وہ ایک مونچھ دیکھ لیا کریں گی۔ کہیے کیا خیال ہے؟

ج ۔ آئیڈیا برا نہیں ہے مگر فلموں میں بحیثیت کامیڈین کاسٹ کر لیا جاؤں گا۔

ناصرہ عفت ...... کراچی

س ۔ شادی کرنے کا فضول مشورہ تو میں آپ کو کبھی نہیں دوں گی، کیونکہ شادی تو بذات خود ایک سب سے بڑا مسئلہ ہے، آپ اس جنجال میں پھنسنے کی غلطی ہرگز مت کیجیے، لیکن اگر جائے فرار کا کوئی راستہ نہ ہو تو "مجبوراً" گلے میں یہ طوق لٹکا لیجیے گا؟

ج ۔ ابھی فرار کے کئی راستے ہیں اس لیے فکر نہیں۔

نسیم ناز سومرو ...... حیدر آباد

س ذوقی بھیا! اگر کوئی خوب صورت خواب دیکھتے ہوئے دفعتاً "ہی" "انتظار فرمائیے" آ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

ج خوابوں کا سلسلہ وہیں سے جوڑنا چاہیے جہاں سے منقطع ہوا تھا۔ ٹی وی والے تو ایسا ہی کرتے ہیں۔

س ذوالقرنین جی! آپ کے نزدیک دنیا کا خوش قسمت ترین انسان کون ہے؟

ج جس سے رب راضی ہو۔

فرحانہ سحر جعفری ...... جھنگ

س: ذوقی بھیا! کہتے ہیں کہ دل سمندر کی طرح ہوتا ہے سمندر میں تو ہزاروں طوفان اٹھتے ہیں۔ مگر پھر بھی اپنی حد کے اندر رہتا ہے۔ جبکہ دل کو ذرا سی بھی کوئی ٹھیس پہنچے تو آنکھوں کے رستے چھلک جاتا ہے۔ پھر دل سمندر کیسے ہوا؟

ج: سمندر ہی تو ہے۔ جبھی تو لہریں اٹھتی رہتی ہیں درد کی۔

ارم ناہید ناز ...... کراچی

س: دنیا کا سب سے میٹھا زہر کون سا ہے؟

ج: کٹیلی مگر خوبصورت گفتگو۔

روبینہ ناز ...... کراچی

س: ذوقی بھیا! شعر کا جواب شعر میں دیں۔

چپکے سے زندگی کے موسم بدل گئے ہیں
یا تم بدل گئے ہو یا ہم بدل گئے ہیں

ج: کوئی نہیں۔ بس زندگی کے موسم بدل گئے ہیں۔

عالیہ شہزادی ...... گوجرانوالہ

س: بھیا! اس سوال کا جواب آپ ضرور دیں۔ عورت خاوند کو مار سکتی ہے۔ خاوند عورت کو کیوں نہیں مار سکتا؟

ج: یہ سوال کرنے کی تمہاری ہمت کیسے ہوئی۔

مدثرہ ناز ...... ربوہ

س: آج کل کے لڑکے کس چیز سے ڈرتے ہیں؟

ج: محبوبہ کے غریب ہونے سے۔

شبانہ محمود ...... حیدر آباد

س: آسمان سے ذرا یہ پوچھ کر بتائیں کہ مہنگائی ان سے کیا باتیں کرتی ہے؟

ج: وہاں بھی یہی حال ہے۔ کیونکہ انسان چاند پر پہنچ گیا ہے۔

مبینہ' فرحانہ شیرازی ...... ٹنڈو آدم

س: شوہر اپنی بیوی کے لیے کب دعا مانگتا ہے؟

ج: جب شاپنگ کے وقت وہ ساتھ ساتھ ہو۔

عظمیٰ رانی ...... سیالکوٹ

س: بھائی جی! شیکسپیئر کہتا ہے کہ "دنیا ایک اسٹیج ہے۔" اگر یہ صحیح ہے تو بتائیے کہ آپ نے اس اسٹیج پر کون سا اہم کردار ادا کیا ہے؟

ج: بڑھاپے کے علاوہ ہر کردار۔

عمرانہ بتول ...... کبیروالا

س: کسی بہانے سہی اس سے گفتگو کر لیں
کہ وہ جواب تو دے گا کسی سوال کے بعد

ج: آج میرا جواب دینے کا موڈ نہیں ہے۔

افشین ناز ...... ماتلی

س: ذوقی بھائی! اگر کوئی لڑکی آپ کو دولہا بھائی کہے تو یہ تجربہ کیسا لگے گا؟

ج: کہاں ہے وہ لڑکی۔

خالدہ مسعود خان ...... بھاگٹانوالہ

س: نین جی! اگر ہم آپ کو اپنی شادی پر بلائیں تو کیا آپ ہماری شادی میں آئیں گے؟

ج: جیسا آپ مناسب سمجھیں' بہرحال مشورہ کر لیں۔

صدف اعجاز ...... نارووال

س: آخر لوگ خبرنامہ دیکھنا کیوں پسند نہیں کرتے؟

ج: آج کل تو دیکھ رہے ہیں۔

حنا جمیل احمد ...... کراچی

س: شادی والے دن دولہا بیچارے کو کس بات کی مبارکباد دی جاتی ہے؟

ج: گھر بھر جانے کی (جہیز سے)۔

☼ ☼

نامے میرے نام

مرسلہ: کرن

صائمہ' اقراء ... دگھہ شریف

السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ میں بالکل خیریت سے ہوں اور امید کرتی ہوں کہ آپ سب بھی بالکل ٹھیک ہوں گے۔ اس ماہ کا کرن رسالہ 12 اکتوبر کو ملا۔ بہت خوشی ہوئی کہ چلو اس بار کرن جلدی مل گیا۔

سب سے پہلے نامے میرے نام میں اپنا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ماڈل مسکراتی ہوئی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ حمد و نعت کے بعد انٹرویوز میں نور حسن کا انٹرویو پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ "مقابل ہے آئینہ" میں انیقہ انا کے جوابات بہت اچھے تھے۔ کہانیوں میں سب سے پہلے "در دل" پڑھی نبیلہ آپی اس بار تو کہانی پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ زری اتنی معصوم سی ہے اور اتنی بڑی دل پہ چوٹ لگی کہ وہ بیچاری کومے میں چلی گئی۔ اس بار "در دل" بہت دکھی قسط تھی مکمل ناول بہت زبردست تھا۔ ناولٹ میں "میرا چاند" اور "بدلتے موسم" بہت اچھے تھے۔ افسانے ابھی پڑھے نہیں۔ ان پر تبصرہ تاحال ممکن نہیں۔ مستقل سلسلے بہت اچھے جا رہے ہیں۔

آپی پلیز مستقل سلسلوں میں میری تحریر بھی شامل کیا کریں۔ میری دوستوں فوزیہ' صبا اور پری وش کو خصوصی سلام۔ کرن ٹیم کے لیے بہت سی دعائیں۔

ثناء شہزاد ... کراچی

سب سے پہلے کرن کے تمام اسٹاف اور قاری بہنوں کو میرا سلام۔ کرن کی بزم میں ایک سال بعد حاضری دے رہی ہوں وجہ یہ ہے کہ ایک سال سے کرن سے دوری ہو گئی تھی مگر اب دوبارہ سے رابطہ قائم ہو گیا ہے جو کہ اب کبھی نہیں ٹوٹے گا ان شاءاللہ تعالیٰ' کرن میرا موسٹ فیورٹ رسالہ ہے اس میں شائع ہونے والی ہر تحریر بے مثال ہے بلکہ نہیں کرن تو بذات خود پورا کا پورا شاہکار ہے۔ پتا نہیں آپ لوگوں کو میں یاد بھی ہوں یا نہیں خیر اگر بھول بھی گئیں تو کوئی بات نہیں اب تو میں واپس آ گئی ہوں نا ریحانہ آپی آپ میرا خط شائع کر کے مجھے دوبارہ خوش آمدید کہیں گی نا کرن ابھی نہیں پڑھا اس لیے اس پر بھرپور تبصرہ کے ساتھ اگلے ماہ حاضر ہوں گی۔ آپی پلیز مجھے مایوس مت کیجیے گا میرا لیٹر شائع کر کے مجھے بھی اس بزم میں جگہ دیجیے گا۔ میرا خط کہیں زیادہ طویل نہ ہو جائے اسی لیے چھوٹا سا لکھا ہے آپی نبیلہ ابر راجہ سے کرن کے لیے مکمل ناول لکھوائیں نا مجھے ان کی کمی بہت شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ اب مجھے اجازت دیجیے اس دعا کے ساتھ جہاں رہیں آپ سب خوش رہیں آمین۔ زندگی نے وفا کی تو پھر ملاقات ہو گی تب تک کے لیے اللہ حافظ۔

عائشہ خان ... ٹنڈو محمد خان

اکتوبر کا کرن بڑی جدوجہد کے بعد 14 اکتوبر کو ملا۔

اس دفعہ تو میرے گھر والوں نے مجھے دھمکی دے دی تھی کہ صرف ایک ڈائجسٹ آئے گا۔ شعاع کرن یا خواتین ..... بڑی مشکل سے ہزبینڈ کو منایا کہ پلیز یہ تینوں میری جان ہیں..... صد شکر کہ شوہر مان گئے۔

ٹائٹل دیکھا ..... اچھا لگا۔ ام ثمامہ کے "قربان کی قربانی" کی طرف بڑھے۔ بہت اچھی کہانی لکھی۔ قربانی ایک فریضہ ہے مگر کیا کریں لوگوں نے اسے بھی دنیاوی دکھاوے میں بدل دیا ہے۔ قربان کا کردار اچھا لگا۔ سب سے زیادہ ایک جملے پر ہنسی آئی۔ "فردوس کی آنکھوں میں بھی پسندیدگی کا کوئی خاص تاثر نہیں تھا کیونکہ بکرے میں موجود گوشت اسے اپنی ڈائری میں لکھی ترکیبوں کے لیے کافی کم لگ رہا تھا۔ (ہاہاہا) ہلکی پھلکی سی تحریر پسند آئی۔

پھر شروع کیا "در دل" بھلے سے میں زری سے زیادہ علیزے کے حق میں ہوں مگر زری کے ساتھ جو ہوا بہت

دکھ کی بات ہے۔ بے چاری صدمے سے کوما میں چلی گئی ۔۔۔ اور یہ دل آور شاہ' علیزے پہ کیا ثابت کرنا چاہتا ہے! بہرحال زری کو جلدی ہوش میں لے آئیے گا قسط مختصر لگی۔

"میرے ہمنوا کو خبر کرو" وہی وہی باتیں' طوالت کم کر دیں تو ناول اچھا ہے۔ ندی زین کے گھر گئی مگر وہ لوگ نہیں ملے۔ ندرت کو زین سے جلد ملوا دیجیے گا بے چاری ندی اکیلی رہ گئی' بہن بھائی ایسے ہوتے ہیں کیا؟ مجھے میران کا سین اچھا نہیں لگتا' اس لیے میران کے سین سرسری سی ورق گردانی کرتے پڑھتی ہوں۔ اس مرتبہ مسکراتی کرنیں ساری ہی ہٹ تھیں ہنسی آئی۔

"مقابل ہے آئینہ" میں انیقہ انا کا تعارف دل کو بھا گیا۔ کوشش کروں گی کہ کبھی میں بھی ان باذوق قاری بہنوں کی طرح اپنا تعارف لکھوں اور بھیجوں بھی مگر ہم میں اتنا ٹیلنٹ کہاں ۔۔۔ حق ہا' باقی کرن زیر مطالعہ ہے۔ نامے میرے نام میں اپنا نام دیکھ کر ہمیشہ خوشی ہوتی ہے مگر اس دفعہ تو سب سے پہلے نمبر پر اپنا نام جگ مگ کرتا دیکھ کر سیروں خون بڑھ گیا۔

شکریہ آپی ۔۔۔ نواب زادی کی انٹری اچھی لگی۔ تمام بہنوں کو سلام' انیقہ انا' امبر گل' نواب زادی' فوزیہ ثمر سورٹھ' ثمرین حبیب اور صائمہ۔ اقیاز ساہی کہاں ہو آج کل بزی ہو گیا' انٹری تو دو؟ حسن و صحت میں اچھی ٹپس دی ہیں۔ عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔ جنید خان اور نور حسن سے ملاقات بھی اچھی رہی۔

"دست کوزہ گر" بھی پڑھ لیا۔ دل کو دھچکا لگا' الیان نے کافی تیزی دکھائی رومیلہ سے تو مشورہ کر لیتا' خرم کی امی' اس کی خوشی کی وجہ زوبیہ کو سمجھیں گی کیونکہ عائشہ اختر کی آمد' انہیں شک میں ڈال دے گی۔

عشل خان' مشعل خان ۔۔۔ جہلم

آپ کی اس محفل میں پہلی بار شرکت کر رہے ہیں امید ہے کہ حوصلہ افزائی کریں گی۔ اکتوبر کا کرن 14 کو مل گیا یعنی عید کا مزا دوبالا ہو گیا۔ میں اور میری بہن عشل خان ہر دفعہ پڑھنے کے بعد لکھنے کا ارادہ بھی کرتی ہیں مگر پھر بدل دیتی ہیں۔

مگر اس دفعہ مجبوراً" قلم اٹھانا پڑا اور وجہ میری موسٹ فیورٹ رائٹر کا ناول یعنی نبیلہ جی کا "دردِ دل" ہے۔ پلیز نبیلہ عزیز آپ کی کہانی نے شروع شروع میں جتنا خوش کیا تھا۔ اب اتنا ہی بور کر رہی ہے۔ پلیز اب کہانی کو آگے بڑھائیں 35 اقساط بھی گزر گئیں مگر ماضی کو نہیں بیان کیا۔ ابھی تک سب پردے میں چھپا ہے۔ اب دل آور کی وجاہت اور علیزے کی معصومیت اور زری کی دیوانگی سے آگے بھی بڑھیں اور پلیز اب جلد از جلد اینڈ کریں ساڑھے تین سال ہو چکے ہیں اس کہانی کو۔

اس کے علاوہ باقی کا کرن بھی اس دفعہ بس نارمل سا تھا بشریٰ سیال کی کہانی "فصل امید" کافی اچھی تھی لیکن بہترین نہیں تھی "میں شیشہ ہوں" میں ارتضیٰ کا کردار جتنا اچھا تھا۔ فلک ناز کا اتنا ہی خود پسندانہ' بنیادی طور پر کہانی اچھی تھی "دست کوزہ گر" شکر ہے خرم اور نمل ایک دوسرے کے ساتھ سیٹ ہوئے اب پلیز رومیلہ اور الیان کو بھی ٹھیک کر دیں اور یہ طلاق والا کیا معاملہ نکال لیا مجھے یقین ہے کوئی نیا ڈرامہ ہے الیان کا "میرا چاند" انتہائی بور کہانی تھی اور اس کہانی میں کوئی تسلسل نہ تھا اور حبیبہ پر تو ہمیں بہت غصہ آیا کیا صرف معافی مانگنے سے وہ اپنی ریجیکشن اور تذلیل بھول گئی۔

بہترین کہانی ام ثمامہ کی "قربان کی قربانی" تھی ویل ڈن ام ثمامہ بہت اچھے موضوع پر قلم اٹھایا آپ نے۔

روشنی بخاری آپ نے "بدلتے موسم" میں آنکھوں کو نم کروا دیا۔ کیا عورت بغیر ٹھوکر کھائے سنبھل نہیں سکتی لائبہ کی تذلیل نے تو مجھے خون کے آنسو رلا دیا محاورتاً" کہہ رہی ہوں سچ مچ نہیں۔ علی کو بھی تو سزا مل گئی ساری زندگی تڑپے اب اپنے بیٹے کے لیے۔

فاخرہ گل "میرے ہمنوا کو خبر کرو" عجیب سست روی کا شکار ہے پچھلی تین اقساط سے ایک ہی جگہ پر رکی ہوئی ہے۔ مزید کچھ نہیں کہہ سکتی بس اتنا کہوں گی کہ صاف نیت لوگوں کے ساتھ اللہ کی بھی مدد ہوتی ہے تو پلیز ندرت اور شاہ زین صاف دل کے مالک ہیں لہٰذا دونوں کو جدا مت کیجیے گا۔

"مجھے یہ شعر پسند ہے" میں ثمینہ عطاری' ثنا شہزاد اور نمرہ اور اقرا کے اشعار پسند آئے بہت' مسکراتی کرنیں ساری زبردست تھیں ہمارا تبصرہ کچھ زیادہ لمبا ہو گیا۔ اب اجازت چاہیں گے اگر آپ نے حوصلہ افزائی کی تو آئندہ بھی شرکت کرتے رہیں گے۔

فوزیہ ثمر بٹ ۔۔۔ گجرات

اکتوبر کا کرن اس بار مجھے 13 تاریخ کو ہی مل گیا ہے نا حیرت کی بات ٹائٹل کے بارے میں کیا لکھوں۔ اتنی شاندار جیولری' کنگنا سیٹ اور میک اپ سونے پہ سہاگہ۔

ہمیشہ کی طرح پہلے حمد و نعت کو پڑھا اداریہ پڑھا۔ محمود بابر فیصل کے لیے دعائے مغفرت کی۔ انٹرویوز میں نور حسن کو پڑھا۔ پلیز جان چھوڑیں اس بے چارے کی نور حسن انٹرویوز دیتے تھکتا ہے اور نہ شاہین صاحب۔

سب سے پہلے انیقہ کو پڑھا واہ کیا خوب صورت انداز میں اپنی لائف کی ترجمانی کی ہے انیقہ تمہارا تو کسی سے مقابلہ ہے ہی نہیں تم بلا مقابلہ ہی جیتی ہوئی ہو۔ پتا نہیں کیوں مجھے تمہاری باتوں میں اک محرومی' اک کسک نظر آئی' لازمی نہیں میرا قیاس درست بھی ہو۔ ہاں ایک گزارش ہے انیقہ تم سے پلیز پلیز آئندہ کسی سروے میں اگر تم عمر جہانگیر کا ذکر کرو تو پلیز ذرا وضاحت ضرور کرنا آخر یہ عمر جہانگیر ہے کون اور کیا لگتا ہے تمہارا؟۔

مکمل ناول "فصل امید" بہت اچھی تحریر تھی۔ علی ہی رابیل کی قسمت تھا۔ مگر فرہاد کیا اسے پتا نہیں تھا کہ وہ عیسائی مذہب رکھتا ہے۔ سچا ہوتا تو خود مسلمان ہو جاتا جس میں اس کے لیے خیر ہی خیر تھی۔ مگر وہ تو بس رابیل کی راہیں کھوٹی کرنا چاہتا ہے۔

ناولٹ "میں شیشہ ہوں" خونی رشتوں سے گندھی تحریر' یہ حقیقت ہے جو بندہ اپنے حالات سے گزرتا ہے اسی کو پتا ہوتا ہے۔ الفاظ کی مار تلوار کے وار سے زیادہ زخمی کرتی ہے۔ فلک فطرتاً" سخت دل نہیں تھی زندگی کے حالات نے اسے ایسا کر دیا تھا۔

ناولٹ مجھے سب ایک جیسے لگے۔ "بدلتے موسم" وہی پرانا موضوع مرد کی ہوس "میرا چاند" ہلکی پھلکی تحریر۔ ظل ہما کا "بلا عنوان" تھوڑی اچھی تحریر تھی۔ رائٹر نے یہ وضاحت نہیں کی اگر مریم مسلمان ہوگئی تھی تو کیا اس کے ماں باپ عیسائی ہی رہے تھے۔ کیا حقیقت میں ایسا ہو سکتا ہے مستقل سلسلے بھی لاجواب تھے مگر کہیں بھی بکھروں پہ کوئی شاعری نہیں تھی' کیا بکھروں کا کوئی شاعر نہیں؟۔ شاعری اس بار ذرا بھی متاثر نہ کر سکی۔ کرن کرن خوشبو میں وضو اچھا تھا۔

کوثر پروین ۔۔۔ میلسی

اکتوبر کا کرن طویل انتظار کے بعد ہاتھ آیا۔ امتحانات کی تیاری کی وجہ سے کرن پورا نہیں پڑھ سکی مگر انیقہ انا ۔۔۔ آہاہا! تھا جس کا انتظار' وہ شاہکار آگیا بھئی آپ کو آئینے کے بالمقابل دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی "شعاع" سے پتا چل گیا تھا کہ اس بار آئینے میں انیقہ انا کا عکس نظر آئے گا تو کرن کا بڑی بے چینی سے انتظار صرف جناب کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ "مقابل ہے آئینہ" پڑھ کر بہت بہت مزا آیا۔ انیقہ! آپ کے اشعار بڑے زبردست تھے۔ آپ کی بھیجی ہوئی شاعری کبھی پسند آجاتی ہے اور کبھی نہیں آتی۔ مگر اس بار مقابل ہے آئینہ" میں بہت اچھے اشعار لکھے آپ نے۔ اوئی! موبائل فون کے لیے اتنا جنون سمجھ نہیں آیا اور یہ تو بتا دیتیں کہ "حنا" کون؟ جس سے کبھی کبھار حسد فیل ہوتا ہے۔ کیا "حنا ڈائجسٹ" یا "حنا نصر اللہ"

ساری بہنیں میرے لیے دعا فرما دیں ضرور بالضرور کہ میرے بی ایڈ کے امتحان شاندار ہوں اور جاندار رزلٹ آئے اور جناب یہ نبیلہ عزیز آپی ہم کو انتظار کی سولی پر خوب لٹکاتی ہیں۔ انیقہ انا کا اندازہ قریب قریب پہنچ گیا زری کی سانسوں کا سلسلہ تو نہیں ٹوٹا مگر دنیا سے رابطہ ٹوٹ گیا۔ اب زندگی سے ناتا جڑ بھی پاتا ہے یا نہیں' پیپرز کی تیاری میں جتنا ذہن کوئی بھی اندازہ قائم نہیں کر پا رہا۔ بہرحال ناول ہے تو دردِ دل مگر میرے لیے دردِ سر بن چکا ہے۔ اب فری ہو کر فوزیہ یاسمین کو پڑھنے کا سوچا ہے مگر پہلے سوچا خط لکھ لوں۔

کوشش تو پہلی بار کی ہے۔ بہت سی قارئین پہلی بار ہی کامیاب ہو جاتی ہیں ہو سکتا ہے میں بھی ۔۔۔ کچھ ایسا مشکل بھی نہیں اور کوئی کہانی بھی نہیں پڑھ سکی سو تبصرہ اتنا ہی ہے۔ بس انیقہ انا کے آئینے کے بالمقابل اشعار بہت پسند آئے تو رہ نہیں سکی اور مجھے "کرن" کے توسط سے "نادیہ جہانگیر" مومبر آزاد کشمیر کو یہ پیغام دینا ہے کہ پلیز پلیز جہاں بھی ہو واپس آجاؤ۔ تمہاری کمی بہت بہت محسوس ہوتی ہے۔ پچھلے شماروں میں نادیہ جہانگیر کے لکھے ہوئے خطوط' باتیں' اشعار پڑھ کر آنکھیں نم ہو جاتی ہیں بہت یاد آتی ہے اس کی اور تم اب خط کیوں نہیں لکھتی ہو۔

"سمیرا شریف طور" سے گزارش ہے جلدی حاضر ہوں

اور باقی تمام مصنفین اچھا اچھا لکھتی ہیں۔ میری موسٹ فیورٹ رائٹر نمرہ احمد ہیں۔ وہ کب "کرن" میں چمکیں گی؟۔

آنسہ شبیر۔۔۔ ڈوگہ گجرات

السلام علیکم! امید واثق ہے۔ رب تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف و اندوز ہو رہے ہوں گے۔ خدا تعالیٰ ہمیں ہمارے ملک کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔ اکتوبر کا شمارہ 14 کی شام کو ملا۔ دل ایک دم فرط مسرت سے دوچار ہوا۔ سرورق کو دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ سب سے پہلے نامے میرے نام کی جانب گامزن ہوئے۔ پر اپنی غیر حاضری پر منہ کے زاویے بگڑ گئے۔ اس کے بعد "مجھے یہ شعر پسند ہے" میں بھی ہماری حاضری نہیں لگائی۔ چلو جی امید پہ دنیا قائم ہے اک نئی امید اور ایک نئی امنگ لیے کاپی پنسل اٹھائی پھر سے خط لکھنے بیٹھ گئی۔ "میرے ہمنوا کو خبر کرو" یہ قسط پچھلی قسط سے اچھی تھی اور لگ رہا ہے۔ کہ اب ہمنوا کو خبر ہو ہی جائے گی۔ جب جب ندی کے بھائی اور بہن کا رویہ دیکھتے ہیں۔ چہرے پر بے اختیار کئی شکنیں نمودار ہو جاتی ہیں۔ بنا کسی تحقیق کے کچھ جانے بنا ندی بے چاری کے ساتھ یہ سلوک؟ ندرت پر بہت زیادہ ترس آتا ہے۔ فاخرہ جی پلیز اب تو اسے شاہ زین سے ملوا دیتیں۔ اب اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ "در دل" بس اچھا جا رہا ہے اور جمود کا شکار ہے۔ فوزیہ یاسمین کی "دست کوزہ گر" کی طرف آئے۔ بہت زبردست قسط تھی۔ حمیرا خان کا "کھٹی میٹھی زندگی" پڑھا زبردست حمیرا بہت اچھا انداز تحریر ہے وبناز سحر سلیم کا "میں شیشہ ہوں" بھی بہت پسند آئی "تم ہنستی اچھی لگتی ہو" نفیسہ سعید کو پڑھ کر اچھا لگا۔ بشریٰ سیال کا مکمل ناول بھی لاجواب تھا۔ "وہ اک پری ہے" ہمیشہ کی طرح اس کی شاعری اچھی لگی۔ کیونکہ میں اس کی شاعری ہی پڑھتی ہوں۔ باقی افسانے اور ناولٹ بھی بہت اچھے تھے۔ دستر خوان ہمیشہ ہی کی طرح زبردست تھا۔ ذوقی بھیا کے جوابات بھی بہت اچھے تھے۔ مسکراتی کرنیں بھی بس ٹھیک ہی تھیں "یادوں کے دریچے" سے حاجرہ خان کا انتخاب بہت اچھا لگا۔ خدا کرن کو بہت زیادہ ترقی دے۔ پلیز اس دفعہ میرے خط کو قبولیت کی سند عنایت کیجیے گا۔

حیات باقی ملاقات باقی۔ فی امان اللہ۔

حرا قریشی۔۔۔ بلال کالونی، ملتان

سرد ہواؤں کے قہقہے چہار سو بکھرے ہیں۔۔۔ دل میں گدگدی کرتی سردیوں کی چہچہاہٹ خوش کن محسوس ہو رہی ہے۔۔۔ سحاب خوش آئند آواز میں ملہار بارش کا عندیہ دینے کے لیے بے چین ہیں۔ جھومتے درختوں پر پتوں کی شوخ نگاہیں ہمارے چہرے پر جھلکتی مسرت کی سن گن لینے کے لیے بے تاب ہیں۔۔۔ انہیں کیسے بتائیں۔۔۔؟ کیسے سمجھائیں۔۔۔؟ کہ ہمارے دست نازک کی گرفت میں "کرن ڈائجسٹ" خوب صورت موسم کو مزید خوب صورت بناتے ہوئے اپنے سرورق میں چھپی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود ہے۔

پھر اپنے نام کی جستجو میں "نامے میرے نام" تک رسائی حاصل کی۔۔۔ اپنا خط نہ پاکر شدید حیرت میں گھر گئے۔۔۔ کہ وہ خوش نویس تحریر جس کے نایاب لفظ ابدی کینوس کے سینے پر براجمان تھے۔۔۔ کیسے ممکن ہے؟ کہ قابل اشاعت نہ ہو سکے۔۔۔ دل حزیں کنول سی چشم نم میں چونکہ آنسو دیکھنے کا متمنی نہیں تھا۔۔۔ اس نے فوراً "تسلی و تشفی کی باڑ گرادی۔۔۔ ضرور خط ملا نہیں ہو گا۔۔۔ ہو سکتا ہے لیٹ ہو گیا ہو۔۔۔ بس ہمت مرداں، مدد خدا کے مصداق دوبارہ سے ایک عزم مصمم لے کر اپنے جگمگاتے تاروں سے جذبے لے کر بے لوث محبتیں نچھاور کرتے "نامے میرے نام" میں شرکت کے خواہاں ہو گئے۔

"اداریہ" پڑھا، دھڑکتے دل کی شدتوں کے ساتھ حضرت ابراہیم کی اپنے لخت جگر کے لیے محبت جو خاص اللہ کے لیے تھی کو نہایت قریب سے محسوس کیا۔ رب سوہنا ہمیں بھی اپنا قرب اور رضا عطا فرمائے۔ امین!

ادارہ کرن کی جانب سے عیدالاضحیٰ کی پیشگی مبارک باد اپنا حق سمجھ کر وصول کی۔ (سدا خوش رہیں۔۔۔) حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھ کر ہمیشہ کی طرح دل میں بربا ارتعاش نے سر اٹھایا کہ رب سوہنا ہمارے قلم ناتواں میں بھی اتنی جرات اور طاقت پیدا کر دے کہ ہم بھی اپنے قادر مطلق کی محبت، اس کی مدح سرائی کو اپنے ادنیٰ سے لفظوں کا پیرہن دے سکیں۔

کچھ لوگ حقیقت میں اتنے نایاب، اتنے خاص ہوتے ہیں کہ طمانیت قلب کی لہریں یہ کہنے کے لیے پرجوش ہو جاتی ہیں کہ "کاش اور جیتے رہتے۔۔۔!" محمود ریاض، محمود بابر فیصل، انشاء جی بھی ان لوگوں میں سے ایک ہیں، جو وقت کی لگام تھامے، فہم و ادراک کا کٹھن سفر طے کرتے، دور اندیش شاہین کی مانند اپنی قربت اور رفاقت میں ڈوبے اپنے لفظوں کے توشہ دان ہم تہی داماں لوگوں کے حوالے کر گئے ہیں۔ تیرگی کے سائے اور گہرے کر گئے۔۔۔ محمود جی اتنی جلدی کیوں گزر گئے۔۔۔؟ رب سوہنا ان باذوق لوگوں کو اپنی بارگاہ خاص میں جگہ عطا فرمائے۔ امین!

"جنید خان" اور "نور حسن" سے ملاقات کو سرسری پڑھ لیا۔ "مقابل ہے آئینہ" میں انیقہ کو دیکھ کر دل کو بہت خوشی ہوئی۔ جس طرح روز طلوع سحر آفتاب جی کی مسکراہٹ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔۔۔ کچھ ایسے انیقہ جی کو ویلکم کہا۔ پہلے دو سوال کے جواب پڑھ کر مسکراہٹ نے خود بخود لبوں کا احاطہ کر لیا۔ تو ڈیئر انیقہ یہ تو ہم نہیں جانتے کہ گلاب کی پنکھڑی سے مشابہ لب دلربا کیسے ہیں آپ کے۔۔۔؟ پر یہ ضرور کہنا چاہیں گے کہ لفظوں میں آپ کے گلابوں کی سی تازگی ہے۔ سیل فون کے لیے کبھی مثل انیقہ کیفیت ہوا کرتی تھی اب وہ کشش ناپید ہے یا شاید ہم بدل گئے ہیں۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ محبت کی تذلیل کرنے والے بھاڑ میں جائیں۔ اگر یہ مشغل بے کار لوگوں کا۔۔۔ تو جناب من ہم بے کار ہی بھلے ہیں۔ آپ کی کامیابی کے بارے میں جان کر دلی خوشی ہوئی۔

حمیرا خان کی "کھٹی میٹھی زندگی" کھٹی میٹھی تحریر لگی۔ مسرت آپا جیسے لوگ ہمارے گرد و نواح میں بکھرے پڑے ہیں۔ ایسے لوگوں کی خبر لینے کے لیے نیلم کی والدہ جیسے دور اندیش اور مصلحت پسند لوگوں کی ضرورت ہے۔ مختصری یہ تحریر پڑھ کر ہم بھی کھٹے میٹھے ہو گئے۔ بشریٰ سیال "فصل امید" ایک خوشگوار لہلہاتا ہوا احساس لے کر منظر عام پر آئیں۔ ہمارے پاس ہر کام، ہر فرد کے لیے وقت درکار ہے۔ اگر وقت نہیں تو اس اعلا و برتر ذات کے لیے نہیں جو یہ سب ہمیں عطا کر رہا ہے، بنا کسی معاوضے کے پانچ وقت اس کے سامنے سربسجود ہونے، شکر کرنے کا وقت نہیں

شیشے جیسا صاف ستھرا پیغام "دیناز سحر سلیم" کی تحریر "میں شیشہ ہوں" سے ملا۔ فلک ناز نے اپنی استعداد کے مطابق اپنا کردار بخوبی نبھانے کی کوشش کی لیکن وہ کہتے ہیں نا کہ "ماں" تو صرف ماں ہی ہوتی ہے تو ممتا کا نعم البدل تو کہیں نہیں۔ بہر حال ارتضیٰ جیسے نایاب شخص نے اس شیشے کو کرچی کرچی ہونے سے پہلے سمیٹ لیا۔ "میرا چاند" ہلکی پھلکی پر مزاح تحریر لگی۔ نفیسہ سعید "تم ہنستی اچھی لگتی ہو" ہنستی مسکراتی تحریر۔ جس میں ہم نے شروع میں ہی پکا اندازہ لگا لیا تھا کہ فلاح، عقام کے ساتھ ہی ہو گی۔

ام ثمامہ "قربان کی قربانی" عید قرباں پر ایک یادگار تحریر ٹھہری۔ سچ اگر ہم اپنے نفس، غرور و تکبر، دکھاوا و ریاکاری منافقت جیسی برائیوں کو قربان کر دیں تو نفرتوں کے بادل آنے سے پہلے ہی چھٹ جائیں۔ یہ دنیا امن و سکون کا جیتا جاگتا ثبوت نظر آئے۔ بہت اچھے! ثمامہ جی! روشنی بخاری "بدلتے موسم" ایک جاندار تحریر! لائبہ کی ہمت کی داد دیتے ہیں، جس نے صبر آزما حالات کا بڑی استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مقابلہ کیا۔ کبھی کبھی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی ایک کڑی آزمائش ہماری منتظر ہوتی ہے۔

"ہوا کچھ یوں" آسیہ ریاض کی کہانی بس یونہی ختم ہو گئی، پتا ہی نہیں چلا۔ فاخرہ گل "میرے ہمنوا کو خبر کرو" شاہ زین اور ندی کو ملا دیجیے! ہمارے صبر کا مزید امتحان مت لیں۔ تجسس بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ "بلا عنوان" ایک مختصر مگر جامع تحریر تھی۔

کرن کرن خوشبو نے چہار سو کو معطر کر دیا "محبت کی آگ" اور "اقبالیات" خوب لگے "یادوں کے دریچے سے" "جگر مراد آبادی اور سحر خان کی ڈائری میں تحریر نظم پسند آئی۔ "مجھے یہ شعر پسند ہے" کچھ پتا نہیں لگا۔ کرن کا دستر خوان مزا دوبالا ہو گیا تینوں بلکہ چاروں ریسپیز مزے دار تھیں۔ تصور ہی تصور میں خوب چٹخارے لیے۔ حسن و صحت بھی عمدہ تھا۔ احتیاطی تدابیر پر عمل کرنے کا تہیہ کیا۔ مسکراتی کرنیں پڑھ کر خفیف سا مسکراتے رہے۔ خط تمام ابتدا میں ہی پڑھ ڈالے تھے۔ "کرن" سے منسلک افراد کے لیے ڈھیروں ڈھیر دعائیں۔۔۔ اجازت اس دعا کے ساتھ "کرن اس طرح شاد و فرحاں اپنی کامیابی و کامرانی کی منازل کی طرف خوش اسلوبی سے گامزن رہے۔ آمین!

ام رومان۔۔۔ عبدالحکیم

زندگی کی تلخ ترین حقیقتوں اور الجھنوں سے لڑتے لڑتے جب دل و دماغ تھکن سے چور ہو جاتے ہیں تو ایسے میں کرن کا ساتھ بے حد بھلا محسوس ہوتا ہے۔ زندگی میں کچھ رونق محسوس ہوتی ہے۔ حمد و نعت سے مستفید ہونے کے بعد محمود بابر فیصل کی دلکش شخصیت کے بارے میں پڑھا۔ بلاشبہ اچھے لوگوں کی اس دنیا میں کمی ہوتی جا رہی ہے اور پڑھ کر یہی سوچ آئی کہ کاش یہ واقعی اور جیتے رہتے۔

سب سے پہلے اپنے فیورٹ ناول "دردل" کی طرف آئی۔ ہائے زری کی حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے 'پتا نہیں یہ محبت ہو کیوں جاتی ہے بندے کو زری برباد ہی ہے یہ 'دل آور یہ بھی بے حد ترس آتا ہے بس آپی ان سب کی زندگیوں کو کسی نہ کسی طرح پرسکون کر دیں زری کو سوچوں تو مجھے دل آور علیزے کے ساتھ بالکل اچھا نہیں لگتا اور علیزے کو سوچوں تو وہ بھی بالکل بے قصور ہے ہر معاملے میں اس کے بعد "دست کوزہ گر" پڑھا نمل اور خرم کا ساتھ بہت اچھا لگتا ہے ہاں الیان کے فیصلے پر بہت دکھ ہوا' جانے رومیلہ اب کیسے سروائیو کرے گی وہ کچھ تو سوچتا اک بھائی کے غلط فیصلے نے رومیلہ کی زندگی برباد کر دی۔

فاخرہ گل کا "میرے ہمنوا کو خبر کرو" بہت اچھا جا رہا ہے۔ آپی پلیز ندرت اور شاہ زین کا سامنا کروا دیں پلیز پتا نہیں وہ دوبارہ کوشش کر سکے گی کہ نہیں اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔

باقی سارا کرن بھی بہت اچھا تھا نور حسن سے ملاقات خوب رہی اور انیقہ انا کی باتوں کو بھی انجوائے کیا۔ جنید خان سے مل کر اچھا لگا۔ مستقل سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح اچھے تھے "یادوں کے دریچے سے" صغریٰ یاسین اور سحر خان کے انتخابات پسند آئے اور نامے میرے نام میں فوزیہ ثمر کا تبصرہ اچھا لگا اللہ تعالیٰ پیارے کرن کو دن دوگنی ترقی دے۔ کرن کے ذریعے اپنی اک دوست فائزہ کو شادی کی ڈھیروں مبارکباد اللہ تمہیں ڈھیروں خوشیاں دے (آمین)

حمنہ حبیب۔۔۔ عبدالحکیم

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ اس بار کرن 10 کو ملا۔ ہمیشہ کی طرح سرورق بہت زبردست تھا۔ ماڈل ماشاء اللہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ حمد و نعت سے مستفید ہونے کے بعد ہم نبیلہ عزیز کے "دردل" کی طرف آئے۔ زری کی حالت پر بہت ترس آیا۔ ہر کوئی اپنی اپنی جگہ پریشان ہے۔ علیزے اور دل آور کی گفتگو بہت اچھی لگی۔۔۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا "دست کوزہ گر" کی قسط بھی بہت اچھی تھی۔ الیان نے بہت غلط فیصلہ کیا اب رومیلہ کا پتا نہیں کیا ہو گا۔ الیان کو کم از کم رومیلہ سے ایک بار مشورہ تو کرنا چاہیے تھا خرم اور نمل کی ملاقات بہت اچھی لگی عائشہ آخر پتا نہیں خرم کو کیا کہتی ہیں دیکھتے ہیں اگلی قسط میں۔۔۔ اس کے بعد "میرے ہمنوا کو خبر کرو" ناولٹ کی طرف آئے۔۔۔ فاخرہ جی اب بس کریں اب بہت امتحان ہو گیا ندرت کا۔۔۔ اب تو ندرت اور شاہ زین کی ملاقات کروا دیں کسی طرح اللہ کرے شاہ زین ابھی گلی میں ہی ہو اور کسی طرح ندرت کو پہچان لے۔ مہپانو کی پریشانیاں دور کر دیں وہ کنول کی طرح اپنی زندگی سے لطف اندوز ہو سکے۔

"وہ اک پری ہے" ناولٹ بلاشبہ بہت زبردست جا رہا ہے۔ ریحانہ جی فرزان کو سیدھا راستہ دکھا دیں۔ لیکن وہ فریال کا دل بھی نہ توڑے کیونکہ زارا تو اب نہیں رہی افسوس کہ فرازن کو تو اس بات کا پتا بھی نہیں ہے۔ اذان اور ماہم کی غلط فہمیاں دور کر دیں۔ ذکیہ بیگم بھی اذان کی پریشانی کو سمجھ سکیں اگر اذان بتائے تو۔۔۔ "کرن کرن خوشبو" میں اپنی شمولیت دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور اپنی بہن امامہ اور سمیعہ کے اشعار دیکھ کر دل خوشی سے بھر گیا۔ اس بار بھی کچھ اشعار بھیج رہی ہوں پھر ضرور شائع کیجیے گا۔ اس کے ساتھ ہی اللہ حافظ۔

✲ ✲